ادبِ اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول (جملہ حقوق محفوظ) قیمت فی پرچہ ۱ر

جلد نمبر ۱ — جنوری سنہ ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

تصاویر (۱) میر تعشق لکھنوی (۲) مسز سروجنی نائڈو (۳) سوامی دیانند سرسوتی

	صفحہ
۱- شباب - مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای	۱
۲- خدا - مسٹر جے - آر - بلے	۴
۳- العصر - (۲) خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ...	۹
۴- پشت آئینہ - منشی اجودھیا پرشاد صاحب قول ...	۱۲
۵- شاعری - سید محمد یوسف صاحب قیصر ...	۱۴
۶- میر تعشق لکھنوی - سید محمد فاروق صاحب شاہپوری ...	۲۰
۷- فاسس ایلوا ایڈیلین - حکیم مظفر حسین صاحب ظہر دہلوی	۲۶
۸- سچ اور جھوٹ (قصہ) - منشی اقبال ورما صاحب سحر	۳۰
۹- حشر کا منظر - سید صادق حسین صاحب غبار دہلوی	۴۰
۱۰- رباعیات - خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی	۴۰
۱۱- کلام وہاج - مولوی وہاج الدین حیدر صاحب بیرسٹر ایٹ لا	۴
۱۲- جذبات اکبر - خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی	۴۰
۱۳- سکون یاس - مولوی کلب احمد صاحب مانی جائسی	۴۱
۱۴- خزان رسیدہ پھول - منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم	۴۱
۱۵- مسز سروجنی نائڈو - سید محمد یوسف صاحب قیصر ...	۴۲
۱۶- مطالعۂ فطرت - مولوی فخر الدین احمد صاحب سفیر کاکوروی	۴۲
۱۷- وقت کا ترانہ - مولوی سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق عمادپوری	۴۲
۱۸- رشی دیانند - منشی اقبال ورما صاحب سحر ...	۴۳
۱۹- ابر بہار - منشی محمد ذکیر صاحب ذاکر ...	۴۳
۲۰- درد دل - جناب رشید بازید پوری ...	۴۵
۲۱- گل سرخ - قاضی احمد میان صاحب اختر ...	۴۵
۲۲- تازہ غزلیں	۴۶-۴۷

ادب اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ
پیارے لال شاکر (میرٹھی)

جلد سوم

نمبر ۱ لغایت ۵

جس میں
پچاس سے زائد نامور اہل قلم کے تقریباً ساٹھ مضامین
دو سو صفحات میں درج ہیں اور
متعدد نادر و نایاب تصاویر شامل ہیں

مقام اشاعت
دفتر رسالہ "العصر" منروا پریس لکھنؤ

عہ (علاوہ محصول)

قیمت فی جلد

فہرست مضامین جلد سوم

نثر

۱۔ آہِ بے صبری۔ (قصہ) جناب حسن ابن مظہر راحی پوری۔ ... ۱۷۳
۲۔ العصر۔ (رضیا) خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب۔ ... ۵۰
۳۔ البحر۔ سید راحت حسین صاحب بی اے بی ایل۔ ... ۶۰
۴۔ اثبات واجب الوجود۔ مسٹر جے۔ آر۔ رلے۔ ۹۷
۵۔ ایک ہفتہ بھوپال میں۔ (ایڈیٹر) ۱۹۵
۶۔ باسی روٹی۔ شیخ فیروزالدین مُراد صاحب بی اے ایم ایس سی۔ ۹۱
۷۔ تنقید کتب۔ "سید نعت علم" ۱۸۳
۸۔ چلن۔ بابو بدری ناتھ صاحب شرما "سدرشن" ... ۱۷۰
۹۔ حسنِ انتخاب (قصہ) منشی پریم چند صاحب۔ ... ۱۱۷
۱۰۔ خبط۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب۔ ۲۲
۱۱۔ دالیا۔ (قصہ) "بشیر" ۷۸
۱۲۔ رومیوں اور انگریزوں کی طرزِ حکومت۔ ... ۷۴
۱۳۔ رسمِ سالگرہ کی تاریخ۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت بالقابہم ۸۹
۱۴۔ زبانِ پورب۔ خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی۔ ۱۳۹
۱۷۔ عصریات۔ ... ... ۴۱۔ ۸۴۔ ۱۲۶
۱۸۔ عربی رسم الخط۔ جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری۔ ۶۴
۱۹۔ قسمت کا سایہ۔ (قصہ) منشی محمد ابراہیم صاحب تجلی۔ ۳۵
۲۰۔ کرۂ قمر۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت بالقابہم ۱۳۷
۲۱۔ مقدمۃ العلوم۔ ۱
۲۲۔ مرزا رفیع السودا۔ سید محمد فاروق صاحب شاہپوری۔ ... ۱۲
۲۳۔ مہاکوی کالیداس۔ بابو پریم چند صاحب۔ ۲۶
۲۴۔ مرزا اسد اللہ خان غالب۔ مولوی احمد شفیع صاحب فریدآبادی۔ ۶۹
۲۵۔ مسائلِ ہستی۔ مسٹر جے۔ آر۔ رلے۔ ۱۴۶
۲۶۔ معاشرت و تمدن۔ حکیم سید شاہ ولی الدین چشتی۔ ... ۱۵۹
۲۷۔ نظم ہاشمی۔ (تنقید)۔ "نقاد سخن" ۱۲۱
۲۸۔ نظیر اکبرآبادی۔ سید محمد فاروق صاحب شاہپوری۔ ۱۵۰
۲۹۔ واجد علی شاہ اور شوقِ حیوانات۔ منشی جالپا پرشاد صاحب ۸
۳۰۔ یادِ رفتگان۔ منشی امیر حسن صاحب ناز۔ ۱۶۶
۱۵۔ سائنس۔ مولوی لطافت حسین خان صاحب بی اے۔ ۴۹
۱۶۔ سید انشاء اللہ خان۔ سید محمد فاروق صاحب شاہپوری۔ ۱۰۴

نظم

۱۔ آزمائش۔ منشی اقبال بہادر صاحب ورما سحر۔ ... ۷۷
۲۔ آہ! وہ دن۔ منشی رشید احمد صاحب رشد تھانوی ۱۸۹
۳۔ ایک چھوٹی سی تتلی۔ قاضی حمیدالدین احمد صاحب حمید کوٹلوی ۸۶
۴۔ بندرابن کی ایک صبح۔ منشی تلوک چند صاحب محروم۔ ۸۸
۵۔ برگِ گل۔ منشی محمد صدیق خان صاحب بے عدو جونپوری۔ ۱۹۰
۶۔ تالاب حسین ساگر۔ مولوی فخرالدین احمد صاحب سفیر کاکوروی ۱۹۱
۷۔ تاریخ وفاتِ مولانا حالی۔ سید علی رضا صاحب ماہر کنتوری۔ ۷
۸۔ تازہ غزلیں۔ ... ... ۱۳۴-۱۳۶، ۱۹۲-۱۹۳
۹۔ حضرت گرونانک۔ منشی محمد عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی ۸۶
۱۰۔ حاصلِ دنیا۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز (لکھنوی) ۱۳۱
۱۱۔ زیورِ اکسیرِ سخن۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد یمین السلطنت بالقابہم ۹۵
۱۲۔ رباعیات۔ (۱) سید الشعرا حضرت ضمیم بلند شہری۔ ... ۸۶
(۲) حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی۔ ... ۱۳۲
(۳) مجذ الوقت مولانا شوکت میرٹھی۔ ... ۱۰۰

۱۳- رازِ بقا - مولوی کلب احمد صاحب باقی جائسی - ۱۳۱
۱۴- زمزمۂ توحید - منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی (مرحوم) ۴۶
۱۵- شرحِ غم - سید محمد فاروق صاحب شاہپوری - ۱۰۴
۱۶- عشق و موت - شاکر میرٹھی - ۱۸۹
۱۷- عبادت گذار - منشی محمد عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی - ۱۹۴
۱۸- فطرت - بابو سنت لال صاحب عنبر - ۱۳۴
۱۹- قحطِ علم - ملا حسین عباس صاحب قیصر - ۱۳۴
۲۰- قطعہ شاکر ... ... 〃
۲۱- کسی کی تلاش - مولوی احمد شجاع صاحب انصاری - ۴۶
۲۲- کلامِ اکبر - خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی - ۱۲۱
۲۳- گڑھی - منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی (مرحوم) ۱۳۳
۲۴- گورِ غریبان - مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی - ۱۰۹
۲۵- موجِ غم - قاضی حمید الدین احمد صاحب حمید کوٹلوی - ۱۰۰
۲۶- نعرۂ مستانہ - ایضاً ایضاً ۱۴۰
۲۷- وحشتِ عشق - منشی اقبال بہادر صاحب ورما سحر - ۱۹۱
۲۸- ہماری زبان - سید فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی - ۸۷
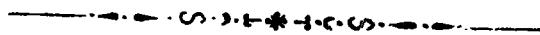
یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر ماہ کے آخر مین منروا پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مُسلّم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشاپرداز اسے وقیع دلچسپ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقہ کے لیے دلچسپ ہو۔ کوشش کیگئی ہے کہ اس کے مضامین نثر ہون خواہ نظم تعلیم یافتہ مستورات کے لیے بھی اُسی قدر دلچسپ، مفید اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لیئے۔

اسکی ضخامت ۸۴ صفحات ہوتی ہے اور صفحہ مین دو کالم ہونے کی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے سوا سو۱۲۵ صفحات سے زائد گنجائش رکھی گئی ہے اس کے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر دی جاتی ہین، جن مین مشہور مصوّرون کی صناعی کے نمونے، مشاہیر حضرات کے فوٹو، تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرونکی نظمین بھی حاصل کی جاتی ہین، جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کر دیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپ کر اس مین اضافہ کی جاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ بہرنوع قدردانانِ علم ادب کے لیئے ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین مل سکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر برین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لیئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۸/ وصول ہونے یا ویلو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف اور خوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہنچنے مین دقت نہ ہو۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لیے جائین گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔

جملہ خط وکتابت پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے:۔

مینیجر رسالہ العصر۔ منروا پریس۔ لکھنؤ

محمد حسین دہلوی ا مرحوم

شباب

(از ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنہ جی سی آئی ای)

اللہ اللہ شباب کا موسم بھی عجب بہار انگیز و دلفریب ہوتا ہی جہان انسان نے اس کے پُر فضا سرسبز باغ مین قدم رکھا طبیعت کی کایا پلٹ ہوجاتی ہی، انواع و اقسام کی کیفیتین اور اُمنگین آرزوئین اور تمنائین دلنشین ہوجاتی ہین۔

یہ زمین جس تخم امید کو اپنے دامن مین لیکر پرورش کرتی ہے۔ وہ نشو و نما پاکر اور آگے چلکر ایک خوشنما اور تر و تازہ درخت ہو جاتا ہے، جس مین کامیابی کے پھول پھل آتے ہین اور وہی پھول پھل حاصل زندگی سمجھے جاتے ہین۔ عموماً ہر بنی نوع انسان کو شباب کے زمانے کی اپنے مذاق کے موافق جیسی قدر ہوتی ہی وہ اُسکا اچھی طرح سے اندازہ کر سکتا ہی۔

انسان کی زندگی کا جسقدر حصہ ہی اسمین "خیر الامور اوسطہا" کا مصداق شباب ہی کا زمانہ ہی۔ اس زمانے مین جو خاص کیفیتین اپنا سحر آمیز اثر دکھاتی ہین وہ بات عمر کے کسی اور زمانے یا وقت کو نصیب نہین ہوتی۔

اِس سرزمین کی سرسبزی اور زرخیزی آنکھون کو نور اور دل کو سرور بخشتی ہی۔ اسی کی بدولت آزاد دل اُمید کے دام کا مرغ گرفتار کہلاتا ہے۔

یہ جوانی ہی کی شان ہی کہ بجھے ہوئے دل کو بڑہاتی اور خیالات کو وسیع کرتی ہی۔ نئی نئی کامیابیون کے لیئے اُبھارتی اور مشکل کامونکی مشکلکشائی پر کمر باندھتی ہی۔ کُلفت کی ہستی مٹا دیتی ہی۔ عیش و عشرت کی خواہان ہوتی ہی۔ محنت اور مشقت کرنا اُسی کا کام ہی۔ جفائین سہنا اُس کے لیے آرام ہی۔

دُنیا کی تمام لذتون سے جی سیر ہو جاتا ہی مگر جوانی سے سیری نہین ہوتی۔ قیاس چاہتا ہی کہ حضرت آدم کو بھی جب جوانی یاد آتی ہوگی تو ہائے شباب کا نعرہ مُنھ سے نکلتا ہوگا۔ کوئی فرد بشر ایسا نہ ہوگا جس کو جوانی کی خواہش نہ ہو۔ تمام حرص و ہوس ایک طرف اور اسکی اُمید بھری تمنا ایک طرف۔ کیسی ہی آرزو ہو اسکا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہو جاتا ہی مگر جوانی کی آرزو ہمیشہ جوان رہتی ہی۔ سب نشے ہرن ہو جاتے ہین مگر اس کا نشہ بوڑھے کو بھی جوش مین لاتا ہی اور بے اختیار اسکا جی چاہتا ہے کہ پھر وہ اس عیش باغ کی سیر کرے اور شاہد شباب سے ہمکنار ہو جسنے اس خمخانے کا جام پیا تا مرگ گرشتۂ خمار رہا۔ اس کا کشتہ صفحۂ خاک پر رقص بسمل کا تماشا دکھاتا ہی اور اسکی ترنگین اور ہی عالم کی سیر کراتی ہین

اس زمانے کی ہمت جوان مردی کی آبرو ہی اور اسکی جراءت میدان رزم مین بہادری کی قوت بازو ہی۔ سینون کی آنکھون مین اسکی جگہ ہی۔ خوبرویون کے دل مین اسی کا مسکن ہی۔ تخت شکوہ پر اسکی مسند ہی اور یہ اُس مسند پر بادشاہ ہی۔ بادشاہ بھی کیسا کجکلاہ اس کا وزیر باتدبیر عشق ہی حسن اس کا آئینہ دار ہی۔ کبھی بیخودی پاسبان ہوتی ہی کبھی ہوشیاری دربانی کرتی ہی۔ کہین ننگ و نام سے رفاقت ہی کہین ان دونون سے نفرت ہی۔ لاأبالی پن اسکا صدر انجمن اور زور طبیعت اسکی فوج کا افسر اعلیٰ ہی۔

جوانی ایک خودسر حکمران کی طرح حکومت کرتی ہی جس کو نہ کسیکی مدد درکار ہی نہ کسی کا سہارا اسکی رفتار گفتار وضع قطع جہان سے نرالی ہے۔ نصیب خواہ موافق ہون یا نہون مگر اسکی آزادی طبع چاردانگ عالم کی شہنشاہی پر بھی لات مارتی ہی۔ عیش اور فرحت دوام گویا دونون لونڈی غلام ہین۔

جب تک جوانی باقی رہتی ہی انسان کی آنکھون پر غفلت کا پردہ پڑا رہتا ہی اُسکو کچھ سوجھتا ہی نہین کہ وہ کس کام مین مشغول اور کن کن اشغال مین مصروف ہی اور اُس کا یہ زمانہ کس کام کے لیے موضوع ہوا ہی اور اسکی قوت کس موقع پر صرف ہونی چاہیے۔ اسکی ہمت سے کون سے عقدے حل ہونگے؟ اُسکی بہادری اسکو کیا تمغہ دلائیگی؟ ایک بیخودی کا عالم ہے کہ اسکو دنیا و ما فیہا سے غرض نہین۔ جوان آدمی آئینہ مین اپنے آپ کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہی کہ نام خدا ہم بھی اَب اس لائق ہین کہ جسطرف گذر جاتے ہین کسی کی نظر خوش گزر ہمپر پڑ ہی جاتی ہی افریقہ کا حبشی بھی بہ ہیئت کذائی جب آئینہ مین اپنے شباب کا جلوہ دیکھتا ہی تو من ہم چیزے ہستم پکار اُٹھتا ہی۔ طور پر موسیٰ کو بھی وہ مزا نہ ملا ہوگا جو ایک بدصورت جوان آدمی کو اپنی جوانی کی صورت آئینہ مین دیکھنے سے لطف حاصل ہوتا ہی۔ سیر زندگی اسی حد تک محدود ہی، مگر افسوس کہ ہم اُس کی خوشنما سنیری کو قدر کی نگاہون سے نہین دیکھتے۔

بچپن کے کوچہ سے گزر کر جب اس مقام پر آجاتے ہین تو آنکھین کھل جاتی ہین اور یہ سمجھنے لگتے ہین کہ اَب ہم جس سانچے مین ڈھل چکے ہین اسکو تبدیلی نہ ہوگی۔ اور اس بات سے باغ باغ ہوکر پھولے نہین سماتے کہ بچپن سے اَب جوان ہوئے مگر افسوس یہ نہین کہتے ؎

اسیر پنجۂ عہد شباب کرکے مجھے | کہان گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے

بچپن کا مسافر ایک عالم بیخودی سے سفر کرتا ہوا جب یہان پہنچتا ہی تو اُس کو گزشتہ واقعات کی جو برق تابندہ کی طرح نظرون کے سامنے کوند گئے ہین یا ایک ہوا کا جھونکا تھا کہ آیا اور نکل گیا کچھ خبر نہین رہتی اور اس لئے اُسکو قدر نہین ہوتی کہ اس زمانے کو کہ یہ بھی ایک چشم زدن مین گذر جائیگا کس طرح گزارنا چاہیئے۔

جوانی کیا آتی ہی گویا الشباب شعبۃ من الجنون کا نقشہ جم جاتا ہی۔ پہلا شغلہ اِس کا اپنے کو سنوارنا اور نکھرنا، پاکیزگی، ستھرائی،

خودبینی، خودنمائی، خودستائی، عجب و غرور، نخوت اور استغنا، حسن پرستی، دلداری، عشقبازی، ہوتا ہی۔ جیسے جیسے اِس مین زمانہ گذرتا جاتا ہی اگر کوئی روکنے والا نہو اور نیک و بد جتانے والا شفیق صاحب رفیق نہ ملے تو انسان اُن عیوب کا جنکو جوانی کی بدولت اپنا حسن وقت سمجھے ہوے ہی پرستش ہو جاتا ہی اور یہ سمجھتا ہی کہ جو کچھ وہ کرتا ہی خواہ اچھا ہو یا بُرا وہ سب بجا ہی۔ پھر کیا ہی آزادی و خودمختاری اُسکے سر پر سوار ہو جاتی ہی اور نسخہائے وفا کی تالیف شروع ہو جاتی ہی۔ کسی خوبرو پر دل کا فدا کرنا عین جان نثاری سمجھتا ہی۔ محبت کا کلمہ پڑھنا گویا جزوِ ایمان ہوتا ہی۔ کشمکش اندوہ و وفا وجہ تسلی سمجھی جاتی ہی۔ اُمیدون کا وہ طوفان کہ العظمۃ للہ۔ ایک دریائے ناپیدا کنار ہو کہ جسکو جزر و مد سے سکون ہی نہین۔ خیالات کی نیرنگی سے فلکِ نیرنگ ساز بھی دنگ ہو جاتا ہی۔ وہم و بدگمانی ہمدست و گریبان، بمصداق ع

این گریبان گرفت و آن دامن

ذرا ذرا سی بات پر وہم، ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی، حیرانی و پریشانی اس کے لوازم مین داخل۔ پند و نصیحت لاحاصل۔ تلون مزاجی گویا گھٹی مین پڑی ہوئی، بات بات پر بگڑ جانا ایک ادنی سی بات ہی۔ محبت کی کڑیان جھیلنا مردانگی سمجھی جاتی ہی۔ آہین بھرنا رونا دھونا آنسو بہانا گویا جوانمردی کے مبارک آثار خیال کیئے جاتے ہین۔ زلف کا سودائی بنا، عشوہ و انداز و ادا کا شکار رہنا، شہادت کا مرتبہ مانا جاتا ہی۔ غم روزگار گویا نشاطِ کار ہو۔ نامرادی کیا ہی؟ بہارِ کامرانی کا خوشرنگ و خوشنما پھول ہے۔ رسوائی و بدنامی باعثِ عار نہین، جان پر کھیل جانا کوئی بار نہین۔

اسمین شک نہین کہ جوانی کی ترنگ اپنے رنگ مین ایک ہی ہوتی ہی جسقدر اسکی نسبت قلم فرسائی کیجیے کم ہی۔ اگر انسان عقل سے کام لے اور اِس زمانے کو احتیاط سے گذارے پھونک پھونک کر قدم رکھے عالی حوصلگی پیدا کرے اور خداوندِ عالم جل شانہ نے جس واسطے اِس زمانۂ عمر کی تخلیق کی ہے، خاص انھین کامون مین اس کو صرف کرے اور ودیعت الٰہی سمجھ کر اس کی حفاظت کرے تو کوئی شک نہین کہ انسان انسان بنتا ہی ورنہ حیوان تو ہے ہی۔ ناطق ہو کر مطلق سمجھا جانا کوئی دشوار نہین۔

افسوس ہی اُن لوگون کی جوانی پر جو ہمیشہ پامال خزان رہتی ہی۔ اور ایک جوانی اُن خوش نصیبون کی ہی جو اِس کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھکر سدا بہار رہتے ہین اور اس سے وہی کام لیتے ہین جو انسان کے لیے شایان ہے۔

دوستو! اگر کچھ بھی سمجھ ہے تو اس موسم کی بہار کو معمولی بہار نہ سمجھو۔ یہ زندگانی کے باغ کا گل سرسبد ہی۔ یہ ہمنے مانا کہ آخر ایک روز یہ آفتاب غروب ہونیوالا ہی۔ مگر اپنی شامتِ اعمال کو لکۂ ابر بنا کر اُسکے رُخ پرنور پر حجاب ڈالو اور اِس شیرین ادا کو تیشۂ تلخ کامیِ فرہاد سے زخمی نہ کرو۔ ورنہ آخر ایک روز پچھتا کر بصد حسرت و یاس یہ کہنا پڑے گا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

شاد

رُباعی شاکر (میرٹھی)

آمد تھی بہار زندگانی تیری
پیغام نشاط میہمانی تیری
کھویا تجھے حسن و عشق کے جھگڑون مین
کچھ قدر نہ کی ہم نے جوانی تیری

خدا

کی نسبت

مشہور و معروف علمائے سائنس کے خیالات

لارڈ کیلون (سر ولیم تامسن) جو اسکاٹ لینڈ کی گلاسگو یونیورسٹی مین پچاس پچپن برس تک نیچرل فلاسفی پڑھاتے رہے اور جنھون نے طبعیات اور ریاضات مین کئی نئی دریافتین کین - کئی جدید ایجادات و اختراعات آپ کے نام سے منسوب ہین -

لارڈ کیلون کی رائے سنہ ۱۸۶۶ع مین آپ "نائٹ" بنے اور سنہ ۱۸۹۲ع مین "لارڈ" کا اعلیٰ خطاب پایا اور تمام مہذب دنیا مین مشہور و نیکنام ہوے - سنہ ۱۸۲۴ع مین پیدا ہوے اور سنہ ۱۹۰۸ع مین انتقال کیا - مئی سنہ ۱۹۱۳ع کے "العصر" مین آپ کے بالتصویر حالات شائع ہو چکے ہین - آپ نے اپریل سنہ ۱۹۰۳ع مین لنڈن کے یونیورسٹی کالج کے سالانہ جلسے مین تقریر کرتے ہوے فرمایا تھا:-

"سائنس بختہ یقین اور کامل اعتبار کے ساتھ ایک خالق ارض وسما کا قائل ہی اور ہمین اس قادر مطلق وجود پر ایمان لانے کے لیے مجبور کرتا ہی - ہماری ہستی کا موجد اور اسے سنبھالنے اور قائم رکھنے والا بے جان مادہ نہین ہی، بلکہ وہ قوت ہی جس سے موجودات خلق ہوتی اور ہدایت پاتی ہی - سائنس کی تحقیقات اور انکشافات ہمین اس وجود لایزال پر ایمان کامل رکھنے کی تاکید کرتے ہین - جب ہم اپنے گرد و پیش کے طبعی تبدلات اور انقلابات اور موجودات کی حرکات و سکنات کے اسباب پر غور کرتے ہین تو ہم مذکورہ بالا نتیجہ پر پہنچے بغیر نہین رہ سکتے - یعنے خداوند خالق اپنی اس حکمت و صنعت سے ظاہر ہوتا ہی جو نظام عالم اور موجودات کی ترتیب و ترکیب مین نظر آتی ہی - سائنس ہمین مجبور کرتا ہی کہ ہم ایسی قوت پر ایمان لائین جو عالم کے تمام طبعی عملون کو تحریک دیتی اور راہ راست پر ڈالتی ہی - اور وہ خالق قوت فطری، برقی یا اتفاقی میکنکل قوتون سے بالکل مختلف ہی - اسے ذرّات کے خود بخود آپس مین مل جانے کے نظریہ سے کوئی سروکار نہین جسکو زمانہ حال کے تمام سائنسدان اتفاق رائے سے نہایت لغو اور نامعقول ٹھہراتے ہین - یعنے تمام علما اور محققین اس امر پر متفق ہین کہ عالم و مافی العالم ذرات کے اتفاقی ارتباط اور اتحاد سے وجود پذیر نہین بلکہ ایک ذی عقل و صاحب ارادہ وجود کی حکمت و قدرت سے موجودات نے ہستی قبول کی ہے - زندہ اقسام کے اندر جو مسلسل تبدیلیان ہوتی رہتی ہین وہ اتفاقی نہین ہوتین بلکہ خالق کی ہدایت اور مقرر کردہ قانون سے عمل مین آتی ہین - ان تمام عملون مین سائنس ایک خالق کا وجود مانتا ہی - چالیس سال ہوے کہ مین جرمنی کے مشہور عالم کیمیات ڈاکٹر لی بک کے ساتھ شہر سے باہر کھیتون کی سیر کر رہا تھا مین نے ان سے دریافت کیا کہ "فرمائیے! کیا یہ پودے اور پھول کیمیائی عمل سے پیدا ہوتے اور نمو حاصل کرتے ہین؟ وہ کہنے لگے "ہرگز نہین - میری رائے یہ ہی کہ جس طرح علم نباتات کی کتاب آپ سے آپ مرتب نہین ہو جاتی اسی طرح یہ پودے اور پھول بھی از خود پیدا نہین ہوتے" ارادت کا بز فعل طبعیات، کیمیات اور ریاضیات کے نزدیک خرق عادت ہی - آزادی اور بے باکی کے ساتھ سوچنے اور غور کرنے سے نہ گھبراؤ - اگر تم خوب فکر کروگے تو خدا کی ہستی پر ایمان لائے بغیر نہین رہ سکتے جو مذہب کی بنیاد اور اصل اصول ہی - سائنس ہرگز مذہب کا

دشمن نہین ہی بلکہ معاون ہی۔"

لارڈ سالسبری کی رائے لارڈ سالسبری ۱۸۳۰ء مین پیدا ہوے اور ۱۹۰۳ء مین انتقال کیا۔ آپ صرف مدبر ہی نہ تھے بلکہ ایک مشہور عالم بھی تھے۔ آپ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۴ء کی کنسرویٹو وزارتون مین وزیر ہند مقرر ہوے تھے اور دو مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم بھی مقرر ہوے۔ آپ لارڈ گلیڈسٹون کے پولٹیکل مخالف تھے۔ آپ کی علمیت کا اس سے بڑھکر کوئی اور ثبوت نہین ہو سکتا کہ آپ ۱۸۹۴ء کی برٹش ایسوسی ایشن کے اجلاس کے صدر اعظم منتخب ہوے تھے۔ کنٹمپوریری ریویو" اور "نائنٹینتھ سنچری" مین ہربرٹ اسپنسر کے ساتھ مسئلۂ ارتقا پر خوب زور دار بحثین ہوئین اور کئی نمبرون مین دونون طرف سے مسلسل عالمانہ مضامین شائع ہوتے رہے۔ آپ نے آکسفورڈ مین ایک اڈریس کے دوران مین فرمایا تھا۔

"مدت سے میرا یہ خیال ہی کہ اگر نباتات اور حیوانات مین عمل ارتقا نمایان ہوا ہی تو وہ انتخاب طبعی کے مسئلہ مین نہین پایا جاتا اور ارتقا کا صحیح مسئلہ اس سے بہت بیگانہ ہی۔ مین نے بہت غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی ہی کہ حیوانات کی ابتدا و تبلیغ کی بابت جو تحقیقات گذشتہ چند سال کے دوران مین ہوتی رہی ہی اس مین "انومان" اور "پرمان" (مقاصد و اغراض سے استدلال) سے بالکل چشم پوشی کیگئی ہی۔ کائنات کو بنظر غور دیکھنے سے یہ امر واضح ہوتا ہی کہ ایک ذی عقل جیتی ہستی نے موجودات کو ایک خاص مقصد سے اور خاص مصرف کے لئے پیدا کیا ہی۔ اس کے اثبات مین بے شمار دلائل ہمارے اِردگرد موجود ہین۔ اگر مابعد الطبعیات یا سائنس کی پریشانیان ہماری بصارت پر پردہ ڈال دین کہ کچھ دیر کے لیے ہم ان کی طرف سے بے پروا ہو جائین تاہم وہ پھر ہمارے سامنے آجاتی ہین اور ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہین ان نشانات کی بنیاد پر ہم یہ ماننے کے لیے مجبور ہین کہ ایک فعل مختار اور صاحب ارادت ہستی نے کائنات اور موجودات کو اپنی قدرت کاملہ سے بنایا ہی۔ نیز ہم یہ بھی سیکھتے ہین کہ تمام جاندار ہستیان صاحب لایزال و خالق بے زوال اور حاکم بے مثال کی حکمت و قدرت کی محتاج اور دست نگر ہین"۔

علوم کی ناکامی اور اُس ایمان و اعتقاد کی نسبت جو علماء کو بہت سے علمی مسائل کی ماہیت آخری کی بابت رکھنا پڑتا ہے، لارڈ سالسبری اپنے اسی آکسفورڈ والے اڈریس مین فرماتے ہین "مسئلہ ارتقا کو علمی تحقیقات کا اصل اصول اس بنا پر قرار دیا گیا ہی کہ جو اعتراضات دیگر مسائل پر عائد ہو سکتے ہین وہ نسبتاً اس امر پر بہت کم وارد ہوتے ہین، اور اسکو تسلیم کرنے مین اتنی دشواریون سے بھی دوچار نہین ہونا پڑتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ فزیکل سائنس کی اقلیم مین ہمین کس طرح اعتقاد سے کام لینا پڑتا ہی، گو کسی مسئلہ کے متعلق کامل ثبوت تک ہم نہین پہنچ سکتے جسکی بنا پر اسکو قطعی درست قرار دیا جائے تاہم چند ثبوتون پر اکتفا کرنا پڑتا ہے، اور اعتقاد سے کام لیکر ہم اسے درست تسلیم کر لیتے ہین"۔

ڈاکٹر والس کی رائے ڈاکٹر الفریڈ رسل والس اقلیم سائنس کے پیر فرتوت کہلاتے تھے۔ آپ ۱۸۲۳ء مین پیدا ہوے اور ۱۹۱۳ء مین انتقال کیا۔ نومبر ۱۹۱۰ء مین آپ نے اپنی نہایت مشہور علمی کتاب "ورلڈ آف لائف" شائع فرما کر اپنے نصف صدی کے خیالات او علمی تحقیقات کے نتائج دنیا کے سامنے رکھے۔ اس کتاب نے بڑا نام پایا ہی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف مسئلۂ ارتقا بذریعۂ انتخاب طبعی کے انکشاف مین ڈاروِن کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہین۔ آپ خدا پرست اور دیندار آدمی تھے

سائنسدانون کی نظر مین آپ کا قول سند سمجھا جاتا ہی - آپ اپنی ایک تصنیف "نیچرل سیلکشن" یعنے انتخاب طبعی مین ایک جگہ فرماتے ہین -
"انسان صرف عمل ارتقا سے قادر مطلق کی قدرت و حکمت کے بغیر پیدا نہین ہوا ہی - قوت نفس ناطقہ سے پیدا ہوتی ہی - جتنی قسم کی قوت پائی جاتی ہی وہ قوت ارادی ہی - اگر ارادت کوئی چیز ہے تو وہ ایک طاقت ہی جو اُن قوتون کے عمل کی ہدایت کرتی ہی جو جسم کے اندر مجتمع ہین - اور یہ ممکن نہین ہی کہ جسم کا کوئی حصہ قوت کا ذرا قبول کیے بغیر ہدایت کے تابع ہو - اگر ہم یہ معلوم کرلین کہ ادنیٰ سے ادنیٰ قوت بھی ارادت سے پیدا ہوتی ہی اور اس کے سوا ہمین قوت کا کوئی ابتدائی سبب اور سبب معلوم نہ ہو تو ہم یہ مانے بغیر نہین رہ سکتے کہ ہر قسم کی قوت قوت ارادی ہوتی ہے - اور اسی بنیاد پر یہ دعوے قائم ہو سکتا ہے کہ تمام عالم نہ صرف اعلیٰ ذی عقل ہستیون پر منحصر ہے بلکہ انھین کے وجود پر مشتمل ہے - یا یون کہو کہ سب سے اعلیٰ "چت" یعنے عقل و حکمت ہے!"

جے۔ آر۔ راے

جرنلسٹ - لاہور

العصر (۲)

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو العصر جلد ۳ نمبر ۲)

یہ سوال بھی قابل بحث ہے کہ

(الف) وقت یا عصر زمانہ اور عہد اپنا احساس خود کراتا ہی

(ب) یا ہم اُسکا احساس کرتے ہین -

چونکہ ہم بھی جزو دہر یا حصۂ زمانہ ہین اس واسطے دہر یا زمانہ بھی ہمین اپنا احساس کراتا ہی اور ہم خود بھی محسوس کرتے ہین - دہر وقت اور زمانہ یا العصر کے موجبات اگر ادوار اور گردشین نہون تو وقت پیدا ہی نہ ہو (وہ کیفیت جسے ہم اپنی اصطلاح مین وقت سے تعبیر کرتے ہین) اگر وقت نہ ہو تو ہم احساس کیا کرسکتے ہین کیونکہ احساس کے واسطے ضروری ہی کہ ایک وجود ہو خواہ وہ وجود کوئی سی بھی نوعیت رکھتا ہو اور اگر خود ہماری ذات مین بھی ایسے احساس کا مادہ نہ ہو تو پھر بھی احساس وجود پذیر نہ ہو - نتیجہ یہ نکلا کہ زمانہ فی الخارج موجود ہے - اور ہم اُس کا احساس کرتے ہین اور وہ بھی اپنا احساس خود کراتا ہی اور ہم ایک بصیرت کے ساتھ اس واسطے اُس کا احساس کرتے ہین کہ ہم بھی اس مین شامل ہین یا اُس کا ایک جزو ہین یا یہ کہ ہم خود بھی دہر یا زمانہ ہین -

زمانہ کو اپنے اجزاے مدورہ کی وجہ سے ایک مستقر بھی حاصل ہے جس مین ہمارا مستقر بھی شامل ہی - زمانہ کے ہر قسم کے اجزا کا کوئی نہ کوئی مستقر ہوتا ہی اور پھر اُن سب قسم کے مستقرون کا ایک مجموعی مستقر بھی ہوتا ہی جسے مختلف اعتبارات مین دہر العصر اور زمانہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہی - باوجود اس مستقر مجموعی اور نوعی ہونے کے زمانہ متغیر بھی ہی اور ان تغیرات سے اُس کے ماتحتی یا صغیرہ اجزا جنھین کائنات اور موجودات کے نام سے تعبیر کرتے ہین بہ تسلسل متاثر ہوتے رہتے ہین اور ان ہی ماتحتی اجزاے صغیرہ مین ایک گروہ ناطقیہ موسوم بہ انسان اور دوسرا گروہ زندہ موسوم بہ دیگر حیوانات اور تیسرا گروہ جامدیہ موسوم بہ نباتات و جمادات وغیرہ بھی داخل ہی اور یہی مجموعہ زمانہ یا دہر ہی گروہ جامدیہ بھی ایک قسم کی زندگی رکھتا ہی جو ہماری زندگیون سے کچھ اور کیفیت رکھتی ہے اور اس سلسلہ کو بھی ان تمام اجزاے صغیرہ یا موجودات

پر بسہ قسم مجموعی یا نوعی کے تغیرات کا احساس اور علم ہوتا رہتا ہے یا یہ کہ ایسے موجودات اُن سے متاثر ہوتے رہتے ہین۔ اُس وقت تک جب تک وہ اس چکر یا اس چکر مین موجود ہے۔ جب وہ اس حیز عظیم مین سے نکل جائے گی تو اُس کے واسطے موجودہ صورت مین زمانہ کا وجود یا زمانہ کا حیز باقی نہین رہے گا۔ اگرچہ کسی اور رنگ مین باقی ہے۔ مثلاً اگر نباتات کی موجودات طبقہ دنیا سے بالکل اُٹھ جائے تو یہ کہا جائیگا کہ اُس کے مقابلہ مین دہر کا وجود باقی نہین رہا یا ایسی موجودات زمانہ مین باقی نہین رہی۔ اسی طرح یہ بھی کہا جائیگا کہ اگر زمانہ کے اجزائے گردشیہ باقی نہ رہین تو خود زمانہ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ جدا بات ہے کہ اس فنا کے بعد کوئی اور صورت یا کسی اور قسم کا زمانہ وجود پذیر ہو کر عامل ہو۔

جب تک کہ زمانہ کی مجموعی حرکت یا دور دَورہ رہ ہو تب تک زمانہ کی ہستی اور وجود تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ جب اُس کا کوئی جزو ہی باقی نہ رہے اُس وقت یہ کہا جائے گا کہ زمانہ باقی نہین رہا۔ جو لوگ وجود زمانہ سے منکر ہین یا یہ کہتے ہین کہ اس کا وجود فی الخارج نہین ہے وہ یہ سوچین کہ دراصل زمانہ ہم سے یا اس کائنات اور موجودات سے کوئی جدا شے نہین ہے۔ ہم ہی زمانہ ہین اور دیگر وجودات بھی زمانہ ہے۔ نوعی رنگ مین ہمارا نام کچھ اور ہے اور نوعی رنگ مین ہمین زمانہ یا دہر سے تعبیر کیا جاتا ہے یا یہ کہ موجودات کا مجموعی اور نوعی گردشون اور تفرقات کا نام دہر یا زمانہ ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ بدل گیا تو اُسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہم خود بدل گئے اور اسی طرح دیگر موجودات بھی بدل گئی۔ جس طرح زمین کی حرکت کا ہم سوائے علمی استدلال کے احساس نہین کر سکتے اسی طرح ہمین زمانہ کی مجموعی گردشون اور حرکات کا علم نہین ہوتا۔ ہان نوعی رنگ مین ایک حد تک ہم ایسی گردشون اور ادوار کا احساس کرتے یا کر سکتے ہین۔

ہم وقت اور دور کے قائل ہین اور اپنے رنگ مین ایک بڑی حد تک اُسکا اعتراف بھی کرتے اور اُس پر بہت کچھ انحصار بھی رکھتے ہین اور اپنی ضروریات کے اعتبار سے اُس کی تقسیم بھی کر رکھی ہے۔ ہمارے خیال اور ہمارے عمل کے مطابق وقت یا دور کے تین حصے ہو سکتے ہین۔

(الف) ماضی جو گذر جائے۔

(ب) حال جو موجود ہے۔

(ج) مستقبل جو آگے آتا ہے۔

دن چڑھتا اور رات پڑتی ہے۔ جو عرصہ گذرتا جاتا یا گذر چکا ہے وہ ماضی ہے۔ جو گذر رہا ہے وہ حال ہے۔ جو حصہ حال کا گذرتا جاتا ہے وہ ساتھ کے ساتھ ہی ماضی کا روپ اختیار کرتا جاتا ہے۔ جو زمانہ ابھی آیا نہین وہ مستقبل ہے۔ ان حالات مین یہ کہا جائیگا کہ زمانہ کا صرف وہی حصہ باقی یا موجود ہوتا ہے جسے حال سے تعبیر کرتے ہین۔ جو گذر جاتا ہے وہ بھی معدوم ہو جاتا ہے اور جو آنے والا ہے وہ بھی موجود نہین ہوتا۔ اور حال کی حالت اور قیام بھی ایک صورت مین خیال ہی خیال ہے کیونکہ جون ہی کوئی جزو اُس کا گذرتا ہے وہ ماضی ہوتا جاتا ہے۔ گذرنے والے حصہ اور موجودہ حصہ مین تمیز کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ یہ گتھی یون سلجھائی جا سکتی ہے کہ وقت اور دور اُن اجزائے گردشیہ کا ایک نتیجہ ہے جو قانون قدرت کے ماتحت ایک ضابطہ سے عمل پذیر ہین اور ان ہی اجزائے گردشیہ اور عناصر مُدورہ کا نام دوسرے الفاظ مین زمانہ اور العصر ہے۔ جب تک وہ اجزائے گردشیہ موجود ہین جب تک اُن کی نفی نہین ہوتی تب تک زمانہ موجود رہتا ہے۔ جو وقت ادوار کے ماتحت گذر گیا اور جو وقت گذر رہا ہے وہ اپنی باری کا کام کر چکا یا کر رہا ہے لیکن وہ طاقت باقی ہے جس سے وہ پیدا ہوا تھا۔ جو وقت

یا جو دور ابھی آنے والا ہے اُس کے موجبات اور سامان بھی موجود ہین - پس ہر ایک حالت مین زمانہ موجود رہتا ہے تاوقتیکہ اُسکی ساری طاقت اور سارے عناصر خرچ نہ ہو لین -

جو جزو برق اور جو روشنی اپنے مستقر سے خارج ہوتی ہے وہ اگرچہ اپنے مستقر سے جدا ہوکر خارج ہو جاتی ہے لیکن اُس کا مخزن اور مستقر باقی اور قائم رہتا ہے - جو روشنی اور جو شعاعین لیمپ سے نکلتی ہین وہ اگرچہ ادھر اُدھر پھیلتی اور منتشر ہو جاتی ہین لیکن جب تک گیس برق اور تیل باقی ہے یہ نہین کہا جا سکتا کہ مواد روشنی نہین ہے یا روشنی نہین ہو سکتی یہی کیفیت زمانہ کی بھی ہے زمانہ کے اجزاے گردشیہ اور افراد دوریہ جب تک باقی ہین تب تک زمانہ باقی ہے اور کہا جائے گا کہ مختلف رنگون مین اُس کی ہستی موجود ہے اور اس بات سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ جن اجزاے کثیرہ اور عناصر مدورہ سے زمانہ مرکب ہے وہ اُس عرصہ تک باقی رہین گے جس کا ہمین علم نہین دیا گیا - یہ خدشہ کہ بصورت زمانہ کے موجود ماننے سے اُس کا منقسم ہونا لازم آتا ہے اور اُس کا منقسم ہونا اُس کے قار ہونے کا مستلزم ہے اور یہ باطل ہے بالکل درست صحیح نہین - یہ خدشہ اُس صورت مین عائد ہو سکتا ہے جب ہم زمانہ کا وجود بغیر اجزاے گردشیہ کے تسلیم کرین ہم تو یہ کہتے ہین کہ سوا ے ان ہر ایک قسم کے اجزاے گردشیہ کے زمانہ اور کوئی شے نہین ہے - کیونکہ یہ تمام اجزاے گردشیہ پہلے ہی سے تقسیم شدہ ہین اور اُن کی مختلف کیفیتین ایک مجموعہ مین شامل ہوکر ایک جداگانہ مستقر رکھتی ہین ان حالات مین اس امر کے ماننے سے کوئی استحالہ لازم نہین آتا کہ زمانہ اپنے ہی مجموعہ کے اندر نوعیتون کے اعتبارات سے تقسیم شدہ بھی ہے -

یہ خدشہ کہ زمانہ کی ترکیب آنات متتالیہ سے ماننی پڑے گی درست نہین کیونکہ جب ہم زمانہ کی تعریف اُن الفاظ مین نہین کرتے جو ان تمام خدشات کا موجب ہو سکتے ہین تو پھر ایسے خدشات کس طرح عائد ہو سکتے ہین - یہ کہنا کہ اس صورت مین حرکت اور مسافت کا سوال عائد ہوتا ہے بجاے خود باطل ہے کیونکہ ہم نے اجزاے زمانہ کی خصوصیت ہی حرکت قرار دی ہے اور ہماری راے مین دوسرے الفاظ مین حرکت نام ہی زمانہ کا ہے - اگر حرکت نہ ہو تو زمانہ بھی نہ ہو وقت اور دور کیا ہے ایک حرکت ہی تو ہے - اجزاے غیر متجزیہ کا خدشہ بھی عائد نہین ہو سکتا کیونکہ جب ہم زمانہ کے اصلی اجزا کی ترکیب ہی مختلف ذرات سے ثابت کرتے ہین اور تمام ذرات کی حرکت ثابت ہے اور دوسری طرف اُن کا تجزیہ بھی تو پھر یہ کس طرح کہا جائے گا کہ یہ خدشہ یا یہ اعتراض کوئی صداقت رکھتا ہے -

اجزاے گردشیہ کی حرکت اور دور مسلسل اور لگاتار ہے - یہ حرکت اور یہ دور کبھی بند ہونے مین نہین آتا - اس دور کی قائم کا باقی رہنا ہی زمانہ کی ہستی کا ثبوت ہے - جس وقت یہ دور اور یہ حرکت باقی نہین رہے گی اُس وقت نہ تو زمانہ ہوگا اور نہ زمانیات نہ دہر اور نہ امتیازات دہر سے

گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود   حقہ مہر بدان مہر و نشانست کہ بود

زمین کی گردش اور چاند کی گردش اور وہ تمام دورے جو ایک دوسرے کے بعد گزرتے جاتے ہین ایک نسبتی وقفہ پیدا کرتے ہین اور اُن تمام وقفون مین اگرچہ ایک نسبت وحدت موجود ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ ایک بڑی حد تک امتیازی اشکال سے متشکل ہوتے ہین اسی طرح جب آفتاب زمین اور دیگر سیارون کو اپنے ساتھ اُس مقام کی طرف لے جاتا ہے جدھر اُس کی کشش طبعاً مائل ہوتی ہے تو اُس کی رفتار مین بھی جو وقفے پیدا ہوتے اور جو مسافتین یکے بعد دیگرے طے ہوتی ہین اُن مین جو امتیاز اور جو فاصلہ ہوتا ہے

وہی دوسرے الفاظ مین زمانہ ہے ۔
فرض کرو کہ ان گردشی اجسام کی گردشون مین کوئی امتیاز اور کوئی
فقط نہ ہو تو اُس صورت مین رات اور دن مین کیا تمیز ہو سکے گی ۔
اور ان امتیازات کے مقابلہ مین کیا کوئی دور وجود پذیر ہوگا ۔ ہرگز
نہین ۔ اس سے ثابت ہے کہ زمانہ صرف مختلف اجسام کی گردشون
یا کیفیات کا نام ہے ۔ یا دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہئے کہ زمانہ
صرف ایسی گردشون کی امتیازی حالتون یا کیفیتون کا نام ہے یا
زمانہ صرف اُن حرکات تبدلات اور تغیرات کا نام ہے جو اجسام
سماوی اجسام ارضی اور مختلف نوعون کے ماتحت سرزد اور واقع
ہوتے رہتے ہین اور جن کا وقوع ایسا مسلسل اور ایسا لگاتار
ہوتا ہے جو ہر شخص کے احساس اور ادراک مین با سانی آسکتا ہے ۔

زمانہ کی موجودگی جب ہم موجود ہین تو یہ کہا جائے گا کہ ہماری
موجودگی زمانہ کی موجودگی کو مستلزم ہے اور جب زمانہ موجود ہے تو
اُسکی موجودگی اجزاے زمانہ اور زمانیات کی موجودگی کی مستلزم
ہے اور جب زمانیات اور ایسے اجزا موجود ہین تو اُن کی ہستی بجاے
خود ثابت ہے جو مستلزم ہے گردش اور دور کو جب گردش اور دور
موجود ہے تو اُن کی موجودگی مستلزم ہے حرکت کو جب حرکت ثابت
ہے تو وقت کا وجود لازمی ہے جب وقت موجود ہے تو بلحاظ ضروریات
و تصرفات انسانی اُسکی تقسیم اور تفریق لازمی ہے ۔ جب وقت
کی تقسیم اور تفریق کی جا سکتی ہے تو زمانہ کے اجزاے کبیرہ اور
صغیرہ کی تفریق سے انکار نہین کیا جا سکتا ۔ اس سے ثابت
ہے کہ ہم زمانہ سے کام لے رہے ہین یا زمانہ ہمین مختلف رنگون
مین کام دے رہا ہے ۔ وہ موثر ہے اور ہم متاثر ہین ۔ ہم موثر
ہین اور وہ متاثر ۔ ان حالات مین ہم اور وہ ایک طاقت
ہین اور ہم بہیئت مجموعی اور نیز نوعی حیثیت سے مختلف جذبات
اور ایک قسم کا مادہ تصرفات رکھنے مین جب بہیئت مجموعی زمانہ
ایک اثر اور ایک جذبہ رکھتا ہے تو اُس مین ایک جامع متصرفانہ مادہ
بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو سب دیگر تصرفات اور تاثرات و جذبات
سے فائق اور اعلیٰ ہے ۔ انھین وجوہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ

زمانہ کے تغیرات سے ڈرو ۔
زمانہ کی چال پر چلو ۔
زمانہ سے موافقت رکھو ۔
زمانہ بڑا مدبر اور منتظم ہے ۔
زمانہ ایک طاقت ہے ۔

یہی امور اور یہی خیالات ہین جو زمانہ کا وجود عملی رنگ مین ثابت
کرتے ہین اور یہی دلائل ہین جو زمانہ کی ہستی فلسفی تمدنی سیاسی
اور اخلاقی رنگ مین ایک لابدی ہستی قرار دیتے ہین اور انھین
وجوہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ اپنے تئین بہ منت نہین منواتا بلکہ
بزور زبان حال سے یہ اعلان کرتا ہے کہ

"جو شخص اُس کا ساتھ دیتا ہے وہ اُسکی تائید مین ہو جاتا ہے ۔
"جو شخص اُس کا ساتھ نہین دیتا ۔ وہ اُسکی تائید نہین کرتا"

تصرفات و جذبات زمانہ چونکہ مجموعی اور نوعی حیثیت سے زمانہ کی
ذات یا ہستی کے ساتھ موجودات کو انواع و اقسام کی وابستگیان
اور روابط حاصل ہین اس واسطے مختلف طریقون سے زمانہ کے
تصرفات تاثرات اور جذبات کا اعتراف کیا جاتا ہے ۔ دنیا کا
کوئی طبقہ بھی ایسا نہین ہے جو ان اعترافی خیالات سے خالی ہو ۔
فلاسفرون حکیمون سائنس دانون اہل سیاست کے گروہون
مین بھی یہ خیالات ممزوج ہین اور اُن حصون مین بھی جہان وحشت
اور جہالت کی حکومت ہے شام اور عرب جو انبیا علیہم السلام
کی مقدس بستی تھی ہندوستان جو رشیون اور اوتارون کی دھرتی

تھی یونان جو اصنام اور حکیمون کا مرکز تھا روم جو عیش پرستی اور
اعلیٰ مقاصد کا مرجع تھا مصر جو عجائبات کا مخزن تھا یورپ جو آجکل
تمدنی ترقیات اور سیاسی معارج کا مامن ہے زمانہ کی وابستگیون
اور دہر کی شگفتگیون سے خالی اور الگ نہ رہا — نہ تو مذاہب
ان وابستگیون پر غالب آسکے اور نہ فلسفہ اور سیاست ان سے
بازی لے جا سکے اگر کسی نوع نے کچھ حاصل کیا تو انھین سے —
اگر کوئی نوع غالب آئی تو انھین کی بدولت — اگر کسی نے شکست
کھائی تو انھین کی وجہ سے — باوجود انواع و اقسام کی کامیابیون
اور فتوحات کے وہ طاقتین جو اقبالیات زمانہ کہلاتی تھین وہ
نوعین جو زمانہ کا جزو اعظم شمار ہوتی تھین اخیر پر زمانہ کی مجموعی
طاقت یا دور اعظم کی نذر ہو کر نیست و نابود ہو گئین — اگرچہ
اُن کی جگہ اور زمانیات اور ہستیان موجود ہو گئین لیکن ان کی
ہستی کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ منزل گہ
مقصود کیا تھی اور اُن کا حشر کس منزل پر ہوا ہر شخص اور ہر ہستی
کسی نہ کسی نقش قدم پر سالک ہوئی اور ساتھ کے ساتھ اپنا
نقش قدم مٹاتی گئی ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

زمانہ کی مجموعی طاقت اور نوعی طاقت ہر ہستی اور ہر شخصیت
ہر نوع پر محتوی اور متصرف ہے باوجود اس کے کہ اجزاے زمانہ
اور نوعین ایسے تاثرات و تصرفات سے بچتی ہین پھر بھی کوئی
ہستی اور کوئی نوعیت متاثر ہوے بغیر نہین رہین —

اجرام سماوی اجرام ارضی اور دیگر مختلف نوعی اجرام کے
تاثیرات تصرفات اور جذبات کل کائنات کو بہ اشکال
مختلف محتوی ہین — کوئی کسی رنگ مین اور کوئی کسی رنگ
مین — ستارون کی گردشین ثوابت کے تاثرات و تصرفات
زمین کی گردش دیگر مخلوقات انسانی حیوانی نباتاتی اور جماداتی کے
عملیات مجموعی اور نوعی رنگ مین ایک دوسرے پر متصرف و موثر
ہین اور کوئی حصہ کائنات ان تصرفات اور تاثرات سے بچا ہوا اور
محفوظ نہین ہے — بجاے خود ہر جزو زمانہ ایک مستقل دور یا مستقل
زمانہ ہے — یہ سب ادوار مل ملا کر ایک مجموعی زمانہ کے نام سے تعبیر
ہوتے ہین — مجموعی اور نوعی یا جزوی تاثرات تصرفات اور گردشون
سے طبائع اشیاء مین بھی ایک دور اور ایک گردش پیدا ہوتی اور
مختلف تغیرات اور تبدلات کی محرک ہوتی ہے — اس تحرک اور
تبدل و تغیر سے جمود سیال اور سیال جمود کی ہستی قبول کرتا ہے
یہ کائنات اور جزو کائنات کی حالتین اور کیفیتین رفتہ رفتہ متاثر
ہو کر نابود ہوتی اور نئی اشکال قبول کرتی جاتی ہین — سمندر دریا
بحور طیور بخارات ہوائین عناصر ہر ایک قسم کی موجودات زمانہ
کے اجزا ہین اُن کی بدولت اقطاعِ دنیا مین مختلف قسم کے
تغیرات اور تبدلات ظہور پذیر ہو کر مختلف دلچسپیان اور کیفیات
ظہور مین آتی ہین — ایک قوم دوسری قوم اور ایک ملک
دوسرے ملک کے مقابلہ مین زندگی کی رفتار مین جد و جہد کرتا ہے
تخیلات مین دوڑ دھوپ کر کے ترقی اور عروج کے میدان مین آتا
ہے اور مختلف قسم کے تغیرات اور تبدلات سے آشنا ہو کر زندگی
کی رفتار اور تخیلات مین ایک معتد بہ تغیر اور تبدل کا باعث
ہوتا ہے —

مختلف تغیرات اور تبدلات سے ایک تیسری صورت
یا تیسری کیفیت پیدا ہوتی اور ایک جدید منزل کی راہ
کھاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہی تیسری صورت ایک کلیہ یا ایک مسلمہ
بن جاتی ہے اور اُس صورت مین یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ کی تاثیر
اور زمانہ کے تصرفات اور جذبات کیسے جامع اور زور آور

ہین اور اجزاے صغیرہ و کبیرہ کس وسعت سے متاثر ہوتے ہین
اسی طرح آب و ہوا ظلمت و روشنی وغیرہ آثار کا اثر اور تصرف موجودات
پر مختلف رنگون مین ہوتا رہتا ہی اور اُس سے موجودات مین تغیرات
اور تبدلات پیدا ہو کر ایک حالت یا ایک کیفیت دوسری حالت اور
دوسری کیفیت سے تبدیل پذیر ہوتی ہے جب موجودات یا زمانہ کے
اجزاے صغیرہ اور کبیرہ ایسے تاثرات و تصرفات کی مخالفت کرتے
ہین تو تقویم زندگی یا تقویم کائنات پارہ پارہ ہو جاتی ہی اور یہ کہا
جاتا ہی کہ چونکہ زمانہ سے سازش نہین کی گئی اسی واسطے خرابیون نے
منہ دکھایا ہی۔

سازش زمانہ کا مفہوم
جب کبھی یہ کہا جاتا ہی کہ زمانہ سے موافقت
کرو بمصداق "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" تو اُس کا
مفہوم یہ سمجھا جاتا ہی کہ شاید زمانہ یا زمانہ کی طاقت اس دائرہ
دنیا یا احاطہ موجودات سے باہر ہی یہ درست نہین۔ زمانہ ہم سے
علیحدہ یا غیر نہین ہے۔ زمانہ کی ناموافقت بہت کچھ یہی ہے کہ ہم
اپنے ماحول سے موافقت نہین کرتے یا ماحول کے کوائف سے
ناآشنا ہوتے ہین اور دوسری طرف اپنی نوع کے مجموعی قانون کے
خلاف چلتے ہین۔ یہ مجموعی قانون کبھی تمدن ہوتا ہی اور کبھی سوسائٹی
کا ضابطہ اور کبھی مذہب اور کبھی ضابطہ سیاست اور ضابطہ اخلاق
جب ہم زمانہ سے ساز باز نہین رکھتے تو دوسرے الفاظ مین یہ کہنا
چاہیے کہ ہم اپنے آپ ہی سے ساز باز نہین رکھتے۔ اپنے ہی قوانین
مسلمہ کو توڑتے اور ان سے انحراف کرتے ہین۔ اور جب انحراف کیا
تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرابیان پیدا ہوتی ہین اور اپنی خوش فہمی سے
زمانہ کو بدنام کیا جاتا ہی اور یہ کہا جاتا ہی کہ زمانہ کے زبردست ہاتھون
سے یہ حالت ہوتی ہی اور زمانہ کے دست برد سے کوئی نہین
بچ سکتا۔

زمانہ کا ایک دوسرا مفہوم
کبھی زمانہ سے نہ صرف ادوار سماوی
اور گردشہاے ارضی مراد ہوتی ہین بلکہ ان ادوار اور ان گردشون
کے سواے جو ادوار و جو گردشین خود مجموعی موجودات اور نوعی موجودات
کے تصرفات سے وجود پذیر ہوتی ہین مراد لی جاتی ہین اور اس حالت
مین یہ مفہوم لیا جائے گا کہ خود بعض حصص موجودات مثلاً انسانی
جماعتین یا کوئی دوسری نوعی موجودات جزو اعظم زمانہ ہی یا زمانہ
کی قائم مقام جیسے کسی سوسائٹی کی حکومت کسی جماعت اور اسکے
طور و طریق طرز و روش پر ایک واحد فرد یا چند افراد کا نہ چلنا اور
اس وجہ سے اُس سوسائٹی اُس حکومت اُس جماعت سے
پیچھے رہ جانا یا اُس کا مخالف خیال کیا جانا ہی زمانہ کی مخالفت ہی
اور اس وجہ سے مشکلات مین پڑنا اور بایں حالات یہ کہنا کہ یہ نتیجہ
زمانہ کی مخالفت کا ہی۔ یہ اثر زمانہ کی ناسازش کا ہی۔ یہ مطلب
رکھتا ہے کہ اپنی ہی مخالفت زمانہ کی مخالفت ہے۔
جب یہ کہا جاتا ہی کہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" تو اُس
وقت اس فقرہ کا یہی مفہوم ہوتا ہی کہ جس طرف موجودات
اور باتمیز یا باشعور نوعون کی رو جاتی ہے کہ اُدھر ہی جانا لازمی ہے
کیونکہ وہی زمانہ کی رفتار ہے۔ اگر موجودات کا اکثر حصہ یا ساری
موجودات اور ساری جماعت ایک فرد یا چند افراد سے سازش اور
اتفاق نہین کرتی تو اُس ایک فرد یا اُن چند افراد کا یہ فرض ہے کہ
اُن متفقہ افراد یا جماعت سے ملت اور سازش کرین۔ بے شک
بعض اوقات ایک کثیر گروہ کی تحقیقات اور رفتار مین نقص اور
لغزش بھی ہوتی ہی۔ لیکن جب ہوا کا رخ ہی ایسا ہو تو لازمی
ہی کہ ہم مزید بصیرت کے ساتھ وہی رخ لین اور ہماری مزید بصیرت
کسی وقت ایسے نقصان اور ایسی لغزش کی اصلاح مین بھی
من جہت مفید ہو سکتی ہی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غلطی اور

نفرش کی صورت مین بھی ایسی روش اختیار کرنا لازمی ہو۔ یہ مطلب نہین بلکہ یہ کہ عموماً سب موجودات کے افراد کا حصہ کثیر یا کل جماعتین ایک عرصہ کے بعد کوئی تبدیلی اختیار کرتی ہین تو اُس مین بہت کم غلطیان ہوا کرتی ہین مثلاً ایک جنگ جو قوم مین بجائے دقیانوسی پُرانی بندوقون کے جدید ساختون کی بندوقین رواج پا جائین تو دوسری بالمقابل فوج کا یہ فرض ہو کہ وہ بھی اپنے تئین اس قسم کے آلات سے مسلح کرنے کی کوشش کرے کیونکہ وہ اُسی حالت مین اُس قوم کے مقابلہ مین آسکتی ہو جب اُسی قسم کے آلات سے مسلح اور آراستہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک قوم تعلیمی آلات سے کام لے رہی ہو تو دوسری ہمسایہ قوم کا بھی یہ فرض ہو کہ وہ بھی اُس راستہ پر چلے کیونکہ آلات جہالت تعلیمی آلات کے مقابلہ مین محض کند ثابت ہون گے۔ اگر جدید وسائل اور جدید آلات سے کام نہ لیا جائے تو رفتہ رفتہ کام لینے کا مادہ ہی سلب ہو جائے گا اور پیچھے رہنے والی قومین یا جماعتین آگے جانے والی قومون یا جماعتون کا کسی صورت مین بھی مقابلہ نہین کر سکین گی۔ اگرچہ ایسے تغیرات کا احساس رفتہ رفتہ ہی ہوتا ہو مگر ہوتا ضرور ہو۔ ایسے احساس کے وقت لوگ یہ کہنے کے عادی ہین سے کہ زمانہ بدل گیا۔ زمانہ مین نقص آگیا۔ زمانہ موافق نہین رہا۔

ان کلمات کے ساتھ ہی یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ زمانہ نے کیا بدلنا تھا خود اپنے ہی حالات اپنے ہی ابنائے جنس اور دیگر نوعی موجودات مین رفتہ رفتہ تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ زمانہ نے ایسے اجزا کو اُن عناصر و مواد کو مختلف رنگون مین جگایا اور ہلایا مگر وہ خواب غفلت ہی مین رہے۔ بعض جماعتین جاگ کر آگے نکل گئین اور وہ نیند ہی مین رہے بہ مصداق لکل امت اجل۔ ہر ایک گروہ کی کوئی نہ کوئی عمر ہوتی ہو۔ ہر گروہ کی باری آتی ہے۔ موسم کے بدلنے پر ہمین موسم کا ساتھ دینا لازمی ہو ورنہ موسم کے تصرفات ہمین بہ مختلف الحیل یا تو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش مین کامیاب ہون گے اور یا ہماری بربادی کے سامان مہیا کر کے رہین گے۔

زمانہ کا ہاتھ ایک بہت بڑا بلند اور مضبوط ہاتھ ہے۔ وہ کسی کے روکنے سے رُک نہین سکتا اور نہ اُس کی گرفت کم ہوتی ہے۔ وہ یا تو اپنے ساتھ کر لیتا ہے اور یا ایک ہی زد سے جو سب سے اجبر ہوتی ہے اُس منزل پر پہنچا دیتا ہے جو نیستی کی منزل ہے۔

سلطان احمد

پشت آئینہ

میرا کیا منھ جو جام جمشید یا آئینہ سکندری کی حقارت کرون تاہم اتنا تو ضرور ہی کہون گا کہ ذات خاص کے ہوتے جو منبع حیات و مسرت ہو مصنوعی آلات و امرت دھارا کی تلاش و فکر اگر بالکل بیکار نہین تو مفت کا جھگڑا تو ضرور ہی ہو یہ وہی مثل ہو "ڈھنڈھورا شہر مین بچہ بغل مین"۔ آخر یہ کیون جواب یہ ملتا ہو کہ "ہوش و حواس بجا نہین رہے"۔ شکل و صورت وہی ہو مگر ہم وہ نہین رہے!! "نہین نہین"

ہم وہی ہین ہماری ذات خاص ذات پاک کا ظہور ہو یا یون کہا جائے کہ اگر ذات پاک آئینہ ہو تو ہمارا وجود اُس آئینہ کی پشت ہے۔

آئیے۔ آئینہ کو دیکھین۔ اگر پشت آئینہ کدورت سے بری ہو تو ہماری صورت بھی ہو بہو نظر آئے گی ورنہ خواہ ہم کیسے ہی خوبرو ہون پشت آئینہ کی کثافت اپنا رنگ جما کر ہم کو کریہ المنظر بنا دیگی۔ یہی قانون قدرت ہو۔ اگر ہمارا دل خوش ہو تو دنیا کی ہر شے بھلی نظر

آئے گی ورنہ دلی رنج ہر چیز کو بد نمائی کا داغ لگا دیگا خواہ در اصل وہ کتنی ہی دل پذیر کیون نہ ہو - بیشک "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز" کا مسئلہ اسپر صادق آتا ہی - المختصر جیسا جو ہو اُسکو ویسا ہی نظر آتا ہی -

یہ قصہ زبان زد خاص و عام ہی کہ مجنون صحرا نوردی کرتا ہوا بھی لیلی کا دم بھرتا تھا اور اُس کو ہر نخل و شجر مین لیلی ہی نظر آتی تھی - خیر! یہ تو قصہ ہی ہی - جھوٹا ہو یا سچا خدا معلوم کِس طرح اعتبار ہو خاص کر اس زمانہ مین جب کہ علم طبیعات کے زور و شور نے چار سو بحث و دلیل کا سکہ جما رکھا ہی کچھ عملی طور پر سمجھانا کام دے تو دے ورنہ کامیابی معلوم - بہر کیف سمجھانے کی کوشش ضروری ہے -

اچھا! ہم لیمپ لائین - روشن کرین اور چمنی لگائین - اب دیکھو! ہر چیز اُسی رنگ کی نظر آتی ہی جس رنگ کی چمنی لگی ہوئی ہی اگر چمنی ہرے رنگ کی ہی تو ہر چیز ہری نظر آتی ہے - اور اگر سرخ تو ہر چیز سرخ ہی سرخ - غرضکہ اشیا کا سرخ و سبز نظر آنا اس بات کو صاف طور سے ظاہر کرتا ہی کہ چمنی سرخ ہی یا سبز - یہی حال پشت آئینہ کا بھی ہی چہرہ کا خوبصورت یا بد نما نظر آنا یہ ثابت کرتا ہی کہ پشت آئینہ صاف ہی یا ملوث -

موسم برشگال مین قوس قزح کا نظارہ کیسا خوشنما ہی کہ شاید و باید مگر ذرا سا رنج دل مین آیا اور وہی سمان غم افزا اور نفرت انگیز بن جاتا ہی - برخلاف اس کے ایک چھوٹے معصوم بچے کو دیکھیے جب کبھی یہ نظارہ پیش نظر ہوتا ہی خواہ وہ کتنا ہی غمگین کیون نہ ہو جامہ مین پھولا نہین سماتا کھل کھلا کھل کھلا کر پکڑنے کو لپکتا ہی - آخر اسکی وجہ کیا ہی! بجز اسکے کیا جواب دیا جاے کہ "بچہ کا دل صاف ہی اور آپ کا دل ملوث" یا یون کہیے کہ اُس کے آئینہ کی پشت کدورت سے مبرا ہے مگر آپ کے آئینہ کی پشت پر چھائیان پڑ گئی ہین -

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ یہ کدورت کہان سے آئی - آئینہ کے کاریگر نے تو ضرور ہی اسکا لحاظ کیا ہوگا تو پھر بھلا صانع مطلق کب اسکو روا رکھ سکتا ہے - اگر اس کا روا رکھنا تسلیم بھی کیا جاے تو یہ صفائی معصوم بچہ مین کہان سے آئی - بس یہ کہنا پڑتا ہی کہ یہ کثافت ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے - یا یون کہیے کہ جون جون خواہشات نفسانی بڑھتی گئین تون تون پشت آئینہ زنگ آلود ہوتی گئی -

ایام طفلی مین ہم کیسے بے فکر و بشاش تھے - کچھ بڑے ہوئے اور مولوی صاحب مثل ملک الموت سر پر سوار - کچھ دن اور گذرے مدرسہ گئے جہان ماسٹر کین کا خوف دن رات ستانے لگا - سن شعور کو پہونچے کچھ کچھ پڑھنے سے بھی طبیعت مانوس ہو چلی مگر بد قسمتی سے امتحان مین ناکامیاب ہوئے رہی سہی ہمت جاتی رہی - مگر کرتے تو کیا نوکری مین تو پاس ہونے کی قید تھی جان توڑ محنت کی اور خدا خدا کر کے کامیاب ہوے نوکری ملی تو اس مین بھی مرتا کیا نہ کرتا کا مضمون رہا اور طرہ یہ کہ اُسپر بھی شادی کی فکر مزید پیدا ہوئی - خیر شادی ہوئی تاہم حسرت اولاد باقی رہی - بارے وہ دن بھی آیا پھر وہی کہانی شروع ہوئی - چرخہ کو چھوڑ ہاتھ مین جانت لیا پیستے پیستے خود پس گئے اور جان بحق تسلیم ہوے - ساری عمر نفس پرستی مین بسر ہوئی - یہی حال پشت آئینہ کا ہی جون جون غبار بڑھتا گیا ویسے ویسے عکس صورت معدوم ہوتا گیا -

مہینے کا آغاز ہی - کرہ زمین آہستہ آہستہ چاند کی روشنی ہٹانے لگی ہے - نصف مہینہ ختم ہوا اور ماہتاب نظر سے اوجھل ہو گیا شب دیجور نے عالم پر ایک سیاہ نقاب ڈال دی - آخر قدرت نے پلٹا دیا - چاند پھر کسی حیادار معشوق کی طرح بادل کی اوٹ سے جھانکنے لگا - آخر دن دن بتدریج حجاب رفع ہوتا گیا اور ساتھ ہی ساتھ پردہ عالم سے سیاہ چادر ہٹتی گئی - بارے مہینہ ختم ہوا - چاند اپنی تمام چمک دمک کے ساتھ جلوہ افروز ہوا - اسی لحظہ وہ سیاہ چادر یکایک نگاہون سے غائب ہو گئی - چاند کی دل فریب روشنی نے سارے جہان مین ایک

نہ یکا عالم پیدا کر دیا۔ اسی طرح جون جون غلبۂ نفس فرو ہوتا گیا تون تون ذات پاک کی جھلک نظر آنے لگی اور اس کی روشنی کی برکت سے جہالت کی تاریکی دور ہوتی گئی۔ اور راستی ظاہر ہونے لگی۔ اصول قدرت آشکارا ہوا جیسے ہم ہوان ویسی ہی دنیا ہو جاتی ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن بھی اسکی تائید کرتا ہے وہ کہتا ہے "کہ سچی آزادی وقت و مقام کے قیود کے پابند نہ ہونے ہی سے حاصل ہوتی ہے" اور یہ بھی واقعی سچی بات ہے۔ وقت و جگہ کی بندشین لمحہ بہ لمحہ تغیر پذیر ہوا کرتی ہین لیکن ہماری اصلیت مین ذرا بھی فرق نہین آتا بے شمار گردشین ہو گئے مگر یہ اپنے مقام چاند و سورج جیسون کے تیون برقرار نظر آتے ہین۔ اسی طرح اگر ہم خواہشات نفسانی پر قادر ہون اور پشت آئینہ پر میل آنے نہ دین تو کیا عجب کہ ہم انقلابات زمانہ مین بھی صحیح و سالم رہین اور ہر شے کو اپنی ہی خواہش کے موافق دیکھ سکین۔

لیکن خواہشات نفسانی کے مطیع ہو کر اپنے آپ کو بچانا آسان کام نہین ہے اس مین ویسا ہی ایثار نفس درکار ہے جس کی حضرت مسیح نے تعلیم دی ہے "اگر تم میرے مرید ہونا چاہتے ہو تو ساری دنیا کو خیرباد کہو۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہو کہ حواس خمسہ کو ایسی تعلیم دین کہ ذرہ ذرہ مین ذات پاک کا جلوہ نظر آنے لگے۔

پس اگر ہم سچی آزادی چاہتے ہین اگر ہم حقیقی خوشی کے بھوکے ہین اگر ہم ذات خاص کو ذات پاک کا نور بنانا چاہتے ہین۔ اگر ہم دنیا کی ہر شے کو اپنا ہمدرد بنانے کے طالب ہین، المختصر اگر ہم دنیا کو اپنے حسب مرضی بنانے کی خواہش رکھتے ہین تو ہم کو لازم ہے کہ ہم پشت آئینہ کو جو ذات خاص کی طرح ہے نفس پرستی کے غبار سے آلودہ نہ ہونے دین۔ قدرتی اصول کو فراموش نہ کرین۔ ہر شے دلاویز نظر آئے گی اور ہر جگہ دلچسپی و خوشی کے سامان بہم موجود ہون گے۔

چشمۂ حکمت کا فوارہ ہی پشت آئینہ بخشش صحت کا گہوارہ ہی پشت آئینہ
قول ہر بار یہ ہی نکتۂ پنہان کو دیکھ خوبی قدرت کا نظارہ ہی پشت آئینہ

اجودھیا پرشاد قول

شاعری

شاعری کی ابتدا جب ہماری تاریک زمین منجمد ہو کر رہنے کے قابل بنی اور انسان کی صورتین اسپر نظر آنے لگین نظم کے خیالات پیدا ہو گئے۔ یون سمجھنا چاہیے کہ نسل انسان کے ساتھ شعر گوئی کی پیدایش ہی۔ عالمان علم اللسان تو یہان تک کہہ گئے ہین کہ انسان مین جب بولنے کی قوت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیالات کو آواز کے نشیب و فراز پر ظاہر کرنے لگا، اسی وقت سے وہ گونجتے ہوئے جنگلون اور پہاڑون مین اپنی آواز سے حظ اٹھانے کے واسطے ایسی صدائین نکالتا جو اُس کے کانون تک پہنچکر اُس کو ان حرکتون کا اندازہ دلاتین۔ اُس نے ان صداؤن سے اپنے تلفظ کو موزون کیا جو سلسلہ بہ سلسلہ ترقی پذیر ہو کر شاعری یا نظم گوئی سے تعبیر کیا جانے لگا۔

امریکہ کے عجائب خانہ مین کثرت سے اُن کی موزون خیالی اور لٹریچر کی مثالین موجود ہین جو شاعری کو ابتدائے نسل انسانی کے ساتھ وابستہ کرنے پر مجبور کرتی ہین۔

ابتدائے آفرینش سے سیکڑون زبانون مین شاعری کی مثالین دیکھی جاتی ہین مگر قابل الذکر زبانون کی شاعری بحیثیت اُن کے موجود ہونے کے ذیل مین ظاہر کی جاتی ہے:۔

ہندی شاعری جس زمانہ مین کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام لیوا باختر کے گہرے غارون مین پڑے ہوئے بناس پتی اور بارش کے کھارے پانی پر زندگی کے دن پورے کر رہے تھے آریہ ورت کے پنڈتون کے بھجن مذہب کی بنیاد قائم کر چکے تھے۔ آرین قوم کی شاعری کا ترانہ مذہبی لوازن

پجاریوں سے ٹکرا رہا تھا اور اُن کے استحکام مذہب کا سب سے زبردست ذریعہ وہی ترانہ سنجی تھی جو اس شریعت کے سالکوں کے مجوزہ اور مشفقہ اصول سے پاس ہو چکی تھی۔

ایک ویدک لٹریچر کا فاضل ہندی شاعری کا مسلم الثبوت اُستاد مانا گیا ہے جس کا نام ہام دیا ہامن ہے گو آگے چلکر ہم اسی پاکیزہ لٹریچر کے دامن پر ناپاک جذبات کے دھبّے دیکھتے ہیں، جس کی نسبت یہ کہنا آسان ہے کہ ہندی شاعری نے بہت سے نوجوان خیالات کو "لٹریری عیاشی" بنا دیا، اور اس زمانہ میں ہم کو مشکل سے ایسی نوجوان خوبصورت ہندو وانی عورت کی صورت نظر آئے گی جسکے گورے گورے رخساروں پر غلیظ خواہشات کے نیل اور عیاشی کے بھرپور کالے داغ نظر نہ آئیں۔ مگر اس سے کسی صورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کی شاعری نے نہ صرف خود ہی ترقی کی بلکہ اپنے ساتھ ہی فن تصویرکشی، علم موسیقی، علم المقادیر کی بنیاد ڈالی اور انکو فروغ دیا جسکو اُس ہوٹل سوسائٹی کے ایک فاضل ممبر نے نہایت شاندار لفظوں میں سراہا ہے۔

بکرماجیت کے عہد میں ہندوستان کی شاعری قابل تعریف شاعری ہے اور اُس میں لطیف اور رنگین پیرایہ میں مشاہدات فطرت اور مناظر قدرت کی دلچسپیوں سے جس قدر بحث کی ہے ہم انگریزی شاعری میں اس کا عشر عشیر نہیں پاتے۔ ہندوستان کا ملک الشعرا کالیداس جو اس فن کا مسلم الثبوت استاد گذرا ہے اُس نے ڈراما نویسی کی ایجاد کے ساتھ ہی شاعری کی ایک چھپی ہوئی رگ کو تاڑ لیا اور مذہبی مضمونوں کے دائرے سے علٰحدہ ہو کر شاعری کو نہایت موزوں موقع پر استعمال کیا اُس کے بعد کے ہندی شعرا نے بھی کچھ کم کمال نہیں دکھایا۔ ہندی شاعری کی ترقی میں ہر شاعر نے کوشش کی اور کامیاب ہوئے اور اس زبان کو ایسا صاف و شیریں بنا دیا کہ باختر کے پہاڑوں کی چھپی ہوئی بھیڑوں کی پیاس اس چشمہ سے آکر بجھی، اور آج ہر قوم نے مان لیا ہے کہ ہندوستان کی شاعری اعلیٰ جذبات پیدا کرنے میں اور مناظر فطرت کی سچے لفظوں میں تصویر کھینچنے میں اپنی زبان کا ایک مکمل نمونہ اور اپنے ادب کا ایک بزرگترین حصہ ہے۔

فارسی شاعری | ہندی شاعری کے بعد فارسی شاعری کا نمبر ہے۔ جس طرح شریعت زردشت نے "امرد پرستی" کو رکن عبادت قرار دیا اسی طرح شاعری کو بھی آتشکدوں میں ٹھہرنے کی عزت دی گئی آگ کے سامنے ایک خوبصورت نازک اندام لڑکا حریر کا لباس پہنے ہوئے نہایت دلربایانہ انداز میں شعر پڑھ رہا ہے۔ اُس کے قریب ایک دیو پیکر امام "آتشکدہ" بیٹھا ہوا جھوم رہا ہے۔ کمسن خوبصورت لڑکے نے نظم ختم کی اور موٹی اور اُبھری ہوئی رگوں والے ہاتھوں نے اس کی نازک کلائیاں تھام کر اپنی سیاہ آغوش میں جگہ دی۔ فارسی شاعری میں جو امرد پرستی کا مینا بازار لگا ہوا ہے، یہ سب اُسی عہد عتیق کے آثار ہیں۔ اُس کے بعد فارسی شاعری، شجاعانہ شاعری اور زبان کے ایک زبردست حصہ کی مالک بن گئی ہر ایک رنگ کی جھلک ان پردوں سے نظر آتی ہے۔ مگر زردشتی رنگ سے جس رنگ کو ٹپکایا وہ گہرا رنگ ہے اور اُس کا رنگا ہوا اب اس شاعری کے بدن سے کسی طرح نہ اُتر سکا۔ یعنے امرد پرستی کی وہ چنگاری جو آتشکدوں کی شاعری سے چمک اُٹھی تھی پھر نہ بجھی۔ مگر اس میں کسی طرح شک نہیں کیا جا سکتا کہ فارسی شاعری ایک جوشیلی اور مردانہ شاعری ہے۔ اس نے مختلف علوم کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ گو جلوۂ زار قدرت کی حقیقی ستائشگری اس میں خال خال ہے اور بہت سے ناممکنات کا پہلو اس نے حاصل کر لیا ہے مگر غائر نظر سے دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کرنا جائز ہے کہ فارسی شاعری اپنی اصلی زبان میں مقامی حیثیت سے نہایت اعلیٰ و ارفع ہے

عربی شاعری | اس کے بعد ریگستانی شاعری کا دور ہے۔

عربی لٹریچر کی وسعت غیر محدود ہے اور اس کے ادیبوں کی تعداد لاانتہا ہے۔ وہاں عربی زبان کی ایجاد ہوتے ہی شاعری کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ کچھ تو "یہودی لٹریچر" کی بچی کھچی پونجی تھی اور کچھ "زرتشتی شاعری" کے چھینٹے اُن کی الٹی لانبی آستینوں پر پڑ گئے۔ وہ لوگ ازل سے ایک جدت پسند اور ہوشیار طبیعت ساتھ لائے تھے خوب ہی کھل کھیلے اور اس میدان میں وہ وہ گھوڑے دوڑائے کہ سب کو نیچا دکھایا۔ پہلے شاعری نہایت موٹے اور دبیز لفظوں کے ساتھ ہوئی جو ایک حد تک نامطبوع خیال کی گئی کیونکہ زبان کی ابتدائی حالت تھی نئے نئے محاوروں اور اصطلاحات کا پل بندھا ہوا تھا اور ادھر عربی حسراد سنسکرت، فارسی، یونانی، عبرانی کے روزمرہ کو نہایت خوبصورتی سے ساتھ چھیل چھیل کر عربی کی گرم بازاری تھا۔ ہاں تھا کچھ زمانہ کے بعد جب عربی ٹھوس حالت میں ہوئی تو شاعری ایک نئی اور شاندار صورت میں رتیلے اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی۔ یورپ کے محققین کا خیال ہے اور بجا خیال ہے کہ عربی شاعری دلی جذبات کے افسانے میں اور خیالات کو ایک طرف سے دوسری طرف پٹ دینے میں اس قدر کارگر ثابت ہوئی ہے کہ مشکل سے اُس کی مثال دوسری زبان کی شاعری میں مل سکتے ہیں۔

اور واقعی بات ہے کہ عربی نظم نے نہ صرف محفلوں کو زینت دی بلکہ لڑائی کے موقعوں پر اس سے بڑھکر کوئی آلۂ حرب کام نہ دے سکا اس نے سیکڑوں کے گلے کٹوا دیے اور قبیلہ کے قبیلہ نیست و نابود کر دیے۔

رزمگاہ میں صفوں کے ادھر ادھر خوبصورت لڑکیاں سنگار کیے ہوئے نہایت چبھتے ہوئے لفظوں میں شعرخوانی کرکے میدان کو خون کا سمندر بنا دیتی تھیں۔ وحشی قبائل میں اسی نظم نے مصالحت اور انسانیت کی روح پھونکی۔

ہجوگوئی کے میدان میں عربی شہسواروں نے جس قدر رنگ و تازگی ہے وہ باعتبار اُن کی فصاحت و بلاغت کے قابل مدح ہے۔ فصحائے عرب نے شاعری کو جس قدر نباہا اور جس قدر اُسکو سر چڑھایا وہ ہر پہلو سے مایۂ ناز ہے گو قرینۃ الشیخ دمشق و یمن کے اکثر شہوت پرست شاعروں نے چاہا کہ فارسی کی طرح اس کو بھی عیاشانہ شاعری بنائیں، شعر لکھے، عورتوں پر جھکے، اور خواہش ہوئی کہ اس شفاف پانی کو گندہ کریں مگر مرکز کی شاعری کا سیلاب کچھ ایسا امڈا ہوا تھا کہ اُس کے ادنی ہچکولوں سے ان ناپاک موجوں کو چٹانوں سے ٹکرا کر توڑ دیا۔

ہارون الرشید کے ایوان ادب اور فلسفہ میں اگر نظم کی کچی کاری ہوتی تو غالباً اُس کے جلد گر جانے میں کچھ شبہ نہ تھا۔ اُسنے ادیبوں اور فلسفیوں کے زانو بزانو شاعروں کو جگہ دی۔ اور جس طرح وہ مجلس فلاسفہ و حکمت کا صدرنشین تھا ویسے ہی محافل شعرا میں وہ ایک بالاترین مسندنشین تھا۔

انگریزی شاعری امت مسیح جو ابتک پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں پڑی ہوئی تھی یکایک چونکی، کروٹ بدلی، اُٹھی اور اُٹھکر دیکھا تو ساری دنیا پر ایک نور کا سماں چھایا ہوا ہے۔ ہماچل کی چوٹیوں پر ویدک اور سنسکرت لٹریچر کا آفتاب چمک رہا ہے۔ ہندوستانی سہیلیاں ہاتھوں میں ہاتھ لیے ناچ رہی ہیں اور شاعری کی ہولی کھیل رہی ہیں۔ اُدھر عرب کی ریگستانی زمین پر تہذیب و تمدن کی بارش ہو رہی ہے۔ تمام فضلائے عرب یونانی، عبرانی، اور دیگر مٹ جانے والی زبانوں کا ذخیرہ اونٹوں پر لاد کر لیے جا رہے ہیں اور اُس سے عربی زبان کی پونجی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہاں کے شاعروں نے کوس لمن الملکی بجا رکھا ہے۔ اُدھر ایرانی سوسائٹی اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے۔ اُسنے علوم و فنون کو اپنے زیر اثر کر رکھا ہے۔ شعرا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں۔ ان ہوش ربا مناظر کو دیکھکر ان کے جسم میں ایک تھرتھری

مسز سروجنی نائیڈو

پیدا ہوئی سا اپنے خاردار لباس کو وہین چھوڑ کر آگے قدم بڑھایا غریبون کے پاس کچھ پونجی تو تھی نہین جو اس بازار مین سودا کرتے سوائے اس کے کہ کچھ چوری چھپے ہاتھ لگ جاے تو روزی ورنہ روزہ ۔ یونانی اپنی رہی سہی رقم بغیار کو دیکر قبر مین پاؤن لٹکائے بیٹھی تھی ۔ عبرانی و لاطینی زندہ درگور ہوگئی تھین ۔ سریانی کے پاس جو کچھ تھا وہ اُس کی چھوٹی بہن سنسکرت نے لڑ جھگڑ کر چھین لیا ' نہین تو وہی بیوہ کا چراغ بنالیتی ۔ مگر اس گروہ نے کچھ اِدھر اُدھر کے مزے چکھ کر عبرانی ' لاطینی ' فارسی کو اپنا سرپرست بنالیا اور کچھ اُدھار لے لوا کر اپنی منڈلی جمائی ۔

کچھ زمانے تک تو حالت ویسی ہی رہی مگر ابتدائی ترقی کا ذریعہ عروج یافتہ زبانون کا تنزل تھا ۔ اب کیا پوچھنا ہے مسیحی قوم نے جو جادو کیا ۔ گڑے مردے اُکھیڑے ۔ دبی دبائی کتابین کسی ذریعہ سے دستیاب کین اور اُن کو ایک نئے جزودان مین لپیٹ کر ملک مین پیش کیا ۔ شاعری مین اول اول وہ طریقہ اختیار کیا جو ہندی کا تھا ۔ رفتہ رفتہ تغیرات زمانہ نے اس کو بدل دیا ۔ اِن کی شاعری آزادی کے ساتھ دنیا کی ہوا کھانے لگی ۔ گو ابتدائی شاعری مین حسب قاعدہ اُنھون نے بھی بہت ٹھوکرین کھائین مگر استقلال سے کام لیا ۔ امتحان مین پورے اُترے ۔

سترھوین صدی سے اُدھر انگریزی شاعری نے بکثرت عیاشانہ لٹریچر تیار کیا اور ملک مین پھیلایا ۔ اس سے جو نتیجے پیدا ہوے وہ ڈھکے چھپے نہین ہین ۔ رومن کیتھولک نے کلیساؤن کی آڑ مین شاعری کے ناپاک جذبات کا اظہار کیا ۔ پروٹسٹنٹ نے پہلے کھُلے بندون اس طریق عمل کو جاری کیا ۔ اُس وقت یورپ کی شاعری بالکل ننگی شاعری کہی جانے کی مستحق تھی اور اپنے غلیظ خواہشات کے چھپانے مین بالکل ناکام تھی ' اور یہ بات نہایت وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ہندی شاعری نے اپنے عہد شباب مین اور انگریزی شاعری نے اپنے عہد ظلمت مین اپنا ماخذ اور اپنا معیار سیاہ کاری کو قرار دیا تھا ۔ اُس زمانہ کا ایک شعر پڑھو اور کانون مین اُنگلیان دے لو ۔ سنو اور بدن کے کپڑے اُتار دو ۔ گویا عورتون مین بے حیائی پیدا کرنیوالی شاعری تھی ۔

اس کے بعد کا دور نہایت مبارک دور ہے اس مین انگریزی شاعری بکارآمد شاعری تسلیم کی جاتی ہے ۔ اُس نے جن پاکیزہ پیرایون مین انسان اور فطرت کے نقشون کو کھینچ کر سادگی کی رنگ آمیزی کی وہ اس وقت ہم سوائے عربی اور ہندی کے اور کسی زبان کی شاعری مین نہین پاتے ۔ فلاسفہ قدرت کا انمول نمونہ ہے ۔ اس کے شعرا نے جس پہلو سے اس کو برتا ہے وہ مفید اور ازبس ضروری ہے ۔ انگریزی شاعری کے اس دور مین ہم اُسکی خوبیان اور اُس کی نکتہ سنجیان دیکھکر اُس کی وسعت اور اُس کی دل آویزی کا ثبوت پارہے ہین اور یہی وجہ ہے کہ اُس کی عالمگیر شہرت اور ترقی نے دنیا کے ہر حصہ مین کچھ نہ کچھ اپنا اقتدار پیدا کرلیا ہے ۔

غرض کہ یورپ کی موجودہ شاعری اس قابل ہے کہ اس کی تقلید مین جہان تک ممکن کوشش ہوسکے ہر زبان کو تھوڑا بہت فائدہ حاصل کرنا چاہیے ۔

اُردو شاعری شاہان ایران کی للچائی ہوئی نگاہون نے سرزمین ہند کو تاکا اور کچھ دنون کے بعد اسپر اپنا پرچم لہرانے لگے ۔ ہندی فارسی اوپر تلے کی بہنین ہین ۔ ایک کی بدمذاقی جو' ' کچھ ایسی چڑھی کہ وہ ایک زردشتی کا ہاتھ پکڑ کر چل نکلی دوسری اپنے سرپرستون کی ہاتھون چھاؤن پلی بڑھی ۔ رات دن سہیلیون مین رہنا پھرنا شباب گذر گیا مگر ناک کی نتھنی کی صورت تک نہین دیکھی ۔ مدت کی بچھڑی بہن انجان بن کر دیس مین آئی صورت و شکل مین نمایان فرق ہوگیا ۔ مگر پھر بھی اُس کے رہنے کو جگہ دی ۔ صورت دیکھکر

ہنگامہ ہو گئی کہ چھوٹی بہن اپنی شوخ چنچل کہ حسین اور نازنین لڑکون کے
بغیر اُٹھ بیٹھ نہیں سکتی - ہاتھ پیر نے پیچھا پکڑا - بیٹھنے کو جگہ ملی - پاؤن پسار
دیے - اب جانے کا نام نہیں لیتیں - غریب خود ہی چتّی چولھا اُسی کو
سونپ کر پرے کھسک گئی - اب کیا تھا - زندہ دلان ایران نے وہ وہ
جولانیان کین کہ ہندی شاعری گرد ہو گئی -

ہندوستان مین ایران سے زیادہ فارسی زبان نے عروج پایا -
مگر صرف اس قدر نقص رہ گیا کہ یہان کی فارسی بہ نسبت ایرانی فارسی
کے زیادہ شیرین اور دلچسپ نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیئے - نیا دانہ
نیا پانی نئی ہوا' ادھر ہندی کی پرواؤن کا اثر کچھ رنگ نہ لائے - لایا اور
گہرا رنگ لایا - ہندوستانی فارسی باعتبار اپنی اصطلاحون اور محاورون
کے ایرانی فارسی سے بالکل اجنبی ہوئی - انجام کار روزمرہ کی گرمی
بازار نے یہ گل کھلایا کہ پُروسنون کی دعا سے ایک اور حسین اور گوری
چٹی لڑکی کی صورت نظر آئی - آب رکنا باد اور گنگا جل نے ایک ایسے
نئے پانی کا چشمہ بہایا جس سے فارسی کے منھ مین پانی آ گیا اور ہندی
کے منھ سے پانی اُتر گیا اور اس کے ساتھ ہی ہندی شاعری کی تمام
فروعی ترقیون پر پانی پھر گیا -

اُردو زبان کا آفتاب شاہ جہان آباد کے قلعۂ معلی پر چمکا - اور
جس طرح کہ ہر زبان کی پیدایش کے ساتھ ساتھ اُس کی شاعری کی
ایجاد ہے - اسی طرح اُردو زبان اپنے ہمراہ شاعری لائی - لفظون
کا زبان پر چڑھنا تھا کہ شاعر کی بیل منڈھے چڑھنے لگی -
عہد اولین سے اس وقت تک برابر شاعری کا سلسلہ جاری ہے -
اور مشق سخن نے اُردو زبان کو کہین کا کہین کر دیا - سیکڑون
شاعر پیدا ہوے اور چل بسے - ہزارہا اِس وقت موجود ہین -
مگر فارسی کیطرح اُردو زبان نے بھی امرد پرستی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا -
پیدا ہوتے ہی نازنین کمسن لڑکون پر مرنے لگی اور اسکی وجہ یہ ہوئی
کہ اس بچے کی چھٹی کی تقریب مین کرتہ ٹوپی کھلونے کے بجاے خوش
مذاق ماں باپ کے عزیزون اور رشتہ دارون نے "حسین" "کمسن لڑکے"
کو دیا تھا - گویا امرد پرستی اُردو شاعری کا آبائی ورثہ ہے -

ہندوستان مین اُردو زبان کے دو دعویدار ہین - دلّی والے'
لکھنو والے' اور اس اعتبار سے وہ ایک دوسرے کے مخالف ہین -
دونون خطون کے جداگانہ محاورے اور اصطلاحین ہین - ایک خطہ
کی اصطلاح اور محاورہ دوسرے خطہ مین قابل اعتراض ہو - ہمارے
مخدوم شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنے
دیوان مین جو مقدمہ لکھا ہے اُس مین شعرا لکھنؤ پر خوب ہی قہقہہ
بازیان کی ہین اور اُنکے شعرون کو ایک متعصبانہ ریمارک کے ساتھ
پیش کیا ہے - افسوس ہے کہ خواجہ حالی جیسا بیدار مغز شاعر بھی
اس نفسانیت سے بچ نہ سکا - اُنھون نے اظہار خیالات مین
اس قدر لغزشین کھائی ہین جس کو دیکھکر صدمہ ہوتا ہے -
زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ شاعری کے جن مقامات کو وہ
قابل اعتراض سمجھے ہوے ہین اور جس مرض کے وہ مسیحا بننے کی
کوشش کر رہے ہین خیر سے خود بھی اُس مرض مین گرفتار ہین -
"مد و جزر اسلام" غور سے دیکھو - دل لگا کر پڑھو اور جس قدر
نقائص شاعری ہین وہ سب ایک ایک کر کے گن ڈالو -

اُردو شاعری کا گذشتہ دور

اُردو شاعری کا گذشتہ دور مصلحان شاعری کے
ہاتھون قابل یادگار دور ہے - اُن حضرات
کے قدم دھو دھو کر پینا چاہیے جنھون نے اُردو شاعری کے رستے
کو ہموار و صاف کر دیا - شاہ نصیر مرحوم سے ذوق و غالب تک
یہ دور ختم ہوتا ہے - اس مین ان باکمالون نے شاعری کی رگ رگ
کو پہچانا ہے - اور اس گلستان کے پتہ پتہ کو چھان مارا ہے - آج
یورپ تک ان شاعرون پر لوٹ ہے - غالب کے مکتوبات کے

تراجم نے اس کو انگریزی شاعروں میں بھی قابل قدر مانا ہے۔ غالب و ذوق کے اشعار قدرتی مناظر کی تصویریں کھینچنے میں پورے طور سے کامیاب ہوئے۔ میرزا دبیر اور جناب انیس مرحوم کے مراثی نے اُردو شاعری کے ایوان میں وہ پچی کاری کی ہے کہ عقل دنگ ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ گذشتہ دور میں ایسے قابل تذکرہ شعرا بھی ہیں جن پر اُردو شاعری کو مدت العمر ناز رہے گا۔ خداوند کریم ان بزرگوں کے مزار کو گلہائے رحمت سے گلپوشش فرمائے۔

اُردو شاعری کا موجودہ دور

یہ دور نہایت مبارک دور ہے۔ شعرا سلف نے جن زمینوں کو کیل کانٹے سے پاک و صاف کیا اُس پر آج یہ لوگ گلہائے بوقلموں کے پودے لگا رہے ہیں۔ موجودہ دور میں کثرت سے ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو مشاہدات اور مناظر کی تعریف کے لیے وقف کر دیا ہے۔ زبان بہت صاف اور سلیس ہو گئی اور ہر طرح کے مضامین کی اس میں گنجائش نکل آئی۔ زمانہ بھی پلٹ گیا اور دنیا نے ایک حیرت انگیز کروٹ بدلی عربی اور ہندی اور انگریزی اشعار کو پڑھ پڑھ کر طبیعت للچائی۔ اُردو کی کم مائگی دیکھکر افسوس ہوا۔ کوشش کی اور سیکڑوں طبیعتوں کے سانچوں نے مقدم الذکر زبانوں کی تقلید میں لاکھوں شعر ڈھال لیے جو اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر نکلے اور اس صورت سے اُردو شاعری نے ایک دوسرے زینہ پر قدم رکھا۔

اُردو کی قدیم و جدید شاعری

اکثر کوتاہ بین نظروں نے اُردو شاعری کے دو گروہ بنائے ہیں:-

(الف) جو سلاست کے ساتھ مخلوقات اور اسباب قدرت پر بحث کرتا ہے۔ وہ جدید خیالات کا شاعر ہے۔

(ب) جو حسن و عشق کے فسانوں اور وصل و ہجر کی کہانیوں کو نظم کرتا ہے، قدیم خیالات کا شاعر ہے جس کو غزل کا شاعر بھی کہتے ہیں حالانکہ یہ اُن کی سخت غلطی ہے کہ اُنھوں نے اُردو زبان کے دو شاعر بنائے ہیں اور دونوں کی شاعری کو مختلف شاعری بتایا ہے۔

شاعری ایک ہے اور ایک روش ایک طریق پر سب شاعر چل رہے ہیں۔ غزل کا شاعر بھی وہی کہہ رہا ہے جو نظم کا شاعر کہتا ہے۔ دونوں مشاہدات پر بحث کر رہے ہیں اگر کچھ فرق ہے تو طرز بیان میں، رنگ میں، ادائے الفاظ میں۔ لفظ ایک ہی ہیں۔ تلفظ یکساں ہے۔ جو لفظ قدیم شاعر لکھتا ہے، جدید شاعر بھی وہ لکھتا ہے حسن و عشق وصل و ہجر نیز موجودہ طرز کی نظمیں اصناف شاعری میں داخل ہیں۔ جو رنگ جس کو پسند آگیا اُس نے وہ اختیار کیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُردو زبان کی شاعری دو طرح پر ہے۔

مگر آجکل یہ دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے طبیعتوں کا رجحان موجودہ طرز کی نظموں پہ ہے۔ غزل گوئی نگاہوں سے گرتی جاتی ہے۔ اقتضاء رفتار زمانہ نے اسلاف کے بنائے ہوئے راستوں کو بالکل بُھلا دیا۔

ایک مفید مشورہ

شعرا سلف نے اُردو شاعری کی جس مستعدی اور جان فشانی کے ساتھ خدمت کی ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے موجودہ طرز کی نظموں کی ابتدا انھیں بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اور اپنے رنگ میں ان بزرگوں نے جو لکھدیا ہے وہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم بالکل اُس رنگ میں دب جائیں۔ زبان اُردو بہت صاف ہو گئی اور ہماری کوششوں نے آج اسکو عروج پہنچایا کہ

ہم اس زبان مین ہر علم کی رنگ آمیزی نہایت آسانی سے کرسکتے ہین اس واسطے کوشش کی جاے کہ جہان تک ممکن ہو شاعری کو بکار آمد بنایا جاے یعنے اس سے صرف تفریح طبع کا کام نہ لیا جاے۔

شاعری کی آیندہ حالت گذشتہ حالات اور موجودہ رفتار کو ملحوظ رکھتے ہوے یہ پیشین گوئی کرنا آسان ہے کہ عنقریب غزل گوئی ہندوستان سے نیست و نابود ہو جائے گی اور بجاے اس کے موجودہ طرز کی شاعری اور مکرم دوست مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مدظلہ کی شاعری اپنی چمک دکھاے گی۔ بلینک ورس کی شاعری آنے والی نسلون کو لبھاے گی۔

سید محمد یوسف قیصر

میر تعشق لکھنوی

خواجہ آتش اور شیخ ناسخ کے کارنامے اردو شاعری کی تاریخ مین ایک یادگاری چیز سمجھے جاتے ہین۔ اسلیے کہ انھین ذی حوصلہ نفوس کی بدولت لکھنو دہلی کی تقلید سے آزاد ہوا اور بجاے خود ایک مرکز بن گیا۔ اگرچہ یہ امر ابھی تک مابہ النزاع ہے کہ دہلی سے علحدہ ہو کر لکھنو نے جو رنگ اختیار کیا وہ کس حد تک ادبی و علمی نقطۂ خیال سے فن سخن اردو کے لیے مفید ثابت ہوا، تاہم اس واقعہ کے اہم بالشان ہونے مین شبہ نہین لیکن انصاف سے دیکھا جاے تو لکھنو کے مرثیہ گو شعرا نے جو کام کیا ہے وہ آتش و ناسخ کی خدمات سے کہین زیادہ مستحق ستایش ہے۔ اردو شاعری مین مرثیہ گوئی کی گری ہوئی حالت کا اندازہ کچھ اس ضرب المثل سے ہو سکتا ہے جسکا استعمال انیس و دبیر وغیرہما کی مساعی جمیلہ کے بعد تقریبًا ترک ہو گیا ہے۔ پیشتر "بگڑا شاعر مرثیہ گو" ہوا کرتا تھا لیکن مرثیہ گوئی اب ایک مستقل فن ہو گئی ہے۔ اور کوئی شاعر جس مین خداداد ذہانت کے ساتھ ذاتی قابلیت بھی نہ ہو وہ مرثیہ گوئی کے تمام مراحل بہ خوش اسلوبی طے کرنے کی جراءت نہین کرسکتا۔ مختصر یہ ہے کہ لکھنو کے مرثیہ گویون نے نہ صرف اردو شاعری کی شاخ مین ایک دلکش و دلفریب پھول کا اضافہ کیا ہے بلکہ اپنے وطن کے لیے بھی ایک مستقل اور پایدار ذریعۂ شہرت پیدا کردیا ہے۔ میر تعشق کا نام نامی ان اساتذہ کی فہرست مین نہایت جلی حرفون مین لکھا گیا ہے جنھون نے میر انیس اور مرزا دبیر کے لگاے ہوے پودھے کی آبیاری گویا اپنا فرض سمجھ رکھا تھا اور اس غرض کے ادا کرنے مین انھون نے اپنی بیش بہا عمر کا سب سے زیادہ حصہ صرف کردیا۔

میر تعشق مرحوم کی مرثیہ گوئی کوئی پوشیدہ بات نہین ہے لیکن اکثر شیدائیان ادب کو غالبًا اس سے آگاہی نہ ہوگی کہ انھین غزل گوئی مین بھی مہارت حاصل تھی۔ کارپردازان "معیار" کا خدا بھلا کرے کہ میر صاحب کی جستہ جستہ غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ تیار کرکے شائقین کے مستفید ہونے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ ورنہ کوئی یہ بھی نہ جان سکتا تھا کہ تعشق نے سیکڑون مرثیون، سلامون، اور رباعیون کے علاوہ غزلین بھی کہی تھین، جن کے مطالعے سے یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے کہ غزل گوئی کا میدان بھی انکا مارا ہوا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ان کی غزلیات ان تمام محاسن کا مجموعہ نہون جو اس صنف کلام کی خصوصیات مین داخل سمجھی جاتی ہین لیکن اسکے باوجود بھی کسی کو انکی قادر الکلامی اور طباعی مین شک کرنے کی گنجائش نہین۔ اس مختصر مضمون مین سب سے پیشتر انکے حالات بالاختصار قلمبند کیے جاتے ہین اور اسکے بعد انکے کلام پر ایک سرسری تنقیدی نظر ڈالی جائیگی۔ اور اصل غزلیات کے اقتباسات باخبر ناظرین کو بجاے خود انکی شاعری کے متعلق راے قائم کرنے مین کافی سہولت پیدا کردین گے۔

میر تعشق کا نام سید مرزا تھا اور سید صاحب کے نام سے بھی مشہور ہین۔

آپ کے اجداد میرزا انیس اساتذۂ لکھنؤ میں غیر معمولی وقعت رکھتے ہیں آپکے بھائی سید حسین مرزا عشق بھی جن کی روایات شاعری و مرثیہ گوئی کے علمبردار آجکل حضرت رشید ہیں مستغنی عن التعریف ہیں۔ یہ لوگ بجائے خود آفتاب تھے جو آسمان شعر و سخن پر اُفق لکھنؤ سے طلوع ہوئے اور اُردو کی دنیائے ادب کو اپنے نورانی شعاع سے ایک عرصہ تک منور رکھا حضرت انیس مرحوم کا شمار ناسخ مغفور کے رشید تلامذہ میں ہوتا ہے اور بجا ہوتا ہے۔ اسی طرح جناب عشق کی محققانہ قابلیت اور اجتہادی لیاقت آجتک ضرب المثل بنی ہوئی ہے۔ غرض کہ میر تعشق اُس مشہور خاندان کے ایک ممتاز رکن تھے جس کے اسلاف نے دنیائے شاعری میں غیر معمولی کارہائے نمایاں کیے ہیں اور جس کے اخلاف کو اس وقت تک اپنے ذی رتبہ اجداد کا نام روشن رکھنے کا فخر حاصل ہے۔ صاحب خم خانۂ جاوید نے حضرت تعشق کو بھی جناب ناسخ کا تلمیذ رشید ہونا بیان کیا ہے لیکن اڈیٹر معیار جن کے ذرائع معلومات زیادہ تر مستند سمجھے جا سکتے ہیں دیوان تعشق کے دیباچہ میں اسکے متعلق کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ تاہم تعشق کی عزت و شہرت کا کفیل خود انکا کمال ہے نہ کہ سلسلۂ تلمذ۔ اس لیے دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ انکا کلام کیسا تھا نہ یہ کہ وہ شاگرد کس کے تھے۔ اگرچہ یہ دریافت بھی خالی از دلچسپی نہ تھی کہ وہ کونسا چابکدست جوہری تھا جس نے اس درشاہوار کی آب و تاب اور جلا بڑھانے کی خدمت انجام دی۔

حضرت تعشق کے حالات زندگی اس درجہ کمیاب ہیں کہ اُن کے دیباچۂ دیوان میں بھی جس میں نسبتہً تفصیلی کوائف کا مکمل ہونا ضروری تھا چند معمولی باتوں کے سوا کچھ نہیں لیکن غور سے کام لیا جائے تو یہ منکشف ہوتا ہے کہ حضرت تعشق ایک قناعت پسند اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ مذہبی رنگ اُن میں زیادہ تھا۔ شاید یہی سبب ہو کہ اُن کے تعلقات کسی سرکار دربار سے وابستہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ ورنہ کم از کم لکھنؤ میں بہت سے لوگ اس وقت بھی چشمدید حالات بیان کر سکتے تھے۔ آپ کی عمر کا معتد بہ حصہ کربلائے معلّیٰ میں بسر ہوا لیکن خمیر لکھنؤ کا تھا۔ بالآخر یہیں کی خاک میں پیوند ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم کی اولاد معنوی آپ کے ضخیم و حجیم مجموعۂ مراثی ہیں جن سے آپ کا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ مجموعۂ غزلیات بہت مختصر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی غزلیات کا بیشتر حصہ تلف ہو گیا ہے جسکی صحت کے تسلیم کرنے کے بعد اُردو زبان کی شوم بختی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے تاہم جو کچھ بھی موجود ہے وہ اسکا حق رکھتا ہے کہ اُردو کے ایک نامور شاعر کی یادگار کے طور پر وقعت و منزلت کی نظر سے دیکھا جائے۔

حضرت تعشق کا دیوان غزلیات جس کے وجود میں لانے کا شرف جناب آبر لکھنوی کے حصہ میں آیا ہے کم و بیش پینتالیس صفحات پر ہے جس میں سرورق اور دیباچہ کو بھی شامل سمجھنا چاہیے۔ ساحر صاحب کا یہ ارشاد قابل غور ہے:-

آپکے کلام کا زیادہ حصہ مرثیہ، سلام، رباعی کا ہے۔ غزل گوئی کم کی تاہم جس قدر بھی حصہ غزلیات کا ہے وہ کمیاب نہیں بلکہ نایاب زمانہ ہے حسن اتفاق اور اُردو ادب کی خوش قسمتی سے ایک مجموعہ آپ کے کلام کا دستیاب ہو گیا جس کو ملک میں پیش کر کے میں بجائے خود نازاں ہوں کہ اگر کوئی مجھسے اُردو کی خدمت ہو سکی ہے تو وہ یہی ہے کہ میں اُس کلام کو پردۂ خفا سے باہر لایا جس پر لکھنؤ کی اُردو شاعری کو فخر و ناز ہے

ایک دفعہ رسالۂ معیار میں جناب عزیز لکھنوی نے حضرت عشق کی غزل گوئی کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی تھی:-

"یہی وہ شاعر ہے جسکو ہم تمام خوشگویان اہل دہلی کے مقابل میں تن تنہا پیش کرتے ہیں"

سطور بالا کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ کے علم دوست شعرا حضرت تعشق کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ انکا

یہ خیال قطعی طور پر صحیح ہوتا ہم اس سے ایک حقیقت کا انکشاف یقینی ہوتا ہے جس مین مبالغہ کے ساتھ سچائی کو بھی تھوڑا بہت دخل ہے -

کلام نعشق پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ دو خصوصیتین اُسکا جزو لاینفک بنی ہوئی ہین - اول پُر گوئی اور دوسرے پختہ مشقی - شق اول کے متعلق صرف اسی قدر کہدینا کافی ہوگا کہ انکی بہت کم غزلین آٹھ - دس شعر یا اُس سے کم کی ہین - ورنہ ساری غزلیات کافی طور پر مطول ہین اور پھر لطف یہ ہے کہ اگر انکا طبیعی رنگ پیش نظر رکھا جائے تو ایک شعر بھی بھرتی کا نہین معلوم ہوتا بعض غزلون مین مقطع نادارد ہے لیکن اسکے باوجود بھی کسی غزل کی حیثیت اس قدر مختصر نہین کہ کوئی ستم ظریف غالب مرحوم کی طرح انھین بھی کم از کم مقطع کی عدم موجودگی کے سبب سے "صاحب دیوان" ہونے کی مشکلات سمجھائے - اس سے ایک قیاس اور بھی ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ نامکمل غزلین زیادہ طویل ہون یا ان زمینون مین دوغزلہ یا سہ غزلہ بھی کہا گیا ہو - اس "طول کلامی" سے اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ حتی الوسع دلپسند اور موزون قافیہ کوئی بے نہین پایا - ورنہ ناتجربہ کار شاعر بہترین قافیہ اول تو نکال نہین سکتے اور اگر خوش قسمتی سے ایسا ہوتا بھی ہے تو برجستہ بندش نہونے کے سبب اُس مین کوئی لطف نہین پیدا ہوتا -

پختہ مشقی کے متعلق صرف اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ نعشق نے اپنے لیے جو رنگ پسند کیا اُس مین کسی قسم کی خامی نہین پائی جاتی - یہ سوال کہ انکا یہ رنگ بالعموم مطبوع ہے یا نہین جداگانہ پہلو رکھتا ہے جسکا جواب ضمنی طور پر دوران تنقید مین خود بخود ادا ہو جائیگا - تاہم اسمین شبہہ کی گنجائش نہین کہ لکھنو کے ایک خاص طبقہ مین انکا کلام نمایان منزلت رکھتا ہے جسکے بیشتر افراد آتش کے بعد شاعری کا سہرہ انکے سر باندھنا چاہتے ہین - انکے حسن عقیدت کا اس سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ "خوشگوئی" کو رکاب گنج کی لونڈی سمجھتے ہین - رکاب گنج مین حضرت نعشق کا مکان تھا -

کلام نعشق کی خصوصیت عمومی جسپر ناظرین کی نگاہ سب سے پہلے پڑتی ہے ضایع و بدایع لفظی ہے یعنے انکے بیشتر اشعار لفظی تناسب و تشبیہات و استعارات کا "گورکھ دھندا" ہین - اس سے سمجھنا چاہیے کہ ان کا فطرتی جوش طبیعت جو شاعری کے لیے آب حیات سے کم نہین ہوتا اس سے حقیقت مین جو کام لینا چاہیے تھا نہین لیا گیا اور انھین لیکر کہین سے کہین پہنچگیا - اسکی مثال بعینہ آب رو ان کی ہے کہ اگر اس سے اصولاً فائدہ اُٹھانا منظور ہو تو اسکے لیے خاص تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہین ورنہ وہ باعتبار خود قابل کاشت زمین کو سیراب کر سکتا ہے اور بنجر کو بھی اور آخری صورت مین اس سے زیادہ کچھ حاصل نہین ہوتا کہ جا بجا خار دار جھاڑیان یا اسی قسم کے بے مصرف پودے عارضی طور پر نکل آتے ہین - حاشا و کلا یہان نعشق پر کوئی ایراد و اعتراض مقصود نہین بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے تمثیلاً کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چاہتے تو اپنی طبیعت کے زور سے اُس شاعری کے جوہر بھی اسی طرح دکھا سکتے تھے جو اپنی صفات معنوی، درد، تاثیر، سوز و گداز کے اعتبار سے اہل دل کی نظر مین وقیع سمجھی جاتی ہے اور جسکے دلپذیر نظائر سے کلام نعشق بھی کلیتہً مبرا نہین کہا جا سکتا - حضرت نعشق کا طبعی رنگ ان چند شعرون سے بخوبی آشکار ہو سکتا ہے ؎

سوئے دریا خندہ زن جو یار جانی ہو گیا ۔۔۔ موتیون کی آبرو پر آج پانی پھر گیا
سوئیان سی کچھ دل وحشت نشین مین چبھ گئین ۔۔۔ ٹھیک ہونے کو لباس ارغوانی پھر گیا

راہ مین صاحب اکسیر کھڑے ہین مشتاق ۔۔۔ خاکساران در یار چلے آتے ہین

تری گرمیان جب کبھی یاد آئین ۔۔۔ دم سرد بھرنے لگا دم کسی کا

یہی مضامین اگر میر و غالب کے رنگ مین ادا کیے جاتے تو سننے والون کے

قلوب اثر پذیر ہوتے اور ضرور ہوتے - لیکن تعشق کے یہ اشعار سننے والون کا دماغ کو اپنی باطنی خوبیون کے عوض ظاہری اور لفظی بھڑک پر متوجہ کرتے ہین تعشق پر کچھ منحصر نہین کسی شاعر کا کلام ہو - اگر اُس مین یہ التزام کیا جائے کہ ایک مصرعہ مین لباس کا ذکر آئے تو دوسرے مین سوئیون کا تذکرہ ضرور ہو، "خاکساران، ریاز" کے "مشتاق"، "صاحب اکسیر" ہی بنائے جائین، "گریبان" یاد آئے بغیر کسی کا "دم" دم سرد نہ بھرے اور علی ہذا القیاس تو یقینی طور پر اُس سے زیادہ جذبات کی پامالی اور حسیات کی بے قدری کا افسوسناک منظر کہین اور نہین مل سکتا -

ایک بات یہ بھی ہے کہ جب شاعر کو اس رنگ مین بدرجہ کمال غلو پیدا ہو جاتا ہے تو اپنے اس رنگ کو ہر ایک موقع پر قائم رکھنے کے لیے اُس کو بسا اوقات نہایت معمولی و متداول تشبیہون اور استعارون سے کام لینا پڑتا ہے - اسکی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل اشعار کافی ہونگے ؎

لکھا تھا خط مین اُنھین حال آہ سوزان کا   سنا ہے راہ مین بجلی گری کبوتر پہ

مرغ وحشی کی طرح اُڑ کے گیا جانب دشت   حال خط مین جو رقم تھا تری سودائی کا

کمال خط مین رقم تھا جو شوق و شرح کا   تمام رات رہی چاندنی کبوتر پہ
کیا ہی تیغ نگہ سے کسی پری نے شہید   بجا ہے مہر سلیمان ہو اپنے محضر پہ

جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے وہ ایک دوسرے کی مناسبت سے جبراً و قہراً شعر مین لائے گئے ہین گویا شاعر کے خیال مین اگر ایسا نہ ہوتا تو قانون شعری کے لحاظ سے قابل الزام ٹھہرنے کا خدشہ تھا منصفی شرط ہے ان شعرون مین تاثیر جذبات یا سوز و گداز کا کوئی بھی پہلو نکلتا ہے - اس قسم کے پا افتادہ مضامین اور بے لطف تشبیہات کسی بلندی کے لیے سرمایۂ نازش ہو سکتی ہین لیکن تعشق ایسے جید "سخنگو" جن کی مرثیہ گوئی کا مرتبہ ادبی و علمی اعتبار سے نہایت ارفع ہے اُن کی منزلت و وقعت مین کوئی اضافہ نہین کر سکتین - ممکن ہے کہ مخصوص طبایع اس قسم کے تلازمہ کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھین لیکن فن سخن کے ماہرین جانتے ہین کہ محاکات شاعری کو ان سے کوئی تعلق نہین - شعر کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ سامع کو مجذوب بنا دے - یا دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیے کہ شعر وہی ہے جسکے مضامین اور جذبات سے سامع مثل شاعر کے متاثر ہو لیکن جب شعر کا دارومدار محض چند الفاظ کی ظاہری نشست و برخاست ہو تو اُس مین لطافت معنوی کا نام کہان جس سے سننے والے کے دل پر کوئی مستقل اثر پڑ سکے - مندرجہ ذیل اشعار اسی قبیل کے ہین ؎

کتنے ہو قیامت کی ہوا بند ہوئی ہے   دم آج رُکا ہے مگر اے یار کسی کا

دیکھنا کیسی مبارک ہوگی صیادی تمھین   دام مین طائر جو آئیگا ہما ہو جائیگا
کیا کنوئین مجکو دکھائیگی مری آوارگی   چاہ میرے واسطے ہر نقش پا ہو جائیگا

دل جل کے رہ گئے دفن رشک ماہ پر   اس قافلے کو پیاس نے مارا ہے کاہ پہ
بخیہ جراحت دل نازک مزاج کا   موقوف ہی ہے حضور کی تار نگاہ پر

درد و غم سے جو نہان تھا وہ ملا دل مجکو   اس لیے دفن کیا زیب ساحل مجکو

بالکل معمولی مضامین ہین جن مین جذبات و ذوقیات کا پتہ نہین - انکو پڑھکر کسی کا دل کیا خوش ہوگا - تاہم اس سے یہ نتیجہ نکالنا سخت غلطی ہوگی کہ تعشق کا دیوان اسی قسم کے اشعار کا مجموعہ ہے نہین بلکہ اُسے ایک دوکان سمجھنا چاہیے جس مین پھیکے پکوانون کے علاوہ طبقۂ خواص کے کام و زبان کے لذت یاب ہونے کا سامان بھی موجود ہے - مثلاً مندرجہ ذیل اشعار جن مین لکھنو کا رنگ غالب ہے برجستگی و تازگی مضامین کے لحاظ سے قابل داد ہین - کہتے ہین ؎

شب کو کیا کیا باغ مین جلوے نمایان ہو گئے   چاندنی کے پھول جو ٹوٹے ستارے ہو گئے

برق موجین بن گئین بجلی ترے نشتر ہوگئے — دل جلے جب نغمۂ دریا مین تمھارے ہوگئے
رات کو تیرا مجھے دھوکا ہوا اے ماہ رو — بیخودی مین چاند سے کیا کیا اشارے ہوگئے

ذیل کا اقتباس بھی اسی نوعیت کا ہے ؎

باغ مین پھولون کو ڈھونڈ آئی سواری آپکی — کس قدر ممنون ہے بادِ بہاری آپکی
بیوفائی آپ کی غفلت شعاری آپکی — میرے دل نے عادتین سیکھی ہین ساری آپکی
میکدہ مین ٹوٹے جاتے ہین سبو زرد کے جام — مفسدہ پرداز ہے چشمِ خماری آپکی

اسی طرح جب نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو اکثر غزلون مین درد اور سوز و گداز کی تصویرین بھی دیکھنے مین آ جاتی ہین۔ مثلاً یہ اشعار واقعی موثر ہین ؎

بھرے ہین آنکھو مین آنسو اداس بیٹھے ہو — یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہو
بیان شمع ہے ہم خاک ہون گے پروانو — یہ حال دیکھنے کو آس پاس بیٹھے ہو
قفس مین بھی ہے اسیرو تمھین وہی سودا — لگائے فصلِ بہاری کی آس بیٹھے ہو

اس غزل مین یہ شعر بیت الغزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرماتے ہین ؎

مجھی کو ناز سے دیکھا جلا جو پروانہ — تم ایک بزم مین مردم شناس بیٹھے ہو

معنی آفرینی اسکا نام ہے اور طرزِ ادا نے اور جان ڈالدی ہے۔ سبحان اللہ مرحبا!

جذبۂ تاثیر کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لائق توصیف ہین ؎

کچھ نہ کچھ گو ذکر بیان پر بھی سامان ہوگیا — چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغان ہوگیا

دل ہو مردہ خلد مین جانے سے کیا ہو جائیگا — ہم جہان ہونگے وہ گھر ماتم سرا ہو جائیگا
خبر کسی کو ضعیفون کے قتل کی نہوئی — ہم ایک قطرۂ خون تھے زبانِ خنجر پر

ذیل کے اشعار ایک غزل سے لیے گئے ہین۔ پہلے دونون شعرون مین حسرت و یاس کا رنگ بہت اچھا دیا گیا ہے۔ تیسرے شعر مین اندازِ بیان بہت دلچسپ ہے۔ چوتھا شعر جدت یا معنی آفرینی کے اعتبار سے نہ سہی لیکن بحیثیت مجموعی اچھا ہے اور ایک سچے واقعہ کی حقیقت کا اس سے انکشاف ہوتا ہے ؎

یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہین — اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہین
کچھ خبر ملتی نہین دل کی مجھے — آج نالون کی صدا آتی نہین
قبر مین رکھکر مجھے کہنے لگے — کیون! طبیعت اب تو گھبراتی نہین
بے ترے رہتی ہے اُلجھن رات بھر — کروٹین لیتے ہین نیند آتی نہین

ایک غزل ہے ؎

اس چمن مین کیون کوئی حاجت پیدا کرون — مثلِ غنچہ دامنِ دل سے قبا پیدا کرون

اس مین بھی تین شعر نہایت پرکیفیت ہین اور عجیب و غریب انداز مین کہے گئے ہین ؎

موجِ دریائے بلا کی چاہیے کشتی مجھے — ہو جو بالکل ناموافق وہ ہوا پیدا کرون
مجھسے لاکھون خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو — مین کہان سے ایک تیرا سا خدا پیدا کرون
طائرِ بے آشیان ایسا ہون بجلی گر پڑے — ایک تنکے کا اگر مین آسرا پیدا کرون

تم دامنِ نظارہ سے دو خلعت آخر (۱) محتاج کفن کو ہے تن زار کسی کا

تلاشِ شبِ وصل مین پھر رہا ہون (۲) مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہین

مین زاہدون کے سامنے ہون تارک الصلوٰۃ (۳) کس سے کہون کہ لائق سجدہ جبین نہین

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہون مین (۴) دردِ دل اتنے دنون سے ہے کہ عادت ہوگئی

روئی شبنم جب کسی طائر کو دیکھا کوہ پر (۵) فرطِ الفت سے یہ جانا روح ہے فرہاد کی

(۱) دامنِ نظارہ کی ترکیب نہایت اچھوتی اور دلکش ہے۔ مضمون بھی صاف و دلپسند ہے۔
(۲) اسمین مصرعِ ثانی کا استفہام غایت درجہ لطیف و برجستہ ہے۔ مضمون مین بھی تازگی موجود ہے۔
(۳) اسکا مضمون نہایت بلند ہے۔ اس قماش کا کلام شاعرون کو بقائے دوام کا رتبہ بخشتا ہے۔ کاش اسکی مثالین اور کثرت سے ہوتین! نہایت وسیع و بلیغ مضمون ہے اور سجدہ نہ کرنے کی توجیہ کس درجہ معقول، بامعنی اور

دلنشین ہے گویا نیازمندی اور خاکساری کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔

(۴) اس شعر کا مضمون بالکل نیچرل اور مطابق قانون قدرت ہے۔ اسی مضمون کو حضرت غالب نے بھی کس خوبی سے فرمایا ہے ؎

رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہو گئیں

تعشق کا شعر بھی نہایت بلند پایہ ہے اور ادائے بیان میں ایک خاص قسم کی نزاکت موجود ہے۔

(۵) پانچویں شعر کا مضمون جدت کے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ طائر اور روح انسانی میں ایک خاص مماثلت ہے جس نے شاعر کے مطلب میں حیرت انگیز لطف پیدا کر دیا ہے۔

اس زمین میں ہماری آنکھیں، تمھاری آنکھیں، تعشق کی ایک مطول غزل ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اس میں انھوں نے نہایت شگفتہ اشعار نکالے ہیں۔ ورنہ قدرتاً اس قسم کی طرحوں میں آورد کا رنگ زیادہ ہوتا ہے اور شاعر کو رعایت لفظی، بعید از قیاس تشبیہات وغیرہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ تعشق کی اس غزل کا غالب حصہ صاف و شستہ اشعار سے مملو ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

جوش پر تھیں صفت ابر بہاری آنکھیں
بہہ گئیں آنسوؤں کے ساتھ ہماری آنکھیں

دو سے دیکھ لے تم کو کوئی جی بھرتا ہے
کر رہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا
آئی تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

تم کو شرم آتی ہے ہم قابل نظارہ نہیں
نہ رہا حسن تمھارا نہ ہماری آنکھیں

کور ہو جاؤں مگر عشق میں رونے کو نہ رو
ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

فرش ہو جاتی ہیں تم پاؤں جہاں رکھتے ہو
ادب آموز محبت ہیں ہماری آنکھیں

بعد مدت کے ذرا ہوش میں آیا ہوں میں آج
پھر دکھا دے مجھے ساقی وہ خماری آنکھیں

ان دو شعروں کا انداز بھی دیکھ لیجے ؎

منہ جو فرقت میں زرد رہتا ہے
کچھ کلیجے میں درد رہتا ہے

کہتے ہیں دل کی چوٹ کا ہر نشاں
منہ تعشق جو زرد رہتا ہے

یوں بھی چھوٹی بحروں میں انکے اشعار بیشتر صاف ہیں۔ ہر ایک غزل میں دو ایک شعر نکل آئے ہیں جنکی بندش اور برجستگی بعض اوقات میر کے کلام کی یاد دلا جاتی ہے۔ اسکا اندازہ ذیل کے انتخاب سے بخوبی ہوگا ؎

چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے
اب تو کوئی ایسی صورت کیجیے

دور جانا ہے کہ ہے قصد عدم
مہربان اب ہم کو رخصت کیجیے

لوگ کہتے ہیں مسیحا آپ کو
کچھ علاج درد فرقت کیجیے

موت ہے غارتگری کی تاک میں
جمع کیا اسباب راحت کیجیے

ہم ہیں سو حسرتیں ہیں اور دل ہے
مہربان دیکھنے کی محفل ہے

شب فرقت میں کوئی پاس نہیں
ایک بس میں ہوں اک مرا دل ہے

زور سے آہ کر نہیں سکتا
نرم دل ہیں وہ سخت مشکل ہے

نہ چونکے حضور آپ سوتے تھے غافل
پکارا کیا رات بھر دل ہمارا

نہ تھی آس پھرنے کی جو اس گلی سے
گلے مل کے رخصت ہوا دل ہمارا

تلاش یار کا تھا دھیان کل تک
ہمیں ہے اپنے دل کی جستجو آج

ہوا ترک محبت پر نہ راضی
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج

ترے در پر پڑے دم توڑتے ہیں
نکلتی ہے ہماری آرزو آج

آخر میں تعشق مرحوم کی ایک غزل کے جو بحساب ترتیب دیوان کی آخری غزل ہے چند اشعار لکھکر اس مختصر مضمون کا بھی خاتمہ ہے ؎

خلخال انکے پاؤں کی زنجیر بن گئے
طوق گلوئے فتنۂ محشر بنا بن گئے

اپنا مزار متصل در بنا بن گئے
گھر بھی تمھارے گھر کے برابر بنا بن گئے

کہتے ہیں وہ یہ سرمہ کا دنبالہ پونچھکر
اس تیغے کو توڑ کے خنجر بنا بن گئے

چھلا حضور ہاتھ کا دیدیجیے ہمیں
دل کے جہاز کا اسے لنگر بنا بن گئے

فرماتے ہیں محل ناز کو توڑ کر
دیکھیں تو شیشہ گر اسے کیونکر بنا بن گئے

سید محمد فاروق (شاہپوری)

طامس ایلوا ایڈیسن

ایڈیسن اُن با اقبال لوگون مین سے ہے جنھون نے تاریک جھونپڑون مین آنکھیں کھولین۔ مگر بالآخر اپنی محنت و کوشش جفاکشی اور اہلیت و ذہانت کی بدولت کامیاب ہوکر شہرت کے آسمان پر مثل آفتاب چمکے۔ اور بقائے دوام کا تمغہ حاصل کیا اور اُنکے بعد کی نسلین اُنسے سبق لیتی ہین۔

ایڈیسن ایک غریب والدین کے گھر مین پیدا ہوا جب اسنے ہوش سنبھالا تو وہ غربا اور ادنی طبقہ کے لڑکون کے مانند بازارون مین جوتیان چٹخاتا یا اخبار فروخت کرتا نظر آیا۔ اسکے بعد وہ ریل کے پلیٹ فارم کے کانٹے والے کا نوکر ہوگیا۔ غالباً اُسکے بچون کو کھلایا کرتا تھا۔ مگر یہان ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا جو ایڈیسن کی زندگی مین حیرت انگیز انقلاب پیدا کرنے والا ثابت ہوا۔

ایک روز ایڈیسن ریلوے سٹیشن کے جبوترے (پلیٹ فارم) پر کھڑا تھا۔ گاڑی آنے کا سگنل ہوچکا تھا اور ریلک جھپکتے ریل آیا چاہتی تھی اسنے دیکھا کہ سگنل والے کی لڑکی بیچ سڑک مین کھڑی ہے۔ دل مین کہا کہ اگر اس وقت اسکی امداد نہ کی جائیگی تو اس کی جان بچنی مشکل ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اُسنے اپنی جان پر کھیل کر ایک جست کی اور لڑکی کو صاف نکال لایا۔ اسنے پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹرین آپہنچی۔ اگر ایڈیسن نصف سکینڈ کی بھی تاخیر کرتا تو لڑکی کی خیر نہ تھی۔

ایڈیسن کی اس جانبازانہ کارگذاری نے اسکے آقا کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا۔ دل را بدل رہے است درین گنبد سپہر۔ سگنل والا اُسپر مہربان ہوگیا اور اُسنے ایڈیسن کو تار کا کام سکھایا اور اسے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ لڑکا ہونہار و ذہین اور ہوشیار ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیسن اس صیغہ مین زیادہ عرصہ تک کام نہین کرتا رہا بلکہ چند روز بعد اُسنے ایک کیمسٹ (دواساز) کی دکان پر ملازمت کرلی اور پھر اسی طور کیمسٹری کے تجربات شروع کئے، پھر ایک اخبار نکالا۔

اس وقت مسٹر ایڈیسن ایک کامیاب اور دولتمند موجد ہے۔ اسنے بہت سی ایجادات و اختراعات کی ہین جن مین سے فونوگراف سب سے زیادہ مشہور اور دلچسپ ایجاد ہے۔ کہتے ہین کہ وہ پانچ سو سے زیادہ چیزین پیٹنٹ کراچکا ہے۔ مسٹر ایڈیسن کی تقریباً ہر ایجاد کسی اتفاقی واقعہ سے تعلق رکھتی ہے جس سے اس مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔

وہ ایک روز سودا لانے کے واسطے بازار جارہا تھا گھر سے باہر نکل چکا تھا۔ اُسکی بیوی کو کسی اور چیز کی فرمایش کرنی تھی مگر آواز اس تک نہین پہونچ سکتی تھی۔ اسنے کاغذ کی نلی بناکر اسکے اندر سے ایڈیسن کو آواز دی جسے اُسنے سن لیا۔ وہ بازار تو چلا گیا مگر اس مشاہدہ جدید کی طرف اُسکی توجہ خاص طور پر مبذول ہوگئی۔ حتی کہ وہ نلکی کے اندر سے آواز پہنچنے پر مسلسل غور و خوض کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے "میگافون" ایجاد کرلیا۔ سچ ہے ایسی ایجادات غور و خوض ہی کا انعام ہین۔ اس وقت تک ایڈیسن کی مالی حالت قابل اطمینان نہین ہوئی تھی۔ اِس لیے اسنے ارادہ کیا کہ اس ایجاد کو شاہی حلقون مین رائج کرے۔ وہ اپنے منصوبہ مین کامیاب ہوا اور اُسے اس قدر آمدنی ہوگئی کہ وہ اپنے بچون کی تعلیم کا بھی انتظام کرسکا۔

فونوگراف کی ایجاد بھی ایک خاص واقعہ یا مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایڈیسن جن دنون اخبار نکالتا تھا ایک بوڑھا شخص اسکے دفتر مین آیا اور اُسنے شکایت کی کہ آپ نے میری شادی کی خبر جنگ کی خبر کے ساتھ کیون شائع کی؟

ایڈیسن اُس وقت دوات میں ٹین لگانا چاہتا تھا ہتوڑی وغیرہ اسکی میز پر پڑے ہوئے تھے بوڑھا نہایت جوش کے ساتھ بڑبڑا رہا تھا اور ایڈیسن یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ اُسکے ٹین پر بوڑھے کی آواز سے جابجا دندانے پڑے ہوئے تھے!

اسنے بوڑھے کو سمجھا بجھا کر اور عذر و معذرت کرکے رخصت کیا اور خود غور و خوض میں مصروف ہو گیا۔ ایڈیسن نے کوشش کی کہ کوئی ایسا طریقہ دریافت ہو جائے کہ بوڑھے کی آواز سے پڑے ہوئے دندانوں میں گونج پیدا کر دے! اُسنے چھاپہ خانہ کا ایک رول لیا۔ اُسپر ٹین منڈھا اور اُسے ایک گھومنے والے پیچ کے ذریعہ میگوفون کے نیچے لگا دیا حتی کہ میگوفون سے گنگنانے کی آواز نکلنی شروع ہوئی۔ انہو ایڈیسن اُچھل پڑا۔ بچوں کی طرح نعلین بجانے لگا اور بالآخر یہی امر گرموفون کی ایجاد کا سنگ بنیاد ہوا۔

ہم نے کہا کہ فونوگراف ایڈیسن کی ایجادات میں سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ ہے۔ اسلیے ہم اسپر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ علمی نقطۂ خیال سے یہ ایجاد زیادہ پیچیدہ اور دقیق نہیں کیونکہ اس میں بنا سائنس کے نہایت معمولی اور سادہ اصول سے کام لیکر اس سے حیرت انگیز نتائج حاصل کیے گئے ہیں۔ مگر اس سے ایجاد کی اہمیت میں فرق نہیں آتا۔

یہ بات بہت عرصہ سے معلوم ہے کہ ہر قسم کی آوازوں کو (جن میں انسانی آواز بھی شامل ہے) ہوائی لہروں کا وہ سلسلہ پیدا کرتا ہے جو مختلف حرکت اور جنبش کرنے والی چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں تاہم اس سے کچھ مدت بیشتر یہ بات بادی النظر میں ناممکن خیال کی جاتی تھی کہ آواز کی نقل مصنوعی طور پر کی جاسکے اور ایک بار بولے ہوئے الفاظ بالکل اسی طرح دہرائے جاسکیں حتی کہ لب و لہجہ میں مطلق فرق نہ آنے پائے اور ہم ایسی آوازیں دور دراز مقامات پر بھی سن سکیں۔ مگر مسٹر ایڈیسن نے فونوگراف ایجاد کرکے یہ باتیں سچ ثابت کر دکھائیں!

فونوگراف کی ساخت کے اصول ٹیلیفون کی ساخت سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ایک جانب ایک شخص ایک حلقہ نما آلہ (ڈایافرام) کے اندر کچھ بات کہتا ہے۔ یہاں دوسرے ڈایافرام تک تار کا سلسلہ پہونچایا جاتا ہے۔ اس تار میں برقی لہر پیدا کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی آواز دوسرا شخص ایک دوسرے ڈایافرام کے اندر میلوں کے فاصلہ پر سن لیتا ہے اور اپنی باتوں کا جواب فوراً پہلے ڈایافرام میں بات کہنے والے شخص سے حاصل کر سکتا ہے۔ پس یہی اصول ٹیلیفون کی ساخت کا ہے۔

فونوگراف میں تقریباً تمام عمل مصنوعی ہوتا ہے۔ ٹیلیفون کی طرح اس میں بھی آواز کی لہریں ڈایافرام (حلقہ نما آلہ) میں متحرک ہوتی ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ برقی رو ان لہروں کو کسی معینہ فاصلہ پر پہنچائے، ہوتا یہ ہے کہ وہ لہریں ایک سخت سلنڈر پر دندانہ دار اور پیچیدہ لکیروں کی صورت میں منقش ہو جاتی ہیں۔

یہ عمل فولاد کے ایک باریک نوکدار آلہ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ جو نقاشی کرنے والے آلہ کے مانند ہوتا ہے۔ اس آلہ کی نوک لیور (ایک ننھا چھوٹا پرزہ) کے ذریعہ سے ڈایافرام کے مرکز میں رکھی جاتی ہے۔

ریکارڈ اس طریق پر تیار کیے جاتے ہیں کہ سخت موم کا سادہ سلنڈر ایک پیچ کی حرکت کے ذریعہ سے گھڑی کے چاک کے مانند گولائی میں یکساں رفتار سے گھومتا ہے۔ فولادی آلہ کی تیز نوک کو ایسے طریق پر لگایا جاتا ہے کہ وہ بمشکل سلنڈر کو مس کرسکے۔ اس میں ایک باریک پیچدار نالی یا لکیر تیار ہو جاتی ہے نالی کی گہرائی دونوں سروں پر یکساں ہوتی ہے۔ اسکا گھاؤ یا دائرے ایک دوسرے کے

بالکل قریب ہوتے ہین جب بولنے والے یا گانے والے کی آواز سے ڈایافرام
مین حرکت ہوتی ہے تو فولادی آلہ کی نوک سرعت سے نیچے اوپر حرکت کرتی ہو
جس کا اثر یہ ہوتا ہو کہ آواز کے اُتار چڑھاؤ کے مطابق سلنڈر مین مختلف
گہرائیون کی نالیان تیار ہو جاتی ہین اور اِس طرح سلنڈر (ریکارڈ)
تیار ہو جاتے ہین جن کو فونوگراف مین لگا کر بجایا جاتا اور وہ دنیا کے
دور دراز حصون مین پہنچ سکتے ہین اور پھر بھی اصل آواز کی نقل سُنا کر
انسان کو محو حیرت اور مسرور کرتے ہین۔

یہ معلوم کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ اس طریق پر تیار شدہ سلنڈر
پھر وہی آوازکیون دُہراتے ہین؟ فونوگراف کی سوئی گویا مذکورہ بالا فولادی
آلہ کی نوک ہے۔ سوئی کو اُس مقام پر قائم کیا جہان پیشتر فولادی آلہ کو
قائم کیا تھا یعنی سلنڈر (ریکارڈ) کے کنارے کے قریب اُسی مقام پر جہان
سے کہ باریک نالی شروع ہوتی ہے۔ اب فونوگراف کی مشین نے اُسے
سابقہ شرح رفتار سے گھمایا اور سوئی اُسکی نالی کے اندر چلی۔ اور نالی کی
بے قاعدگی یا راہ کی پیچیدگی کی وجہ سے اُس مین جو اُتار چڑھاؤ ہوا اُس سے
ڈایافرام مین پھر وہی لہرین پیدا ہوئین جو پیشتر بطور نالی کے کٹ گئی
تھین۔ سوئی آگے کو اُسی راستہ مین گھومتی گئی حتیٰ کہ سلنڈر کے مرکز کے
قریب جا پہنچی اور راگ ختم ہو گیا۔

گرامو فون اور فونوگراف اصولاً ایک ہی چیز ہین ساخت مین فرق
ہے فونوگراف مین ریکارڈ نہین چڑھائے جاتے بلکہ سلنڈر (گلاس)
چڑھائے جاتے ہین۔ یہ گلاس بھی ریکارڈون کے اصول و طریق پر
تیار کیے جاتے ہین۔ گرامو فون مین ریکارڈ چڑھائے جاتے ہین۔

گراموفون کی مستعملہ سوئی کیون بیکار ہو جاتی ہے؟ اصل مین
سوئی کی باریک نوک گھس جاتی ہے اس لیے وہ بیکار ہو جاتی ہے
اگر غلطی سے مستعمل سوئی لگا کر مشین چلائی جائے تو سلنڈر خراب
ہو جائیگا کیونکہ سوئی کی نوک جو اب بہت موٹی ہو گئی ہے ریکارڈ کے

نغمہ کی نالی کو اصل حالت سے مختلف یعنی زیادہ گہری اور چوڑی کر دیگی۔

حقیقت آواز اور فونوگراف کے نغمہ کو ہوائی لہرون کے ساتھ گہرا
تعلق ہے۔ یہ محض اُن لہرون ہی کا کام ہے کہ وہ اصل آواز کی نقل ایسی حیرت
انگیز درستی کے ساتھ اُتارتی ہین حتیٰ کی نہایت پیچیدہ اور لوچدار آواز
یا جلد جلد سے کہی جانے والی تقریر تک سلنڈر کے اندر بھرتی جاتی ہے اگرچہ
لہجہ مین فرق آجاتا ہو اور آواز مین گنبد کی سی گونج پیدا ہو جاتی ہو۔ تاہم
یہ کوئی کم حیرت انگیز بات نہین ہو کہ آواز کے اُتار چڑھاؤ، موج، کشش،
شیرینی، دلاویزی اور تمام دیگر کیفیات مطابق اصل ہوتی ہین۔ اور موسیقی
کے تمام نکات سمجھے اور سنے جاتے ہین جیسا کہ ہم روزمرہ ریکارڈون مین
دیکھتے اور سنتے ہین۔

ریکارڈ اور فونوگراف کا کام صرف اسی قدر نہین کہ وہ ہمین نغمے،
راگ اور اس قسم کی چیزین سنا کر خوش کیا کرے بلکہ یہ اور بھی کئی ضروری
خدمات انجام دیتا ہے۔ مثلاً

۱۔ فونوگراف سے خط و کتابت کا کام لیا جاتا ہے جب ایک ہی مضمون
کے متعدد خط لکھتے ہین تو پہلے خط کا مضمون ریکارڈ مین بھرتے ہین۔
پھر اُسے مشین پر چڑھا کر اور سُن کر اور خط لکھتے ہین۔ اور اس طرح کئی محرر
اُسکی نقلین کرتے جاتے ہین۔ گویا اس طرح فونوگراف ٹائپ مشین
کا قائم مقام ہو۔

۲۔ بحث اور مناظرہ کی گفتگو اسکے سلنڈر مین محفوظ کی جاتی ہے اور
یہ بات کوئی زود نویس سے زود نویس انسان اکسی مختصر نویسی کے ذریعہ
سے بھی حاصل نہین کر سکتا

۳۔ تاہم جس طرح ریکارڈون سے قرآن شریف اور مولود شریف
سنا کرتے ہین اسی طرح اُن کے ذریعہ سے لیکچر بھی دیا جاتا اور وعظ سنائے
جاتے ہین جو اصل سے زیادہ دلکش اور دلچسپ ہوتے ہین۔

۴۔ تھیٹریکل کمپنیون کے ایکٹر، ماہران موسیقی اور واعظ و لکچرار

اس سے اپنی آواز کے طرز و انداز درست کیا کرتے اور اپنے فن میں ترقی کرتے ہیں

۵۔ آیندہ قائم نہ رہنے والی یعنے مٹ جانے والی اقوام (مثلاً وحشیوں) کی زبانیں، ان کے راگ راگنیاں، گیت اور روایات اسی کے ذریعے سے محفوظ کی جا رہی ہیں۔

مگر یہ سب کام مغرب میں کیے جاتے ہیں ورنہ ہمارے ملک والے تو محض راگ ہی سنکر خوش ہو لیتے ہیں اور بس! وہ کبھی بھولے سے بھی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ فونوگراف کس اصول پر بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علامات کچھ مبارک نہیں۔

حال میں یورپ سے ایک ایسے آلہ کی ایجاد ہونے کی خبر آئی ہے جو اگرچہ فونوگراف ہی کے قسم کا ہوگا مگر اس سے عجیب و مفید تر جس مکان میں دو یا چند اشخاص باتیں کرتے ہوں اسمیں یہ آلہ رکھدو اور دوسرے وقت اسی آلہ سے حرف بحرف سن لو۔ اگر یہ مکمل ہو گیا تو اس سے تحقیقات جرائم میں غیر معمولی کامیابی ہوگی۔

اس طرح مغرب کے ایک افسانہ نویس نے ایک افسانہ لکھکر اپنے ذہن رسائی بدولت اپنے ملک کے موجدون کو ایک ایسے آلہ کی ایجاد کی جانب متوجہ کیا ہے، جو یہ ظاہر کردے کہ فلان شخص کے دل میں کیا ہے اُس کے خیالات کیسے ہیں۔

یہ جملہ معترضہ تھا فی الحقیقت فونوگراف اس صدی کی ایک عجیب اور حیرت انگیز ایجاد ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ غالباً تمام جہان میں ایسی اور کوئی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہوگی جو بظاہر ایسے کم وسائل سے اس قدر تعجب خیز نتائج ظاہر کرکے انسان کو محو حیرت بنائے اور متاثر کرے اور اعصاب کی انتہائی نزاکت کا ثبوت بہم پہنچائے

مسٹر ایڈیسن اب بھی ایجاد و اختراع کی دھن میں لگے ہوے ہیں زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ آپنے امریکہ کے ایک اخبار کے قائم مقام سے ملاقات کرنے وقت کہا تھا کہ میں ایک اور ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یعنے آیندہ فونوگراف میں رقص کرنے والی تصاویر بھی ہوا کرین گی جن سے علاوہ راگ سننے کے رقص کا بھی پورا لطف حاصل ہوگا۔ غالباً یہ مشین مکمل ہو چکی ہے مگر ہندوستان میں ابتک نہیں دیکھی گئی۔

کہتے ہیں کہ مسٹر ایڈیسن دن رات میں صرف تین گھنٹہ سوتے ہیں اور صحت باوجود پیرانہ سالی کے بہت اچھی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ انسان دنیا میں "جاگنے اور کام کرنے کے واسطے آیا ہے" ورنہ وہ مرنے کے بعد بیکار اور غافل تو خدا جانے کب تک پڑا رہے گا۔ میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ اُنھون نے اپنے خاندان کے دوسرے ممبرون کو بھی ایسی ہی زندگی کا عادی بنا لیا ہے چنانچہ اُنکی بیوی اور لڑکی بھی بہت کم سوتی ہے

مسٹر ایڈیسن باوجود بوڑھے ہونے کے دن رات مطالعہ و مشاہدہ اور سائنٹیفک (علمی) تجربات و مشاہدات میں مصروف رہتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں خراج تحسین و آفرین نیز مالی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ورنہ موجدون اور مصنفون کی قدر بالعموم انکے بعد ہی ہوتی ہے۔

چند سال ہوے ایڈیسن نے ایک اور ایجاد کی ہے یعنے اُسنے ایک ایسی بیٹری بنائی ہے جس میں ایسی طاقت موجود رہ سکتی ہے جو ایک موٹر کار کو ہزار میل تک لے جا سکے اور اس میں دوبارہ گیس بھرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ گو ایڈیسن نے ٹیلیفون ایجاد نہیں کیا۔ لیکن اسکے کئی اجزا اسی کی ایجاد ہیں۔

ایڈیسن محض موجد اور سائنسدان ہی نہیں بلکہ کاروبار میں بھی وہ نہایت ہوشیار آدمی ہے۔ گویا وہ ایک اچھا خاصہ ماہر رموز تاجر ہے جب وہ کوئی تازہ ایجاد کرتا ہے تو تمام دنیا میں پیٹنٹ کرا دیتا ہے۔ وہ اپنی اشیا کے اشتہارات بڑے ذہن نشین اور دلچسپ پیرایہ میں دیتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اُسکی کامیابی کا یہ ایک اہم راز ہے۔ ایڈیسن کی ایجادون نے اہل دنیا کو حیران کر رکھا ہے۔ اُس کی ایسی

بہت سی ایجادین ہونگی جن کا ہم ہندوستانیون کو علم بھی نہین -
اس مین شک نہین کہ یورپ اور امریکہ نے موجودہ صدی مین ایڈیسن
جیسے بہت سے موجد اور اہل کمال پیدا کیے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
کیا انھین ہم عظمون مین اس قسم کی اہلیت اور قابلیت ہے - اور مشرق
خصوصاً ہندوستان مین یہ قابلیت نہین -
ہندوستان مین ایسے موجد اور اہل کمال کیون نہین پیدا ہوتے ؟
اسکے کئی سبب ہین - مثلاً ہندوستانیون کا آرام طلب ہونا - اُنکو غور و فکر
کی عادت اور صنعت و حرفت کی ترقی کا خیال نہ ہونا - اُن کے دلون کا ملکی
بہبودی، ترقی اور حب وطن کے جذبات سے خالی ہونا - بعض تعلیمی نقائص
(مثلاً علوم و فنون کا مادری زبان مین نہ پڑھایا جانا) سائنٹیفک تعلیم کی
کمی اور نقص، زندگی بے قاعدگی کے ساتھ بسر کرنا -
ہمارے ملک کے آدمی بالعموم آرام طلب ہین، قانع ہین، تقدیر پر شاکر
ہین - وہ محنت اور جد و جہد کی قدر نہین جانتے بلکہ محنت کو عیب سمجھتے ہین
اسی طرح ہاتھ سے کام کرنے مین اُن کی جان جاتی ہے - انھین غور و خوض
کی عادت نہین ہوتی - بجائے خود یہ بڑے نقائص ہین - پھر وہ ایجاد
و اختراع کرین تو کیونکر ؟
دیکھو ہم ہندوستانی تو پتنگ و تکل ہی اُڑا کر اپنا دل خوش کر لیتے اور اس شوق
مین اپنا روپیہ ضایع کرکے بیٹھ رہتے ہین لیکن اہل مغرب نے اپنی غور و خوض کی عادت
کی بدولت بیلون غبارہ ہوائی جہاز ایروپلین اور پر پرواز جیسی عجیب و غریب
ایجادین دنیا کے روبرو پیش کین ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا -
کیا ابھی وقت نہین آیا ہے کہ ہم ہندوستانی بھی ہوشیار ہون
اور ثابت کرین کہ ہم مین سے بھی ایڈیسن اور مارکونی جیسے ماہر فن
کمال پیدا ہو سکتے ہین -

مظفر حسین اظہر (دہلوی)

سچ اور جھوٹ

(۱)

حسن صورت بڑی قسمت سے ملتا ہے اور اگر حسن صورت کے ساتھ حسن
سیرت بھی ہو تو کیا کہنا - لکشمی مین یہ دونون خوبیان بدرجۂ اتم موجود
تھین - قدرت نے اس دیوی کے سنوارنے مین اگرچہ بڑی فراخدلی سے
کام لیا تھا مگر دنیا مین آکر یہ اُن دکھون سے نہ بچ سکی جو پیدائش و موت
کے لازمی وجوہ ہین
لکشمی کا باپ امرناتھ ایک مشہور تاجر تھا - ہر جگہ اُسکی عزت ہوتی
تھی - دولت اس قدر تھی کہ باوجود بے حد فضول خرچی کے لکشمی کے لیے
اتنا روپیہ چھوڑ گئے تھے جو اسکی تمام عمر کے گذارے کے لیے کافی و وافی ہو
امرناتھ بڑے حوصلہ کے آدمی تھے - اِن کے دوستون کا دائرہ بہت وسیع
تھا - جلسون اور جشنون مین ہزارون روپے پانی کی طرح بہاتے تھے
رفاہ کے کامون سے بھی گہری دلچسپی تھی اور تیرتھ جاترا مین ہر سال ایک
معقول رقم مفت خورون کی نذر کرنا فرض اولی خیال کرتے تھے - بات یہ
کہ اکیلے آدمی تھے متعلقین کے نام سے کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہ تھا - سمجھتے
تھے کہ گھر مین لے دے کے صرف ایک بیوی سو اُسکے کھانے کے لیے بہت کچھ
رہے گا ہم تو دنیا مین آکر کچھ نام کر جائین -
ان باتون سے ناظرین کہین یہ نہ سمجھین کہ تاجر صاحب اولاد کی طرف
سے لاپرواہ تھے - نہین ایسا نہین تھا - اپنے بھر بڑی کوشش کر چکے تھے
مگر بدقسمتی نے لاکھون روپیون کا ستیاناس کر دیا - آخر مایوس ہو کر
بیٹھ گئے اور اُس وقت سے روپیہ اور بھی پانی کی طرح بہنے لگا - آخر کئی برس
کے بعد پنڈتون کے پوجا پاٹ نے اگر پورا نہین تو تھوڑا اثر ضرور دکھلایا
دوسری طرف سے پیرون اور شہیدون کی امداد نے بھی کچھ سہارا دیا

ناتھ کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ تاجر صاحب اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر روپیہ کو دنیا کی کل نعمتوں پر ترجیح دیتے تھے اسی وجہ سے لڑکی نام "لکشمی" رکھا۔ اس موقع پر خوشیاں منائی گئیں انکا اعادہ کرنے کے بجائے فقط اندازہ کر لینا زیادہ اچھا ہوگا مگر دنیا میں شادی و غم توام ہیں، امر ناتھ کو یہ بات سخت قلق کے ساتھ ماننی پڑی۔ لڑکی ایک سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ان کی اہلیہ مرگ ناگہانی کا شکار بن گئی۔ بیچارے کرتے کیا! کسی طرح صبر کیا اور لڑکی کے ساتھ طبیعت بہلانے لگے جس میں اُن کو رفتہ رفتہ کامیابی ہوتی گئی۔

لکشمی دوج کے چاند کی طرح بڑھی۔ دن گذرتے دیر نہیں لگتی، حتیٰ کہ اس سن کو پہنچ گئی جس کے آگے لڑکی کا بن بیاہا رکھنا امر ناتھ کے عقیدہ کے مطابق مہا پاپ (گناہ عظیم) تھا یعنی لڑکی کی عمر اب ۹ سال کے قریب تھی باپ کو شادی کی سخت فکر ہوئی۔ اس کم بخت رسم کی تقلید میں تو وہ پکے لکیر کے فقیر تھے مگر تعجب ہے کہ اس وقت ان کو ایک نئی بات بھی سوجھی تاجر صاحب کنیا کے لیے بر ایسا تلاش کرتے تھے جس کی خاندانی قدامت تو کم از کم ضرور اعلیٰ ہو صحت جسمانی بھی اچھی ہو۔ باقی اور کوئی بات قابل لحاظ نہیں۔ اگر کسی غریب کا لڑکا ہو تو بہت اچھا جو والدین زندہ نہ ہوں تو اور بھی قابل پسند۔

یہ تجویز بڑی نرالی تھی مگر امر ناتھ دنیا کے اسٹیج پر کوئی نیا ایکٹر تو تھا نہیں اس میں کچھ نہ کچھ مصلحت پوشیدہ تھی۔ یا تو یہ بات تھی کہ اس خیال سے قوم میں ایک زبردست اصلاح کی تحریک کی جائے اور یا دنیاوی معاملات پر غور کرتے ہوئے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا کہ اس طریقہ سے شادی کے بعد لڑکا اپنی سسرال ہی کا ہو رہے اور لکشمی کے باپ کا عصائے پیری بنے۔

جوئندہ یابندہ، امر ناتھ کی ان تھک کوششوں نے چند مہینوں کے اندر اپنی حسب خواہش بر تلاش کر لیا، جسکا دنیا میں کوئی یار مددگار نہ تھا۔ ہاں یا تو ایشور تھا یا وہ دس پانچ اشخاص تھے جن کی مجموعی شفقت اس غریب کی پرورش اور تعلیم کی کفیل تھی۔ اجیت سنگھ کی عمر دس سال سے زیادہ نہ تھی، صورت شکل سے بڑا ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امر ناتھ کی نگاہ انتخاب جو اسکے اوپر پڑی تو پھر آگے نہ بڑھ سکی۔ آخر بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ لکشمی بیچاری یہ بھی نہ سمجھی کہ یہ کیا ہوا؟ اور کس لیے ہوا؟

لیکن امر ناتھ کے نصیبوں میں سکھ نہ تھا۔ اجیت سنگھ کو سسرال میں رہتے ہوئے مشکل سے ایک سال گذرا تھا کہ ایک روز دفعۃً غائب ہو گیا جستجو شروع ہوئی، ادھر اُدھر آدمی دوڑے، اشتہار دیے گئے مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ اب امر ناتھ کی آنکھوں میں زمانہ سیاہ ہو گیا۔ دنیا بگڑی تو عاقبت کی فکر ہوئی۔ تجارتی کاروبار آہستہ آہستہ بند کر دیا۔ وقت کا زیادہ حصہ مالا جپنے میں صرف ہونے لگا۔

تیرہ برس اور گذر گئے۔ بڈھے امر ناتھ کو مرے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ اب لکشمی تنہا گھر میں رہتی ہے اور ایک پرانی خادمہ اسکی رفیق ہے۔ لکشمی کا ظاہر و باطن یکساں دلفریب تھا۔ اُجڑے ہوئے باغ میں گلاب کا ایک خوشنما پھول کھلا ہوا تھا جس کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اب یہ کوئی معصوم بچہ تو تھی نہیں اپنی دردناک حالت کو بخوبی محسوس کر سکتی تھی۔ شوہر کی مفقود الخبری، باپ کی مفارقت دائمی، نہ کوئی عزیز نہ رشتہ دار، بیچاری کو زندگی وبال تھی۔ مگر خوش نصیبی سے کچھ پڑھی تھی جب طبیعت زیادہ گھبراتی تو اُسکے لیے کتابوں کا مطالعہ تسکین بخش ثابت ہوتا تھا اور وہ پرماتما کو دھنیہ باد دیتی تھی کہ ودیا کی بدولت اُس کے دل کو ایسے بھاری دُکھ میں کچھ شانتی حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲)

اوپر کے واقعہ کو گذرے ہوئے کئی سال ہو گئے اور اب قصہ کا تسلسل ہم

مجبوراً دوسری طرف متوجہ کرتا ہے۔

شام کا وقت ہے، طوفانی ہوائیں بڑی زور شور سے چل رہی ہیں۔ سمندر کی سطح جو ذرا دیر پہلے کسی ریگستانی میدان کی طرح ہموار تھی اب کوہستان کا ایک ناختنا ہی سلسلہ بنی ہوئی ہے۔ رعد کی مہیب آوازیں اُن بیچارے تارکان وطن کا کلیجہ ہلائے دیتی ہیں جو ایک چھوٹے سے جہاز پر سوار ہوکر جزائر فیجی سے ہندوستان کو واپس آرہے ہیں۔ قدرت اُس سے بڑی خوفناک روش سے کھیل رہی ہے۔ جہاز فٹ بال کی طرح اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے، کبھی زمین پر ہے کبھی آسمان پر۔ سر جہاز ران اس بلاے ناگہانی سے نجات پانے کے لیے اپنی اپنی جگہ بڑی مستعدی سے کام کر رہا ہے۔

جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ غریب مسافر بھی اس وقت جہاز والوں کی مدد پر تلے ہوے ہیں۔ خاص کر ایک اٹھائیس تیس برس کا جوان بڑی جرأت اور استقلال کے ساتھ فرض انسانی کے ادا کرنے میں مصروف ہے، اور جہاز کے کپتان کے ساتھ اُسی مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں ہدایت یا حمایت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

مگر کیا انسان کی بساط اور کیا اُسکی کوشش! آثار اچھے نہیں نظر آتے۔ جہاز قابو سے باہر ہے، آنے والی تباہی اسپر اپنا نقشہ عجلت کے ساتھ جما رہی ہے۔ سب کو یہی اندیشہ ہے کہ جہاز کسی بحری چٹان سے اب ٹکرایا اور اب ٹکرایا۔

جہاز کی حالت دمبدم بگڑتی گئی، خطرہ زیادہ بڑھتا گیا۔ بالآخر کشتیاں کھول دی گئیں اور مسافر اپنا مال و اسباب جہاز پر چھوڑ کر کسی طرح اپنر سوار ہو سکے۔ مگر آخری شخص نے تختہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک عورت چلا اٹھی "ہاے میرا بچہ جہاز پر رہ گیا" اس دردناک آواز نے رحمدل مسافر کو بیتاب کر دیا۔ بچہ کو ڈھونڈھنے کے لیے یہ اُلٹے پاؤں اوپر چڑھ گیا۔ اِدھر کشتیاں اُچھلتی کودتی روانہ ہو گئیں، ہوا اور پانی کی مجموعی طاقت کے مقابلہ میں یہ ہلکی پھلکی کشتیاں کب ٹھہر سکتی تھیں۔

صبح ہو گئی، نہ تو جہاز کا پتہ ہے نہ کوئی کشتی نظر آتی ہے۔ البتہ ایک بڑا مستول سطح آب پر آہستہ آہستہ بہتا ہوا نظر آتا ہے جس سے کوئی شخص لپٹا ہوا ہے۔ اس وقت ہوا میں گونہ سکوت ہے امواج کا تلاطم مفقود ہو گیا ہے آسمان صاف ہے سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں اس مصیبت زدہ کے چہرہ پر پڑ رہی ہیں جو بالکل بے حس و حرکت ہے۔ یہ شخص یا تو بے ہوش ہے یا مر گیا ہے۔ ذرا غور سے دیکھو! آہ! یہ تو وہی بندۂ خدا ہے جو کل شام کے طوفان میں بد نصیب جہاز والوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ تصویر میں دو رخ ہوا کرتے ہیں مگر زندگی کی تصویر میں کتنے رخ ہوتے ہیں، اسکا شمار کوئی نہیں کر سکتا۔

آدھ گھنٹہ اور گذر گیا۔ مستول برابر بہ رہا ہے۔ نعش بدستور لپٹی ہوئی ہے۔ سامنے سے ایک بڑا جہاز اسی طرف آرہا ہے۔ اب یہ مستول کے قریب پہونچ گیا۔ جہاز والوں نے دیکھا تو ایک کشتی چھوڑی گئی اور ذرا دیر میں مستول سے لپٹا ہوا نوجوان جہاز پر لایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب آئے دیکھا بھالا۔ یہ شخص صرف بے ہوش تھا، جان ابھی باقی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کے موافق مریض جہاز کے ایک چھوٹے کمرہ میں بآرام لٹا دیا گیا، جہاں اسکا علاج شروع ہوا۔

دوائیں اپنی تاثیر دکھلائے بغیر نہیں رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مریض نے آنکھ کھولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص ابھی کوئی خواب دیکھ رہا تھا جس سے یکایک بیدار کیا گیا۔ کیونکہ پہلا جملہ جو اسکی زبان سے نکلا وہ یہ تھا "آہ! معصوم بچے! میں بڑی خوشی سے اسی وقت مر جاتا اگر مجکو اس بات کا اطمینان ہوتا کہ تو صحیح و سالم بچ گیا" اسکے بعد دیوانہ وار اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر نے فوراً کوئی اور دوا پلائی کہ طبیعت کو تسکین ہو۔ کچھ دنوں میں جہاز بمبئی

سوامی دیانند سرسوتی

پہنچ گیا۔ مریض کی صحت ابھی درست نہ تھی، چنانچہ یہاں بھی اُسکے ساتھ
وہی ہمدردانہ سلوک روا رکھا گیا جو جہاز پر ہوتا آیا تھا جس کا وہ
بہ صورت مستحق تھا۔ سرگذشت کیا تھی، درد، محبت، جرأت اور ایثار
کی سچی کہانی تھی۔ ایک مرتبہ تو پتھر کا دل بھی پسیج جاتا تھا۔

(۳)

اندھیری رات ہے۔ ساون بھادوں کی راتیں اندھیری ہوا کرتی
ہیں۔ بالاخانہ کے ایک کمرہ میں لکشمی بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ کمرہ بڑی نفاست
اور سادگی کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے۔ سامنے میز پر ایک لیمپ جل رہا
ہے۔ جس پر کچھ کتابیں قرینہ سے چنی ہوئی ہیں۔ دیوار سے ایک کلاک لگا
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب نو بج گئے ہیں۔ کمرہ میں چار کھڑکیاں
دریچہ ہیں جو اس وقت کھلے ہوئے ہیں۔ لکشمی میز کے پاس ایک کرسی پر
بیٹھی ہوئی کوئی کتاب دیکھ رہی ہے۔ خادمہ ابھی نہیں آئی، نیچے
کھانے میں مشغول ہے۔

لکشمی کی عمر اب چھبیس ۲۶ سال کی ہے۔ مگر انقضائے مدت کا بجز
اسکے اور کوئی نمایاں اثر نہیں ہے کہ یہ اب پیشتر کے نسبت کچھ نحیف
و زار دکھلائی دیتی ہے۔ اور گھر کے کل حالات بدستور سابق ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے کتاب بند کر دی اور پھر اپنے دائیں
ہاتھ کی انگلی سے ایک خوبصورت انگشتری اتاری جس میں ایک معمول
سے زیادہ بڑا نگینہ جڑا ہوا تھا۔ اس کی طرف بڑی دیر تک حسرت و
یاس کی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ اس اثناء میں انگوٹھی کئی مرتبہ
انگلی میں پہنی گئی اور کئی مرتبہ اتاری گئی۔ انگشتری کیا تھی کوئی
داستان شوق تھی جس کے مطالعہ سے دل کو سیری نہ ہوتی تھی۔

کلاک نے دس بجا دیے۔ لکشمی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے
انگوٹھی ہاتھ میں پہنی اور ایک آہ سرد بھر کر کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
پاس ہی ایک پلنگ بچھا ہوا تھا، اسی پر لیٹ گئی کہ سو کر اپنے غم کو محو
کر دے۔ مگر خیالات پریشان کے ہاتھوں چین کہاں۔ کروٹوں پر
کروٹیں بدلی گئیں مگر نیند کے نام سے پلک تک نہ جھپکی۔ آخر کچھ خیال
آیا۔ اُٹھی اور دریچہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ آسمان پر کالے کالے
بادل چھائے ہوئے تھے۔ روشنی کے نام سے نہ چاند تھا، نہ کوئی ستارہ۔
ہر طرف بالکل اندھیرا تھا۔ البتہ اس تاریکی میں بھولی بھٹکی نگاہ کے
لیے اگر کوئی رہنما تھا تو وہ صرف بجلی کی عارضی چمک تھی۔ کچھ کچھ بوندیں
بھی پڑ رہی تھیں۔ یہ وقت بڑا خوش کن تھا مگر کن کے لیے؟ عشاق کلفگار
کے لیے، ہجران نصیب لکشمی کے لیے نہیں یہاں تو یہ سماں دکھ کو اور بھی
بڑھائے دیتا تھا۔ دل تھا کہ گہوارۂ انتشار۔ ایک خیال جاتا تھا
ایک آتا تھا مگر جہاں تک جسم سے تعلق تھا اس اضطراب کا کوئی اثر
ظاہر نہ تھا، بت کی صورت چپ چاپ کھڑی تھی۔ بڈھی خادمہ کمرہ
میں داخل ہو گئی مگر اسکو آہٹ تک نہ ملی۔

بڑھیا کی آنکھیں کچھ تو قدرتاً کمزور واقع ہوئی تھیں، کچھ سن کا بھی تقضا
تھا، قریب قریب اندھی ہو چکی تھی۔ جب لکشمی کو پلنگ پر نہ پایا تو آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی کچھ جھلک پا کر یوں بولی

بڑھیا۔ بیٹی ابھی تک نہیں سوئیں؟ وہاں کھڑی کھڑی کیا کرتی ہو؟

لکشمی۔ (چونک کر) کچھ نہیں یوں ہی کچھ طبیعت گھبرائی، سو
دریچہ کے پاس ذرا کھڑی ہو گئی۔ یہاں ہوا اچھی آتی ہے۔

بڑھیا۔ تو لاؤ پلنگ اُسی طرف لگا دوں!

لکشمی۔ نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ میں اب آتی ہوں۔ تم بھی
اپنا بستر لگا لو۔ پھر سو رہیں۔

بڑھیا "اچھا" کہکر اپنا بستر اُٹھا لائی۔ جھاڑنے لگی تو کوئی چیز
کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ نکل کر الگ زمین پر جا پڑی۔ یہ ایک بڑا لفافہ تھا
بڑھیا کو معاً یاد آ گیا، چونک کے بولی:۔ بیٹی لکشمی ادھر تو آؤ یہ
لفافہ فرش سے اُٹھا لو۔ مجھے کا ہے کو ملنے لگا۔ کمبخت آنکھیں تو

کسی کام کی نہین،،
لکشمی (دوڑ کر لفافہ اُٹھاتے ہوے) "یہ کب آیا،،
بڑھیا۔ بھئی! معاف کرنا یہ آیا تو سویرے ہی تھا مگر اُس وقت تم پڑوس مین گئی تھین۔ مین نے اسکو بستر مین رکھدیا تھا مگر پھر بھول گئی۔۔ یہ بڑھاپا کیا آیا، بڑا عذاب آیا۔ ہوش و حواس ٹھکانے ہی نہین رہتے"۔
لکشمی (لیمپ کے پاس لفافہ کھولتے ہوے) "اچھا تو آمین ہر ج ہی کیا ہے مل تو گیا، چند گھنٹون کے بعد سہی،،
دنیا مین لکشمی کے پاس اگر کوئی خط بھیجنے والا تھا تو صرف ایک شخص تھا پھر بھی لفافہ کھولتے وقت ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چہرہ پر ایک رنگ آیا، ایک چلا گیا۔ بارے لفافہ کھلا، خط نکلا اور یاس و امید کے مضمون کا خاتمہ ہو گیا لکشمی خوش ہو گئی دل ہی دل مین یون پڑھنے لگی۔

پیاری لکشمی! چھ سات مہینے گذرے ہونگے کہ مین نے تمھارے پاس ایک انگوٹھی بھیجی تھی جو تم کو ملی ہو گی۔ ایک چیٹھی بھی روانہ کی تھی جو تمھارے پاس پہنچ گئی ہو گی۔ تم نے جواب بھی ضرور بھیجا ہو گا مگر میری بدنصیبی تھی کہ مجکو نہ مل سکا۔ مین نے اپنی اُس چیٹھی مین یہ بھی لکھا تھا کہ مین جلد آؤنگا مگر سوچ کچھ اور ہوتا کچھ اور ہے۔ فجی سے تو وقت مجوزہ پر روانہ ہوا لیکن قسمت مین تو پریشان ہونا لکھا تھا۔ راستہ مین طوفان آیا، جہاز تباہ ہو گیا۔ مال و اسباب سمندر کی نذر ہوا۔ مگر غالبًا تم کو دیکھنا بدا تھا کسی طرح بچ گیا اب تین مہینے سے بمبئی مین پڑا ہون۔ بہت بیمار رہا، موت آتے آتے رہ گئی۔ اب بالکل اچھا ہون، گئی گذری باتون کا غم نہ کرنا۔ مین نے دو تین خط تمھارے والد کے نام فجی سے بھیجے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ تمھارے یہان نہ پہنچے ہون یا ممکن ہے کہ خدانخواستہ کوئی زندہ ہی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وجہ سے جواب ہی میرے پاس نہ پہنچا ہو۔ خیر کچھ بھی ہو بہرحال میرے نہ آنے کی ایک یہ بھی بڑی وجہ تھی۔ مین نے سوچا کہ اگر مین تمھارے یہان گیا بھی اور مکان خالی ملا تو سوائے اسکے کہ میرے شکستہ دل پر ایک اور چوٹ لگے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اسی حیص بیص مین کچھ دن اور گذر گئے۔ بالآخر مین نے ایک انگشتری تمھارے پاس بھیجی۔ اُس وقت مین نے اپنے دل مین یہ بات ٹھان لی تھی کہ جو کچھ ہونا ہو گا وہ ہو گا، مگر ایک بار تو جنم بھومی کے درشن کرون۔ اسی ارادہ سے روانہ ہو گیا مگر راستہ مین یہ افتاد پڑی۔ خیر اب اسکو خوش قسمتی سمجھو یا بدقسمتی، جیتا بچ گیا۔ آج اماوس ہے غالبًا پورنماشی کو تمھارے پاس پہنچ جاؤن۔ مجکو تمھاری زندگی مین اب بھی شک ہے۔ ایشور کرے کہ یہ شک محض شک ہی شک ثابت ہو۔ بالفرض اگر تم زندہ بھی ہو مین تو مجکو یقین ہے کہ تم مجھے ہرگز نہ پہچان سکو گی۔ اور شاید میرے لیے بھی یہی مشکل درپیش ہو۔ خیر ان باتون کا تصفیہ اُسی وقت ہو جائے گا۔

تمہارا وفادار شوہر اجیت سنگھ

نامۂ شوق ختم ہو گیا لکشمی نے اس کو پھر لفافہ مین رکھدیا اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ بڑھیا کی آنکھین اسی طرف لگی ہوئی تھین جیون ہی لکشمی بیٹھی اُس نے یون خطاب کیا "کہو بیٹی! کس کی چیٹھی ہے؟"،
لکشمی (شرمائی آواز مین) "بھلا میرے پاس خط اور کہان سے آسکتا ہے۔ تم خود جان سکتی ہو"
بڑھیا (بات سمجھ کر) "بیٹی اس وقت بڑا آنند ہوا بھگوان خوش رکھین۔ اور لکھا کیا ہے؟"،
لکشمی "بمبئی سے خط آیا ہے۔ پورن ماشی کے دن آنے کو لکھا ہے"
بڑھیا (اور خوش ہو کر) "بھلا وہ دن بھی آئے کہ مین اُنکو ان آنکھون سے دیکھون۔ بیٹی! پرمیشر بڑا مالک ہے۔ انسان کو نراش نہ ہونا چاہیے۔

تھوڑی دیر کے بعد دونون اپنی اپنی جگہ لیٹ گئین اور بڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتین ہوتی رہین۔

آج لکشمی کا خواب بہت شیرین اور پرامید تھا۔

(۴)

مولراج کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو کسی وقت اپنی عزت و شرافت مین مشہور تھا۔ مگر دنیا کبھی ایک حال مین نہین رہتی۔ زمانہ مین ہمیشہ انقلاب ہوتا آیا ہے۔ مولراج ایسا ننگ خاندان پیدا ہوا جس نے اسکی رہی سہی آبرو خاک مین ملا دی حنظل دیکھنے مین بہت خوبصورت ہوتا ہے مگر ذائقہ مین نہایت بد مزہ۔ مولراج کا حسن ظاہری جس قدر دلفریب تھا، اُسکے خواص باطنی اُسی قدر قابل نفرین ہے۔ جوا کھیلتا تھا، چوری کرتا تھا، منشیات کا بڑا دلدادہ تھا اور بدچلنی تو پرلے درجہ کا تھا۔ غرض کہ دنیا مین کوئی ایسا عیب مشکل سے مل سکتا تھا جسکا خمیر ذات شریف کی جبلت مین نہ ہو۔ جو کچھ بچی کھچی جائداد تھی وہ سب انھین عادات قبیحہ کے ہاتھون ستیاناس ہو چکی تھی۔ لیکن انکو اسکی کیا پروا۔ اگر کسی وقت اپنے حال مین مست تھے تو اب اپنی کھال مین مست ہین۔ دل مین شرافت کی بو بالکل باقی نہ تھی البتہ اوپری سج دھج مین اُسکا بدل ضرور موجود تھا۔ پڑھنے لکھنے کے نام سے بھی کچھ "شُد بُد" تھی۔ بیوی گرہ گرہ کر خدنگ اجل کا نشانہ بن چکی تھی۔ اِن کو گھر سے تو کبھی دلبستگی نہ تھی؛ اب رہا سہا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا۔ بالکل آزاد تھے۔

بدقماش عموماً ہرزہ گرد ہوتے ہین۔ مولراج اس صفت سے مستثنے نہ تھا۔ اب ان حضرت کا یہ مشغلہ تھا کہ سیر کرتے پھرتے تھے۔ قیام کا کچھ ٹھیک نہ تھا، اگر آج ایک جگہ ہین تو کل دوسری جگہ۔

آج سات آٹھ روز سے یہ اُس گانون مین ٹھہرے ہین جہان لکشمی کا مکان ہے۔ مادہ پرست انسان کی آنکھون مین چکا چوند پیدا کر دینے کے لیے حسن عالمتاب کی ایک جھلک کافی ہوتی ہے۔ مولراج دن رات اسی ٹوہ مین رہتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز چلتے پھرتے لکشمی پر نگاہ پڑ گئی۔ برسون کی اوباشی سے طبیعت مین بلا کا بے ساختہ پن آ گیا تھا؛ بس صورت دیکھنے کی دیر تھی کہ آپ بڑی سرگرمی سے اُسکی محبت کا دم بھرنے لگے۔ ہر وقت اسی فکر مین غلطان و پیچان رہنے لگے کہ کسی طرح وصال نصیب ہو۔ کئی مرتبہ کوچۂ جانان کی طرف گئے نگاہ شوق بار بار اوپر کو اُٹھی مگر بدقسمتی سے ہر مرتبہ مایوس ہو کر آئی۔

مولراج نا امید نہین ہوا معشوق کی پردہ داری نے جذبۂ فطری کو اور بھی اُکسایا۔ جادۂ عشق مین یہ کوئی نئے راہگیر تو تھے نہین؛ مقصد برآری کی ترکیبین سوچنے لگے۔ پُرانے تجربہ نے قوت تخیلہ کو مدد دی۔ آخر اُنھون نے یہ طے کیا کہ پہلے معشوق کے حالات سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔ مولراج ایسے چلتے ہوئے شخص کے لیے یہ کیا مشکل تھا۔ تھوڑی کوشش ضرور کرنی پڑی مگر جلد ہی سب باتین معلوم ہو گئین۔

اب اُنھون نے ایک نئی تدبیر سوچی۔ دل مین ٹھان لی کہ کسی طرح ایک مرتبہ لکشمی سے ملنا چاہیے خواہ اس کام کے لیے اُس کے مکان ہی مین کیون نہ جانا پڑے حضرت کو اپنے حسن خدا داد پر کچھ کم غرور نہ تھا۔ کامیابی کی خیالی تصویر ان کی آنکھون کے سامنے کھڑی تھی جس کا ہر اشارہ امید افزا تھا۔

اسکے قبل کے باب مین جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اُسکو گذرے ہوے چھ سات روز ہو چکے ہین۔ رات کا وقت ہے آٹھ بجا چاہتے ہین۔ مولراج اپنی دھن مین مست لکشمی کے مکان کے پاس سڑک پر ٹہل رہا ہے۔ آج اسکا مصمم ارادہ ہے کہ کسی سبیل سے اپنے دل و جان کی مالکہ کے درشن کرے۔ بارگاہ جانان تک رسائی ہو جائے پھر

آگے جو کچھ ہو، اسکا انحصار تو موقع و محل پر ہے۔

بے شمار منصوبوں سے نجات ملتے ملتے کچھ وقت اور گذر گیا آخر یہ مکان کے دروازہ کی طرف چلا آواز دینے ہی کو تھا کہ اسکی زمین پر کوئی سفید چیز دکھائی دی جو کچھ فاصلہ پر پڑی ہوئی تھی۔ خیال کا رخ بدل گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک بڑا لفافہ تھا جسکے اندر ایک خط ملا۔ مولراج نے سوچا کہ اسکو پڑھنا چاہیے شاید کوئی بات اور معلوم ہو۔ وہاں کھڑے ہو کر پڑھنا تو مناسب نہ تھا، دروازہ سے پلٹنا پڑا۔ کچھ دور جا کر سڑک کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ چاند کا قدرتی لیمپ آسمان پر روشن تھا جس نے مولراج کی قوت بینائی کو کافی مدد پہنچائی۔ اسنے خط کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا، ساتھ ہی ساتھ اسکے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہو گیا۔ کچھ دیر غور کیا اور یہ کہتے ہوے کہ "ہاں بس یہی ٹھیک ہے" اپنی قیامگاہ کی جانب لوٹا۔ پرانے منصوبے سب فسخ ہو چکے تھے، ان کی جگہ نئی بندشوں نے لے لی تھی۔

(۵)

آج پورنماشی ہے۔ ماہ تاباں آسمان کے نیلگوں فرش پر لوٹ لوٹ کر ہنس رہا ہے یا تو یہ اپنے کمال پر پہنچے ہوے شباب کے نشہ میں متوالا ہے یا لکشمی کو کسی آنے والی خوشی پر مبارک دینے کے لیے اظہار مسرت کر رہا ہے۔

ابھی بہت رات نہیں گذری، لکشمی آج صبح سے اپنے پیارے شوہر کی راہ دیکھ رہی ہے مگر سلسلۂ انتظار ابتک طول امل کی طرح بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اب دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے ہیں لیکن لکشمی کی قوت برداشت بڑی زبردست ہے۔ متواتر صدموں نے اسکو بے حد مضبوط بنا دیا ہے طبیعت میں ایک اس قسم کا سکون پیدا ہو گیا ہے جس کو ہم نہ خوشی کہہ سکتے ہیں نہ غم۔ وہ جلد نا امید نہیں ہو سکتی، برابر اپنے شکوک رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے "پورنماشی کے ختم ہونے میں تو ابھی کئی گھنٹہ باقی ہیں، آتے ہونگے۔ بالفرض اگر آج نہ آئے تو کل آئیں گے۔ جس ایشور کی کرپا سے مجکو اُن کی خبر ملی ہے وہی ایشور مجکو اُنکی مورت بھی دیکھنا نصیب کریگا۔ اگر میرے جذبۂ عشق میں اس قدر کشش تھی کہ اُن ایک دور و دراز سرزمین سے اس ملک میں پھر کھینچ لائے تو اب بمبئی سے یہاں تک لانے کے لیے اُس میں کافی سے بھی زیادہ طاقت موجود ہے۔ میں تو اس کے دن ہوں تو سمجھو کہ موقع ہی کیا ہے"۔ لکشمی اسی قسم کے خیالات سے اپنا جی بہلا رہی تھی کہ باہر کسی گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی جو فوراً ہی بند ہو گئی۔ لکشمی کا دل دھڑکنے لگا، خوبصورت چہرہ پر خوشی کا رنگ یکدم چڑھ گیا۔ آن کی آن میں ایک نکیلا سجیلا جوان مکان میں داخل ہو گیا۔ لکشمی استقبال کے لیے آگے بڑھی، فرط حیا سے آنکھیں چار نہ ہو سکیں۔ آنے والے پر ایک شرمیلی نگاہ ڈالی اور جھٹ قدموں پر گر پڑی۔

آنے والا۔ لکشمی یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں، جو کچھ بیش قیمت چیزیں ہوں وہ جھٹ پٹ لے لو اور میرے ساتھ چلی چلو۔ اس وقت نہ مجکو زیادہ کہنے کی ضرورت ہے نہ تم کو زیادہ سننے کی۔

لکشمی یہ سنکر چونک پڑی۔ دل میں ایک اور شک پیدا ہو گیا، فوراً اُٹھکر الگ کھڑی ہو گئی۔ اُسنے خیال کیا کہ اس کو زیادہ سننے کی ضرورت تھی ضبط سے کام لیا۔ استقلال کے ساتھ بولی "آپ کون ہیں؟"

آنے والا (ہنستے ہوے) "آہ میرا قیاس صحیح نکلا۔ میں نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ غالباً تم مجکو نہ پہچان سکو گی۔ میں ہوں کون؟ اجیت سنگھ اور کون"

لکشمی کو ان الفاظ سے اطمینان نہیں ہوا۔ اُسنے آنے والے کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا "مجکو کیسے یقین آئے"

آنے والا "میں اس سے زیادہ تم کو اور کیا یقین دلا سکتا ہوں کہ میری انگوٹھی تمہاری انگلی میں موجود ہے۔ بیشک میری تجویز سے تم کو

نیت ہوئی ہوگی، مگر میں امید کرتا ہوں کہ میں تم کو اس جلدی کا سبب مدمیں بتلا سکونگا، یہاں سے چلیں تو سہی،،

لکشمی کا شک ابھی رفع نہیں ہوا۔ وہ کچھ کہنے ہی کو تھی کہ ایک و شخص مکان میں آتا ہوا دکھائی دیا۔ پہلے آنے والا شخص اس واقعہ سے کچھ گھبرا گیا مگر اُسنے ہمت سے کام لیا۔ نووارد کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھکر پوچھا۔ ،،آپ کون ہیں جو اس بے تکلفی سے اندر چلے آتے ہیں گویا یہ تو آپ ہی کا مکان ہے،،۔

نووارد (تعجب کے لہجہ میں) ،،کیا یہ لکشمی کا مکان نہیں،،

پہلا شخص ،، تو پھر اس سے تم کو کیا مطلب،، ؟

نووارد۔ ،، اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ میں لکشمی کا شوہر ہوں،،

پہلا شخص۔ یہ خوب سوجھی، اگر کچھ پرواہ نہیں لکشمی خود جانتی ہے کہ وہ کس کی بیوی ہے لیکن، اب میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ مغالطہ آمیز اور فضول گفتگو کا وقت نہیں ہے۔ یا تو صاف صاف اپنے آنے کا مطلب کہیے یا فوراً تشریف لے جایئے تا کہ مجکو کوئی دوسرا طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے،،۔

نووارد سمجھ گیا کہ اسکو کیا کرنا چاہیے۔ اُسنے بڑی ضبط سے کام لیا۔ اُسکے لبوں پر ایک حقارت آمیز تبسم تھا لکشمی کی طرف مخاطب ہو کر بولا ،، ذرا وہ انگوٹھی مجکو دیدو جو تمھاری انگلی میں ہے بس یہی انگوٹھی ابھی سچ اور جھوٹ کو ظاہر کردے گی۔

بیچاری لکشمی حیرت کی تصویر بنی ہوئی کھڑی تھی، سیر جہان تھے، وہیں تھم گئے تھے کبھی ایک کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی دوسرے کی طرف۔ حیران تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

مگر بابکباز خواتین کے دل میں ایک قسم کی جرأت ہوتی ہے۔ وہ جرأت اس دیوی کی مدد کے لیے حاضر تھی۔ لکشمی نے یہ بات اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ میں اسوقت تک کسی پر اعتبار نہ کرونگی جب تک کہ اُس اعتبار کے کافی وجوہ ذہن نشین نہ کر دیے جائیں نووارد کی یہ بات سنتے ہی اُسنے انگشتری اُتار دی اور اُسکے حوالہ کر دی اس شخص نے اُسکو لے کر اِدھر اُدھر غور سے دیکھا اور ایک طرف کو دبایا۔ ٹرا نگینہ فوراً کھل گیا اور اندر ایک چھوٹی سی تصویر دکھلائی دی۔

نووارد (لکشمی کو انگوٹھی واپس کرتے ہوئے) ،،بس دیکھو لو یہی تمھارا شوہر اجیت سنگھ ہے جس نے تم کو یہ انگشتری بھیجی تھی،،۔

لکشمی نے بے صبری کے ساتھ انگشتری لے لی۔ ایک مرتبہ اُس کے اندر غور سے دیکھا پھر دینے والے کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ حیرت جاتی رہی۔ شک کی جگہ یقین کامل نے لی اور یہ فوراً اس کے سینہ سے لپٹ گئی۔ جوشش محبت نے دل میں حجاب کا خیال تک نہ آنے دیا۔ ایک لمحہ کے لیے دونوں پر عجیب محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ آنکھیں اُٹھیں تو کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہ تھا۔ البتہ تھوڑی دور پر کاغذ کا ایک چھوٹا ٹکڑا نظر پڑا۔ اُٹھا کر دیکھا تو ایک ملاقاتی کارڈ تھا جس پر سولراج چھپا ہوا تھا۔

اقبال ورما سحر

مرقد میں ہے کس درجہ صفا گستر خاک
دیکھو تو دکھا رہی ہے کیا جوہر خاک
ہے خسرو ملک خاکساری شاکر
اورنگ جو ہے خاک تو ہے افسر خاک

حشر کا منظر

داور بقا کہ تغافل میں ہوئی عمر بسر　　آگیا وقت سفر اور نہیں زاد سفر
پھر سفر بھی سفر تربت و تابوت نہیں　　نہ وہ سیر عرب و روم و عراق و بربر
یہ سفر وہ ہے کہ جسکے نہیں رستے معلوم　　یہ سفر وہ ہے کہ جسکی نہیں منزل کی خبر
یہ سفر ہے سفر قبر خدا رکھے شرم　　جسکی تاریکی و تنگی سے لرزتا ہے جگر
اپنی واماندگی یہ قبر کی منزل وہ سخت　　تنگ و تاریک مکان راستہ پر خوف و خطر
ہمسفر کوئی نہ دکھ درد کا ساتھی کوئی　　ہم پہ کیا گزری کہیں کس سے بھلا اپنی خبر
کبھی بھولے سے بھی یاد آئی نہ یا تکی بات　　کیسی غفلت میں بسر عمر ہوئی شام و سحر
قید عصیان میں [illegible] روز گذارے جیسے　　شام کی صحبت ابلیس میں ہنس ہنس کے سحر
دعوی باطل دنیا کو مدلل سمجھے　　کی نہ عقبی کے براہین و دلائل پہ نظر
شام کا کام جو تھا صبح پہ موقوف رکھا　　جب ہوئی صبح رکھا منحصر اسکو شب پر
وقت کو صرف کیا کرتے رہے غفلت میں　　صبح کردی لعب و لہو میں تارے گن کر
نفس گرم کی تھی آمد و شد تازہ تیز　　کٹ گئی عمر نہ جبتک نہوئی ہمکو خبر
اے دل بے عمل آخر یہ کہانتک غفلت　　عمر کوتاہ ہوئی طول امل سے بڑھکر
دن جوانی کے گئے آگیا وقت پیری　　شب ہوئی ختم نکلنے کو ہے مہر خاور
وہ اجل آئی کہ بکھیڑا ہی مٹا دنیا کا　　آنکھ کیا بند ہوئی بند ہوا زیست کا در
ہوگیا تیرہ و تاریک جہان آنکھوں میں　　روز روشن شب یلدا سے ہوا ہے بدتر
دیکھکر خواب اجل کھل گئیں آنکھیں دم نزع　　گویا [illegible] میں ہوئی سب عمر بسر
ذائقہ موت کا چکھا تھا کہ لب بند ہوئے　　نہ رہا کوئی مزہ یاد نہ وہ شربت شکر
تلخی مرگ سے سب بھول گئے دنیا کے مزے　　تلخکامی سے ہوئی روح بدن سے باہر
کچھ نہیں پاس و لحاظ اپنے یگانوں کا ہمیں　　سب کو معلوم ہے اب سب سے پھر آئی جو نظر
ادب و قاعدہ جد و پدر سب بھولے　　چھوڑتے ہیں انھیں ہم داغ جدائی دیکر
زن و فرزند چھٹے راحت و آرام چھٹا　　اب نہ کچھ باپ کی الفت نہ خیال مادر
ادب و قاعدہ اب کیسا کہاں کی تہذیب　　پاؤں پھیلائے پڑے سوتے ہیں اک تختے پر
خلعت خاص پہنکر ہوئے سب سے رخصت　　ہے یہ ہنگام سفر چھوڑتے ہیں اپنا گھر
ایسے اک گھر میں لٹایا ہمیں لاکر سب نے　　نام ہے جس کا لحد مانگتے تھے جس سے حذر
الاماں تنگی وہ تاریکی و تنگی و فشار　　الغیاث اسکی وہ وحشت کہ لرزتا ہے جگر
کوئی روزن بھی نہیں جس میں ہوا آنیکا　　وہ اندھیرا ہے کہ دن کو بھی نہ کچھ آئے نظر
تنگ ایسا ہے کہ کروٹ بھی نہیں لے سکتے　　پست ایسا ہے کھڑا ہو نہیں سکتا ہے بشر
کوئی سامان نہ کسی قسم کی دلچسپی کا　　کوئی صحرا نہ گلستان نہ کوئی بحر و بر
کوئی مونس کوئی ہمدم نہ شریک صحبت　　اس سے تو اپنا ہی تھا خانہ ویران بہتر
اس مکان میں کوئی آئے بھی تو کیونکر آئے　　نہ یہاں آنیکا رستہ ہے نہ ہے روزن در
نہیں ایسا نہیں دیکھو تو وہ کون آتا ہے　　یہ تو دو شخص ہیں پوچھو تو ملک ہیں کہ بشر
کیا وہی تو نہیں کرتے ہیں جو مردوں سے سوال　　کیا نکیرین یہی تو نہیں آئے جو ادھر
ہاں وہی یہ ہیں جنھیں حکم نکیری ہے صد　　چشم و گوش انکے نہیں دیکھیں سنیں گے کیونکر
دیکھا شکل مہیب ان کی زمانہ کانپے　　صورتیں وہ کہ جنھیں دیکھکے پھٹ جائے جگر
وہ قوی پنجہ کہ رستم کو بھی پشہ سمجھیں　　وہ زبردست کہ سہراب بھی کانپے تھرتھر
حال بد دیکھیں کسی کا تو وہ آنکھیں ہی نہیں　　سنیں فریاد کسی کی تو نہیں کان ادھر
کوئی پوچھے کہ کہاں آئے ہو کیونکر آئے　　راستہ بھول گئے کیا نکل آئے جو ادھر
لے لو وہ آئے بھی بیٹھے بھی اٹھایا بھی ہمیں　　کھلگیا لیجیے سوالات کا ان کے دفتر
یاد ہے پوچھتے ہیں انکے سوالوں کا جواب　　چپ ہیں خوف و ہراس انکا ہے طاری ہم پر
وہ سمجھتے ہیں کہ یاد انکو نہیں کل کا سبق　　آنکھیں دکھلاتے ہیں دھمکاتے ہیں خوف و خطر
بھاگنے کا کوئی رستہ نہ مدد کو کوئی　　کس مصیبت میں پھنسے ہائے یہاں ہم آکر
کیا کریں کیا نہ کریں کوئی بھی یہاں نہیں ہاں　　سخت سے سخت مصیبت یہ پڑی ہے سر پر
ایک دو روز نہیں ہفتہ دو ہفتہ بھی نہیں　　یہ مصیبت تو قیامت کی رہی تا محشر
اسقدر طول کھنچا برزخ کبری کو غبار　　کہ ہزار دن ہی برس ہوگئے تربت میں بسر
بارے اب جا کے ہوا ہے کہیں یہ دور تمام　　فاش اب ہونیکو ہے پردہ برزخ کی خبر
ہوشیار اٹھتا ہے اب پردہ قدرت کا حجاب　　خلقت عالمیان ہونیکو ہے زیر و زبر
ہاں خبردار رہو قبر کے سونے والو　　آنیوالی ہے کوئی دم میں قیامت سر پر
وہ لگے اڑنے شرارے وہ برسنے لگی آگ　　وہ ہوئی گرمی ہنگامہ روز محشر

وہ پھنکا صور وہ سوتے ہوئے مردے چونکے
طرف عرصۂ محشر چلے سب برہنہ سر

یوں تو جانیکو چلے جاتے ہین جانیوالے
پاؤن اُٹھتا نہین پر بارِ گنہ ہے سر پر

عرصۂ حشر کا اللہ رے میدان وسیع
حد وسعت ہی خیالِ شعرا سے باہر

یہ تو دنیا ہی نرالی ہے نیا ہی عالم
نہ زمین ہی نہ فلک ہی نہ شجر ہی نہ حجر

نہ بلندی ہی نہ پستی نہ کوئی باغ نہ راغ
نہ یہان قلعہ ہی کوئی نہ کوئی قصر نہ گھر

یہ عجب طرح کا میدان ہی کہ دیکھا نہ سنا
نہیں سبزہ ہی نہ ریتی نہ کہین ہی پتھر

نہ پہاڑ اسمین ہی کوئی نہ کوئی دریا ہی
نہ کوئی چشمہ نہ تالاب نہ صحرا نہ شجر

دن نہین رات نہین صبح نہین شام نہین
زیرِ پا فرشِ زمین ہی نہ فلک ہی سر پر

وسعت ایسی ہی کہ اک گوشہ مین کل خلق آئے
تنگ ایسا کہ گذارہ نہین سکتا ہی بشر

بیٹھنے کا کوئی موقع نہ کھڑی رہنے کی جا
بھاگنے کا کوئی رستہ نہ کوئی راہِ گذر

سایۂ نخل نہین سایۂ دیوار نہین
دھوپ ایسی کہ ہی خورشیدِ قیامت سر پر

عرصۂ حشر مین ہی خلقِ خدا آئی ہوئی
وحش و طیر و کس و مور و ملک جن و بشر

قابلِ دید ہی یہ منظرِ جمعیتِ خلق
ازلی و ابدی جمع ہی خلقت یان پر

صورتین آئی ہین کیا کیا نظر اس مجمع مین
صنعتِ صانعِ قدرت کی دلیل اظہر

ہی ہر اک مختلف الالوان عجیب الخلقت
ہی ہر اک شکل و شمائل مین عجیب منظر

قد و قامت مین کوئی سیکڑون گز کا اونچا
شکل و صورت مین کوئی قدرتِ حق کا جوہر

اک حالت مین ہین سلطان و گدا آج دو نون
ایک کو ایک کی پروا ہی نہ حالت کی خبر

ہی ہر اک مضطرب الحال پریشان خاطر
متغیر متحیر متفکر مضطر

آج کے دن کسی سلطان کی نہین سلطانی
سلطنت ہی نہ حکومت ہی نہ دولت ہی نہ فر

آج اک حال مین ہین حاکم و محکوم سبھی
آج ظالم کا نہین ہی کسی مظلوم کو ڈر

ہین ذلیل آج جو مغرور رہے تھے ذی عزت
عاجز و بیکس و بے بس ہین شریر و خودسر

جنکو دعوائے خدائی تھا یہ ہی حال انکا
پیچھے پھرتے ہین سراسیمہ بحالِ مضطر

داد خواہی کا ہی دن آج ہی ظالم مظلوم
ہی زبردست کا ہی حال ہر اک سے بدتر

صاحبِ تاج جو تھے آج ہین بیتاج ایسے
سر برہنہ ہین مصیبت یہ پڑی ہی سر پر

امتیاز آج غلامون کا نہ آقا کا ہے
کل جو مالک تھے وہ مملوک بنے ہین [illegible] نگر

آج نیکو نہین ہین بدعملو نہین حائل ہین
بے نمازو نہین تازی ہوئے روپوش آکر

ہر بد اعمال و خوش اعمال ہی اک حالت مین
بادشاہون کی فقیرون سے ہی حالت بدتر

اسقدر گرم زمین ہی کہ پھنکے جاتے ہین
بھاگ سکتے نہین بھاگین بھی تو جائین کدھر

وہ دہکتے ہوئے انگارے کے مانند زمین
وہ سوا نیزے پہ خورشیدِ قیامت سر پر

ہر بُنِ مو سے پسینے کی ہین نہرین جاری
تا بسینہ کوئی غرق اور کوئی تا بہ کمر

روز وہ روز کہ ہی روزِ قیامت جسکا
بس قیامت کا ہی دن نام ہی جسکا محشر

شور و فریاد سے ہی حشر مین اک حشر بپا
ہوش جب اپنا نہو غیر کی پھر کس کو خبر

یان تو یہ حال ہی یان حکمِ الٰہی پہنچا
عرصۂ حشر ہوا جس کے سبب زیر و زبر

کہو مالک سے جہنم کو بھی لے آئے یہان
مستحق اُسکے اُسے دیکھ تو لین ایک نظر

دفعتًا آتی ہی آواز مہیب اک ایسی
جس سے ہو جاتے ہین غش سب ملک جن و بشر

الاماں حشر مین یہ کیسی قیامت ٹوٹی
یہ جہنم ہے کہ ہے قہرِ خدائے برتر

یہ بڑی سخت مصیبت ہے عیاذًا باللہ
پھنکے جاتے ہین اگر شعلونپہ پڑتی ہی نظر

اُسپہ اُنیس فرشتے ہین موکل ایسے
جنکی اک مٹھی مین لاکھون ہی سما جائین نفر

جنکے دانتون سے اُٹھا کرتے ہین شعلے ایسے
جنکا اک شعلہ جہنم کو جلا دے اُٹھکر

انکی آنکھون سے ہی بجلی کی تڑپ شرمندہ
نفس سرد بھی جنکا ہے جہنم کا شرر

دل مین رحم انکے خدا نے کیا پیدا ہی نہین
غضبِ حق کا نمونہ ہین ہر اک کے تیور

انبیا پھرتے ہین کہتے ہوئے نفسی نفسی
اولیا قلتِ اعمال پہ روتے ہین ادھر

ہین ملائک بھی سہمے ہوئے پر و بال اپنے
ہول محشر سے ہر اک کانپ رہا ہی تھر تھر

دیکھئے جسکو وہ ہے اپنی پریشانی مین
باختہ ہوش پریشان و پراگندہ جگر

[illegible] کوئی نہ ہمراہ عمل بھی وہ عمل
جسکو برباد کیا کرتے تھے دن بھر شب بھر

دوست اپنا نہ کوئی یان نہ کوئی اپنا رفیق
باپ بیٹے سے گریزان تو پدر سے ہے پسر

باپ بیٹے پہ فدا کرتے تھے یہ کرتا ہی دنیا [illegible]
کہین دیکھا ہی اسے یاد نہین کس جا پر

منگیا آج زمانے کا حسب اور نسب
نہ پسر کوئی کسی کا نہ برادر نہ پدر

غبار دہلوی

رُباعیات

کیا مفت کا زاہدون نے الزام لیا — تسبیح کے دانون سے عبث کام لیا
یہ نام وہ تھا کہ جس کو بے گنتی نہین — کیا لطف جو گن گن کے ترا نام لیا

خوابیدۂ خلوت عدم نکلین گے — ذی روح ہین سب قدر بہم نکلین گے
برسات مین جسطرح نکل آتے ہین دفعتہً — یون ہی زمین سے ہم نکلین گے

آنکھون مین پھڑک پھڑک کے دل پہنچا تھا — پیمانۂ لب کے متصل پہنچا تھا
ساقی نے زمین پہ گرا دی ہر بار — معلوم نہین کون مخل پہنچا تھا

ظلمون پہ نثار ہونیوالے ہین ہم ان — اس سوگ مین جان کھونیوالے ہین ہم
سچ ہے تو اجل نے آکے آنسو پونچھے — اگلون کا اب ایک رونیوالے ہین ہم

چالاک ہین سب کے سب بڑھے جاتے ہین — افلاک ترقی پہ چڑھے جاتے ہین
مکتب بدلا کتاب بدلی لیکن — ہم اب بھی وہی سبق پڑھے جاتے ہین

مذکور زبان پہ صبح و شام اُسکا ہے — منقوش ہر اِک دل پہ کلام اُسکا ہے
جینے کے زمانے مین تو سب جیتے ہین — جو مر کے جیے جہان مین نام اُسکا ہے

شاد عظیم آبادی

کلام وہاج

مسجد و دیر و کلیسا کو منافی نہ سمجھ — جبہ سائی کو خدا کے لیے کافی نہ سمجھ
شکر کر تجھکو جو توفیق عبادت ہے نصیب — نور ایمان کو مگر وصف اضافی نہ سمجھ
چاہتا ہو جو غم و رنج دو عالم سے نجات — کسی تکلیف کو راحت کے منافی نہ سمجھ
ساغر حافظ و خیام مین کیا شے ہے نہ پوچھ — مے احمر نہ سمجھ بادۂ صافی نہ سمجھ
یون تو ہر وقت کھلا ہے در توبہ وہاج
زہر پیری کو جوانی کی تلافی نہ سمجھ

ہے حسن تو اک عجیب دلکش منظر — اچھی صورت پہ ہر نظر پڑتی ہے
دیکھے ہین مگر بعینہ منظر بہ شکل — جن پر کہ نگاہ پڑ کے پچھتائی ہے
اُن کے خواہان بھی ہین خدا کے بندے — اُن کو بھی کسی پہ نازِ معشوقی ہے
وہاج یہ شکر ہے کہ اپنا مطلوب
وہ گل ہے جو زیب گلشن خوبی ہے

اس حسن کی صورت نظر آئی نہین کوئی — صورت گر قدرت نے بنائی نہین کوئی
ہے چاند مین میل اس رخ روشن مین نہین ہے — ادنی ہے یہ خوبی کہ برائی نہین کوئی

کیا کہون وہاج مین کل رات کسی محفل مین تھا — کیا سمان آنکھون مین تھا اور کون پیش نظر تھا
اک بت طناز کو دل چھین لینے کی تھی فکر — دل جو یہ پہلو بچاتا ہے بڑی مشکل مین تھا

وہاج الدین حیدر

جذبات اکبر

اب کیا مین طلب بتا کی کرون کیون زحمت اُٹھاؤن انکے لیے
دل کہتا ہے سچ کہتا ہے کہ دیکھ لیے اور کس کے لیے
یہ گوش و زبان و چشم مین غوغائے جہان سے فارغ ہین
کرتا ہون دعائین گل کے لیے سوسن کیلئے نرگس کے لیے
ہو تمکو مبارک شوق نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
بیکس کو ہے کافی داغ جگر تم شمع نہ مجلس کے لیے

خود گوارا نہین فریاد کا یہ جوش مجھے
کر بھی چکتی اجل آکر کہین خاموش مجھے
عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسی جنون
بزم ہستی مین مبارک نہ ہوا ہوش مجھے
حالت قابل فریاد کے سب ہین شاہد

اس سے کیا ہوتا ہی کر دیجئے خاموش مجھے
تابِ نظارۂ گلزار مین کیا لاؤن گا
رُت بدلنا ہی کئے دیتا ہے بیہوش مجھے
بت پرستی مین بھی پڑے کا ہون حامی اکبر
بخش ہی دیگا خداوندِ خطاپوش مجھے

بہت سے عہدی بھی لے چکا ہو لی ہو کونسل کی ممبری بھی
پھر اسپہ کہتا ہون مین پھر کا یہ پیٹ نیٹو کا ہے کہ مٹکا
سنوار ہی خود آپ ہی نے پتلے اور اُنہین کیمی لگائی عزبی
لگے وہ جب ناچنے تو خود ہی کسی کو پھینکا کسی کو پٹکا

اکبر الہ آبادی

سکونِ یاس

بیکار ہو اب شکوۂ تقدیر زبون کام — بے فائدہ ہو اب گلۂ گردشِ ایام
راتین بھی بہت دیکھ چکے عمر مین دن بھی — تکلیف بہت پائی اُٹھایا بہت آرام
نہ راحتِ ماضی سے ہو اب دل متلذذ — نہ باعثِ ایذا ہین وہ گذری ہوئے آلام
جو کچھ بھی ہوا تجربہ حاصل وہ فقط یہ — تسکین نہ کبھی ہو گی نصیبِ دلِ ناکام
کیا شے ہو سکون یہ نہین معلوم مگر ہان — عنقا کی طرح یہ بھی زمانہ مین ہو اک نام
یہ مسئلہ جب پایۂ تحقیق کو پہنچا — اُمیدِ سکون پھر تو ہو صرف اک طمعِ خام
رو پھوڑ دیا مین نے اس اُمید کا دامن — لو دور ہوئی دل سے مرے حسرتِ آرام
اب کوئی تغیر ہو نہین ہون مین متاثر — باقی ہی نہین مجھ مین حسِ شادی و الام
جب جان چکا مین کہ نہ ٹھہریگا کبھی دل — یکسان ہو مجھے دن ہو کہ شب صبح ہو یا شام

نومیدی ما گردشِ ایام ندارد
روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

مانیؔ جائسی

خزانِ رسیدہ پھول

(سرور مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم)

اُڑا کے جنبشِ بادِ خزان دریغ دریغ — کہان سے تو مجھے لائی کہان دریغ دریغ
مین اپنے کنج مین خوش تھا وطن آہ مرے — جدا کیا مجھے کیون آسمان دریغ دریغ
ترا بُرا ہو چمن سے تری دو رنگی نے — مٹا دیا مرا نام و نشان دریغ دریغ
وہ موتیا، وہ چمیلی، وہ کیتکی، وہ گلاب — کدھر گیا وہ مرا خاندان دریغ دریغ
وہ سبز کنج، وہ پھولون کا آہ! گہوارہ — وہ موجِ نکہتِ عنبر فشان دریغ دریغ
وہ جوشِ گل، وہ فضا، وہ چمن، وہ ابرِ بہار — وہ جوئبار، وہ آبِ روان دریغ دریغ
وہ لطفِ صحبتِ مرغانِ باغ واویلا! — وہ اُن کے نغمۂ شکر فشان دریغ دریغ
چٹک چٹک کے بجانا وہ آہ! غنچون کا — چمن مین صبح کو شہنائیان دریغ دریغ
وہ رنگ روپ وہ شوخی وہ پھول سے رخسار — وہ سبز سبز مری پتیان دریغ دریغ

وہ جوشِ حسن، وہ جوشِ بہار واویلا!
ہرا بھرا وہ مرا سبزہ زار واویلا!

رہا نہ آہ! وہ جوشِ بہار کا عالم — کہ تھا تبسمِ موجِ شرار کا عالم
چمن مین پھول سا چہرا جو مسکراتا تھا — اب اُس مین ہو گلِ شمعِ مزار کا عالم
نظر کو جب تھا حسینون کی دیکھا لیکا — عجب مزے کا تھا وہ انتظار کا عالم
سمن بدن کے تصور مین ہائے وہ شب تھی — کلی کلی مین دلِ بیقرار کا عالم
سحر کو گلبدنون کے وہ باغ مین جلسے — غضب کا حسن وہ ابرِ بہار کا عالم
وہ لالہ زار وہ مہندی کی بُوٹیون کی قطار — شفق مین آہ! وہ صبحِ بہار کا عالم
صبا کا اُف! وہ گلے سے مرے لپٹ جانا — وہ اختلاط وہ بوس و کنار کا عالم
نہ چاندنی ہے وہ نکھری ہوئی نہ صبحِ بہار — رہا نہ وہ مرے لیل و نہار کا عالم
خبر نہ تھی مجھے رنگینیِ بہار مین ہو — تلونِ چمنِ روزگار کا عالم

جہان کو مرے یہ دردگار دیکھ چکا
خزان کو دیکھ رہا ہون، بہار دیکھ چکا

مسز سروجنی نائڈو

روشن ہوئے ہیں جس سے علم و ہنر کے جوہر — سمجھو اسی کو مرکز دنیا کی روشنی کا
تو روشن ہیں لیکن مغرب کے آسمان پہ — چمکا ہوا ہو تارا لیڈی سروجنی کا

ہر ایک معترف ہی پائی ہو وہ طبیعت — تسلیم ہو چکا ہو ماہر ہر اپنے فن کی
قربان ہو رہی ہو ہر شعر پر فصاحت — ہر نظم بن گئی ہے تصویر بانکپن کی

پچھو دنیا ہمی ہیں تیری نشیلی نظمیں — گویا بھرے ہوئے ہیں صہبائے نو کے پیالے
اشعار تیرے سن کر مدہوش ہو رہے ہیں — میخانہ اپنا بھولے بیٹھے ہیں پینے والے

محفل میں کر رہی ہو گلپاشیاں تکلم — رونق ہی مجلسوں کی حسن بیان ہو تیرے
بتلا رہا ہے اپنی موجیں ترنم — اک بحر جوش زن ہی طبع رواں کو تیرے

وہ عندلیب تو ہے جس پر نثار ہیں گل — کیا دلفریب تیری یہ نغمہ سنجیاں ہیں
کہنے کو گو چمن میں یوں تو ہزار ہیں گل — ان میں کہاں تجھ پہ ایسی نکہت فشانیاں ہیں

پیش نظر ہوں جس دم ہندوستاں کے منظر — پھر کوئی آ کے دیکھے جولانیاں قلم کی
ہر شعر بن گیا ہی حب وطن کا زیور — ہر نظم پر گماں ہی تصویر ہی ارم کی

یورپ کے شاعروں میں پائی ہی تو نے عزت — سکہ جما ہوا ہے نقد سخن کا تیرے
مغرب کی سرزمیں پر قائم ہی تیری شہرت — سو بچ جھک رہا ہی کیا علم و فن کا تیرے

وہ نظم ہو اثر زا جو اپنی سادگی سے — جذبات صادقہ کی تصویر بن گئی ہو
دل میں اتر گئی ہو از بسکہ دلکشی سے — ہر بات تیری منہ کی شمشیر بن گئی ہو

دونی ہو تیری عزت ہو عمر جاودانی — تو کر رہی ہو خدمت کشور کی سو وطن کی
دائم رہی جہاں میں یہ تیری خوش بیانی — قائم رہیں ہمیشہ شادابیاں سخن کی

قیصر (از بھوپال)

مطالعہ فطرت

کیا ہی ادھر کیا دیکھتے ہو؟

خوشبوے گل سے راز نسیم چمن کھلا — شبنم سے برق دم رخ صبح وطن کھلا
نکلا جو آفتاب تو ذرے چمک اٹھے — اک شمع سے فروغ ہزار انجمن کھلا
روئے زمیں ہی جلوہ گہ نور کہ جس طرح — شیریں کے رخ پہ سوز دل کوہکن کھلا
جوش نمو کی پھیلی ہی تاثیر چار سو — الٹی نقاب صبح رخ نارون کھلا
وقت سحر یہ نیر تاباں کی ہے نمود — گویا طلسم بتکدۂ برہمن کھلا
آشوب دہر ہی روشش موسم بہار — صحرا میں داغ لالۂ خونیں کفن کھلا
جھونکے ہوا کے ہیں کہ ترنم ہے ساز کا — سحر نوائے مطرب ہاروت فن کھلا
دھوکا ہوا جو تختۂ سنبل پہ دام کا — اک بوستان زلف شکن در شکن کھلا
غنچے چٹک رہے ہیں گلستاں میں نو بنو — کیا ساز وار بخت زمین چمن کھلا
نور سحر ہی غازۂ روئے عروس گل — دل تنگ تھا جو غنچہ وہ بنکر دلہن کھلا
شاخ چمن جو لیکے گل تر کو جھک گئی — کیا حسن زور بازوئے ناوک فگن کھلا
نالاں ہیں قمریاں جو سحر طوق در گلو — ہر سرو جو میں عالم دار و رسن کھلا
رسوائے باغ و راغ ہی کوئل بصد نوا — نغموں میں جسکے سوز و گداز دمن کھلا
گلشن میں شور زمزمۂ عندلیب ہی — گویا کہ ارغنون ہوائے چمن کھلا
سن سنکے خوش ہیں بانگ عنادل میں کالیاں — قسمت سے آج وہ بت شیریں دہن کھلا
طاؤس کس ادا سے خراماں ہیں گرد پیش — گویا فریب لعبت گل پیرہن کھلا
کیا کیا کنول کے پھول پہ بھونرے ہیں بیقرار — پروانے ہیں کہ پردۂ شمع لگن کھلا
دلکش ہی آبجو پہ تماشا حباب کا — یعنی کہ حال کشمکش ما و من کھلا
کچھ اور ہی حقیقت بزم شہود ہی — دیکھا تو خوب رنگ گل و یاسمن کھلا
کھلتا ہی قیل و قال سے کب راز کائنات — دنیا میں لاکھ دفتر طول سخن کھلا

کیف شراب ناب سے وارفتہ ہون سفیر
روزِ الست بھی مراد یوا نہ پن کھلا
سفیر کاکوروی

وقت کا ترانہ

مسافر نہین ہون ٹھہر جانے والا　　ادھر آنے والا اُدھر جانے والا
نہان ہو کے شکل نظر آنے والا　　نگاہون سے پل مین گذر جانے والا

وہ ہون آنے والا کہ جو آ کے جائے
وہ ہون جانے والا کہ جا کر نہ آئے

اگر آج آیا تو کل جانے والا　　مین ہون ہاتھ آ کر نکل جانیوالا
کوئی آن مین ہون بدل جانیوالا　　زمین پر مین سایہ ہون ڈھل جانیوالا

نہ کھو مجکو نادان غفلت مین سو کے
جو سوتے ہین پاتے نہین مجکو کھو کے

دکھاتا ہون نیرنگی عمر فانی　　کبھی ہو نہین پیری کبھی ہون جوانی
بس انسان نے قدر میری نجانی　　لٹا اُس کا سرمایۂ زندگانی

بڑی ہر گھڑی بیش قیمت مری ہے
بہت قدر دانون مین عزت مری ہے

مین تارشاعی کبھی چرخ پر ہون　　کبھی مشعل افروز بزم قمر ہون
غرض نت نئی شانمین جلوہ گر ہون　　کبھی آدھی رات اور کبھی دوپہر ہون

کبھی صبح ہو نہین کبھی شام ہون مین
کبھی آفتاب لبِ بام ہون مین

وہ دولت ہون مفلس جو لٹائے　　وہ نعمت ہون جا کر نہ جو ہاتھ آئے
وہ قسمت ہون خوش قسمتی سے جو پائے　　جگہ اپنی ہر دل مین انسان بنائے

جو پیار کرے مجکو پیارا وہی ہے
وہ عالم کی آنکھون کا تارا وہی ہے

لڑکپن کو لہو و لعب مین گنوا کر　　جوانی کو غفلت کی نیند مین سلا کر
بڑھاپے کا پھر بوجھ سر پر اُٹھا کر　　چلا دو قدم اور گرا لڑ کھڑا کر

یہ اُسکا نتیجہ ہے جو مجکو کھوئے
جو کھوئے مجھے زندگی بھر کو روئے

خبردار اے بیخبر سونے والے　　جو ہین سونیوالے وہ ہین رونیوالے
متاعِ گرانمایہ کے کھونے والے　　ہین آخر پشیمان بہت ہونیوالے

جو رہرو ہے رہزن سے ہشیار ہو جا
چلا قافلہ جلد بیدار ہو جا

روان یا ہے ہر پل مین اک کاروان ہے　　جرس میرا نوبت نواز جہان ہے
گجر کی صدا مین بھی میری فغان ہے　　سحر کو مرا شور بانگ اذان ہے

بجے کیون نہ میرے دمون کا دمامہ
ترانہ مرا ہے شفق کا ہے خامہ
برجیس

رشی دیانند

جبکہ بھارت پہ تھی چھائی ہوئی غفلت کی گھٹا　　جبکہ تھی قوم کے سر پہ غم و شامت کی گھٹا
جبکہ جلباب حقیقت تھی جہالت کی گھٹا　　جبکہ تھی وید کے انوار پہ ظلمت کی گھٹا

پرتو حسنِ ازل تب وہین نکلا چھن کر
آگیا دیش مین تو مہر درخشان بن کر

گلشن قدس مین تھا پہلے جو مسکن تیرا　　جذبۂ پاک سے بھر تھا دل احسن تیرا
جب سنوارا یدِ خلاق نے بچپن تیرا　　بھر دیا گوہر ادراک سے دامن تیرا

تھا سر خوص ترے سر کے جو کاشانے مین
آگئی یاد خدا تجکو صنم خانے مین

جستجو راہ طریقت کی جو منظور ہوئی　　عیش فانی کی ہوس دل سے ترے دور ہوئی
تھک کے گو آہ تمنائے سفر چور ہوئی　　پر طبیعت نہ کسی جا تری مسرور ہوئی

کامیابی سے بالآخر دل ناشاد ہلا
آرزو پا کے بھی تھمرا بین وہ استاد ملا

[illegible]　　کا [illegible] جلا شمع فراست نے مجھے
ثمرۂ علم دیا جرأت و محنت نے تجھے　　ہان سرفراز کیا آکے فضیلت نے تجھے

صلہ اُستاو تھا اک حمد و ثنا کر دیا
جان تک یعنی رہِ دین میں فدا کر دیا!

تو نے پورا کیا کس طرح یہ عہد و نگاہ اے رشی! تیری ہر ایثار کی دُنیا ہے گواہ
قوم کا حال جو تھا کفر و ضلالت سے تباہ تو نے بتا دی اُسے منزلِ مقصود کی راہ

تھا فقط ذات پہ ایشور کی جو تیرا وشواس
پھر ہوا تجھ سے دلِ خلق میں پیدا وشواس

تیری کوشش سے ہوئی ویدکی عظمت قائم تیری ہمت سے ہوئی دین کی طاقت قائم
تیرے دم سے ہوئی اسلاف کی شوکت قائم تیرے ہاتھوں سے ہوئی دیش کی عزت قائم

حل کیا کس طرح اک عقدۂ دشوار محال!
آہ اے پاک نفس! تجھ میں تھا کیا استقلال!

تیری تفسیر میں تھا صدق و صفا کا جادو تیری تحریر میں تھا ایک صدا کا جادو
تیری تقریر میں تھا رنگِ ذکا کا جادو تیری تصویر میں تھا لطف و وفا کا جادو

ہاں مؤثر تھا جو مذہب سے ترانہ تیرا
آہ گرویدہ ہوا ایک زمانہ تیرا

تجھکو پروائے کرم تھی نہ ستم کی پروا شکر کی آرزو نہ کچھ گلۂ دشنام کی پروا
فکر راحت کی نہ ہلا تھی نہ غم کی پروا ہاں اگر تھی تو فقط اپنی قسم کی پروا

کر دیا ستیہ کے اُپکار میں ارپن سب کچھ
یعنی سنسار کے اُپکار میں ارپن سب کچھ

کی تھی خالق نے عطا نیت با دل تجھکو فیض یوں عام تھا جسکا وہ ملا دل تجھکو
اوج تھا علم و عمل دونوں میں حاصل تجھکو ہم کہیں کیوں نہ اک انسانِ مکمل تجھکو

خادم ملک تھا اور قوم کا ہمدرد تھا تو
حب و ایثار کے جذبات میں ہاں فرد تھا تو!

اے محب وطن اے عاشقِ جانباز وفا! بسکہ تھا لائق تحسین ترا اندازِ وفا
تھی جو تاثیر سے معمور تری آوازِ وفا اب بھی کیا کیا ہے دلآویز ترا سازِ وفا

گم کرے تجکو یہ کب ایک بشر کی تھی مجال!
ہو زمانہ کے لیے بھی تو یہ اِک امرِ محال!

اے دیانند اے بگڑوں کے بنانے والے آہ گرتے ہوئے بھارت کو اُٹھانے والے
کفر اور وہم کے آثار مٹانے والے جادۂ راستی و حق کے دکھانے والے

ہم نہ بھولیں گے کسی وقت یہ احسان ترا
شکر اکرام کریں گے رشی! ہر آن ترا

ابر بہار

حبذا اے دلکشا ابر بہار مرحبا اے جانفزا ابر بہار!
سب پہ یکساں ہے ترا جود و کرم تو ہے بیشک رحمتِ پروردگار
تجھ سے ہے سرسبز کشتِ آرزو تجھ سے ہے نخلِ تمنا باردار
تیری آمد ہے نویدِ برشگال تیری بخشش جوششِ موجِ بہار
ہے تو ہی مشاطۂ خوبانِ باغ ہے تجھی سے غازہ کش روئے بہار
تیرا ہر قطرہ ہے باغِ زندگی تجھ سے ہے نشو و نمائے برگ و بار
یہ بھی ادنیٰ سا کرشمہ ہے ترا غیرتِ فردوس ہے ہر شورہ زار
کیا کہا کانوں میں تو نے سچ بتا اب نہیں پھولے سماتے کاشتکار
جھوم کر اُٹھنا وہ مغرب سے ترا فرحت افزا ہلکی ہلکی وہ پھوار!
اے مسیحا دم ترا کیا پوچھنا! ہے ترے دم سے شفائے روزگار
وہ سبک گامی کی تیری شان ہے پانی پانی جس سے ہے سیلِ بہار
ابر باراں تیرے فیضِ عام سے ہے رگِ گل نشترِ ہر نوکِ خار
دھوتی ہے تیرے کرم کی شست و شو دامنِ دل سے کدورت کا غبار
کیوں نہ دیں حیوانِ آبی چار سو پانی پی پی کر دعائیں بار بار
بارِ احسان سے ترے شرمندہ ہیں سر اُٹھائیں کیا درختِ باردار
سبزۂ صحرا کا منظر دلفریب روح پرور وہ بہار آبشار!
باغ میں موجود ہیں سامانِ عیش مژدہ دیتی پھرتی ہے بادِ بہار
ہے ترنم خیز شاخِ مینا - جامِ گل نغمۂ بلبل ہے صوتِ بادہ خوار
قمریوں کا صبحدم جوشِ سرور!! کوئلوں کی کوک گلبانگِ ہزار

سبزۂ نورس کی وہ شادابیان　　وہ ہری شاخین وہ کنج خوشگوار
لالہ و نسرین و ریحان نسترن　　اپنے عالم مین جدا سب کا نکھار

آب سے لبریز تھا بے نخل سے
خندۂ گل کی صدا صوتِ ہزار

ذاکر (بازید پوری)

دردِ دل

کیا سنائین ہمدمو ہم تمکو اپنا حالِ زار　　قلب مین سوزش کلیجے مین خلش دل بیقرار
دشت گردی شیوہ ہی گو نہ جگر پاؤن نہین　　کس کے شوقِ دید مین ہی چشم محوِ انتظار
دیکھتے ہین داغِ دل زخم سے آرامِ جان　　یاس ہی اپنی امیداد غم ہی اپنا غمگسار
دلکو زخمی کر رہا ہی خنجرِ ابروے دوست　　نوک کی لیتا ہی ہر دم نشترِ مژگانِ یار
ہمنشینو خاک ہو کشتِ تمنا بارور　　قسمتِ بد باغبان حرمان نصیبی آبیار
دوستو ہلکا تو کر لینے دو کچھ رو دھو کے جی　　سیل گریہ سے بہا لین کچھ کدورت کا غبار
خندہ دارد شاخسارِ گل اگر گل در کنار　　ما بعشق گل رخ داریم صد گل در کنار
نمتھا سا دل سے آلودہ نہو جائے کہین　　آنکھ مین پھرتی ہی کیون تصویرِ جانان بار بار
آنکھ مین اُمنڈا چلا آتا ہی کیون طوفانِ اشک　　درد دل اُٹھکر بٹھاتا ہی مجھے کیون بار بار
خانۂ دل جسمین تھا پہلے ہجومِ آرزو　　دستبردِ یاس و حرمان سے ہوا اُجڑا دیار
منتظر ہون کب سے تیری اے مرگِ ناگہان　　ہر بنِ مو تن پہ ہی کشودہ چشمِ انتظار
واسطہ گردش کا اپنی پیش ڈال اے آسمان　　او قضا کے تیغ زن بہرِ خدا کر ایک وار
غنچۂ پژمردۂ دل ہو شگفتہ کیا مجال　　اے ہزار خوشنوا گر تو کرے نغمہ ہزار
ابرِ نیسان سی ہماری چشمِ تر کچھ کم نہین　　موتیون کا ہار گر وہ ہی تو یہ لعلون کا تار
اپنا کعبہ کوے دلبر سجدہ گہ ابروے یار　　اُلفتِ بت نے کیا ادمان ایمان تار تار
جائین کیون ہم سیرِ گلشن کو گل کے خواہان ہم نہین　　زخمِ تیرِ ناز سے دل ہو رہا ہی لالہ زار
المدد اے خنجرِ تیرِ قضا ہان المدد　　گردنِ خم گشتہ سے اُٹھتا نہین اب سر کا بار
ہی مری تصویر گویا اک مرقع یاس کا　　کھینچکر جس کو ہوا ہی خود مصور شرمسار
اے فلک گر تجھکو یون ناشاد رکھنا تھا ہمین　　دل کو بھی پتھر بنا تا تو نہ ہوتا بیقرار
مبتلاے بادیہ گردی تھا مجنون جس گھڑی　　چٹکیان لیتی تھی لیلی کے جگر مین نوکِ خار
کوہکاوی مین اُدھر مصروف تھا فرہاد یان　　اُسکے غم مین تلخ تھا شیرین کا نوشین روزگار
اے دلِ ناشاد مبتلا اُسپہ کیون مرتا ہی تو　　جسکو تیرے دل کی پروا کچھ نہین ہی زینہار
تیرہ بختو نکا نہین ہی پوچھنے والا کوئی　　مجھپہ روشن ہی طریقِ ظلم و جورِ روزگار

بر مزارِ ما غریبان نے چراغ نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صداے بلبلے

گل سرخ

تو شگفتہ یہ گلابِ سرخ دیتا ہون تجھے　　آب شبنم سے جو دُھلکر صاف اور شفاف ہے
تھا پرندِ شب کا یہ آشنا عزیز و دلربا　　بیٹھتا تھا چاندنی مین اسکے سر پر بے بھلا
چھیڑتا تھا بیٹھکر دلکش ترانے شاخ پر　　رات بھر اس جا بنائے رہتا تھا وہ اپنا گھر
اک نفس ابھی گل کو دی تو بھی اپنی زندگی　　پیار کر اسکو بٹھا سینہ پہ اپنے دو گھڑی

کیونکہ دیکھیگا وہ جب یہ ناز برداری تری
یہ سمجھ لیگا کہ گویا وہ پرندہ تھا تو ہی

کس نیند مین سوتا ہی یہ سونا کب تک　　اور عمرِ عزیز اپنی کھونا کب تک
ہے مزرعِ آخرت یہ دُنیا غافل　　خود اپنے ہی حق مین کانٹے بونا کب تک

تازہ غزلین

۱۔ سحر البیان مولانا احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی

جب پھیر نا نظر تم تب یہ خیال کرنا — الفت پھری سے جاہا مجھکو حلال کرنا

غیروںکے مشورے سے کا نونکو ہو جو فرصت — بندہ بھی چاہتا ہے کچھ عرض حال کرنا

دشمن نہ تمنے چھوڑی اک بوند بھی لہو کی — منہدی کو بیٹھے بیٹھے اب پائمال کرنا

مذہب کا پاس کرکے پیتے ہین تیسرے دن — ہم جانتے ہین زاہد کا حلال کرنا

جب خون عاشقون کا منظور تھین تمھین — پہلے چڑھاکے غصہ آنکھونکو لال کرنا

بوسے سے پیشتر کیون تیوری چڑھا کے بیٹھے — پیدا سبب تو ہو لے پھر تم ملال کرنا

اے شوق کچھ نہ پوچھو ہم عاشقونکی غیرت

ہر بار منہ کی کھانا لیکن سوال کرنا

۲۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی

وصل مین انکے کی خوشی دل کی — سوئی تقدیر جاگ اُٹھی دل کی

بزم خلوت مین بن پڑی دل کی — کوئی حسرت نہ رہ گئی دل کی

یار نے کی جو دل دہی دل کی — پھانس گویا نکال دی دل کی

دل سے پیکان نہ کھینچ او ظالم — یہی اتنی ہے دل لگی دل کی

تیر لیکر پیام موت آئے — ہو گئی ختم زندگی دل کی

ناوک ناز میہمان آیا — بستی اُجڑی ہوئی بسی دل کی

کھا گیا ہے کہین غضب کی چوٹ — آج رنگت ہے سوسنی دل کی

ہون وہ غمگین نکل پڑے آنسو — دیکھکر یاس و بے کسی دل کی

مرشون کا نشان رہا باقی — قبر چھوٹی سی بن گئی دل کی

لو وہ اُٹھتے ہین میرے پہلو سے — ختم ہوتی ہے اب خوشی دل کی

آکے اُترا جو لشکر غم و رنج — ہوئی آباد چھاؤنی دل کی

پھر طرفدار ہو گیا ان کا — دیکھ لی آج دوستی دل کی

گد گداتے ہین کس کے ناوک ناز — رو کے رکتی نہین ہنسی دل کی

برسون رونیکی حسرتین شب و روز — خاک اُڑائے گی بے کسی دل کی

ہمنے پالا تھا آستین مین سانپ — ہو گئی زہر دوستی دل کی

ان کے جوڑے مین خیریت سے ہے — بعد مدت خبر ملی دل کی

جس زمین پر تھا ان کا نقش قدم — اب وہین قبر بن گئی دل کی

موسم گل گذر گیا کوثر

نہ شگفتہ ہوئی کلی دل کی

۳۔ سید نظیر حسین صاحب نظیر لکھنوی

مین عالم فنا مین وہ محو جمال تھا — نہ ہجر کا گلہ تھا نہ شوق وصال تھا

شاکر بھی کچھ دنون ہین پہ دل کا حال تھا — تربت پہ جب اُگا کوئی سبزہ نڈھال تھا

جب بدر کو ہوا عروج کمال تھا — وہ بے نقاب سیر کو نکلے ہلال تھا

ہنگام واپسین جو یقین وصال تھا — کیسا مریض ہجر کا چہرہ بحال تھا

غم ہونا اُن کے دلکو ہمارا محال تھا — ہم مرگئے غم سے چھوٹ گئے یہ ملال تھا

جس جس نے تیری راہ مین رکھا قدم اُسے — آنسو کیطرح گھر مین پھر آنا محال تھا

اے دل نہ بھول وصل مین رنج فراق کو — جنکی خوشی یہ ہے وہ انھین کا ملال تھا

حیران ہین عارفونکی نگاہین یہ ہے بلند — وہ سر ہماری راہ مین جو پائمال تھا

بے بس کیا کلیم کو اصرار شوق نے — کچھ ہو مگر بساط سے باہر سوال تھا

وحشی چشم یار کی تاثیر کیا کہون — سایہ جو پڑ گیا تو اسد بھی غزال تھا

اے ہمصفیر قید مین نالے یہ گرم تھے — آہن مرے قفس کا حرارت سے لال تھا

ساتھی کوئی نہ دادئ غربت مین تھا مگر — سایہ تھا ایک ایک انھین کا خیال تھا

وہ دل جو بے بہا تھا گیا کوڑیونکے مول — شکوہ بھی کچھ نہین ہے کہ مفلس کا مال تھا

اک تیغ ناز بزم مین دونو طرف چلی — دشمن اُدھر تھا ذبح اِدھر مین حلال تھا

جب سے کیا ہوا نہ عروج شباب پھر — یارب اس آفتاب پر ایسا زوال تھا

آہین دلکی تھین مین جب آیا تھا دام مین — صیاد دلکو تھام کے رو یا یہ حال تھا

ہنسا ہنسکے کانپنے لگے شعلے جحیم کے — ایسا خنک مرا عرق انفعال تھا

مدت کے بعد آج ہنسے ہین نظیر آپ

کیون دلمین گدگدی ہوئی کس کا خیال تھا

۴۔ سید الشعرا حضرت صمیم بلندشہری

کھل کھیلکے چھپنا ہی تمھارا تو زبون ہے
بدنام کرونگا تمھیں بس اب یہ جنون ہے

بیٹھے ہوا اب صبر سمیٹے ہوے میرا
اچھی یہ خموشی ہے نہ کچھ ہان ہے نہ ہون ہے

وہ قیس نہیں تھا میں تر و درست اٹھونگا
میں خاک جو چھانون تو کوئی مجکو جنون ہے

انکار ہی انکار ہے اللہ رے تیور
اقرار کسیطرح انھین یون ہے نہ دُون ہے

منظور تمھیں دل کو مٹانا ہے مٹا دو
کیا زور کسی کا جو مقدر ہی یہی یون ہے

تم غیر کی آواز پہ نظرین نہ اُٹھاؤ
یہ پیشگنی چاہنے والے کو زبون ہے

دل لیکے نہ دو پیار مگر ضد نہیں اچھی
ہر بات پہ یہ تو نہ کہو یون نہیں یون ہے

داغون پہ بہار آئی ہے جلتا ہے کلیجہ
کیا جا طرف باغ کے گرم آہونکی لون ہے

مرتا ہون تو ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں ہمین کیا
ہم کیا کرین تقدیر میں کمبخت کی یون ہے

ہر لالہ کی بھی آگ بُری خیر ہو یارب
آفت ہے اگا وٹ تو ستم سوز درون ہے

در زخم سے چاہو تو نہیں چھپ نہیں سکتا
سو بار کھلے گا کہ شہید و نکا یہ خون ہے

بے موت مرن ہے مجھے اُس بزم کا آداب
مجکو تو وہان آنکھ اُٹھانا بھی زبون ہے

نظرون کے ستم میری کلیجے ہی سے پوچھو
جو ناوک دلدوز ہے وہ تشنۂ خون ہے

سودا ہے صمیم آٹھ پہر فکر غزل میں
سچ پوچھیے تو شعر کا کہنا ہی جنون ہے

۵۔ سید علی رضا صاحب ماہر کنتوری

جن سر پہ سوار دیکھتے ہیں
وحشت کی بہار دیکھتے ہیں

آئینہ نگار دیکھتے ہیں
آپ اپنی بہار دیکھتے ہیں

کہتی ہے اجل کہ گھر یہی ہے
جب کوئی مزار دیکھتے ہیں

کہتے ہیں چمن میں گل کھلائے
صورت جو ہزار دیکھتے ہیں

کہتی ہے نگاہ سب کی حالت
آنکھون میں خمار دیکھتے ہیں

مقتل میں چھپے ہیں تیغ قاتل
سر دوش پہ بار دیکھتے ہیں

دیکھی ہے غبار کی تو ہمت
اب مے کا اُتار دیکھتے ہیں

جب نزع میں دیکھنے نہ آئے
کیون آکے مزار دیکھتے ہیں

کچھ کہتے ہیں آہ آتشیں سے
اُٹھتے جو شرار دیکھتے ہیں

دُنیا کے جو دام میں پھنسے ہیں
دو دن کی بہار دیکھتے ہیں

دیتے نہیں دل کسی کو ماہر
محبوب ہزار دیکھتے ہیں

۶۔ منشی رشید احمد صاحب رشد تھانوی

اعتبار زندگانی کچھ نہیں
کچھ نہیں دُنیائے فانی کچھ نہیں

بول کچھ تو اے لب گور غریب
یہ زبان بے زبانی کچھ نہیں

لاکھ تربت پر بنا دین بام و در
عارضی ہے یہ نشانی کچھ نہیں

صبح پیری ہنس رہی ہے آرہین
منظر شام جوانی کچھ نہیں

تلخکامی ہے نصیب عاشقی
لذت ذوق نہانی کچھ نہیں

خود بدلتے رہتے ہیں ہر وقت ہم
انقلاب آسمانی کچھ نہیں

خندۂ گل چاکدامانی ہے خود
یہ وفور شادمانی کچھ نہیں

ہستی بے مدعا رشد ہون میں
شعر کے میرے معانی کچھ نہیں

۷۔ سید محمد علی صاحب افسوس

محبت کی رسمیں ادا کرتے کرتے
مصیبت میں آیا وفا کرتے کرتے

شب غم قیامت بپا کرتے کرتے
رُکا شکر ہے آج کیا کرتے کرتے

ہوا آخرش بند باب اجابت
نتیجہ یہ پایا دعا کرتے کرتے

یہانتک وفاؤن کا ہے اب ارادہ
کہ تھک جائیں وہ بھی جفا کرتے کرتے

وہ ہمت جو تھی اپنے دلکا سہارا
ہوئی پست آخر وفا کرتے کرتے

وہ مطلب جسے دلمیں رکھا تھا برسون
مٹا دلسے بالکل ادا کرتے کرتے

مہینون لگین گے کوئی سہل ہے کیا
محبت کو دل سے جدا کرتے کرتے

قیامت میں ہوتی قیامت دُکا ہون
اُسی سے خود اُسکا گلا کرتے کرتے

نتیجہ یہ نکلا گئے جان سے اپنی
طبیعت ستم آشنا کرتے کرتے

غضب ہو گیا تھا زبان رُک گئی خود
بیان رات کا ماجرا کرتے کرتے

اِرادہ ہی کیون ترکِ الفت کا افسوس
تمھین کیا ہوا تھے وفا کرتے کرتے

۹۔ سید شاہ محمد اسمٰعیل حسن صاحب شاہ ہمدانی گیاوی

دل پھنسے گا حلقۂ غم مین کبھی صیاد کا — صبر بندھ جائیگا اکدن بلبلِ ناشاد کا
بڑھ گیا ظلم و ستم اُس بانیٔ بیداد کا — کیا اثر اُلٹا ہوا ہے نالہ و فریاد کا
ہو شرر افشان جو نالہ بلبلِ ناشاد کا — آگ بھڑکیگی مکان جلجائیگا صیاد کا
تیغِ براں سے کیا جب قتل مجکو بے خطا — ہیبتِ روزِ جزا سے دل ہلا جلاد کا
مجھ سے لکھوا کے خط اشوخی سے بھیجا ہی مجھے — اے ستمگر یہ نیا انداز ہے بیداد کا
آئینے مین چلبلے پن سے نہ ٹھہرا عکسِ یار — اُڑگیا سب رنگ و روغن چہرۂ بہزاد کا
لیس ہو خونریزی پہ ہین جس دم صفین مژگان کی — بج رہا ہی چار سو ڈنکا ستم ایجاد کا
قصۂ ہاروت و زہرہ خلق مین مشہور تھا — آسمان سے کھینچ لایا حسن آدم زاد کا
زیرِ خنجر دم نہین مارا نہ تڑپے ہاتھ پاؤن — ذبح ہونے مین ادب مجکو رہا جلاد کا
مار ہی ڈالیگی یادِ قامتِ موزون مجھے — باغ مین سولی بنا ہی ہر شجر شمشاد کا
حسنِ یوسف دیدۂ یعقوب سے دیکھے کوئی — حال پوچھے قمریٔ ناشاد سے شمشاد کا
چاہ کن را چاہ درپیش راستی ہی مثل — ہو نہین سکتا برائی سے بھلا حساد کا

شاعری مین جسکا لوہا مانتے ہین نکتہ رس
اے رسا شاگرد مین بھی ہون اُسی اُستاد کا

۹۔ منشی عبدالرحمٰن محمد محسن صاحب محشر منگرولی

اُجڑے ہوئے گھر مین کوئی مہمان نہین ہو — آباد مرا خانۂ ویران نہین ہوتا
بیمار ترا طالبِ درمان نہین ہوتا — مرتا ہی مگر موت کا خواہان نہین ہوتا
ہم رو دکھتے ہین ملنے کو جاتا ہی جو اُنسے — بن جاتے ہین دربان جو دربان نہین ہوتا
جس روز سے توڑا ہی حسینون نے مرا دل — اُس روز سے پیدا کوئی ارمان نہین ہوتا
ہوتے ہین بہت عیش کے ایام مین مونس — ہان اغم مین کوئی حال کا پرسان نہین ہوتا
اک وہ بُتِ بے رحم ہے اور ایک مرا دل — جو اپنے کیئے پر بھی پشیمان نہین ہوتا
آفت مین بھی راحت سے بسر ہوتی ہی اپنی — اُلجھن مین بھی دل اپنا پریشان نہین ہوتا
ایسا تری اُلفت مین ہوا خوگرِ ایذا — بیتاب کبھی قلب مین ارمان نہین ہوتا

مجھ سا بھی نہوگا کوئی ناکامِ محبت
پورا مرا محشر کوئی ارمان نہین ہوتا

۱۰۔ پیارے لال شاکر (میرٹھی) اڈیٹر العصر لکھنؤ

کسی کی جستجو ہی اور مین ہون — تجسس چار سو ہی اور مین ہون
ترے قربان، او میرے تصور! — وہ گویا روبرو ہے اور مین ہون
اُسی کا نام ہی ہر دم زبان پر — اُسی کی گفتگو ہی اور مین ہون
الٰہی! دردِ دل کس کو سناؤن — کہ ہر حالت مین تو ہی اور مین ہون
تنِ تنہا ہون اس وحشت کدے مین — بس اک میدان ہو ہی اور مین ہون
تماشا ہی کہ دل ہی جس کا مسکن — اُسی کی جستجو ہی اور مین ہون
تجھے ہرگز نہ جانے دونگا دل سے — خیالِ یار! تو ہے اور مین ہون
کبھی شغلِ کتان ہی چاکِ سینہ — کبھی شغلِ رفو ہے اور مین ہون

ہوا اب زیست سے دل سیر شاکر
اجل کی آرزو ہے اور مین ہون

خوشخبری!

"العصر" کی باقاعدہ اشاعت کا جدید انتظام

نہایت افسوس کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ گزشتہ دو سال "العصر" کے لیئے بہت ہی ناقص گزرے۔ اس مدت مین اسکا عدم و وجود نہ صرف برابر ہی تھا بلکہ مین خود بھی کئی دفعہ اسکی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن ہزار ہزار شکر کا مقام ہے کہ وہ انحطاط کا دور ختم ہو گیا۔ جدید انتظام کے مطابق "العصر" امسال باقاعدہ شائع ہوتا رہیگا، اور کوشش کی جایئگی کہ مضامین کے اعتبار سے اس کا پایہ پیشتر سے زیادہ بلند رہے۔

اس نمبر سے معاونین کرام غالبًا کسی قدر بد دل ہونگے۔ مگر مین انھین یقین دلاتا ہون کہ آئندہ نمبر سے "العصر" کا پایہ حسب معمول بلند نظر آئیگا۔ بات یہ ہے کہ گزشتہ سال کے طوفانِ باران کیوجہ سے "العصر" کو بھی بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ مطبوعہ فرمے، تیار شدہ کاپیان، کئی ماہ کی مطبوعہ تصویرین اور ذخیرۂ مضامین کے علاوہ اور بہت سی ضروری اور قیمتی اشیا تلف ہوگئین۔ جو کاپیان بچ رہی تھین انھین کو ترتیب دیکر یہ پرچہ شائع کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نمبر ہمارے معیار سے بہت گرا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر یقین رکھئے کہ آئندہ اسکی تلافی ہو جائیگی۔

ابتک "العصر" کی اشاعت پر دو ہزار روپیہ سے زائد خسارہ ہو چکا ہے اور امسال پھر ایک رقم خطیر صرف کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ میری تمنا و درخواست ہے کہ اس سال "العصر" کے آمد و خرچ مین فرق باقی نہ رہنا چاہیئے اور یہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ معاونین کرام توسیع اشاعت کے ذریعہ سے العصر کی امداد اپنا فرض سمجھین۔ کچھ تعجب نہین کہ العصر کی گزشتہ دو سالہ رفتار سے ہمارے بعض معاونین بالکل بد دل ہو گئے ہون گے لیکن آئندہ انتظامات کے لحاظ اور ہماری کوششون کے خیال سے اب "العصر" کی سرپرستی سے انکا دست بردار ہونا کسی طرح مناسب نہو گا کیونکہ اسکا ہماری کوششون پر مضر اثر پڑیگا۔ لہذا جو حضرات العصر کیطرف سے بددل ہوگئے ہون وہ کم از کم ایک سال اور اپنی خریداری کا سلسلہ جاری رکھین۔ ایک سال کی قیمت کوئی بڑی رقم نہین ہے مگر اسکے ذریعہ سے وہ ایک علمی خدمت کے سلسلہ کو از سر نو قائم رکھنے مین مدد دے سکین گے۔ خود سرپرستی قائم رکھنے کے بعد ہر قدر شناس العصر کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے حلقۂ دوست احباب کو بھی اسکی خریداری کیجانب مائل کرے۔ یہی ایک صورت ہے جس سے "العصر" اپنے پاؤن پر کھڑا ہو سکے گا۔

آئندہ سے "العصر" کی ضخامت ۶۴ صفحہ ماہوار ہوگی۔ تصاویر اسکے علاوہ ہونگی۔ ظاہر ہے کہ جنگ کی وجہ سے مصارفِ طبع بہت بڑھ گئے ہین، اور اسپر بھی "العصر" کے حجم مین کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ اس صورت مین اگر مین معاونین العصر سے توسیع اشاعت کی درخواست کرون تو کچھ بیجا نہو گا۔ اختتام سال تک اگر صرف پانچسو جدید خریدار ملجائین تو پھر العصر کے آمد و خرچ کی میزان مین مطلق فرق نہ رہیگا، اور یہ اپنے پاؤن پر کھڑا ہو جائے گا۔

فروری نمبر کا انتظار کیجیئے اور اگر اسکا پایہ ہر اعتبار سے بلند نظر آئے تو کوشش کیجیئے تاکہ العصر مالی مشکلات سے محفوظ ہو جائے۔

آپ کا خادم

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

مالک و ایڈیٹر رسالہ العصر، لکھنؤ

مشرد اپریس لکھنؤ

سرمایۂ عمر چودھری دیبی پرشاد بلگرامی

حکمی علاج جریان و قوت باہ - آٹھ روز مین جملہ شکایات رفع ہو جاتی ہین۔
چار آنہ کا منی آرڈر بھیجکر طلب فرمائیے اور فائدہ اٹھائیے۔
احقر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی محلہ براہا مکان نمبر [illegible] لکھنؤ

نوشتۂ تقدیر

آپ ایک پوسٹ کارڈ پر اپنا نام اور تاریخ پیدائش اور اگر تاریخ معلوم نہو تو تخمینہ عمر اور پوسٹ کارڈ
لکھنے کی تاریخ اور وقت لکھکر بھیج دیجئے ہم آپکو آئندہ بارہ مہینے کے پیش آنیوالے حالات یعنی
خوشی، غم کس ماہ مین کس تجارت سے نفع ہوگا، روزگار کے متعلق ترقی تبدیلی، موقوفی
علالت کیا اولاد ہوگی وغیرہ وغیرہ باتون کا خلاصہ ۱۰ دن مین بذریعہ ویلیو پے ایبل رسال کر دینگے
مطابق ہونے پر قیمت [illegible] ہوگی جنم پترا وغیرہ بھی تیار کیا جاتا ہے فیس لغایت
لاٹری گھوڑ دوڑ یا کسی اور قسم کی بازی لگانے سے پیشتر اگر آپ ہم سے مشورہ کرلین تو یقیناً
نفع مین رہینگے فیس ادا ہی لیجائیگی۔ جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے
المشتہر پروفیسر ایف۔ اے۔ میرل وکٹوریہ گنج لکھنؤ

سرمایۂ عمر چودھری دیبی پرشاد بلگرامی

کتاب زندگی نسوان (۴) جس سے آپ تشخیص و علاج امراض رحم مستورات خود کرسکین۔
علاوہ برین ہمارے کارخانہ مین ڈیڑھ سو مجربات چیدہ طیار ہین جنمین بجائے پرہیز کے پرہیزی
جنکا علاج ہو مثلاً آتشک ایک پیکٹ آٹھ خوراک (عہ) بواسیر خونی و بادی ایک پیکٹ
آٹھ خوراک (۱۲) مسہ بواسیر ایک پیکٹ واسطے استعمال چھ مرتبہ (عہ) سفوف
جاد وفق۔ نہ کھائیے نہ مالش کیجئے صرف دوا پانی مین ڈالکر حسب ترکیب چھینٹا دیجئے
چند ہی منٹ مین درد ہو جاتا ہے اگر یہ امر قابل اعتبار نہین تو میری کوٹھی پر ڈپوزٹ جسقدر رکھ
جو رقم ہمراہ اپنے لیتے آوین جو بعد صحت کے دے سکتے ہین۔ ورنہ قیمت پیکٹ دو روپیہ
(دیگر امراض کی ادویات کے متعلق کمل فہرست طلب فرمائیے)
المشتہر احقر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی محلہ براہا کوٹھی نمبر ۱۷۸ لکھنؤ

نہایت عمدہ اور تیر بہدف علاج

ڈاکٹر سلطان صاحب کے آکسی ڈنٹل بام کی طبی دنیا
مین جو شہرت ہے وہ محتاج بیان نہین

اعصاب، کمر، سینہ وغیرہ کے درد پر تھوڑی مقدار مین
اس کی مالش تکلیف کو دور کر دیتی ہے۔

دمہ، کھانسی، اور درد سر
مین علاوہ مالش کے صرف سونگھنا بھی نافع ہے۔

"آکسی ڈنٹل بام"

کو مقام ماؤف پر ملنے سے بچھو و دیگر حشرات الارض کا سمی
اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے

غرض

یہ دوا ہر شخص کیلئے بحالت سفر و حضر ایک لائق طبیب و ڈاکٹر کا
کام دیگی۔ پرچہ ترکیب استعمال دوا کے ہمراہ ارسال ہوگا قیمت فی شیشی ۱۲
(محصول ڈاک ذمہ خریداران ہوگا)

المشتہر
ایس لے زراق اینڈ کمپنی چارکمان حیدرآباد (دکن)
سول ایجنٹ۔ اکونومیکل کمپنی چیلپوری سٹریٹ دہلی

ادبِ اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

العصر

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

छोटे बच्चोंके लिये

डोंगरेका बालामृत

چھوٹے بچوں کی طاقت بڑھانے والی دوا

ڈونگرے کا بالامرت

یہ ڈونگرے کا بالامرت میٹھا ہونیکی وجہ سے چھوٹے بچے بہت خوشی سے پیتے ہین یہ دوا بچونکو مضبوط طاقتور بنانیمین کیتا ثابت ہوئی ہے۔ چھوٹے بچونکی کھانسی بخار بدہضمی ہچکیش وغیرہ امراض جو اکثر ناطاقتی کے باعث پیدا ہوتے ہین وہ اس دوا کے استعمال سے رفع ہوتے ہین۔ اور اسکے پینے سے بچونکا بدن تھوڑی ہی عرصہ مین گوشت سے بھر کر فربہ وزن دار بنتا ہے اور غذا بہت جلد تحلیل ہوکر جسم مین طاقت بڑھتی ہے۔ جن لڑکونکو دودھ ہضم نہین ہوتا انکو دودھ مین بالامرت ملا کر دیا جاوے تو وہ بھی طرح ہضم ہو جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۲؍ محصولڈاک ۵؍ تین شیشی کی قیمت ۲؍ محصولڈاک ۱۰؍ کے ٹی۔ ڈونگرے کمپنی پینڈسے واڑی گرگام بمبئی

تجربہ شرط ہے

سفوف ہاضم ۔ یہ سفوف درد شکم کا دافع ہے۔ ریاح کو دور کرتا ہے۔ اس کے چند روزہ استعمال سے بھوک بڑھ جاتی ہے غذا کو جلد ہضم کرنا اسکا ادنیٰ کرشمہ ہے قیمت فی شیشی ۱۲؍

معجون مقوی معدہ یہ معجون قبض اور ریاح کے لیے مفید ہے۔ معدہ کو قوت پہنچانا اسکا خاص کام ہے۔ اگر رات کو سوتے وقت ایک تولہ معجون کھائی جائے تو صبح کو کھلکر اجابت ہوگی۔ قیمت فی چھٹانک .. .. .. (۴؍)

روغن مقوی دماغ یہ روغن دماغ کو بیحد فائدہ دیتا ہے۔ اسکے لگانے سے درد سر جاتا رہتا ہے اور نیند خوب آتی ہے۔ دماغی کام کرنیوالون کے لیئے بیحد مفید ہے قیمت فی شیشی کلان ۱۲؍

حبوب کھانسی یہ گولیان ہر طرح کی کھانسی کو دور کرتی ہین۔ ان کے استعمال سے بلغم پتلا ہوکر جلد خارج ہو جاتا ہے۔ ان کا باقاعدہ استعمال مریض سینہ کو نافع ہے۔ قیمت فی تولہ .. .. (۴؍)

منجن اکسیر دندان اس منجن کے استعمال سے دانت نہایت مضبوط اور موتیونکی طرح آبدار ہو جاتے ہین۔ جملہ امراض دندان کا دافع ہے۔ اگر دانت ہلتے ہون یا منھ سے بدبو آتی ہو تو اس منجن کا تجربہ ضرور کیجیئے۔ قیمت فی ڈبیہ ۱۰؍

(محصولڈاک خرچہ پیکنگ ذمہ خریداران ہوگا)

حکیم مرزا اشرف بیگ نمبر ۳۳ نیا گاؤن۔ لکھنؤ

اِن گولیون کو غیبی امداد سمجھیئے

ہماری آتشک نگرہ گولیان اُن مریضون کے حق مین جو جسمانی اور دماغی اور اعصابی قوت کو کھوکر زندگی سے مایوس ہو گئے ہون غیبی امداد ہین۔ ہر قسم کے ضعف کو دور کرکے ازسرنو جوان بنا دینا ان گولیونکا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۳۲ گولیان ۵؍ علاوہ محصولڈاک

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی و آرام کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے اگر تندرستی حاصل نہین تو ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے پس اگر آپ تندرستی کے بھید جاننے کے واقف ہین اور ہمیشہ طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہین تو ہماری کتاب کام شاستر ہمسے بلاقیمت منگاکر مطالعہ کیجیئے جو گجراتی ہندی تامل مرہٹی تلنگوئی بنگالی انگریزی وغیرہ مختلف زبانون مین موجود ہے۔

پتہ: ۔ ویدشاستری منی شنکر گوندجی شہر جامنگر (کاٹھیاواڑ)

جلد ۴ نمبر ۲

العصر

فروری سنہ ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) پرتھی راج و سنجوگتا۔ رنگین۔ (۲) مہاراجہ رنجیت سنگھ (۳) گرونانک (۴) شیواجی۔ رنگین (۵) حمیدہ کوٹلوی

	صفحہ
۱۔ فلسفۂ حیات و ممات۔ مولوی مسعود احمد صاحب عباسی۔	۴۹
۲۔ ذات کی اصلیت و ماہیت۔ ترجمہ۔	۵۵
۳۔ العصر (۳)۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد خان صاحب۔ ..	۶۵
۴۔ میر تقی میر۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب (شاہپوری)۔ ..	۶۷
۵۔ علم ہیئت کی تاریخ۔ مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی (لکھنوی)	۸۳
۶۔ دارا پسر داراب۔ مولوی احمد شفیع صاحب (فرید آبادی)۔ ..	۸۵
۷۔ گیتا کی تعلیم۔ پنڈت رام چندر صاحب۔	۸۹
۸۔ انارکلی (قصہ)۔ مسٹر جگت موہن لال رواں ایم اے۔	۹۱
۹۔ دختران شاہجہان۔ منشی محمد ابراہیم خان صاحب تجلی۔	۱۰۰
۱۰۔ سکھ اور مرہٹہ۔ منشی شمشیر پرشاد صاحب منور (لکھنوی)	۱۰۵
۱۱۔ کلام شاد۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای	۱۱۰
۱۲۔ رباعیات شوکت۔ مجدد الوقت مولانا سید احمد حسن صاحب شوکت (میرٹھی) مدظلہ	۱۱۱
۱۳۔ عہد وفا۔ منشی اقبال ورما صاحب سحر۔	۱۱۱
۱۴۔ دنیائے محبت۔ منشی رشید احمد صاحب ارشد (تھانوی)۔ ..	۱۱۳
۱۵۔ کلی۔ مولوی کلب احمد صاحب مانی (جائسی)۔ ..	۱۱۳
۱۶۔ ایک تمنا۔ سید محمد یوسف صاحب قیصر۔	۱۱۴
۱۷۔ گرونانک۔ منشی محمد عبد الخالق صاحب خلیق (دہلوی) ..	۱۱۴
۱۸۔ تازہ غزلین۔	۱۱۵

[illegible] یا آپ [illegible] توسیع اشاعت
[illegible] متعلق اپنا فرض ادا کیا؟

اگر نہین تو اب جلد ہمین شکریہ کا موقع عنایت فرمائیے۔ یاد رکھیے توسیع اشاعت ہی پر رسالہ کی ترقی منحصر ہے۔ یہ میوچوال ہیلپ (باہمی امداد) ہے جب تک دو طاقتین باہم ہو [illegible] کوئی کام درستی کے ساتھ انجام نہین پا سکتا۔

ہم اپنا فرض ادا کرتے ہین آپ اپنا فرض ادا کیجیے!

العصر

ہر ماہ کے اخیر میں دفتر العصر لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے

قسم اول: سالانہ للعہ۔ ششماہی عہ۔ فی پرچہ ۸/
قسم دوم: سالانہ سے۔ ششماہی عہ۔ فی پرچہ ۵/
ممالک غیر سے ھہ سہ سالانہ علی الترتیب۔

(یہ شرح صرف عوام کے لیے ہے) خواص منتظر ہمدردی جو کچھ عنایت فرمائیں،
چندہ بہ پیشگی ارسال کیا جائے، مابعد کا حساب نہیں۔
نمونہ کے لیے مقررہ قیمت بھیجنا چاہیے مفت ارسال نہوگا۔
خط وکتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے۔
جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

قلمی معاونین سے التماس

(۱) کاغذ کے صرف ایک جانب لکھیں۔
(۲) مضامین صاف تحریر فرمائیں کہ پڑھنے میں دقت نہ ہو
(۳) مضمون تحریر فرماتے وقت نصف صفحہ سے کچھ کم حاشیہ چھوڑ دیا کریں۔
(۴) جو مضامین معاوضہ کی غرض سے ارسال کیے جائیں انکے متعلق صاف طور پہ اطلاع دینا چاہیے ورنہ بعد اندراج معاوضہ کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہوگا۔
(۵) جس مضمون کے ساتھ تصویر وغیرہ کی ضرورت ہو اسکا خود انتظام فرمائیں
(۶) معاوضہ صرف اعلی علمی وادبی مضامین کے لیے دیا جائے گا۔ اسمیں بھی اورنجیل مضامین کی تخصیص ہے۔

اگر سب حضرات ان ہدایات کو ملحوظ رکھیں تو ایڈیٹر کا بہت سا وقت جو رائگان جاتا ہے بچ رہا کرے گا۔

جملہ خط وکتابت ذیل کے پتہ پر ہونا چاہیے

پیارے لال شاکر (میرٹھی) مالک وایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ

العصر جلد اول

جس میں ساٹھ سے زائد نامور اہل قلم کے تقریباً پچاسی مضامین نظم ونثر درج ہیں۔ اور بیش نادر ونایاب تصاویر شامل ہیں۔ حجم علاوہ تصاویر پونے تین سو صفحات بہت کم جلدیں باقی ہیں۔ جلد طلب فرمائیے ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ قیمت مع محصول صرف عہ (دو روپیہ)

قسم دوم کی بھی کچھ مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت مع محصول ایکروپیہ آٹھ آنہ
جلد اول کے مختلف پرچے بحساب ۳/ و ۴/ فی نمبر مل سکتے ہیں۔ ہر پرچہ بجائے خود مکمل ہے۔

المشتہر: منیجر العصر۔ لکھنؤ

بڑے دعوے کا اعلان

مندرجۂ ذیل سنگلاخ کتابیں کوئی حل نہ کرسکا۔ میں نے پتھروں کو پانی کرکے بہا دیا سب حل المتن ہیں شعر کے بعد لغت کا انکشاف ہے پھر شگفتہ وسلیس شرح ہے۔ **حل قصائد خاقانی** کورس منشی فاضل ایم اے قیمت حصۂ اول ۳/ حصۂ دوم ۳/ مگر دونوں حصوں کے خریدار سے مع محصول ۶/ **حل قصائد خاقانی** کورس منشی عالم و بی اے ۱/ **حل نکات** مولانا محمد عبد القادر بیدل مرحوم ۱/ **حل کلیات اردو** مرزا غالب دہلوی مرحوم ۱/ **حل قصائد فارسی** کورس جدید بی اے الہ آباد یونیورسٹی۔ قصائد عرفی قصائد خاقانی، غزلیات صائب، قصائد حکیم سنائی کا حل زیر طبع ہے پیشگی قیمت ۲/ بعد طبع ۳/

شعراکو اعلان عام جو صاحب فارسی، عربی، اردو بھاشا میں کامل شاعر بننا چاہیں کہ معمولی نہ جو صاحب نادانی لیوانی وغیرہ نظم ونثر کو اغلاط سے پاک کرنا اور اہل بنانا چاہیں پہلے اپنا کلام نمونہ اصلاح کے لیے بھیجیں پھر داخلہ اور فیس کا فیصلہ کریں پست کلام کو بلند اور بلند کو بلند تر کردیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالی۔

مجدد السنۂ مشرقیہ سید احمد حسن شوکت میرٹھ

پداوی اج : سنجوگتا

ج ے پرانی راج ہٹ کو کھڑا ہے بے دواس

و ہد اندازے سنجوگتا استادہ پاس

فلسفۂ حیات وممات

تمہید

مادہ آپ کے سامنے ہزارہا چیزین ہین۔ شکلین بھی انکی مختلف ہین اور رنگ بھی ان کے مختلف۔ کوئی زہر ہی تو کوئی تریاق' غور کیجیے' انمین کون سی بات مشترک ہے؟

غور کرنیوالے کہین گے کہ وزن مین اگرچہ کوئی شے ہلکی اور بھاری ہو لیکن وزن سے خالی کوئی نہین۔

تاہم کو روزانہ روشنی اور تاریکی گرمی اور سردی سے واسطہ پڑتا ہے۔ کیا انمین بھی وزن ہی؟ کیا روشنی مین کسی شے کا وزن اور ہوتا ہی اور تاریکی مین اور؟ کیا حرارت پاکر کسی چیز کا وزن سردی کی حالت سے بڑھ یا گھٹ جاتا ہے؟

ان سب سوالون کا جواب ہمکو نفی مین ملتا ہی' اور ہم وزن دار اشیاء کو مادی اور بے وزن اشیاء کو غیر مادی کہتے ہین۔ لہذا ہر وہ چیز جس مین وزن ہو مادہ ہے۔

یہان سوال پیدا ہوتا ہی کہ وزن خود کیا شے ہو؟ حقیقتہً یہ کوئی چیز نہین بلکہ جسطرح اسکولون کی رسن کشی مین ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابلے مین زور کرتی ہی اور اسوقت ہر فرد کو قوۃ کشش کا احساس ہوتا ہی' ٹھیک اسیطرح ہمکو کسی شے کے اُٹھاتے ہوئے ایسی ہی کسی قوۃ کا احساس ہوتا ہی۔ یہان ایک جماعت کی بجائے زمین ہی اور دوسری جماعت کی جگہ ہم خود۔ رسّی کی جگہ وہ شے ہی جس کو ہم اُٹھاتے ہین' اور وزن ایک کشش ہی جو زمین کی کشش کے خلاف عمل کرنیسے ہمکو محسوس ہوتی ہے۔

مادہ کے اقسام تجارب اور مشاہدات بتاتے ہین کہ موجودات عالم کے دو درجے یعنی نباتات اور حیوانات' تغذیہ اور تنمیہ کے لیے ایک اندرونی نظام رکھتے ہین' اور جب تک یہ نظام قائم رہتا ہی' انکی سرسبزی اور

شادابی بھی قائم رہتی ہے کسی درخت کی چھال سے نیچے کا حصہ، جس کے ذریعے سے پتے ہوئے عروق واقع ہوتے ہیں، کاٹ ڈالیے اور پھر دیکھیے کہ ساری شادابی کس قدر جلد غائب ہو جاتی ہے؟

کیا پتھر کو دو دو کر دینے کے بعد بھی آپ چمک دمک میں کوئی تبدیلی دکھا سکتے ہیں؟ نہیں کبھی نہیں۔ یہین ہمکو دو قسم کے مادون کا پتہ چلتا ہے: ایک ذی حیات دوسرا غیر ذی حیات۔

ذی حیات مادہ وہ ہے جو پرورش کے لیے کوئی اندرونی نظام رکھتا ہے اور غیر ذی حیات وہ ہے جو اپنا کوئی نظام نہیں رکھتا بلکہ مرور زمانہ اور بہ اسباب متوارث قد و قامت میں بیرونی زیادات سے بڑھتا رہتا ہے۔

اس قدر تمہید کے بعد ہم اصل مضمون پر نظر ڈالتے ہیں۔

حیات کی تعریف

یہ زندہ ہے یا مردہ؟

یہ وہ سوال ہے جو ہم کسی چیز کو زمین پر پڑا دیکھکر اپنے ساتھی سے کرتے ہین اس سوال کے ساتھ جو فعل ہمسے سرزد ہوتا ہے، وہ اُس چیز کا ہلانا ہوتا ہے، اور جب ہم اُس کے اعضا میں کوئی حرکت نہیں پاتے تو فوراً اُسے مردہ کہہ اُٹھتے ہین۔

یہ خیال عوام پر اسقدر حاوی ہے کہ وہ حیات اور حرکت کو لازم و ملزوم تصور کرتے ہین۔

لیکن غائر نظر کے بعد ہمکو اسکی غلطی صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر حرکت ہی حیات کی پہچان ہے تو پھر دریا میں بھی حباب ہے کیونکہ اُسمین بھی حرکت نمایان ہے۔ ہوا مین بھی حیات ہے کیونکہ اُسکی حرکت کا احساس ہمکو ہر گھڑی اور ہر لمحہ ہوتا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ حرکت کوئی معیار حیات نہیں ہو سکتی۔ ہمکو تو ایسی تعریف چاہیے جو حوادث عالم کے ہر طبقۂ اجسام ذی حیات پر جامع و حاوی ہو۔

انسان چونکہ درجے مین سب سے بلند ہے اسلیے ہم حیات کی تعریف اُن حالات کو دیکھتے ہوئے تلاش کرتے ہین جو اُسی سے متعلق ہین۔ یہ تعریف تمام دوسرے درجات پر بھی جامع ہوگی۔ انسان مین عقل اور جسم دو متغائر چیزین پائی جاتی ہین، اور ہم انہی سے حیات کی تعریف بتاتے ہین۔ عقل کی بجائے استدلال ہے اور جسم کی نشو و نما، اور یہی وہ چیزین ہین جنمین ہم حیات کی تعریف تلاش کرتے ہوئے روانہ ہوتے ہین۔

اس سفر مین پہلی بات جو ہم اِن دونون پر صادق پاتے ہین، وہ یہ ہے کہ دونون تغیرات کے طریقے ہین۔ بغیر تغیر کے غذا خون نہیں بن سکتی، اور نہ خون ریشہ اسیطرح بغیر تغیر کے کسی خیال سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ غذا سے خون بننا، اور خون سے ریشہ کی تولید، یہ تو ایک صاف بات ہے لیکن کسی نتیجہ کے لیے خیالات مین تغیرات کا ہونا اولاً کسی قدر عجیب سا معلوم ہوتا ہے، اگر ہم مثال مین اسکو واضح کر دیتے ہین۔

آپ کے سامنے ایک شے پڑی ہے۔ آپکو اُسکی ماہیت اور خواص معلوم کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے، آپ اُسکو وزن کرتے ہین، اسکی سختی نرمی معلوم کرتے ہین، رنگت دیکھتے ہین، مزہ چکھتے ہین، اور اسیطرح اُسکے دوسرے خواص بھی یکے بعد دیگرے معلوم کرتے جاتے ہین۔ اسطرح آپکے پاس معلومات کا ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے اور آپ اُنسے نتائج مستنبط کرتے ہین ظاہر ہے کہ اگر خیالات مین تغیر واقع نہوتا رہتا تو اسقدر معلومات بھی حاصل نہوتین۔ کہا جائیگا کہ ایسے تغیرات ہم غیر ذی حیات مادہ مین بھی پاتے ہین، جو ہمیشہ حرارت مین، رنگ مین، اور قد و قامت مین گھٹتے بڑھتے رہتے ہین، لیکن ذرا سے غور کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ جن تغیرات کو ہم ذی حیات مادہ سے متعلق کر رہے ہین وہ اِن تغیرات سے بالکل مختلف ہین ہمارے ذی حیات مادہ کے تغیرات مسلسل ہین۔ غذا سے لیکر اُس کے ریشہ بننے تک جس قدر تغیرات پیش آتے ہین، وہ سب مسلسل ہین چبانا، نگلنا، معدہ کی رطوبت مین حل ہونا، جگر کے عروق سے نکلکر صاف ہونا، اور پھر خون بنکر ریشہ بننا یہ سب ایک سلسلہ مین بندھے ہین۔ یہی

حال استدلال کا ہی اور ہماری اوپر کی لکھی ہوئی مثال یہان بھی صادق آتی ہے۔

مگر ذی حیات مادہ کے تغیرات صرف مسلسل ہی نہین ہین بلکہ سلسلہ درسلسلہ ہین۔ مثلاً معدہ دوران ہضم مین نگلی ہوئی غذا کے ساتھ مصروف کار ہی۔ یعنی رطوبت پیدا ہو رہی ہی اور غذا اُسمین حل ہوتی جاتی ہی یہان معدہ تو اپنے کام مین مصروف ہی اور وہان امعا اپنے کام مین۔ یہان غذا ہضم ہو رہی ہی، وہان پہلی ہضم شدہ غذا انہون نکر ریشون مین تبدیل ہو رہی ہی۔ غرضکہ صرف ایک ہی سلسلہ نہین چل رہا بلکہ اور بھی سلسلے جاری ہین۔

یہی حال استدلال حالت کا ہی۔ صرف ایک ہی سلسلۂ خیالات نہین ہی بلکہ اور بھی سلسلے جاری ہین۔ اسکی ادنیٰ مثال کتب بینی مین ملتی ہی۔ کتاب پڑھ رہے ہین، اور مطلب سمجھتے جا رہے ہین بحث کی بُرائی بھلائی بھی خیال مین آ رہی ہی، اور اُسکے متعلق دوسرے مصنفین کی رایون کا بھی لحاظ ہو رہا ہی۔ گویا کئی سلسلے ایک ساتھ جاری ہین پڑھنا مطلب کا سمجھنا تنقید کرنا، دوسرے مصنفین کی رایون کا موقع بموقع لحاظ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔

انھی دونون پیش نظر اُمور پر زیادہ غور کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہین کہ یہ تغیرات نہ تو مکرر ہوتے ہین، اور نہ یکسان، بلکہ نہایت مختلف اور بالحاظ تقدم اور تاخر۔ اپنے ہی نفس کی حالت دوران غور و خوض و استدلال مین دیکھیے کیا ہوتی ہی؟ بار بار ایک ہی سی حالت محسوس نہین ہوتی بلکہ ہر وقت نئی۔ مجھکو یاد نہین کہ ایک مرتبہ بھی کبھی کیفیت نفس ایک ہی بات پر مختلف اوقات مین غور کرتے ہوئے مکرر یا یکسان رہی ہو۔ لیکن غیر ذی حیات اشیا مین جسقدر بھی افعال واقع ہوتے ہین، وہ یکسان اور مکرر ہوتے ہین۔ طبعی کیمیاوی کہربائی مقناطیسی، دخانی وغیرہ بے شمار افعال اُسی ایک ہی حالت اور کیفیت کے ہمیشہ صادر ہوتے ہین، جو انکو آپسمین متمیز کرتی ہے۔

یہین ہمکو ذی حیات اور غیر ذی حیات اشیا مین ایک نمایان فرق ملتا ہی۔ یہ فرق اُسوقت اور بھی نمایان ہوجاتا ہی جب ہم مختلف تغیرات کو باہم متصل دیکھتے ہین، یہ تغیرات گو کیسے ہی مختلف ہون، مگر ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اسطرح بندھے ہوئے ہین کہ ایک کے روکدینے سے دوسرے بہت سے رُک جاتے ہین۔ مثلاً سانس لینا روکدیا جائے تو دوران خون مع اپنے بہت سے ہمرکاب افعال کے بند ہو جاتا ہی۔ رنج و غم اور جوش و اشتیاق کا غلبہ، بھوک پیاس کسطرح دور کر دیتا ہی؟ دماغ، دل، گردہ، سب پر ان کا اثر پڑتا ہی۔ حافظہ پر زور ڈالیے، معاً آپ کو بہت سے واقعات یاد آجائین گے۔

اسطرح حیات سلسلہ در سلسلہ لیکن مختلف تغیرات کے ایک مجموعہ کا نام ہے۔

توضیح مزید

لیکن یہ تعریف بھی جامع نہو گی جب تک ہم ان تغیرات کی کوئی حد نہ مقرر کر دین۔ ہمکو بہت نہین تو کچھ ایسے سلسلہ ہائے تغیرات ملینگے جو مختلف بھی ہین اور سلسلہ در سلسلہ بھی۔ مثلاً برف کا پہاڑ جو ایسے تمام تغیرات کا اظہار کرتا ہی۔ یعنی تغیر آب و ہوا سے ہمیشہ بڑھتا گھٹتا بھی رہتا ہی نقل و حرکت بھی کرتا ہی۔ پانی کی دھار بھی جاری کرتا ہی۔ حرارت کی کمی بیشی کا اظہار بھی کرتا ہی۔ گویا ذی حیات اشیا کیطرح بڑھنا گھٹنا تغیرات مزاج، تغیرات رفتار، تغیرات اخراج، وغیرہ وغیرہ سلسلہ ہائے مختلفہ کا اظہار کرتا رہتا ہی۔ بااین ہمہ یہ بالکل ممکن ہی کہ سالہا سال کے لیے یہ تمام سلسلے بہ تغیر آب و ہوا بند کر دیے جائین، لیکن پھر بھی سلسلون کے پھر کبھی ظاہر ہونے کی قابلیت مین ذرا بھی کمی واقع نہ ہو۔ یا اسکے برخلاف یہ سلسلے ذہنی حالت اور کیفیت مین بجنسہ جاری رہین، اور بڑھنا بالکل بند ہو کر پہاڑ کو معدوم کر دے۔

یہان جو فرق ہم ذی حیات اور غیر ذی حیات مین پاتے ہین وہ یہ ہی کہ غیر ذی حیات اشیا مین یہ تغیرات غیر محدود اور بے پایان ہین مگر ذی حیات مین محدود۔ یہ ایک عظیم الاثر فرق ہی جو ذی حیات اور غیر ذی حیات اشیا مین پایا جاتا ہی اور اب ہم حیات کی تعریف اسطرح کرتے ہین کہ یہ سلسلہ در سلسلہ لیکن مختلف تغیرات کے ایک محدود مجموعہ کا نام ہے۔

لفظ ایک یہان غیر موزون ہی کیونکہ اس سے مترشح ہوتا ہی کہ کوئی مجموعہ ایسا اور بھی ہو سکتا ہی جو ذی حیات مجموعہ کے علاوہ ہی لہذا ہم اسکو بھی ترک کر دیتے ہین اور اب حیات کی تعریف یون کرتے ہین کہ یہ سلسلہ در سلسلہ لیکن مختلف تغیرات کے مخصوص اور محدود مجموعہ کا نام ہی۔

ایک اور مرحلہ ابھی باقی ہی

ہمنے حیات کی تعریف مین صرف اندرونی تغیرات کا لحاظ رکھا ہے اور اسلئے یہ ابھی ناقص ہی کیونکہ جبتک بیرونی تغیرات کا انطباق اندرونی تغیرات پر نہ کیا جائے حیات قائم نہین رہ سکتی۔

اسکی ہزارون مثالین ہمارے روزمرہ کے تجارب مین ملتی ہین۔

مچھلی کو پانی سے علیحدہ کر دیجیے اور پھر دیکھیے کہ صرف بیرونی تغیرات کے بدل دینے کی وجہ سے اسکا اندرونی نظام کسقدر جلد بگڑ جاتا ہے؟

ہوا مین سمیت پیدا کر دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ ہر شخص پر اثر پڑتا ہی؟ ہمارے بدقسمت ملک مین جہان ابھی تک آب و ہوا کی صفائی کا کچھ لحاظ نہین کیا جاتا، لاکھون جانین بدنصیب باشندون کی ہر سال موت کے گھاٹ اُتر جاتی ہین۔ صرف پانی کی خرابی سے دس لاکھ انسان سالانہ نشانہ اجل بنتے ہین!! اسی سے ہوا کی خرابی کے نتائج کا قیاس ہو سکتا ہے۔

یہ ضروری نہین کہ آب و ہوا کا اثر فوراً ہی محسوس ہو۔ اکثر ایک پوری نسل کا زمانہ بھی اسکے لیے کم ہوتا ہی۔ موجودہ نسل کے قویٰ ذہنی و دماغی اور جسمی صاف بتا رہے ہین کہ یہ ایسے ہی بیرونی مضر تغیرات کا نتیجہ ہین۔ بیرونی تغیرات مین آب و ہوا ہی شامل نہین ہی بلکہ قلت و کثرت غذا اور رکھی وحشی باشندگان بھی موثر ہین۔

لہذا اس مرحلہ نظر کے طے کرنے کے بعد ہماری حیات کی تعریف یہ ہوئی کہ "وہ سلسلہ در سلسلہ لیکن مختلف تغیرات کا مخصوص اور محدود مجموعہ، بشرط انطباق تغیرات بیرونی ہی" زیادہ وضاحت اور اختصار سے ہم کہ سکتے ہین کہ "اندرونی نظام کے بیرونی نظام پر باہم انطباق کا نام حیات ہی" یہان نظام سے مراد وہ مجموعہ تغیرات ہی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین۔

ممات

ممات کیا ہے؟

یہی اندرونی نظام کا بگڑ جانا۔ عمارت شروع کرنے سے بیشتر اینٹ اور گارا تختے اور کڑیان جمع کیجاتی ہین اور کام شروع کیا جاتا ہی۔

یہ کام کیا ہی؟ انہی مختلف چیزونکا مناسب و موزون طریقے پر لگا دینا۔

مکان تیار ہو جاتا ہی۔ جو دیکھتا ہی تعریف کرتا ہی۔ ہر چیز خوشنما ہی کسی قسم کا عیب نہین اور اسکا کسیکو گمان بھی نہین ہوتا کہ زمانے کا ہاتھ یا اُسکے حوادث اسکو کیا بشکل اور بالآخر مسمار کر دین گے۔

کون جانتا تھا اور کس کے شان گمان مین تھا کہ سپین کا الحمرا اور الحمرا جسمین فرمان روائے غرناطہ جیسا باجبروت و شان و شوکت بادشاہ تخت نشین تھا، وہ الحمرا جسکی میناکاریان اور گل بوٹے عجائبات روزگار مین شمار ہوتے ہین' زمانے کے ہاتھون اسقدر بدہیئت اور یہانتک خراب وخستہ ہو جائیگا!

ہمارا نو تعمیر مکان بھی بالآخر یہی دن دیکھتا ہی آج ایک کڑی گری اور کل دوسری آج وہ کونا گر گیا اور کل دالان بیٹھ گیا، مٹی الگ اور اینٹین الگ، دروازہ اور کڑیان دیمک کی نذر۔ ملبہ کا ایک ڈھیر پڑا ہی، راہگیر دیکھتے چلے جاتے ہین کسی کو گمان بھی نہین ہوتا کہ کبھی یہان ایک سربفلک محل موجود تھا!!

اب صفائی شروع ہوتی ہے اور ملبہ کو نیلام پر اُٹھا دیا جاتا ہے۔ دوسرے لوگ اسے لیجاتے ہیں اور اپنی ضرورتوں میں لگا دیتے ہیں۔............
............لیکن زمانہ اپنی چکی میں اُن مکانات کو بھی پیس ڈالتا ہے اور یہ سلسلہ ایسا ہی جاری رہتا ہے۔

یہی حال حیات و ممات کا بھی ہے۔ مکان کا بننا، اور حوادث کے مقابلے میں اپنے وجود کو قائم رکھنا "حیات" ہے اور اُسکا گر جانا "ممات"۔ لہذا ہمکو ممات کی تعریف تلاش کرنیکی ضرورت نہیں، حیات کی تعریف ہی میں وہ بھی مضمر ہے۔

اب ہم ذی حیات اجسام پر ایک نظر اسلیے ڈالتے ہیں تاکہ وہ راز معلوم ہوں جو اُنکے نظام کی ترتیب اور انتشار کا باعث ہے۔

افشاء راز

ذی حیات اجسام پر غور کیجیے، دیکھیے، یہ نمودار ہونے کے بعد کسطرح پھلتے پھولتے ہیں؟ نباتات میں سے ایک درخت لے لیجیے اور حیوانات میں سے ایک جانور، اور پھر کہیے کہ کیا انہیں سے ہر ایک کو غذا کی ضرورت نہیں؟ کیا غذا کا زیادہ حصہ ان کے جسم کو نہیں لگجاتا؟ اور کیا انکو بہت سے حوادث کا مقابلہ نہیں کرنا پڑتا؟

یہی تین باتیں ہیں جو ہم تمام نباتات اور حیوانات پر صادق پاتے ہیں، اور انکو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں۔

(۱) حصول قوۃ۔ (۲) تنظیم قوۃ۔ (۳) صرف قوۃ۔

حصول قوۃ یہ بہت کھلی ہوئی بات ہے۔ کچھ دنوں کھانا کم کھائیے پھر دیکھیے کیا حالت ہوتی ہے؟ نہ بات کرنے کو جی چاہے گا، اور نہ بولنے کی جراءت ہوگی جسم میں طاقت بھی نہ رہیگی اور ایک قدم بھی نہ چلا جائیگا۔ یہ صرف آپ ہی پر صادق نہیں آتا بلکہ تمام حیوانات کا یہی حال ہے۔

تنظیم قوۃ کیا بات ہے کہ آپ اسقدر دبلے ہوتے جاتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپکو کھانا لگتا ہی نہیں"۔ یہ فقرہ ہمارے روزمرہ میں بولا جاتا ہے تنظیم قوۃ سے مراد یہی کھانے کا لگنا ہے یعنی حاصل شدہ قوۃ جسم کے ہر حصے پر مناسب مقدار میں اور بہ آراستگی طبعی غذا پھیل جاتی ہے۔ حیوانات میں یہ گوشت و پوست میں مضمر ہے تو نباتات کے اندر لکڑی اور چھال میں۔ کسی درخت میں ایک کیل ماریئے، اور کچھ دنوں کے بعد دیکھیے، کیل اب درخت میں نہ ہوگی بلکہ زمین پر پڑی ہوگی۔ چھوٹا زخم ہو یا بڑا، گہرا ہو یا ہلکا، تمام زخم کس قدر جلد بھر آتے ہیں! یہ نظام قوۃ کا اظہار کرتے ہیں۔

صرف قوۃ ا نقل: حرکت کو نظر انداز کرکے ہم صرف حوادث کو لیتے ہیں ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی، جب ہم دیکھتے ہیں کہ کس قدر سخت مقابلہ تمام نباتات و حیوانات کو کرنا پڑتا ہے، اور کتنی بڑی مقدار قوت کی ہر وقت مقابلہ میں صرف کردینا پڑتی ہے؟

انسان ہی کو لیجیے۔ ہوا معمولی حالت پر ہمکو ۱۵ پونڈ فی مربع انچہ سے مار رہی ہے۔ اب ایک شخص جو ۶ فٹ لانبا اور ۱½ فٹ چوڑا ہے (۱۲×۱۲ انچہ ×۱۲×۶- انچہ ×۱۵ پونڈ) ۹۴۴۰ پونڈ یعنی تقریباً ۲۴۰ من قوۃ کا ہر وقت مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ کم از کم اسی قدر قوۃ سے اسکو نہ روکتا تو وہ زمین پر ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا۔

نباتات اور حیوانات سب اس حالت میں برابر ہیں۔ یعنی ہوا کی قوۃ کے مقابلہ میں اُن کو ایسی ہی بڑی مقدار قوۃ کی صرف کرنا پڑتی ہے۔

لیکن حیوانات بمقابلہ نباتات کے ایک اور بڑا "صرف" رکھتے ہیں جس کو ہمنے پہلے نظر انداز کردیا تھا یعنی نقل و حرکت، اور یہی وجہ ہے کہ وہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک سبھی درختوں کے مقابلہ میں بہت کم عمر حاصل کرسکتے ہیں۔ اور ان میں بھی جو جانور زیادہ کود پھاند کرتے اور بھاگتے دوڑتے ہیں اُن کی عمریں بوجہ زیادتی صرف قوۃ کے دوسروں سے مقابلۃً کم ہوتی ہیں۔

غرضکہ یہی وہ تین اُمور ہیں جو حیوانات اور نباتات سب میں

جاری ہین اور جن مین انکی حیات اور ممات کا راز پوشیدہ ہی جب تک آمدنی اور صرف برابر ہین شباب کی زندگی آپ کو میسر ہی جہان تاپہ جھکا معاً انحطاط شروع ہوگیا۔

بعض صاحب کہ اٹھین گے کہ اس سے تو یہ لازم آگیا کہ اگر آمدنی اور صرف ہمیشہ برابر رکھے جاسکین تو گویا ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوجائے ہان مین بھی ایسا ہی خیال ہی مگر یہ ناممکن ہی اور اسکی وجہ مین پیش کرتا ہون۔

کسی ایسی شے مین جو ایک فٹ لمبی ایک فٹ چوڑی اور ایک فٹ گہری ہی ہم اسی قدر اضافہ لمبائی چوڑائی اور گہرائی مین بھی کردین، تو اسکا حجم ۸ مکعب فیٹ ہوگا۔ اور ایک ایک فٹ بڑھا دین تو ۲۷ مکعب فیٹ ہوجائیگا۔ یہانتک کہ اگر ہر ضلع کی پیمائش ۶ فٹ کردین تو حجم ۲۱۶ مکعب فیٹ ہوجائیگا مگر رقبہ پہلی حالت مین ۴ فیٹ مربع دوسری حالت مین ۹ فیٹ مربع اور تیسری مین ۳۶ فیٹ مربع ہوگا۔

ظاہر ہی کہ پہلی صورت مین جب رقبہ اور حجم مین ایک اور دو کی نسبت تھی، تو دوسری صورت مین ایک اور ۳ کی، اور تیسری مین ایک اور ۶ کی ہوئی گویا جسقدر حجم مین زیادتی ہوتی جاتی ہی رقبہ مین کمی آتی جاتی ہی۔ انسان جو ایک فٹ سے بڑھکر ۶ فیٹ تک پہنچتا ہی، وہ وہ حجم حاصل کرلیتا ہی جسکی پرورش اس تھوڑے سے رقبہ پر (جو معدہ تک محدود ہی) رفتہ رفتہ ناممکن ہوجاتی ہی اور اس لیئے سارے نظام کو بگڑ جانا پڑتا ہی۔ ایک فٹ کے چھوٹے بچے اور ۶ فیٹ کے انسان کے معدون مین بہ لحاظ وسعت زیادہ فرق نہین ہوتا اس لیے آمدنی کی مقدار بھی زیادہ فرق نہین رکھتی، اور جب دوسرے ذرائع بند ہوجاتے ہین اور سارا بار اسی آمدنی پر پڑجاتا ہی، تو خرچ کی زیادتی بالآخر وہ دن دکھا دیتی ہی جو اسکی زندگی کا آخری دن خیال کیا جاتا ہی۔

یہی حال نباتات اور تمام دوسرے حیوانات کا بھی ہی۔ اس نقشہ پر ہم ایسی مثال پیش کرتے ہین جو ہمارے مطلب کو اچھی طرح واضح کردے گی۔

ایک تاجر کچھ سرمایہ لیکر تجارت شروع کرتا ہی آمدنی خوب ہو رہی ہی اور دکان کا خرچ بھی ابھی کم ہی۔ روز بروز سرمایہ مین زیادتی ہوتی جاتی ہی اور دکان کی طاقت بھی بڑھتی جاتی ہی۔ نوکر چاکر بھی زیادہ ہوگئے محررون کا ایک دفتر علیحدہ کھول دیا گیا تاکہ حساب و کتاب مین سہولت ہو۔ اسکے بعد وقت آیا کہ ایک دکان ناکافی معلوم ہونے لگی اور کئی دکانین کھول دی گئین۔ لیکن پھر یکایک بازار سندا پڑجاتا ہی۔ خرچ تو وہی ہی مگر آمدنی مین کمی شروع ہوجاتی ہی۔ اس کمی کو سرمایۂ محفوظ سے پورا کرنا پڑتا ہی۔ لیکن بازار کی وہی حالت رہتی ہی اور خرچ روز بروز الضاعف ہوتا رہتا ہی۔ عملہ کی تخفیف بھی اب شروع کردی جاتی ہے لیکن پھر بھی نقصان جاری ہی مشرق پورا نہین پڑتا۔ آخر چند دکانین بالکل بند کردی جاتی ہین۔ مگر غریب تاجر کی مشکلات کا خاتمہ پھر بھی نہین ہوتا، ان بند کردہ دکانون سے جو سرمایہ نکالا تھا وہ بھی ختم ہوجاتا ہی، اور آخرکار تاجر دیوالیہ بنائے جانے کی درخواست دے دیتا ہے۔

بعینہ یہی حال حیوانات اور نباتات کا بھی ہی۔ انسان کو لیجیئے وہ ماں کے پیٹ سے سرمایہ لیکر آتا ہی اور دو چار سال تک آرام سے سرمایہ جمع کرتا رہتا ہی۔ کچھ اور بڑا ہوتا ہی تو نقل و حرکت بھی نسبتاً کم ہوجاتی ہی اور حوادث کا سلسلہ بھی کم پڑجاتا ہی۔ اس لیئے آمدنی خرچ سے بہت زیادہ ہوتی ہی اور یہ سب سرمایہ کو بڑھانے مین کام آتی ہی۔ لیکن جون جون بڑھتا جاتا ہی اسکی آمدنی جو اگرچہ خرچ سے اب بھی زیادہ ہوتی ہی مگر نسبتہً پہلی آمدنی سے بوجہ زیادتی حوادث اور نقل و حرکت کے کم ہونا شروع ہوجاتی ہی، اور جب تک یہ آمدنی خرچ سے زیادہ رہتی ہی جسم بھی بڑھتا رہتا ہی یہانتک کہ ایک وقت آتا ہی جب آمدنی مذکورۂ بالا وجوہ سے کم ہوتے ہوتے خرچ کے برابر آجاتی ہی اور یہی وہ زمانہ ہی جس کو شباب سے پکارا جاتا ہی

اُمنگیں جوش پر ہوتی ہیں اور دلوں کا طوفان زوروں پر لیکن یہ وقت زیادہ دنوں تک نہیں رہتا اور پھر انحطاط شروع ہوجاتا ہے۔ اُمنگیں سرد پڑتی جاتی ہیں جوشوں میں کمی آتی جاتی ہے اور اب سمجھ اور تجربہ زیادہ کام آتا ہے۔ آگے چل کر جب خرچ اور آمدنی میں بہت زیادہ فرق ہوجاتا ہے تو یہ باتیں بھی جاتی رہتی ہیں اور خیالات دیریا ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت آتا ہے جب نہ اُٹھا جاتا ہے اور نہ بیٹھا جاتا ہے کوئی بات یاد نہیں رہتی پہچان کی قوت بھی کم ہوجاتی ہے ہاتھ پاؤں میں لرزہ پڑجاتا ہے اور تمام قوتیں ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگتی ہیں۔ اب موت سامنے ہے اور دیکھیے وہ وقت بھی آہی گیا، سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

غور کیجیے تو اس قانونِ حیات و ممات کو حیوانات اور نباتات کے ہر فرد پر صادق پایئے گا۔ یہ ایک سلسلہ ہے جو ہر وقت جاری ہے آج جو پھول کھل رہے ہیں کل وہ ضرور خاک میں ملیں گے اور پھر کسی دوسری شکل میں یہی ذرات بہت یا تھوڑے، یا سب، نمودار ہونگے ایک فلسفی شاعر نے اسی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے:

سب کہاں؟ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

مسعود احمد عباسی

ذات کی اصلیت و ماہیت

جملہ اقوام ایک قسم کی سوسائٹی میں منقسم ہیں کوئی سوسائٹی بڑے پیمانے کی ہے اور کوئی چھوٹے پیمانے کی سوسائٹیاں بہت کم ایسی ہونگی جن پر "ذات" کا لفظ اچھے یا بُرے معنوں میں عائد کیا گیا ہو۔ پرتگالی زبان میں یہ لفظ محض "خاندان" کے معنی میں مستعمل تھا۔ موجودہ یورپین زبانوں میں استعمال کیے جانے سے پہلے اس لفظ سے طبقات کی وہ تقسیم مراد تھی جو ہندو سوسائٹی میں پائی جاتی تھی۔ زبانِ سنسکرت میں اس لفظ کا مترادف ورن یا برن ہے۔ برن سے مراد رنگ ہے الفاظ جات کل، پر وار، کرن وغیرہ الفاظ کا بھی کم و بیش یہی مطلب ہے چنانچہ اس مضمون میں جہاں کہیں کوئی ایسا امر نظر آیا جس سے ہندو "ذات" کے کسی حصہ کا خیال پیدا ہو وہاں بلا خیال عمر، قوم، مقام، یا تمدنی مراسم کے لفظ ذات ہی مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً بالگر یو کی رائے ہے کہ کاریگروں کے وہ طبقے جنکی نسبت کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ روم کے زمانہ میں برطانیہ میں موجود تھے عملاً ایک قسم کی ذات ہی تھے کیونکہ تھوڈوسین قانون کے مطابق لڑکا اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرنے کے لیے مجبور تھا اور جس خاندان میں شادی ہوتی تھی اُس خاندان کا پیشہ اختیار کرنا لازمی بات تھی۔ لیکن کاریگروں کے یہ طبقے ان اختیاری جماعتوں کے پیشرو تھے جو حرفت اور تجارت کے باضابطہ انتظام و ترتیب کے لیے قائم ہوئی تھیں۔ بعد کو یہ جماعتیں "گلڈ" اور "کرافٹ گلڈ" کے نام سے موسوم ہوئیں جنہیں کاریگروں کے لڑکوں کو بطور شاگرد شریک ہونے میں زیادہ آسانیاں اور فوائد تھے۔ لیکن انہیں لائق اجنبی بھی داخل کر لیے جاتے تھے اور اس تمدنی آمیزش کی وجہ سے انہیں باہمی مناکحت بھی ہوتی تھی۔ پیشہ ور جماعتوں کی ساخت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ در اصل اسلیئے قائم کیگئی تھیں کہ غیر لوگوں کی شرکت کا سدِّباب کریں۔

لیکن سیکسن زمانہ میں ذات کے ٹھیک معنوں میں ذات کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی جس کاشتکار کے پاس ایک ہیکہ زمین ہوگئی وہی زمیندار ہوجاتا تھا۔ جوں جوں اسکی ثروت بڑھتی تھی اسکا اقتدار اور ذمہ داریاں بھی بڑھتی جاتی تھیں۔ اہل ثروت کی نوعیت کی

کوئی تعریف یا توضیح نہ تھی۔ جاپان میں سامورائی و دستور سے تعلق ہے اہل ثروت سے مراد وہ شخص تھا جو بلا اعتبار خواہ جاگیر سے بڑھا ہو۔ چنانچہ ایک مشہور اور کامیاب سوداگر ارل کے درجہ تک پہنچ سکتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس بارے میں جرمنی کی ابتدائی تاریخ تاریخ انگلشیہ کی متضاد تھی۔ جرمنوں کی ان فوجی جماعتوں میں جو "فیسمیتن" کے قدیم طبقہ سے پیدا ہوئیں اصلی ذاتیں موجود تھیں۔ ان میں خواص عقیلین یا سپاہی ہونے کے لیے یہ ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ کسی بہادر کی اولاد ہیں غیر جنگجو آبادی "ربونس مینٹ" کے نام سے موسوم تھی تجارت پیشہ گروہ کی ایک خاص ذات تھی جو "برگرشینڈ" کہلاتی تھی۔ اسمین شک نہین کہ کسی نہ کسی وقت اکثر ممالک میں پیشہ موروثی سمجھا جاتا تھا پرسکاٹ صاحب فرماتے ہین کہ پیرو مین ہرچند عام قاعدہ یہ تھا کہ ہر شخص کو اپنے تئین مختلف فنون سے ماہر کرنا چاہیے، لیکن بعض اشخاص کو بڑی احتیاط کے ساتھ صرف ان پیشونکی تعلیم دیجاتی تھی جو زیادہ متمول گروہ کی خدمت کرتے تھے۔ پیرو مین پیشے دیگر پیشیون اور عہدون کیطرح ہمیشہ موروثی ہوتے تھے۔ اس خاص معاملے میں ذات کی تقسیم ٹھیک ویسی ہی تھی، جیسی ہندوستان یا مصر مین پائی جاتی تھی۔ زوریٹا بیان کرتا ہے کہ میکسیکو مین کوئی شخص اسوقت تک تجارت نہین کرسکتا تھا تاوقتیکہ اسے وراثتاً یہ حق نہ پہنچتا ہو، یا پبلک نے اجازت نہ دی ہو۔ فجی کے نجاران کی ایک جداگانہ ذات ہے، اور جزائر ٹونگا مین تمام پیشے سوائے گودنا گودنے والون اور حجامون کے موروثی ہوتے تھے مختلف طبقے یا گروہ ماتابولی، موواا توا کے نام مشہور تھے۔ اگر تعلیم عامہ کا کوئی باقاعدہ انتظام نہو تو یہ ایک قدرتی بات ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو اپنا پیشہ سکھاتا ہے۔ اس سے باپ کو کم خرچ کرنا پڑتا ہے، اور لڑکے کو معاش حاصل کرنے مین آسانی ہوتی ہے اور لڑکا اکثر کے باپ کا نام یا شہرت ترکہ مین حاصل کرتا ہے۔ معمولی پیشون مین مستقل فنون کی عظمت بہت بڑی تھی، اور جو دستور کسی زمانہ مین بالعموم تمام جماعتون مین جاری تھا، وہ ان جماعتون کے گروہون مین اب بھی موجود ہے لیکن جبتک یہ طریقہ قدرتی طور سے قائم ہے۔ اسمین کوئی شک نہین کہ یہ گروہ ایک قسم کی ذاتین ہین۔ کیونکہ ذات کا مقصود یہ ہے کہ نیا پیشہ اختیار کرنا نہ صرف خلاف دستور ہے بلکہ غلط اور قابل تعزیر ہے۔ ذات کا لفظ مذہبی جماعتون پر بھی عائد ہوا ہے۔ ایک خاندان یا ایک طبقہ ایک خاص معبد یا ایک خاص دیوتا کے کل معبدون کی خدمت کے لیے وقف ہوتا ہے۔ اس فرقہ سے بڑی ہونون یا بارڈون یا بھاٹون کی قسم کا ایک نیم مقدس گروہ قائم ہوا ہے، اور شاید یہ چند خاص خاص ممتاز پیشے موروثی ہوتے ہین باقی پیشے آزاد رہتے ہین۔ مثلاً پیرو مین کزکو کے سورج کا پجاری اپنا عہدہ اپنے بیٹے کو دے جاتا تھا۔ اسیطرح پبلک جسٹر اردن، عالمون، اور رگوتیون کا پیشہ موروثی ہوتا تھا۔ ینجمین کانسٹنٹ صاحب بیان فرماتے ہین کہ جو کہ بلاد میکسیکو کیطرح جنوب مین اس قسم کے پیشے موروثی ہوتے تھے، لیکن شمال و مغرب مین عام انتخاب سے پیشے یا عہدے دیے جاتے تھے۔ بہت سے ممالک مین پولٹیکل وجوہ یا قومی تفریق کے باعث مختلف گروہون مین باہمی مناکحت کی ممانعت تھی۔ روم اور اسپارٹا مین شرفا رذیل فرقون سے شادی نہین کرسکتے تھے۔ گوئٹلا مین یہ قانون تھا کہ اگر کوئی شریف مرد کسی رذیل عورت سے شادی کرے تو وہ "مزیکول" یعنی نیچ ذات مین شمار کیا جاے۔ ایسے شخص کو وہ ٹیکس دینے اور وہ خدمات انجام دینی پڑتی تھین جو اس گروہ کے لیے مقرر تھین، اور اسکی جائداد کا بیشتر حصہ شاہی ضبطی مین آجاتا تھا۔ مالاگیسی کے باشندے چار درجون مین منقسم تھے یعنی (۱) شریف (۲) سپاہی (۳) سوداگر (۴) رذیل۔ انمین باہمی مناکحت کی سخت ممانعت تھی۔ کسی زمانہ مین تمام اقوام غیر ملک والون سے شادی بیاہ کرنے کی مخالف تھین جن کو وہ عموماً دشمنون کے نام سے پکارتے تھے۔ اور جملہ اقوام نے ان تمام اقوام کو ستایا ہے جن پر انھون نے قبضہ پایا۔ ایک لحاظ سے غلامی سب سے ارذل ذات ہے کیونکہ بسا اوقات

اپنی اصلی صورتوں میں وہ غلاموں کو چند خفیف رسمی حقوق دلاتی ہے۔ ایک دوسرے لحاظ سے ایک ملکہ کی بیٹی کے ساتھ ایک معمولی شخص کی شادی ذات کے قواعد کی خلاف ورزی قرار دی جا سکتی ہے۔

ذات کی صورتوں کے علاوہ بہت سی متفرق جماعتیں ہیں جو اس لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کہ ان کے ممبر متواتر آپس ہی میں شادی کرتے ہیں اور بالعموم ایک خاص پیشہ یا کام کرتے ہیں۔ مناکحت کا یہ دستور ابتدائی معاشرتی نظام کی خصوصیات میں داخل تھا، اور اسی سے یورپ اور ایشیا کی رسمی سوسائٹیوں کے موجودہ نمونوں میں کوئی اعلیٰ قسم کی تہذیب نہیں پائی جاتی ہے۔

منجملہ ایسی بہت سی سوسائٹیوں کے مندرجہ ذیل سوسائٹیاں قابل بیان ہیں: "بونٹی" باغیوں کی اولاد جو جزیرہ پٹکرن میں اب بھی مقیم ہے۔ ملاحوں کی ایک جماعت جو کوہ ٹنگر پر سوماتیا کے متصل رہتی ہے۔ اسکی تعداد دو ہزار ہے جو تقریباً چالیس مواضعات میں تقسیم ہے اور اب بھی قدیم ہندو مذہب کی پیروی کرتی ہے۔ برطانیہ اعظم کے مختلف ماہی گیر مواضعات اور فرانس میں بھی اسی قسم کی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ جہانتک باہمی مناکحت سے تعلق ہے باشندگان آئسلینڈ اور مرفہ الحال یہودی ذات کے لقب سے موسوم کئے جا سکتے ہیں۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس قسم کی مناکحت تمدنی ترقی کی ایک خاص حد کا عام خاصہ ہے "ایکسوگیمی" یعنی اس قسم کی مناکحت کا دستور جسکی رو سے ایک اجنبی کے ساتھ قطعاً یا چند خاص صورتوں میں شادی ہو سکتی ہے حال کے گروہوں میں بالخصوص ایشیا میں بہت وسعت کے ساتھ اب بھی مانا جاتا ہے اور ان دونوں صورتوں کے قبل وہ ابتدائی حالت تھی جسمیں اجناس کے تعلقات خلط ملط تھے۔ وہ سینٹ الیاس سے دریائے ناس تک سواحل اور جزائر میں تھلنکیٹ اور کولوشیوں کی ایک قوم آباد ہے جسمیں باقاعدہ غلامی کا طریقہ جاری ہے جن کا سردار بذریعۂ انتخاب مقرر ہوتا ہے۔ اس عجیب و غریب قوم کی دو ذاتیں ہیں جو گرگ اور زاغ (دولف اینڈ ریون) کے نام سے مشہور ہیں انکی شناخت یہ ہے کہ ان کے مکانات، کشتیوں، کپڑوں، ڈھال وغیرہ پر یہ علامتیں تحریر یا منقوش ہوتی ہیں۔ ذات گرگ کئی ضمنی ذاتوں یعنی ریچھ، عقاب، ماہی آدم، شارک اور دالکا میں منقسم ہے۔ زاغ کی ذات میں مینڈک، ہنس، دریائی شیر، الو اور سالمن مچھلی شامل ہیں۔ ایک ذات سے اپنی ذات والے سے شادی نہیں کر سکتی چنانچہ یہ لازمی بات ہے کہ گرگ زاغ سے شادی کرے اکثر دیکھا گیا ہے کہ آج زاغ ذات کی لڑکی سے گرگ ذات کے لڑکے کی شادی قرار پائی ہے اور کل داماد اپنے خسر سے کسی موروثی جھگڑے پر سر پھٹول کر رہا ہے۔

ہندوستان میں مسئلہ ذات تاریخی دلچسپی سے بڑا ہوا ہے بعض کا خیال ہے کہ اس سے گورنمنٹ اور مصلحوں کے راستہ میں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن رابرٹسن صاحب اور ڈوبوائے صاحب اور ان کے دیگر ہمخیال صاحبان ذات کے سلسلہ کو تمدنی امن کا بہت بڑا محافظ سمجھتے ہیں اور اسوجہ سے ذات بعض اُن علوم و فنون اور پیشوں کی ترقی کے لیے ازحد ضروری ہے جو درحقیقت ہندوؤں نے کی ہے۔ مگر بعض اہل الرائے (مثلاً جیمس مل صاحب) اسکو برا قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں سلسلہ ذات بہت بڑی پولیٹکل غلطی ہے جو آزادانہ مقابلہ اور مرفہ الحالی و راحت کی دشمن ہے۔

مسٹر کولبرگ جو معاملات ہند پر ایک مستند شخص سمجھے جاتے ہیں اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں آپ نے یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ جو شخص اپنے پیشے سے معیشت حاصل نہیں کر سکتا وہ ایک کمتر یا افضل پیشہ اختیار کر سکتا ہے تحریر فرماتے ہیں: "روزمرہ یہ امر مشاہدہ میں آتا ہے کہ برہمن تک شودروں کا ذلیل پیشہ کرتے ہیں۔ ہم سب واقف ہیں کہ تمام قومیں کلبوں، سوسائٹیوں یا گروہوں میں منقسم ہیں جنمیں اسی ذات کے مختلف لوگ ایک محدود دائرہ

بین سنتے ہین۔ اور یہ قلب یا اُن مخصّص قواعد یا دستورات یا ضمنی قوانین
کی پابندی کرتے ہین جن مستثنیات کے علاوہ تمام پیشے ہر قسم کے آدمیون
کے لیئے کھلے ہوئے ہین اور مذہبی وجوہ سے جو رکاوٹین پائی جاتی ہین وہ
اُن رکاوٹون سے زیادہ سخت نہین ہین جو برطانیہ عظمیٰ مین قوانین میونسپل
و رکارپوریشن کے اثر سے پیدا ہوتی ہین۔ بنگال مین جو لوگ کسی خاص
پیشہ مین داخل ہونے کے لیئے درحقیقت تیار ہین وہ ہر چیز کی ساخت کی غرض
[illegible] توسیع کے لیئے کافی ہی۔ اس امر کی اِلفنسٹن صاحب بھی تائید کرتے
ہین وہ لکھتے ہین: اگرچہ مجھے ہندوستان کا ایک طولانی اور بسیط تجربہ ہی
لیکن مین نے کبھی نہین سنا کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے باعث ذات
سے گرا دیا گیا ہو۔ اس امر کی توضیح برٹش فوج کے تجربہ سے ہوتی ہے
جسمین تمام ذاتون کے لوگ بھرتی ہین۔ موجودہ ذات کی نسبت عام خیال
یہ ہی کہ اسمین شادی بیاہ، پیشہ اور تمدنی مراسم خصوصاً اکل و شرب کے متعلق
چند قیود اور رکاوٹین ہین۔ لیکن یہ امر کہ کہان تک باہمی مناکحت کی اجازت
ہی؟ اور اس شادی کا جسکی اجازت ہی لیکن بے قاعدہ سمجھی جاتی ہی کیا اثر
پڑتا ہی؟ اور ممنوعہ شادی کی کیا سزائین ہین؟ آیا جو قواعد حرفت و تجارت
کے محافظ ہین وہ اپنے اثر مین ایک قسم کے اتحاد کیلیئے ہین یا کسی اور غرض
سے؟ کن وجوہ سے ذات جاتی رہتی ہی؟ اور کن صورتون مین پھر حاصل ہو سکتی
ہی؟ یہ سب ایسے سوالات ہین جنکی نسبت بہت کم صاف اور اصل واقفیت
حاصل ہو سکتی ہی۔ یہ امر قابل بیان ہی کہ ویدون مین چند برہمی عقائد اور
اخلاق کی وسیع عمارت کھڑی ہی۔ ذات کے آئندہ قواعد کی بابت کچھ ذکر
نہین۔ ایک فقرہ جو اس باب مین وارد ہوا ہی پرس سکت، ۹ بھجن، دسوین
اسکند، رگوید سنتھیا مین درج ہی: "جب اُنھون نے آدمی کو تقسیم کیا تو اُس سے
کتنے بنائے؟ اُس کا منہ کیا تھا؟ اُس کے بازو کیا تھے؟ رانون اور پیرون
کو کیا کہتے ہین؟ برہمن اُسکا منہ تھا۔ راجہ اُس کے بازو سے بنائے گئے۔ ویش
اُسکی رانون سے اور شودر اُس کے پیرون سے پیدا ہوا۔"

ہاگ صاحب اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہین کہ "برہمن معلم تھے
اور چھتری سپاہی تھے۔ لیکن یہ بات ویدک بھجنون کی صاف و سیدھی
سادی زبان اور نیز اِس امر کے خلاف ہی کہ تخلیقِ عالم کے حالات
مین آدمیون کے گروہون کے علاوہ بہت سی چیزون کی پیدائش
اسی خیالی طریقے سے جسم الٰہی کے حصون سے منسوب کی جاتی ہے۔
یہ امر پراتون اور منوجی کے "دھرم شاستر" ہی مین پایا جاتا ہی جو براہ راست
الہامی ہونے کا ادعا نہین کرتے؛ جہان وہ وید کے الفاظ کے مخالف ہے،
اور جس کی عبارت سے وہ کل باتین جو ذات مین قابلِ اعتراض ہین،
درج ہین۔ لیکن خود وشنو پران مین ذات کی روایت مین چار گروہون کا
ذکر ہی جو ابتدا مین مذہبی عقیدے کی رو سے قائم ہوئے تھے "جبتک
کل انسانی نسل قعرِ گناہ مین نہین گری تھی، اُسوقت تک گروہون کے
جداگانہ تمدنی فرائض مقرر نہین کیئے گئے تھے۔ اِس بھجن مین برہماجی کے
اوصاف بیان ہوئے ہین اور لکھا ہی کہ ست (حق) اُن کے منہ سے پیدا
ہوا، راج اُن کے سینے سے، تم (تاریکی) ان کی رانون سے اور "باقی"
کو اُنھون نے اپنے پیرون سے پیدا کیا۔ ان مین سے ہر ایک گن (وصف)
کے لیئے ایک ہزار جوڑے مذکر اور مونث پیدا کیئے گئے، جن کو مختلف
لوگ معراج پر اجپتی، اندر، مارت، اور گندھرب سپرد کیے گئے۔ گن سے
متعلق یگ یعنی قرن ہین۔ اول کرت ہی جس سے راستی اور پاکیزگی
کا اتفاق زمانہ مراد ہی۔ دوم ترتیا یعنی دانشمندی کا زمانہ۔ سوم دواپر یعنی
تاریکی کا زمانہ۔ ولسن صاحب کا خیال ہی کہ "اس روایت مین کہ ترتیا یگ
(جگ) کے فاتح اعظم پرورا نے ذاتین قائم کین تاریخی عنصر نہین پایا جاتا
ہی۔ یگ مشکل تاریخی قرار دیئے جاسکتے ہین۔ لیکن اسمین شک نہین کہ ہم
پران مین صاف لکھا ہی کہ ذاتین ترتیا جگ مین قائم ہوئین۔ اول جگ کے
کامل لوگ جنمین بعض خاموش، بعض غصہ ور، بعض چست و چالاک
اور بعض مضمحل اور پریشان تھے ترتیا جگ [illegible]

یہی سابقہ پیدائش کے نیک و بد اعمال کے مطابق پھر پیدا ہوئے"۔ اِسی
ضمن مین سمجھایا گیا ہے کہ اُسوقت انتظام اچھا نہ تھا۔ لہذا دوسرا انتظام
کیا گیا جسکی رو سے زور، مجرمون کا انصاف، اور جنگ کی خدمات چھتریون
کے سپرد کیگئی۔ رسوم کی بجا آوری، متبرک کتب کا مطالعہ، اور قبول نذر کا
کام برہمنون کے سپرد کیا گیا۔ تجارت، مویشی، اور زراعت کے کام ویشیون
کے سپرد کیے گئے۔ کارگری کا کام اور ادنی خدمات شودرون کے حوالے
کی گئین۔

راماین کے اشلوکون سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چار بڑے یُگون مین
ذاتین علی الترتیب دھرم کی حالت کو پہنچتی ہین۔ مثلاً جو زمانہ ویشیون
کی نجات کے لیے موزون ہے اُسمین ایک شودر ہزار نفس کشی سے بھی
پاکباز دھرم والا نہین ہو سکتا۔

برہما سے چارگانہ پیدائش کے قصّے کے بالکل خلاف، یہ روایت ہے
کہ ذاتین خود منوجی سے پیدا ہوئین جو برہما سے بہت سے دیوتاؤن اور
اوتارون کی کئی پشتون کے بعد پیدا ہوے تھے۔

شانتی پران مین بھی یہی بیان ہے کہ دُنیا مین شروع شروع مین سب برہمن
تھے۔ صرف انسان کے اعمال بد سے ذاتون مین تقسیم کر دیئے گئے۔ چند
نیک اور بد اعمال کی مزاولت کا نام ذات ہے۔ منی (یعنی وہ لوگ جو
بلا امتیاز پیدا ہوئے ہین) اکثر ترقی کر کے برہمن ہو جاتے ہین، اور برہمنون
کی اولاد کمتر درجہ مین گر جاتی ہے۔ اِس کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ
"اگر تم انسان کو محض اسکے اعمال کی وجہ سے برہمن تصور کرتے ہو تو
اصل و نسل بیکار ہے، تاوقتیکہ اُس کے عمل سے ظاہر نہو کہ وہ برہمن تھے"۔
لیکن ذات کا تغیر صرف دوسرے جنم سے ہوتا ہے نہ کہ اُس زندگی
مین جو وہ نیک اعمالی مین بسر کر رہا ہے۔ ذات کی اصلیت کے متعلق ایک
دوسرا شاعرانہ خیال ہری بنس مین ظاہر کیا گیا ہے:۔ "برہمن ایک ناقابل
زوال عنصر (اکشر) سے پیدا کئے گئے۔ چھتری ایک قابل زوال عنصر
(کشر) سے پیدا کئے گئے۔ ویش انقلاب سے، اور شودر دھوئین سے"۔

مندرجۂ بالا تمام باتون کا مطلب یہ ہے کہ ذات کی اصلیت و ماہیت
کے بارے مین بہت متضاد بیانات ہین اور انہین سے اکثر صاف طور سے
سمجھ مین نہین آتے۔ تخلیق عالم کے قصّے مین ذات بہت دن بعد کی
ایک داستان ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ مختلف دیوتاؤن کے مختلف اعضا،
سے پیدا ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ منوجی سے کوئی کہتا ہے اصل سے۔ کوئی
کہتا ہے نیستی سے ہست مین لائی گئی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذات بھی
انسان کی پیدائش کے ساتھ وجود مین آئی، جو کرت جُگ مین بحالت
کمال موجود تھی، لیکن بعد کو زوال مین آگئی۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پہلے
صرف برہمن تھے، دوسرے لوگ بعد کو ہوئے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ
جب وید مدوّن ہوئے تھے تو بہت سے آدمی جو برہمن نہ تھے پجاریون
کے طور پر کام کرتے تھے، اور ریاضت کیش عابد اپنی تپشیا کے ذریعہ سے
ادنٰی درجہ سے برہمنون کے درجہ کو پہنچ جاتے تھے۔ ابتداءً جماعت کے
تمام گروہ اپنی عبادت اور ریاضت سے خدا تک پہنچ سکتے تھے۔

جون جون برہمنون کے ملکی اختیارات بڑھے، اُنھون نے مذہب کو
ایک جُداگانہ اور مقدس کام بنا دیا۔ ہم ان کو وراثت تخت کے
مسائل حل کرتے اور اپنے فیصلون کا نفاذ کراتے دیکھتے ہین۔ قدیم
لٹریچر مین بہت سی مثالین پائی جاتی ہین، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ
برہمن چھتریون سے تعلیم پاتے تھے۔ لیکن پرانون اور منوشاستر مین
اُن چھتریون کے لیے جو برہمنون کی اطاعت نکرین موت کی سزا
لکھی ہے۔ چنانچہ سب اشرف ذات کے چھتری تھے برہمنون کی اطاعت
و تعظیم کے صلے مین نسلاً برہمن کر دیئے گئے۔ یہ یقینی امر ہے کہ بہت
سی قدیم روایات برہمنون نے اِس لیے گڑھ لی ہین کہ اصالت اور
حصول نجات کے معاملہ مین چھتریون پر اُن کی فضیلت قائم رہے۔ اس سے
ہم اُن قیاسات کا اندازہ کر سکتے ہین جو برہمنون کی ذات کی اصلیت

کے بارے میں قائم کیے گئے اور منو شاستر … جیسا کہ مل صاحب جو سوسائٹی کی قدیم حالت کے اثر کو ہمیشہ کم وقعتی کی نگاہ سے دیکھا کیے لکھتے ہیں "ذاتوں کی تقسیم کسی الہامی نص یا واضع قانون یا مصلح قوم کا کام تھا جو اُن فوائد سے آگاہ تھا جو سنت کی باقاعدہ تقسیم سے مرتب ہوتے ہیں" ذاتوں کی محکومی کو وہ اس … تخویف اور قوت پر منسوب کرتے ہیں جو مذہبی گروہ کی … اور عظمت قائم رکھنے کیلئے اکثر کام میں لائی گئی۔ بلائے آسمانی کے بعد لوگ جنگ کی خونریزیوں سے بالطبع ڈرتے تھے۔ چنانچہ برہمنوں کے بعد فوجی گروہ نے جگہ پائی"

ہیرن اور کلیبر تھ وغیرہ صاحبان کی رائے ہے کہ ذات کی تقسیم نسل کے اصلی اختلاف پر مبنی ہے اور اعلیٰ درجہ کے لوگ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔ برہمنوں کا صاف نقشہ اور … شودروں سے اُسی طرح تمیز کیا جا سکتا ہے جس طرح … یورپ … تمیز ہو سکتے ہیں۔ برہمنوں اور دیگر ہمجنس اقوام کی اونچی پیشانی … تمام کا مسی رنگ نیچی ذاتوں کی … اور چوڑی کھوپڑیوں بھدے بدن اور سیاہ تانبے کے رنگ سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے۔ یہ بیان ظفرمندی کی اُس روایت سے منطبق ہے جو اونچی ذات والوں نے نیچ ذات والوں پر حاصل کی۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ ہلکے رنگ کی تین ذاتوں (تری دارنگ) میں سفید رنگ کے … والے … اور زرد چہرے والے … برہمنوں میں آریوں کے طور پر ذکر … سنسکرت … نیچ سیاہ رنگ … اصلی باشندے داسیوں سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ اصل میں آریہ جس کے معنی نجیب و شریف کے ہیں سنسکرت مادہ آر سے نکلا ہے جس کا مطلب جوتنا (کرہست) ہے اور سب سے بڑی قوم یعنی ویشوں کا اصلی نام … صاحب اپنی تصنیف "برہما اور برہمن" میں فرماتے ہیں کہ "ویدک لوگ اپنے وطن پنجاب سے آگے اور اصل باشندوں کو پہاڑوں پر بھگا کر اس ملک پر قبضہ کر لیا جو گنگا جمنا اور کوہستان وندھیا کے مابین واقع تھا اس ابتری اور پیچیدگی کی حالت میں اُن لوگوں کے ہاتھ میں قدرتی طور پر قوت آگئی جن کو کوئی صریح اختیار نہ تھا یعنی مختلف راجاؤں کے ناگہانی پجاری مالک ہو بیٹھے۔ اُنھوں نے شودروں کو بطور مفتوح قوم کے تصور کیا جو شاید اُس آرین خاندان کی ایک شاخ تھے جو اُن سے بھی پہلے ترکِ وطن کر کے ہندوستان کو آیا تھا۔ آخر الذکر قیاس اِس امر کے خلاف ہے کہ شودروں کو ویدکی تین بڑی قربانیوں میں شرکت کی اجازت نہ تھی۔ بھگت پران میں صاف طور پر اُنھیں اجازت ہے کہ وہ منتروں کے بغیر قربانی کر سکتے ہیں۔ اسمیں شودروں کے فرائض لکھے ہیں جن کا تعلق برہمنوں اور گاؤں سے ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ غیر خون والے کی قوم کے ہوتے تو اُن کو یہ اجازت نہ ملتی۔"

مگر جب تک یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ فاتح قوم میں پیشتر سے بڑائی چھوٹائی کے درجے قائم تھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جنگجو فرقے نے جسکو فتوحات کا مالک کہنا چاہیے' برہمنوں کے درجے سے کمتر درجہ کیونکر قبول کیا۔ شودروں کی حالت و حیثیت سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ مفتوح تھے۔ لیکن اِس تفریق کے قوی تاریخی وجوہ ہیں کہ برہمن اور شودر مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے یا دونوں میں سے کوئی ایک قوم پر محدود تھے۔ میتر س صاحب نے اس تفریض میں خفیف تبدیلی پیدا کی ہے۔ وہ فرض کرتے ہیں کہ بجائے ایک فتحمندی کے متواتر دو تارک الوطنیاں ہوئیں۔ اوّل تارک الوطنوں کو دوسرے تارک الوطنوں نے زیر کیا۔ اور اس کے بعد وہ اپنے فاتحوں اور اصلی باشندوں کے درمیان ایک متوسط درجہ میں قائم ہوئے یا اگر اصلی باشندے نہ تھے تو دو تارک الوطن قوموں کے میل سے ایک درمیانی درجہ قائم ہو گیا۔ اسیطرح سے ٹالبوائز ویلر کی رائے ہے کہ شاید شودر اس قوم کے اصلی فاتح تھے جو اب پاریا کے نام سے مشہور رہی۔ ان سب بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذات کا موجودہ نظام کس طور سے ایک زمین

دوسری زمین کو اور ایک وطن سے نو آبادیون کو منتقل ہوا" اور اسکی کئی صورتو نمین تبدیلیان واقع ہوئین۔ حالانکہ جنگی فتحمندی سے اکثر غلامی رائج ہوجاتی ہی لیکن اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ پجاریون کا رتبہ بلند ہوجائے۔ بڑے بڑے تاریخی واقعات یا بڑے قومی حالات یا نظام تمدن کے کسی کارساز کی موجودگی تسلیم کرنا اصول سائنس کے خلاف ہے۔

نجمن کا اسسٹنٹ صاحب کا قول ہی کہ "ذات کا نظام دو چیزون پر مبنی ہی۔ ایک یہ مذہبی خیال کہ بعض لوگون پر وہ داغ لگا ہوا ہی جو مٹ نہین سکتا اور دوسرا وہ تمدنی خیال کہ بعض کام صرف بعض فرقے ہی کر سکتے ہین" شروع سوسوی تین جسمانی طہارت کے خیال کو بڑی وقعت دیگئی ہی چنانچہ ایسنس کے خانگی قواعد جو چار درجون مین منقسم تھے برہمنون کی فضول تمناعون سے بالکل متشابہ ہین۔ چونکہ تجارت و صنعت پیشہ لوگونکو روزانہ اختلاط سے ایسے بیشمار مواقع پیدا ہوتے ہین جبکہ اصلی یا فرضی نجاست کا دھبہ لگنا ممکن ہی اسلیئے مذہبی گروہ کی قوت خواہ مخواہ نہایت وسیع ہوجاتی ہی کیونکہ وہی لوگ طہارت کے قواعد اور ان سے انحراف کی سزائین تجویز اور نافذ کرتے ہین

مکلیوڈ صاحب نے بھی دو مفید باتین بیان کی ہین جو ذات مین داخل ہوتی ہین "اول دنیا مین جو جگہ متعین کیگئی ہی وہ خدا کے حکم سے ملی ہی دوم دنیا مین آرام اور باہمی راحت حاصل کرنے کے لیے ہمدردانہ شرکت اور برادری کی اشد ضرورت ہی" اسمین شک نہین کہ ہندو طبائع نہایت ہی مذہبی ہین اور اسوجہ سے وہ بالطبع پرستی کیلیے تیار رہتی ہین۔ ان کو اپنے قومی بھجنون سے سرگرمانہ گرویدگی تھی جنمین سے بعض کی وجہ سے ان کو فتحمندیان حاصل ہوئین۔ بعض بھجن قدرتی سود مند موثرات سے متعلق تھے۔ صرف پجاری ان بھجنون کو پڑھ سکتے ہین اور یہ یقین کیا جاتا تھا کہ تلفظ کی ذراسی بھی غلطی دیوتاؤن کی ناخوشنگی کا باعث ہوتی ہی لیکن روحانی حکومت کی شرائط خواہ کیسی ہی آسان اور مفید ہون مگر برہمنون نے محض قدرتی ذریعہ سے فضیلت حاصل نہین کی بلکہ سخت مجادلہ و مقابلہ کو کام مین لاکر عروج پایا۔ بیان کیا جاتا ہی کہ پسرام نے جو برہمنون کے بڑے نامی سور ما تھے تین مرتبہ چھتریون سے ساتھ گنی ذات کو دنیا سے نیست و نابود کیا اور سمنو تا کی پانچ بڑی بادلیون کو ان کے خون سے بھر دیا۔

مسٹر دھیلر کا خیال ہی کہ برہمنون نے پولٹیکل عظمت قائم کرنے کیلیے جنگی دعوتون مین غلہ اور گھی کے بجائے خونی قربانی اور سوم شراب کی تیز اختیار کی تھی۔ یہین تاریخ ہندکے اس برہمنی دور تک جو چھ سو برس قبل ولادت مسیح شاکیہ منی گوتم بدھ کی آمد پر ختم ہوتا ہی منوجی کا قائم کردہ معیار ذات کوئی امر واقع نہین مانا جاتا تھا۔ وہ معیار حسب ذیل تھا۔ "برہما جی نے برہمنون کے یہ فرائض مقرر کیے، وید پڑھنا اور وید پڑھانا، جگ کرنا اور جگ کرانا، دان لینا اور دان دینا۔ چھتریون کے فرائض یہ ہین کہ رعایا کی محافظت کرنا، دان دینا، جگ کرنا، وید پڑھنا، اور حظوظ نفسانی سے بچنا۔ دیش کے فرائض ہین مویشی کی حفاظت کرنا، دان دینا، جگ کرنا، وید پڑھنا، تجارت کرنا، سود پر روپیہ چلانا، زمین کی کاشت کرنا۔ یہ تین ذاتین دو جنمی اور جنیو پہنتی ہین۔ شودر کا محض یہ کام ہی کہ وہ بلا اکراہ مندرجہ بالا ذاتون کی خدمت کرے"

اس استحقاق کیوجہ سے کہ برہمن سب سے پہلے پیدا ہوا اس کا حق تمام کائنات پر ہی اپنے شکار کے سوا وہ کسی اور کا گوشت نہین کھا سکتا اسکی پوشاک بھی جداگانہ ہی تکلیف و مصیبت کے وقت اس کا فرض ہی کہ فوجی اور تجارت پیشہ لوگونکی مدد کرے۔ وہ شودر کا مال و متاع اور جو کچھ اس نے محنت و مشقت یا ایسے حق مقررہ کے علاوہ ترکہ مین حاصل کیا ہی غصب کر سکتا ہی۔ شودر کا کام دو جنمون کی خدمت کرنا ہی اور اگرچہ آزاد بھی کر دیا جائے لیکن وہ پھر بھی شودر رہیگا۔ وہ وید نہین پڑھ سکتا اور جگ یا قربانیون مین متبرک ویدون سے کام لے سکتا ہے۔

جو شودر مصیبت مین ہو وہ کاریگر ہو سکتا ہی اور ایسی حالتون مین ویش بھی ندمت کا کام کر سکتا ہی۔ برہمن خواہ کیسا ہی جرم کرے مگر اُسکی جان مار دیا اُس کے جسم پر ہاتھ نہین اُٹھایا جا سکتا بلکہ جو شخص گھاس کے ایک دانے سے برہمن کو مارتا ہی وہ ۲۲ جنم تک چوپایہ رہتا ہی ریاستی کامون مین برہمن جملہ مشیرون کا افسر سمجھا جاتا تھا۔ وہ راجہ کا پروہت ہوتا تھا۔ ٹیکس سے مستثنیٰ تھا۔ رسوم عامہ ادا کرتا تھا۔ منو شاستر کا مفسر تھا اور اس کے ساتھ ہی جسمانی و روحانی حکیم تھا۔ کم متبرک لوگونکی بہ نسبت اسکے خراب (ناپاک) ہونے کا زیادہ احتمال ہی اور اسوجہ سے اُسکو زیادہ طہارت کی ضرورت ہوتی ہی۔ اگر چھتری برہمن کو بُرا کہے تو اسکی سزا ایکسو پن (ایک سکہ) ہی اگر ویش بُرا بھلا کہے تو اُسکی سزا دوسو پن اور اگر ایک شودر برہمن کو بُرا بھلا کہے تو اُسکی سزا تازیانہ ہی۔ اگر برہمن انہین سے کسی کو بُرا بھلا کہے تو اُسکو پچاس پچیس اور بارہ پن علی الترتیب دینا پڑتا ہی۔ حلف دیتے وقت برہمن کو صرف اسکی سچائی کی قسم دی جاتی ہی۔ چھتری کو اُس کے ہتھیار گھوڑا اور ہاتھی کی۔ ویش کو گائے غلہ یا اسباب کی اور شودر کو خراب سے خراب قسمین دی جاتی ہین۔ ہندو طبائع قسمون سے مالامال ہین خلائق کے مجمع مین کبھی تو دھرم کی قسم دی جاتی ہی کبھی برہمن کے پیر کی کبھی کسی دیوتا یا دریا کی اور کبھی بیل یا تیر کی۔ ذاتون کی پہچان شادی کے طریقون سے بھی ہوتی ہی جو باتین برہمنون سے مخصوص ہین، وہ یہ ہین :۔

برادر کنیا کو کپڑا اور زیور دیکر بر کو بلا کر کنیا سپرد کرے۔ یہ برہم واہ (بیاہ) کہلاتا ہے۔

یگیہ مین رتوج کو النکار سہت کنیا دے، وہ دیو وواہ کہلاتا ہے۔

ایک یا دو گئو اور بیل بر سے لیکر کنیا دے، وہ آرش وواہ کہلاتا ہے۔

کنیا اور کنیا کی ذات والون کو دولت دیکر کنیا لینا آسر وواہ کہلاتا ہے۔

مار پیٹ ضد کر کے روتی پکارتی ہوتی کنیا کو گھر سے لے آنا راکشش وواہ کہلاتا ہے۔

چھتری کی کنیا تیر کو گرہن کرے اور ویش کی کنیا آنکس یا سوٹا لاٹھی کو اور شودر کی کنیا کپڑے کے کونے کو پکڑے جبکہ اُس کا وواہ بڑی ذات کے پرش سے ہوتا ہو۔

منوجی کا مقرر کیا ہوا قاعدہ ہندوستان کی موجودہ ذاتون پر بہت کم عائد ہوتا ہی، چنانچہ (۱) منوجی نے کاریگرون کی کسی ذات کا ذکر نہین کیا ہی (۲) دوسری ذات کے ساتھ کھانا کھانا یا دوسری ذات کا پکایا ہوا کھانا پورے طور سے جائز تھا۔ لیکن فی زماننا اگر ایسا کیا جائے تو ذات جاتی رہیگی۔

بودھ مذہب کی تلقین سے اِس نظام مین بہت بڑی اصلاح پیدا ہوئی جسطرح چارون دریا جو گنگا مین گرتے ہین، اس متبرک دریا کے پانی مین مل کر ان کا کوئی نام نہین رہتا، اُسی طرح جو لوگ بُدھ کا مذہب رکھتے ہین وہ برہمن، چھتری، ویش اور شودر کے نام سے کوئی سروکار نہین رکھتے۔"

مہاتما بدھ کے بعد شودرونکی نسل نے ہندوستان کے بہت سے حصون مین حکومت کی ہی، اور سلطنت مغلیہ کے زمانہ مین کائستھ جو شودرون کی ایک ذات ہی[۱] تمام پبلک دفاتر کا اجارہ لیے ہوئے تھی۔ لیکن بدھ نے ذات کو خارج کرنا نہین چاہا۔ مثلاً بیان ہی کہ ایک برہمن پنڈت جب بودھ مت اختیار کر لیتا تھا، اگر راجہ اُسکو چھو لیتا تھا، تو اُسکو سر سے پانون تک غسل کرنا لازمی ہوتا تھا، اسکندر اعظم نے پنجاب مین کوئی ذات نہین پائی، لیکن میگاستھنیز نے کاشتکارون اور سوداگرون فوجی اقوام، اور صوفیون کا حال قلمبند کیا ہی جن کو اُسنے گنگا کے ملک مین پایا۔ اِس کے لفظ "صوفی" کے استعمال سے گمان غالب ہے کہ میگاستھنیز نے برہمنون کو گوشہ نشینون یا فقیرون سے خلط ملط کر دیا اور اُس کے اِس بیان کی توضیح ہوتی ہی کہ ہر ہندو برہمن ہو سکتا تھا۔

---

[۱] پدم پران وغیرہ کی رو سے کائستھ شودر نہین ہین (مترجم)

میگاستھنیز نے کچھ زمانہ سینڈرکوٹس ہمعصر سلیوکس نکٹر کے دربار مین گذارا
تھا- بعد کے یونانی مورخ اِس کے بیان کی پیروی کرتے ہین، اور ہندون
برہمنون کی سات ذاتین گناتے ہین، یعنی (۱) صوفی (۲) کاشتکار (۳) چرواہے
(۴) کاریگر (۵) سپاہی (۶) محتسب (انسپکٹر) (۷) مشیر۔ جب برہمن از سرِ نو برسر
اختیار ہوئے تو معلوم ہوا کہ دوسری اور تیسری ذات غائب تھی، اور اب
برہمن شودر اور کئی مخلوط اقوام جو ابتدائی بارہ فرقون سے پیدا ہوئی تھین
میدان پر قابض تھین- خود منوجی نے اِن رذیل ذاتون کی فہرست
لکھی ہی اور آئین اکبری مین بھی صاف بیان ہی کہ اُس زمانے مین
چھتری کے نام سے پانچسو فرقے یا قبیلے تھے اور اصلی ذات مفقود تھی- ان
نکلی فرقون مین بہت سے دراصل تجارتی گروہ تھے جنمین سے بہت سے
گانون مین رہتے تھے اور ایک اونچی ذات سے اپنا سلسلۂ قرابت بتاتے
تھے- مثلاً بنگال مین ویدیا بیدون کا ایک فرقہ ہی جسکی ابتدا منوجی نے
اِسطرح بیان کی ہی کہ اِن کا باپ برہمن اور مان ویش تھی- میجر نکل صاحب
لکھتے ہین کہ صرف میسور مین ۱۰۱ ذاتین ہین- جیسا کہ کوتبرگ صاحب فرماتے ہین
برہمن اور شودر تمام پیشے کرتے ہین، لیکن برہمن (جو اپنی مذہبی کتب سے
بہت ناواقف ہین) اَب بھی ویدک علم کا گویا ٹھیکہ لیئے ہوئے ہین، حالانکہ
اِن کو پُرانون اور منوشاستر مین بہت معمولی دخل ہی- اگرچہ برہمن اَور
ذاتون کو مذہبی کامون سے خارج کرنے مین کامیاب ہو گئے لیکن
اُن کا صرف ایک مختصر حصہ مذہبی فرائض کے ادا کرنے مین تعلیم
حاصل کرنے مین، حتّٰی کہ دان لینے مین مصروف ہی- بہت سے
برہمن افواج مین سپاہی ہین، بہت سے پانی پلاتے ہین، بہت سے خانگی
ملازم ہین- دوسری ذاتون کی طرح اِنکی بھی کئی ذاتین ہین جو قریبی
تعلق اور باہمی مناکحت کی مانع ہین- اصل برہمنون کا اَب پتہ نہین
ہی- بجائے ایک ایسے پجاری کے، جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال
ترشے ہوئے ہون، [illegible] مغلوب ہون، جسکی [illegible] ہو،
جس کا بدن صاف ہو، جس کے کانون مین سونے کی بالیان ہون، ایک
ذلیل خود غرض میلا کچیلا شخص جسکی باقی ماندہ قوت بے ایمانی سے زبردستی
روپیہ وصول کرنے مین مصروف ہو نظر آتا ہی- لیکن ذات کا جو اثر ہندو
طبائع پر پڑا ہوا ہی وہ اب بھی ہویدا ہے۔

اب بھی عام طور پر عمدہ شادی وہی سمجھی جاتی ہی جسمین جانبین
ایک ہی ذات کے ہون، لیکن اِن مین آپس مین کوئی خاندانی تعلق
نہو- اسمین شک نہین کہ تین اونچی ذاتین اپنے سے نیچی ذات مین ہمیشہ
شادی بیاہ کر سکتی تھین، اور اِن سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی کمتر درجہ
مین داخل ہوتی تھی- یا بعض اوقات ایک نئے درجہ مین داخل ہوتی
تھی- شودر کے لیئے یہ ضروری بات نہ تھی کہ وہ اپنی ہی ذات یا گروہ مین
شادی کرے- ۱۸۶۸ع مین پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے ایک
فیصلہ کیا ہی جسمین ملا اور قوم شودرون کی ایک نکمی ذات کے زمیندار کی
شادی شودرون کے دلالہ قوم کی عورت سے جائز رکھی ہی- یہ بھی ایک
عام بات ہی کہ ایک عورت اپنی ذات سے نیچے والے سے شادی نہین
کر سکتی، لیکن مرد چاہے تو ذلیل سے ذلیل ذات کی عورت سے شادی
کر سکتا ہی کیونکہ منوجی کے دھرم شاستر مین لکھا ہی کہ برہمن اور شودر سے
جو اولاد پیدا ہو وہ ساتوین نسل مین اعلیٰ ترین ذات مین شمار ہو سکتی
ہی- مرد اور عورت مین ایک کی ذات جاتے رہنے سے دونون کے
تعلقات شکست ہو جاتے ہین- اگر ذات سے خارج شدہ عورت بے اولاد
ہو تو وہ مُردہ تصور کی جاتی ہی، اور اُس کے لیئے تجہیز و تکفین کی رسم
ادا کی جاتی ہی- اگر اُس کے لڑکا موجود ہی تو اُسکا فرض ہی کہ اُسے گزارا
دے- یہ امر قابل بیان ہی کہ ایک کسبی کی ذات مین فرق نہین آتا بشرطیکہ
اُس کا تعلق اُسی کے ہم قوم شخص سے ہو- اِس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہی
کہ خواہ ذات سے کیسا ہی کام نکلے وہ عوام کے اخلاق کی محفوظ اور قابل
اعتبار محافظ نہین ہی- شادی کی امتناعات سابق [illegible] بہت سخت

تھین مگر اب انکی آسانیان ہوگئی ہین ۱۸۵۶ء تک ایک قانون سے
بیوہ عورتین دوسری شادی کرسکتی ہین بشرطیکہ وہ متوفی شوہر کی جائداد
سے دست بردار ہوجائین لیکن اس صورت مین کہ متوفی شوہر نے عقدِ ثانی
کی اجازت دیدی ہو وہ جائداد پر بھی قابض رہ سکتی ہین بہت سی قومون
مین شودر ان قیود سے بری ہین جو اونچی ذات والون کے لئے مقرر ہین
مثلاً شودر اپنی لڑکی یا بہن کے بیٹے کو متبنیٰ کرسکتا ہی حالانکہ یہ اس عام
قاعدے کے خلاف ہی کہ متبنیٰ کرنیوالا شخص ہونا چاہیئے جو متبنیٰ کی مان سے
شادی کرسکتا ہی۔ شودرون مین یہ بھی قید نہین کہ جسکو گود بٹھایا جائے
وہ اُسی ذات گوتر یا خاندان کا ہو جس ذات کا گود بٹھانے والا ہی۔
اصل مین شودر کسی شادی شدہ کو گود نہین بٹھا سکتا۔ بلحاظ وراثت
کے شودر دوسری ذاتون کے مقابلہ مین کامیاب نہین ہین مختلف قبیلون
مین برہمن کے بیٹون کے چار تین دو اور ایک حصہ ہی چھتری سے کے
بیٹون سے تین دو اور ایک حصہ ویشون کی اولاد کے دو حصے
یا ایک حصہ ہی۔ اس سے مراد یہ ہی کہ برہمن شاستر کے مطابق چار مختلف
ذات والون سے شادی کرسکتا ہی چھتری تین مختلف ذات والون سے
اور ویش دو مختلف ذات والون سے۔ لیکن ان سے کمتر ذات کے
لوگون کے بیٹے اُس جائداد سے محروم رہتے ہین جو ان کے باپ کو ترکہ
مین ملی ہو۔ شودر کا بیٹا اُس زمین سے بھی محروم ہی جو خریداری سے
حاصل کیگئی ہو لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۸۵۰ء کے قانون سے ذات
ٹوٹنے، ورثہ حاصل کرنے یا متبنیٰ ہونے کے حق مین کوئی اثر نہین پڑتا۔
اُن وراثت کی حالتون مین جبکہ متوفی لاولد مرے ہون اور کوئی گرو
یا شاگرد یا ہم سبق نہو (جن کو شاستر نے رشتہ دارون کے بعد وارث
قرار دیا ہی) تو ایک پجاری یا کوئی برہمن جائداد کا وارث ہوسکتا ہی۔ اگر
ایک شودر برہمن کا اکلوتہ بیٹا ہو تو سپنڈا ترکہ کا دو تہائی حصہ لے گا۔
یا اگر وہ کسی دوجنمے باپ کا اکلوتہ بیٹا ہو تو سپنڈا نصف جائداد پائے گا۔

گمان غالب ہی کہ ہم ذات بیٹون مین مساوی تقسیم کا قاعدہ شروع
شروع مین برہمنون مین جاری نہ تھا بلکہ خدا کے فرزندان اکبر ہونے کے
لحاظ سے اپنی ذات کے سب سے بڑے بیٹے کو وارث قرار دینے کے دستور
پر چلتے تھے برعکس اسکے ۱۸۶۹ء مین جوڈیشل کمیٹی نے صدر عدالت کے
پنڈتون کی مجموعی رائے کے خلاف یہ قرار دیا کہ جائز اولاد نہونے کی
حالت مین شودر کی ناجائز اولاد اپنے باپ کی وارث ہوگی اور اگر جائز
اولاد بھی ہو تو وہ اسکی جائداد سے صرف گزارہ پائیگی۔ اِس سے پہلے
۱۸۵۸ء مین سراڈورڈ رائن نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ راجپوت کے ناجائز
بچے یا کسی اعلیٰ ذات کے کسی دوسرے ممبر کو وصیت کی حالت مین بھی
وراثت کا کوئی حق نہین اور وہ صرف گزارے کے مستحق ہین بشرطیکہ
بچے تربیت پذیر و قابل تعلیم ہون۔

ایران کے بارے مین زنداوستا مین بیان ہی کہ وہان کے قدیم باشندے
چار طبقون مین منقسم تھے: پجاری، سپاہی، کاشتکار اور کاریگر۔ ایک ہفت گانہ
تقسیم کا بھی ذکر ہی۔ یہ تقسیم زردشت کی ایجاد نہ تھی بلکہ جمشید کے زمانہ
سے جنگ سے روایتاً چلی آتی ہی۔ مجی (مغان) پجاریون کی ذات تین گروہ
ہربد، استاد (موبد) اور استاد کامل (دستور موبد) تین حرفون مین تقسیم تھی
صرف آخرالذکر اورمزد کے احکام پڑھنے کے مستحق تھے۔ یہی لوگ آیندہ کی
پیشینگوئی کرتے تھے اور متبرک زنار زم اور خوشہ گاہ رکھتے ہین۔ ژند مین
خوشہ گاہ کو "برسم" کہتے ہین۔ بیان کیا جاتا ہی کہ اِس لفظ کو برہم سے تعلق ہی
جسکی علامت کشا گھاس کا ایک خوشہ ہی۔ ایرانی اور ہندو مذاہب مین
ایک مزید تعلق اس رسم سے ہی جسکو سنسکرت مین "ہوم" اور ایران مین سوما
کہتے ہین۔

ہاگ صاحب نے اپنی تصنیف "اوریجن آف برہمنزم" مین لکھا ہی کہ
زنداوستا مین پیروان اہورمزد کی تقسیم ارتھرو، رتھیشتو، وستریوش و ہوتی
ہندوون کی چار ذاتون سے منطبق ہی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ صرف

مہاراجہ رنجیت سنگھ

اقوام پہلے سے کی اولادین پجاری ہوسکتی ہین۔ یہ قاعدہ پارسیون مین اب بھی جاری ہے۔

بائبل مین واتیال نبی کی کتاب یہ خیال رجوع کراتی ہو کہ بھی ایک جماعت تھی جو منتخب کیجاتی تھی، اور باقی ذاتو نین موروثی کام یا مذہبی چہرہ کی کوئی علامت نہین ہو۔ دبستان مین ایک قاعدہ اعظم مہ آباد کی نسبت روایت ہو کہ اس نے جیشیون کو معمولی چار ذاتون مین تقسیم کیا تھا۔ اسٹرابو بھی ابریقان مین بعینہ اسی قسم کی ایک تقسیم کا ذکر کرتا ہو جسکی نسبت وہ لکھتا ہو کہ وہ ذاتین، پجاریون سپاہیون، کاشتکارون، اور دستکارون مین منقسم ہین۔

کسی زمانہ مین یہ ایک عام رائے تھی کہ مصر مین کم از کم دو بڑی فی ذاتین (پجاری اور سپاہی) تھین جن کے کام باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتے تھے، چھوٹے پیشے بری ذاتون مین داخل ہوتے تھے اور وہ بھی موروثی ہوتے تھے۔ بعد کو بعض صاحبان نے اسکی تردید کی ہو اور لکھا ہو کہ مصری سوسائٹی کی تقسیم محض ویسی ہی تھی جیسی تمدنی ترقی کے بعض درجون مین شریف اور ذلیل پیشون مین بالعموم پائی جاتی ہو مختلف مصری فن کاری یادگاری تصاویر مین رنگ نقشہ وغیرہ مین کوئی فرق نہین پایا جاتا۔ بیشمار قبرون اور لوحون سے متوفیون کے نام اور پیشے ظاہر ہوتے ہین۔

(ترجمہ از انسائکلوپیڈیا برٹانکہ)

العصر (۳)

زمانہ کی میعاد

زمانہ کی میعاد کا ایک ایسا سوال ہو جس پر بہت کچھ بحث کی جاسکتی ہو۔ جو لوگ زمانہ سے مراد بحیثیت مجموعی یہ عالم مراد لیتے ہین اُن کی بھی مختلف رائین ہین۔

(الف) بعض کے خیال مین اس کا خاتمہ ہی نہین یون ہی چلا جائے گا۔

(ب) بعض کے خیال مین اس کا جیسے شروع ہو ویسے ہی خاتمہ بھی ہو۔

جو لوگ شق اول کے حامی ہین وہ باوجود لاانتہا ہی ماننے کے بھی یہ تسلیم کرتے یا تسلیم کرنے پر مجبور ہوسکتے ہین کہ جسقدر اجزائے صغیرہ اور کبیرہ گزرتے گئے ہین وہ معدوم ہوتے جاتے ہین اور اُن کا کوئی نشان باقی نہین رہتا ہو اور جب کل عناصر اور اجزائے عناصر کا خاتمہ ہوگیا تو ان کے اثر اور کیفیت کا خاتمہ ہوگیا۔ اگر بعض اجزا ختم ہوسکتے ہین اور انھین ہم کسی نہ کسی رنگ مین معدوم مانتے ہین تو کوئی وجہ نہین کہ کل کی فنا اور عدم کے قائل نہ ہون، مثلاً آفتاب کی حدت روز بروز کم ہوتی جاتی ہو اور جو اجزا اُس کے ختم ہوتے جاتے ہین اُن کی باری پھر کبھی نہین آئے گی۔ رفتہ رفتہ جب کل طاقت اور حدت ختم ہوجائے گی تو آفتاب کا زمانہ یا دور بھی ختم ہو کر رہے گا اور اس صورت مین کہا جائیگا کہ زمانہ کا ایک جزو کبیر یا صغیر ختم ہوگیا۔ یہ دوسری بات ہو کہ اس جزو کے خاتمہ پر کوئی اور صورت یا نقش پیدا ہو جو موجودہ صورت یا موجودہ کیفیت کے قریب قریب ہو یا کوئی اور ہی صورت اور سمان کسی اور رنگ مین وجود پذیر ہو۔ کیونکہ ہم اسوقت جس زمانہ کی اپنے ماحول کے مطابق بحث کرتے ہین وہ صورت اور وہ کیفیت وہی ہو جو ہمسے متقارب اور متناسب ہو یا جس ماحول مین ہم رہتے اور بود و باش رکھتے ہین۔

امتداد زمانہ کی نسبت نہین کہا جاسکتا کہ وہ کب تک اسی روش اور اسی رفتار سے چلا جائے گا، اور جو حصہ اُس کا بصورت مستقبل ہو وہ کہان تک لمبا اور عریض ہو، اور اُس کے اجزا کے گزرنے کی میعاد اور مدت کس قدر ہو۔ جن لوگون اور جس موجودات نے اپنے زمانہ کا شروع دیکھا تھا اگر وہ اُسکے امتداد کا خیال کرتے تو یقیناً ہماری طرح وہ بھی اُسکا احساس نہ کرسکتے اور نہ یہ جان سکتے کہ زمانہ کی انتہا مین کہانتک

جائینگی اور اُن کا خاتمہ کہاں جاکر ہوتا ہو یہی مرحلہ ہر ضمنی نوع کے لیے
بھی پیش ہو. ہم بھی نہیں جان سکتے کہ یہ امتداد کسقدر میعاد اور عرصہ
رکھتا ہو. لیکن ہم یہ قیاس کرسکتے ہین کہ اِس امتداد کا کبھی نہ کبھی خاتمہ
یا اخیر اور تغیر بھی ہو کیونکہ ہم یہی دیکھتے ہین کہ زمانہ کے اجزا کا ہمیشہ ایک
[illegible] ایک خاتمہ بھی ہوتا ہو. اگرچہ اُس خاتمہ کے بعد ایک اور سلسلہ
بھی شروع ہوجاتا ہو لیکن پہلے اجزا کا خاتمہ اور اخیر ضرور ہوتا ہو۔ یہ
روش ثابت کرتی ہو کہ جو حرکت شروع ہو اُسکا کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں
خاتمہ بھی ضرور ہوگا۔ زمانہ بھی رنگ مجموعی اور من جہت نوعی ایک حرکت
ہو اور ہر حرکت کا کوئی نہ کوئی شروع اور خاتمہ ہوتا ہو۔ اِس جہت سے
زمانہ کا بہت کچھ خاتمہ ہوچکا ہو اور جو باقی ہو وہ کسی نہ کسی وقت اپنے
پہلے اجزاے منقضیہ کیطرح ختم ہونے والا ہو۔ یہ کہنا کہ ہم جب زمانہ کے
شروع سے یقینی واقف نہین ہین تو یہ کسطرح یقین کرسکتے ہین کہ کبھی
اُس کا خاتمہ بھی ہونیوالا ہو درست نہین کیونکہ جب ہم زمانہ کے اجزاے
صغیرہ اور کبیرہ مین شروع اور خاتمہ پاتے ہین تو اُس کے ایک دوسرے
حصے کے شروع اور خاتمہ پر استدلال خلاف عقل اور خلاف فراست
نہین ہوسکتا۔

زمانہ کے اجزاے صغیرہ (جن مین ہم خود بھی شامل ہین) جب اپنے محیط
اور کل سے جدا ہوکر گزرتے جاتے ہین تو ہم اِس سے یہ قیاس کرسکتے ہین کہ
جو باقی اجزا اُسکے رہتے ہین وہ بھی گزرنے والے ہین۔ یہ سوال کہ جو حصص
زمانہ گزرتے جاتے ہین اُن کا حشر کیا ہوتا ہو؟ آیا وہ بالکل ہی معدوم ہوجاتے
ہین یا وہ کسی اور رنگ مین ہستی قبول کرتے ہین؟ ایک ایسی بحث ہے
جسکے کئی پہلو ہین۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی ہستی اور کوئی چیز معدوم ہوکر
معدوم اور فنا نہین ہوتی تو یہ کہا جائے گا کہ وہ کسی اور رنگ مین متبدل
ہوکر وجود پذیر ہوتی ہو یا علمی رنگ مین، با این ہمہ اُسکا کوئی وجود نہین ہوتا"
اور اگر یہ مان لیا جائے کہ جو اجزا معدوم ہوجاتے ہین وہ محض عدم ہوکر رہجاتے
ہین تو اس صورت مین یہ بحث ختم ہوجاتی ہو۔ افسوس ہو کہ اِس بحث
پر اب تک علمی رنگ مین روشنی نہین ڈالی گئی ہو، ممکن ہو کہ کسی آئندہ
زمانہ مین علمی رنگ مین یہ بحث زیادہ تر واضح ہوسکے۔ اب تک یہی قیاس
کیا جاتا ہو کہ جو وقت گزرجاتا ہو وہ معدوم ہوجاتا ہو اور اُس کا کوئی نشان
سوائے تاریخی یادداشتون کے باقی نہین رہتا۔

زمانہ مادّی ہے یا مجرّد

زمانہ کی تقسیم حسب ذیل ہوسکتی ہے۔

(الف) زمانہ مادی بلحاظ اجسام۔
(ب) زمانہ مجرّد باعتبار آثار
(ج) زمانہ مجرّد باعتبار تخیلات
(د) زمانہ مجرّد باعتبار اجسام۔
(ہ) زمانہ مجرّد باعتبار تصرفات۔

چونکہ ہمنے زمانہ کو موجودات سے کوئی علیحدہ طاقت یا وجود نہین مانا
ہو اس واسطے ہم ایک صورت مین تو یہ کہین گے کہ زمانہ مادی ہو کیونکہ
موجودات کا بہت سا حصہ مادّی ہو اور دوسری طرف ہم باعتبار اُن تاثرات
کے جو ان مادیات سے ظاہر اور مترتب ہوتے رہتے ہین، یہ استدلال اور
قیاس کرنے کے مجاز ہین کہ زمانہ مجردات کی صورت بھی رکھتا ہو کیونکہ زمانہ
کے ایسے آثار مترتبہ کا بہت سا حصہ خیالی اور ذہنی ہی ہوتا ہو تمام مادّی
تصرفات کا اثر اور نتیجہ اکثر صورتون مین محض خیالی یا روحانی اور ذہنی ہوتا ہو
ہم پر تبعی زمانہ یا نوعی اور جزوی زمانہ کا جو کچھ اثر اور تصرف ہوتا ہو وہ
اکثر ہمارے قلوب ضمائر اور دماغون پر موثر ہوتا ہو۔ اِس حیثیت سے زمانہ
مجردات کی صورت بھی رکھتا ہو اور اِس جہت سے ایسا اثر اور
تصرف زمانیات پر زد کرتا ہو مادی بھی ہو۔ کوئی ایسی مادی کیفیت
نہین ہو جو اپنی ذات مین مجرداتی جزو نہ رکھتی ہو۔

ہم جو زمانہ کا ایک جزو اعظم ہین اور دیگر سب اجزا سے ہماری ذات نسبت

اور یہاں ایک اعلیٰ تماشا یہ ہو دو ہی قسم کا موجود سکتے ہین یعنی ایک طرف
مادی اور دوسری جانب روحانی۔ ہماری روحانی اور مجردانہ زندگی
کے میلان اور تصرفات مادی زندگی سے کسی صورت مین کم نہین ہین۔
اور یہ مسلمہ ہو کہ ہماری روحانی زندگی بمقابلہ مادی زندگی اور مادی
تصرفات کے زیادہ عزیز اور اشرف و ارفع و الطاف ہو۔ ہماری اکثر ترقیات کا
مدار ہماری روحانی زندگی ہی پر ہو۔ ہمارے ہاتھ پاؤن آنکھ ناک وغیرہ
اعضائے شریفہ ہماری روحانی مشین ہی کے سہارے چلتے ہین اور ہماری
روحانی مشین ہی انکی اکثر ترقیات اور کامیابی کا موجب ہو۔ ہمارا ہاتھ
اسوقت کام کرتا ہو جب باطن روح سے حکم ہوتا ہے اگر اندر سے حکم نہ ہو تو ہاتھ کوئی
کام نہین کر سکتا۔ عقل اور فراست کیا ہو؟ ایک روحانی اور مجرداتی آلہ۔

زمانہ کی معدومیت اور اسکا عود

جب یہ کہا جاتا ہو کہ وقت گزر گیا یا گزر رہا ہو، تو اسکا مطلب یہ
نہین ہو سکتا کہ اب اسکے بعد کوئی اور وقت یا زمانہ آئے گا ہی نہین۔ اگرچہ
یہ کہا جائے گا کہ جو ہمارا وقت اور زمانہ ہو یا جو ہمارے زمانہ کا طرز اور روش
ہو وہ پھر نہ ہو۔

لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ کسی دوسرے رنگ مین بھی کوئی زمانہ
نہ آئے جس کے اجزائے زمانہ ایک خاص وقت مین مرکب ہوتا ہو اور جو
گردشین اور جو واقعات و کوائف اس مین پائے جاتے ہین وہ توفیق قائم
باقی نہین رہتے۔ لیکن ایک نئی صورت مین اس کے بعد ایک اور زمانہ
آجاتا ہو جو اپنے اجزا اور تصرفات اور واقعات کے اعتبار سے گزشتہ
زمانے سے مشابہ ہوتا ہو۔ اسکی گردشین اور اسکے ادوار کوئی اور ہی صورت
اور نقش رکھتے ہین۔ اسکی گردشون اس کے تاثرات واقعات اور
اس کے تصرفات کسی اور ہی رنگ مین متاثر اور رواں ہوتے ہین۔ زمانہ
کی حیثیت گویا اور من جہت نوعی اپنے وسائل کی بدولت ایک
طاقت رکھتا ہو۔ جیسے روح کو ہونا چاہیے اور روح بھی ایسی ہی موت یا
فنا کے بعد بھی باقی رہتی ہو۔ جب روح باقی رہتی ہو تو اس کے واسطے
حشر ثانی لازمی ہو۔ چونکہ روح مجردات سے ہو اسواسطے وہ حدود فنا سے
بالاتر ہو اور ساتھ ہی لاابتدا بھی ہو۔ روح کی طاقت جسم یا جسمانیات
سے کہین زیادہ ہو۔ روح مین قدرت نے ایک ایسی طاقت بخش رکھی ہو
جو جسم کے فنا ہونے پر بھی خود کو قائم رکھ سکتی ہو۔ اور تناسخ و بعثت کی صورت
مین کسی دوسرے رنگ مین اسکا مکرر ظہور ہو سکتا ہو۔ مذہبی فلسفہ مین
انہی وجوہ پر حشر ثانی کا اعتراف کیا گیا ہو۔ مذہبی فلسفہ ہی مین نہین بلکہ فلسفۂ
حاضرہ مین بھی اس حشر ثانی کی تائید کی گئی ہو۔ سقراط نے اپنے مرنے سے
پہلے نہ صرف اس امر کا اعتراف ہی کیا بلکہ تلقین بھی کی تھی کہ مرنے کے
بعد روحین "ہاڈیس" مین جائین گی اور ایک دوسرے سے ملاقی بھی
ہونگی۔ اسیطرح اور فلاسفرون نے بھی اسکی تائید کی ہو۔

زمانہ کو بعض حکمائے دہر نے عقل اعظم یا روح اعظم سے بھی تعبیر کیا ہو۔
ان کے مذہب کے بموجب بھی ہم کہہ سکتے ہین کہ بحیثیت ایک روح یا قوت
عظیمہ کے زمانہ بھی بعد از فنا دوسری زندگی حاصل کرے گا اور اسکی
زندگی ثانی کا طرز اور روش کچھ اور ہی رنگ رکھے گی۔

ہر چیز جو موجودات مین پائی جاتی ہو وہ کسی نہ کسی قسم کی زندگی
رکھتی ہو اور اسکی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہو۔ اور ہر زندگی مین ایک
خاص قسم کی قوت اور روح ہوتی ہو اور چونکہ ایسی ہر قوت یا روح
عارضی فنا یا عارضی عدم کے بعد مستقل طور پر وجود ثانی قبول کرنے کی
اہلیت رکھتی ہے۔ ؎

یارب مٹے نہ دل سے کبھی داغ آرزو
ٹھنڈا نہ ہو چراغ شب انتظار کا

مشیت اعلیٰ اور زمانہ

برہمن کعبہ نشین شیخ حرم بندۂ بت
مصلحت ہو یہ مشیت ہو الٰہی تیری

یہ کہنا کہ زمانہ یا زمانہ کے اجزاء منفی ہوا ور کبھی یا موجودات اور کائنات
کا چلانے والی کسی چلانے والے کے بغیر ہو، ایک خیال باطل اور سودائے
خام ہے۔ سب موجودات اور سب اجزائے زمانہ ایک ترتیب اور ترکیب رکھتے
ہیں جو مستلزم ہے اس کی کہ کوئی مرتب اور مرکب بھی ہو جو مرتب اور مرکب
[illegible] ہے۔ وہ باقی ہے اور دائم ہے اور اُس کے
سوا سب حادث اور فانی ہیں جب اُسے فنا نہیں تو اُس کی قدرت
بھی فانی نہیں۔ جیسے پہلے تھی ویسی ہی اخیر پر بھی ہوگی۔ تمام واقعات
اور ادوار گردشوں کی چابی اسی کے زبردست ہاتھ میں ہے۔ کوئی ہستی
اور کوئی چیز اُس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں خیال کی جا سکتی۔ ذات
صمدی کو فنا اور زوال نہیں، جو مستلزم اس امر کا ہے کہ اُسکی قدرت اور اُسکی
مشیت کو بھی فنا اور زوال نہیں اُسکی مرضی اور اُسکا ارادہ جیسا ازلی
ہے ویسے ہی ابدی بھی ہے۔ یہ ازلیت اور ابدیت متقاضی اس امر کی ہے کہ
جو کچھ گزر گیا اور گزر رہا ہے یہ پھر کسی اور عالم میں منتقل ہو کیونکہ ہم
دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور یا موجودہ زمانہ میں بھی جو کچھ گزر جاتا ہے اُس کے
بجائے ایک اور دور یا زمانہ آجاتا ہے۔ ایک خاتمہ دوسرے دور کا شروع
ہوتا ہے جبکہ تمام ادوار اور چکر ختم ہو جائیں گے تو ایک اور دور اور چکر شروع
ہوگا۔ جسطرح ہم آنیوالے دور کی بابت نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیسا ہوگا ایسے ہی
یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حشر ثانی یا زندگی ثانی کیسی ہوگی البتہ یہ کہہ سکتے ہیں
کہ وہ موجودہ رنگ میں نہیں ہوگی نہ اس قسم کی دُنیا ہوگی اور نہ موجودات
شمس و آفتاب اور ماہتاب نہ سیارے نہ ستارے کچھ اور ہی نقشہ ہوگا جن کی
نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسا اور کس قسم کا ہوگا۔ ہم ایک اعلیٰ طاقت اعلیٰ
مشیت کو کسی نہ کسی رنگ میں مانتے ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ طاقت
اور وہ مشیت معدوم ما بعد کے افعال اور اعمال و تصرفات سے اعلیٰ اور قوی
ہیں جس ترتیب سے ہم موجود ہیں وہ ترتیب ایک بڑی حد تک ہماری عقل و
فہم سے باہر نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ خدشہ پیش آتا کہ اس

موجودات اور زمانہ کی کلی فنا کے بعد جو بتدریج ہو رہی ہے حشر ثانی یا زندگی
ثانی نہیں ہوگا ایک فریب وہ محبت ہے جب ایک طرف وہ اعلیٰ طاقت
باقی اور حی و قائم ہے اور دوسری طرف اُسکا ارادہ اور تغیرات پیدا ہو
کہ ایک جزوی خاتمہ کے بعد ایک اور سامان یا زمانہ وجود پذیر ہوتا ہو
تو پھر ہم یہ کسطرح کہہ سکتے ہیں کہ فنا کلی کے بعد پھر کوئی دور ثانی شروع نہیں
ہوگا یا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا کہ باوجود فنا کے بھی یہی دور اور یہی سلسلہ جاری
رہیگا درست نہیں کیونکہ اسکا فانی ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ جب کل کے
بعض اجزا فنا پذیر ہیں تو کل بھی فنا پذیر ہوگا اور کلی فنا ایک اور ہی رنگ کے
رنگ میں موجودات وجود پذیر ہوگی۔ سائنس والے تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی
چیز فنا نہیں ہوتی۔ اسکا یہی مطلب ہے کہ عارضی یا انقلاب کے بعد دوسری
زندگی نصیب ہوتی ہے۔ چاہے وہ کسی رنگ یا کسی روپ میں ہو سائنس
والے ہی نہیں فلاسفر اور تقریباً جملہ مذاہب بھی اسکی تائید میں ہیں عارضی
فنا حشر اصغر ہے جو اجزائے مختلفہ کی صورت میں صورت پذیر ہوتا ہے جب
کلی فنا کے بعد حشر ثانی ہوگا تو اُسے حشر اکبر کہا جائیگا جب ہم حشر اصغر
کے معترف ہیں تو حشر اکبر کا اعتراف لازمی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مادہ
کی تکسیر متغیر ہو کر ایک دوسری صورت کسی دوسرے رنگ میں ہمارے
سامنے لائی جاتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ بصورت تکسیر کلی کوئی دوسری صورت
وجود پذیر نہ ہو۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ نیست سے ہست وجود نہیں ہو سکتی تو اس کا
دوسرا پہلو یہ بھی ہونا چاہئے کہ ہست سے نیست نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسے نیست
بذاتہ ثابت ہے، ویسے ہی ہست بھی ایک شئے یا کیفیت ہے۔ مگر ہم دیکھتے
ہیں کہ ہست پردہ صورت نیست صورت پذیر ہوتی ہو گو وہ کسی اور
رنگ میں بدل جائے مگر موجودہ نقش ہست قائم نہیں رہتا جب موجودہ
نقش ہست قائم نہ رہ کر ایک دوسرا نقش قائم ہو سکتا ہے تو [illegible]
کہ نیست یا ہست کا نقش ہر قسم ہو سکتا ہے اور یہ دونوں صورتیں حشر

[illegible] مین — [illegible] پیدا ہوتی ہو۔ زندگی [illegible] زندگی جب دوسری مرتبہ زندگی ملیگی تو پھر فنا نہین ہوگی [illegible] کے بعد پھر [illegible] عدم کے بعد عدم نہین ہوتا اور زندگی ثانی [illegible] ایک [illegible] زندگی ہوگی اسواسطے لازمی ہو کہ وہ دائرۂ فنا سے دور تر [illegible] ہو۔ ضروری ہو کہ کسی وقت اُسکے آثار بھی یہ کیفیت حاصل کرین [illegible] موجودہ زندگی در اصل زندگی نہین ہو بلکہ موت اور دوسری زندگی کا [illegible] موجودات کی زندگی ایک سفر ہو۔ اس سفر کے بعد اُسے وہ زندگی [illegible] ممتاز ہوگی۔ اگرچہ بعض کا یہ خیال نہ ہو۔

زندگی ثانی کی ضرورت

یہ ایک اہم سوال ہو کہ زندگی ثانی کی کیا ضرورت ہو اور کیون اسکا اعتراف کیا جائے۔

مذاہب کے اعتبار سے تو یہ سوال چندان پیچیدہ نہین کیونکہ ہند مین دو مذہب بھی زندگی ثانی کے منکر نہین ہین۔ ہر مذہب اپنے رنگ مین اسکا ایک [illegible] اعتراف کرتا ہو۔ فلاسفرون اور حکیمون سے بھی اکثر [illegible] دلائل کے ساتھ اس تھیوری اور اس مذہب کے [illegible] ہین۔

زندگی ثانی [illegible] اور اُس جہت سے ہونی چاہیئے جو اس موجودات مین [illegible] حاصل ہو۔ ہم دیکھتے ہین کہ اس موجودات کی زندگیان ایک ہی قسم کی نہین ہین۔ نباتات جمادات کی زندگی حیوانات انسانون کی زندگیون سے بہت کچھ فرق اور امتیاز رکھتی ہو۔ اس امتیاز کے ساتھ ہی اُنکی [illegible] عظمت مین بھی فرق ہو۔ کل موجودات مین سے انسان [illegible] زندگیان ممتاز اور اشرف ہین۔ قدرت نے جو کچھ انسان کو عطا کیا اور بخشا ہو کسی دوسری خلقت کے حصہ بخرہ مین نہین آیا ہو۔ ایک [illegible] مین انسان دیگر کل موجودات کا ایک مجموعی نمونہ ملیگا یعنی [illegible] ہر قسم کا عنصر اور جزو پایا جاتا ہو۔ انسان کی زندگی [illegible] اور روحانی کمالات ضمیری جذبات اس قسم کے نہین ہین کہ انہین معمولی سمجھا جاے۔ انسان ترقی کرتے کرتے جہان فلسفۂ مطالب اور ممتاز مقاصد تک پہنچتا ہو وہ کسی دوسرے حصۂ موجودات کے حصہ مین نہین آئے ہین ہر چند کہ دوسرے حصۂ موجودات مین بھی بہت سی خلقتین ممتاز اور اشرف ہین لیکن انسان کے مقابلے مین اخیر تک کامیاب نہین ہوئی ہین اور نہ ہو سکتی ہین۔ کیا قدرت نے یہ کمالات انسان کو صرف اسواسطے عطا کیے تھے کہ چند روز کے بعد فنا ہو جائین اور اُنکی رفتار مرنے کے بعد رُک جائے؟ ایسا کہنا اور ایسا اعتراف قدرت اور انسان دونون کی تحقیر کرتا اور اُسکے فضل و شرف کو ایک شرمناک دھبہ لگاتا ہو۔ انسان کو جو قوتین عطا کی گئی ہین وہ کسی کام کی نہین ہین جیسے وہ زندگی مین ترقی کرتی ہین ایسے ہی مرنے کے بعد بھی لازمی ہو کہ وہ لگاتار ترقی کرتی جائین اور اُنکی رفتار اُس منزل پر جاکر رُکے جو اُس کے واسطے ایک آخری منزل ہو۔

صانع اور مصنوع مین ایک لاینفک نسبت کا ہونا لازمی ہو۔ انسان اور خدا مین کئی ایک نسبتین ہین۔ اگر خدا دائمی زندگی رکھتا ہو تو انسان اس عالم صغیر مین ایک عارضی زندگی رکھتا ہو۔ اگر خدا ایک کامل صانع ہو تو انسان ایک ناقص صانع ہو۔ اگر خدا کل موجودات سے اشرف اور افضل ہو تو انسان اس موجودات مین سے یقیناً اشرف اور افضل ہو۔ اگر خدا کامل ارادہ رکھتا ہو تو انسان بھی ناقص ارادون کا بانی ہے۔ یہ ایسی ہی قسم کی اور تمام نسبتین انسان ہی کی ذات مین ایک حد تک پائی جاتی ہین کوئی دوسری موجودات ان سے انسان کی طرح موصوف نہین ہو۔ یہ دلیل اس بات کی ہو انسان کی پوزیشن اور درجۂ شرف و فضل تمام دیگر موجودات سے ممتاز اور اعلیٰ ہو۔ اور اس بارے مین کوئی موجودات اُسکا مقابلہ نہین کرسکتی ہے۔

جب انسان یہ درجہ اور یہ فضل و شرف رکھتا ہو تو اُس کے مرنے کے بعد محض نیست و نابود ہو جانا عقل سلیم قبول نہین کرتی۔ یہ تمامی [illegible]

نہین کہ محض نیست و نابود ہو کر رہجائے اور اُسکی تمام صفتین اور کمالات گاؤ خورد ہوجائین۔ خدا کے بعد یہی خلقت ہو۔ اس کا محض نیست و نابود ہوجانا خدا کی عظمت اور حکمت کے خلاف ہو۔ بے شک بمصداق "کل من علیہا فان" ہر خلقت فانی ہو اور انسان بھی فانی ہو لیکن اس فنا کا یہ اثر نہین کہ مر کر پھر جینا نہ ہو۔ چونکہ صانع اور مصنوع مین ایک نسبت ہو اور بالخصوص انسان اور خدا مین تو ایک بڑی حد تک نسبت پائی جاتی ہو اسواسطے سب سے بڑھ کر دوسری زندگی یا دائمی زندگی کا مستحق انسان ہی ہو تاکہ اس شرف سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ انسان کا رتبہ اس درجہ تک ہو۔ یہ بحث کہ زندگی ثانی ناممکن ہو مذہبی خیال سے تو کوئی وقعت نہین رکھتی کیونکہ کوئی مذہب بھی اس نقطہ خیال سے نہین ہٹتا۔ ہم جب خدا کو قادر مطلق مانتے ہین تو وہ ہر صورت مین زندگی جدید یا زندگی ثانی بخش سکتا ہو۔ کیونکہ وہ ہمارے مقابلہ مین ہر قسمت قادر مطلق اور ہمیشہ قائم ہو۔ اسکی قدرت کا محدود کردینا اور انسانی شرائط سے اُس کا مشروط کرنا درست نہین ہو۔ اگر سائنس اسکی مخالفت کرتا ہو تو یہ مخالفت اس وجہ سے بھی کہ ابھی ہماری سائنس مکمل ہی نہین ہوئی ہو قابل وقعت نہین ہو اور جبکہ خود سائنس بھی اس عقیدت کا موئید اور مثبت ہو کہ فنا دائمی کسی ہستی کو نہین ہوتی ہو تو کس صورت مین ہم اس زندگی ثانی سے انکار کرسکتے ہین۔ مذاہب حشر ثانی اور زندگی ثانی کی کسی اور نہج پر تعبیر کرتے ہین اور سائنس کسی اور جہت پر۔ ہم کہتے ہین کہ دوسری زندگی یا حشر ثانی بھی خدا ہی کی قدرت کاملہ کے ماتحت ہوگا اور ایک جدید رنگ مین موجودات وجود پذیر ہوگی بالخصوص حضرت انسان جو اپنے فضل و شرف کے مرنے کے بعد ضائع نہین ہوسکتا۔ یہ سوال کہ کیسی جدید موجودات کیا اور کہان ظہور پذیر ہوگی ایک ایسا سوال ہو جس کا قطعی طور پر حل کرنا موجودہ انسانی طاقت اور حرکات سے باہر ہو اور کچھ ضرورت بھی نہین کہ اس پر مستقل بحث کی جائے۔ فلسفہ مذاہب مین اس سوال پر بہت کچھ روشنی ڈالی گئی ہو۔ وہ غور طلب ہو۔ اگر اُس سے ہی طمانیت نہین ہوسکتی تو پھر مزید بحث کی ضرورت نہین ہو۔ کسی وقت خود بخود ہی یہ سوال حل ہوجائیگا۔ ہان اتنا کہا جائے گا کہ فلسفہ مذاہب مین جو کچھ بیان کیا گیا ہو اگرچہ بعض حصے قابل بحث ہون لیکن اگر اُن کی تطبیق فلاسفرون کے اقوال سے کیجائے تو ماننا پڑیگا کہ فلسفہ مذاہب کی تائید مین مشاہیر حکمائے دہر کے اقوال بھی ہین۔ فلسفہ مذاہب کو محض اسواسطے نظرانداز کردینا کہ وہ مذہبی دُنیا سے تعلق رکھتا ہو ایک غیر بیہودہ روش ہو۔ مذہبی فلسفہ بہت کچھ قابل احترام ہو اور اس فلسفہ کے مشاہیر کی متبرک اور مقدس زندگیان بہت کچھ وقعت اور عظمت رکھتی ہین اور دیگر فلسفہ کے مقابلے مین فلسفہ ایک اعلیٰ طاقت سے وابستہ ہو اور اُس مین ایسی صداقت ہو جو دُنیا کی تمام دیگر صداقتون سے ممتاز اور اشرف ہو اور اسکی طاقت عجیبات سے کوئی دوسرا فلسفہ بڑھکر نہین کہا سکتا۔

ماحصل

یہ تمام ساعات تمام آفاق تمام اقران تمام اوقات تمام [illegible] تمام [illegible] تمام طلوع و غروب تمام نزول و صعود تمام اجرام ساوی و ارضی تمام ادوار تمام گردشین تمام واقعات تمام سانحات تمام حقائق تمام کیفیات تمام عدم و وجود تمام حیات و ممات تمام گفت و شنود تمام تاثرات تمام تصرفات تمام جذبات تمام خیالات تمام اجتہادات تمام قیاسات تمام اختراعات تمام مصنوعات تمام حرکات تمام سکنات تمام توازنات تمام عوارضات تمام جواہر تمام صنعیات تمام طبیعات تمام حیات تمام ادراکات تمام احساسات تمام طیور تمام عقلا و وحوش تمام حیوانات تمام نباتات تمام جمادات تمام آثار تمام عناصر تمام [illegible] تمام خواتم تمام ظواہر تمام بواطن تمام ترقیات تمام تنزلات تمام تبدلات تمام تغیرات تمام یمین و یسار تمام ماثور تمام ایثار تمام فوق تمام تحت تمام [illegible] اور انسانی ذریات تمام حیوانی ذریات تمام اعمال تمام موجودات تمام [illegible] تمام معقولات تمام منقولات تمام مشروعات تمام مسموعات تمام [illegible] ملبوسات تمام ماکولات تمام محسوسات تمام جسمانیات تمام روحانیات تمام

[illegible] [illegible] تمام صفات تمام کون و فساد وہ یہ ہم اور تم [illegible] کہ سب اپنے اپنے رنگ میں زمانہ اور اجزائے زمانہ [illegible] اور ہم زمانہ سے جُدا نہیں ہ اُسکی موجودگی ہماری [illegible] اُسکا بدلنا ہمارا بدلنا اور ہمارا بدلنا اُسکا بدلنا ہے

اور سب کچھ اُس اعلیٰ طاقت کے مضبوط اور قادر ہاتھوں میں ہے جو اِس دُنیا اور تمام سامان دُنیا کا خالق و صانع ہے۔ اگرچہ بعض جلد باز روحیں اِس ذات سے انکار کرتی اور اُسپر معترض ہوتی ہیں لیکن آخر میں [illegible] ہوتا ہے کہ اُنکا اجتہاد اور خیال درست نہ تھا۔

ہم موجودات میں سے صرف کسی ایک ہستی ایک کیفیت، ایک چیز ایک مصرف کو زمانہ نہیں کہہ سکتے۔ سب موجودات مل ملاکر زمانہ کا مفہوم پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ

زمانہ بدل گیا یا

زمانہ نہیں رہا

تو دوسرے الفاظ میں مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو واقعات جو کیفیات جو حادثات جو سانحات جو عوارض جو لوازم جو مساعات جو اوقات جو محسوسات جو مدرکات جو تصرفات جو تاثرات جو جذبات جو محرکات جو موجودات اور جو کائنات ایک وقت میں بقید ہستی تھی وہ موجود نہیں رہی۔ اُنکی جگہ اور ہستیوں کے حصہ میں آچکی ہے۔ میری اِسلئے یہی کہنا صحیح اور درست نہیں کہ علاوہ متحرک حرکت اور مسافت کے ایک دوسری کیفیت زمانہ ہے۔ یہ سب اجزائے زمانہ ہیں۔ بعض صغیرہ بعض کبیرہ بعض ساکن بعض متحرک بعض قار بعض غیر قار بعض سماوی بعض ارضی بعض جسمانی بعض روحانی بعض مرئی بعض غیر مرئی بعض ظاہری بعض باطنی بعض منقسم بعض غیر منقسم بعض ارادی بعض غیر ارادی بعض حیوانی بعض انسانی بعض نباتاتی بعض جماداتی وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب اجزا منفردۃً و نیز مجموعتاً زمانہ یا مجموعہ زمانہ ہیں کسی خاص صورت، حقیقت اور کیفیت کو زمانہ کہنا زمانہ کی وسعت کو کم کرنا اور اسکے اصل مفہوم کی کچھ اور تعبیر کرنا ہے۔ وہ ارادہ جو سب ارادوں وہ تدبیر جو سب تدبیروں، وہ قدرت جو سب قدرتوں، وہ ہاتھ جو سب ہاتھوں وہ تصرف جو سب تصرفات، وہ جذبہ جو سب جذبات، وہ حکمت جو سب حکمتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے جو خالق اور صانع کے مقدس نام سے موسوم ہوتی اور تعبیر پاتی ہے۔ اِس سب کارخانہ کی منفردۃً اور مجموعتاً چلانے والی ہے، اور اُسکی حکمت بالغہ ہر رنگ میں کام کر رہی ہے وہی لائق پرستش و شکریہ ہے۔

تعظیم تو بر جان و خرد واجب و لازم
انعام تو بر کون و مکان فائض و شامل

سُلطان احمد

العصر کے اِس نمبر [illegible] حمید الدین صاحب حمید (کوٹلوی) کی تصویر شائع کیجاتی ہے آپ ہمارے خاص کرمفرما ہیں چنانچہ العصر کی قلمی اعانت میں آپنے ابتدا ہی سے غیر معمولی دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔ [illegible] میں آپ کوٹلی لوہاران میں پیدا ہوئے حصول تعلیم اور سونے چاندی کا کام سیکھ لینے کے بعد آپنے شوقیہ بندوق سازی بھی سیکھی لیکن آپکا دل ہمیشہ کسی اور ہی عالم کی سیر میں کرتا رہا ۱۸۹۲ء میں [illegible] ملازمت اختیار کی ۱۹۰۱ء میں جب آپ کی پلٹن الہ آباد میں تھی آپکے دل کو ایک برقی طور نے کلیم بنایا اور وہ کچھ دکھایا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپکی نظمیں ایک خاص رنگ [illegible] اور [illegible] آپکے کلام کا حصۂ خاص ہے۔ شاعری میں آپ کسی کے شاگرد نہیں اور نہ آجتک کسی سے اصلاح لی، آپکی تصنیف کی دو تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور [illegible] کلام آپنے العصر کو اشاعت کے لیے دیدیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کلام کو اور زیادہ حسن قبول بخشے!۔

کرتا تھا۔ پھر یہ مجلس شعر و سخن خواجہ ناصر صاحب کے یہاں منعقد ہوتی تھی
جب کسی وجہ سے انکے یہاں بند ہوگئی تو انکی خاص تحریک سے
میر صاحب نے اسکا سلسلہ اپنے یہاں قائم کردیا۔ افسوس ہے کہ اسوقت
ان مشاعروں کی تفصیلات بھی نہیں مل سکتے۔ جس محفل میں میر و
سودا اور ان کے ہمعصر شعرا رنگین جادو بیانوں کا نقش جماتے رہے
ہوں، انکی روئیداد کس قدر دلچسپ ہوگی قیاس کہتا ہے کہ میر و مرزا کی
ہمطرح غزلیں زیادہ تر اسی مشاعرے کیلئے کہی گئی ہونگی۔

ملکی ادبار کے باوجود علمی قدردانی کا مادہ دلی سے مفقود نہیں
ہوا تھا، اور کمال اپنے قدردان خود پیدا کرلیتا ہے۔ میر صاحب کے کلام کا
دلی میں خاص شہرہ ہوا اور ماہران فن سمجھ گئے کہ ان میں ذاتی طور پر
علم و فضل کے نایاب جوہر موجود ہیں۔ خواجہ ناصر صاحب نے صاف صاف
کہدیا کہ میر تقی تو میر مجلس خواہی شد اور اسی پیشینگوئی کی صحت کا اندازہ
اس بات میں بسہولت ہوسکتا ہے۔ بالآخر انکی شہرت انھیں دربار شاہی
تک لیگئی۔ خود بادشاہ سلامت انکی عزت و حرمت میں دریغ نہ کرتے اور
درباری لوگ بھی ادب و احترام سے پیش آتے لیکن خزانہ خالی تھا عملی
قدردانی کا ثبوت ملنا ایک دشوار امر تھا۔ خالی واہ واہ سے تو پیٹ بھرتا
نہیں میر اسی کو اپنی ضروریات زندگی کا کفیل سمجھ کر قناعت کرتے دنیا
وانی سے بے تعلق ہوکر بعض اوقات انسان کو خلاف مرضی کام کرنے پڑتے
ہیں چنانچہ میر کا دلی چھوڑنا اسی قبیل سے تھا۔

دلی کی بربادی کے بعد لکھنؤ علمی سرپرستی کا مرکز بن رہا تھا۔ نواب
آصف الدولہ جن کے غیر معمولی بذل و جود کا اثر آج بھی اس عبارت سے
نمایاں ہے کہ لکھنؤ کے دوکاندار اُن کا نام لیکر دوکان کھولنا نیک شگون
خیال کرتے ہیں انکی داد و دہش کی شہرت نے ہر قسم کے اہل کمال و فن کو
لکھنؤ کھینچ بلایا تھا۔ سودا پہلے ہی پہونچ چکے تھے۔ میر صاحب کو بھی لکھنؤ
کے سوا کوئی دوسری جگہ نہ سوجھی، چھاتی پہ پتھر رکھ کر دلی چھوڑی اور
لکھنؤ پہونچے۔ اہل لکھنؤ نے اولوالعزمی کے ساتھ قدردانی کا ثبوت دیا۔ نواب
آصف الدولہ نے دو سو روپیہ کا ماہوار وظیفہ بطور معاش مقرر کردیا۔

شعرا میں خودداری کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور میر صاحب کے حالات
زندگی پر تفصیلی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ اعتدال سے
متجاوز ہوکر بد دماغی و نازک مزاجی کی حد تک پہونچ گیا تھا۔ نواب
آصف الدولہ نہایت سلیم الطبع واقع ہوئے تھے لیکن میر صاحب ان سے
نہ نباہ سکے۔ ایک مرتبہ نواب حوض کے کنارے بیٹھے مچھلیوں سے کھیل
رہے تھے۔ میر صاحب بھی آگئے فرمائش ہوئی کہ کچھ سنائیے۔ میر صاحب ایک
غزل سنانے لگے۔ نواب سنتے جاتے تھے اور مچھلیوں سے شغل بھی جاری
تھا۔ یہ بات میر صاحب کو پسند نہ تھی۔ شعر پڑھتے پڑھتے خاموش ہو جاتے
اور نواب کہتے تو پھر پڑھنے لگتے۔ چار شعر پڑھکر میر صاحب ٹھہر گئے اور
بولے کہ پڑھوں کیا؟ آپ تو مچھلیوں سے کھیلنے میں متوجہ ہیں۔ پڑھو
نواب نے کہا کہ جو شعر ہوگا آپ متوجہ کرلے گا۔ میر صاحب کو نواب کی یہ گفتگو
بیجا ناگوار گذری، اٹھکر چلے آئے اور دربار کا جانا یک لخت ترک کردیا۔
ایک دن اتفاق سے راستے میں نواب سے سامنا ہوگیا۔ نواب نے محبت
کے ساتھ کہا کہ "میر صاحب! آپنے ہمیں بالکل چھوڑ دیا۔ کبھی تشریف بھی
نہیں لاتے" میر صاحب نے جواب دیا کہ بازار میں باتیں کرنا داب شرفا نہیں
یہ کیا گفتگو کا موقع ہے۔ نواب سے قطع تعلق ہونے کے بعد انکی زندگی بہ تکلیف
سے بسر ہونے لگی اور کم و بیش آخر عمر تک تنگدستی میں گذاری۔

نواب سعادت علیخان کا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ ایک دن
انکی سواری نکلی۔ میر سر راہ ایک مسجد پر بیٹھے تھے۔ نواب کو دیکھکر اور تمام
لوگ تعظیماً اٹھ کر کھڑے ہوگئے لیکن میر صاحب جیسے بیٹھے تھے بیٹھے رہے
سید انشا ساتھ تھے سعادت علیخان نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے
انکی سرگذشت کہ سنائی۔ سعادت علیخان نے بکمال محبت ایک چوبدار
کے ہاتھ خلعت بحالی اور ایک ہزار روپیہ عوض کا بھجوایا لیکن میر صاحب نے

واپس [illegible] جرات نے گنہگار اتنا محتاج نہیں صلوات جن
نے سب [illegible] کے بعد میر صاحب نے شاہی عطیہ
قبول [illegible] مشکل اسباب پر یہی کہ ایک معمولی درجہ کے آدمی کے
احتیاج [illegible] بھیجا گیا۔

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہین کہ اگر میر صاحب کا مزاج اسقدر
سخت واقع ہوا ہوتا تو انکی تمام عمر عیش و آرام مین گذرتی اور آئے دن کی
مصائب و تکالیف کبھی سننے مین بھی نہ آتین۔ اس مین کلام نہین کہ انسان
کیلئے ضد اور ہٹ اکثر نقصان کا باعث ثابت ہوتی ہین جیسا کہ میر
صاحب کے حال سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ان باتون کو پڑھکر میر صاحب
کی وقعت قلب اور زیادہ ہوتی ہے اور انکی مستقل مزاجی اور وضعداری
کی تعریف [illegible] بیساختہ نکلتی ہے اور انکی اخلاقی جرات اور شریفانہ
نخوت کا دل پر گہرا نقش پڑتا ہے۔ بیشک وہ اگر پسند کرتے تو اعتدال کیساتھ
رہکر اپنا مطلب حاصل کر سکتے تھے اور خودداری کو بھی ہاتھ سے نہ دیتے
لیکن میر صاحب نے ایسا کیون نہ کیا، اسپر ہمین یا کسی کو ردو قدح کا
حق نہین۔ ذاتی مفاد اور تن پروری کی خواہشات پوری کرنے کیلئے
ایک آدمی چوری تک کرنے کو برا نہین سمجھتا اور دوسرا فقر و فاقہ کو
غنیمت جانتا ہے لیکن ضرورت کے موقع پر کسی کا ایک کوڑی کا احسان
لیکر شرمندہ ہونا پسند نہین کرتا۔

میر صاحب کا انتقال [illegible] مین ہوا شیخ ناسخ نے تاریخ وفات
[illegible] مرد شہ شاعران سے نکالی ہے۔ پروفیسر آزاد کے بیان کے مطابق
سو برس کی عمر پائی۔

میر صاحب کے حالات اور اوصاف پر غور کیجیے تو وہ قدیم وضعداری
اور اخلاق کا بہترین نمونہ نظر آتے ہین خاموش طبیعت ہونیکے ساتھ ہی
قناعت پسند تھے اور اسی قناعت پسندی اور بے نیازی نے انہین
تمام عمر [illegible] دنیاوی مین مبتلا رکھا غیرت اور شریفانہ حمیت نے انہین
تملق اور چاپلوسی سے ہمیشہ روکا اور بے پروائی اور بلند نظری نے
انہین کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہ دیا۔ انھون نے اپنی عمر کی
پوری ایک صدی جسطرح ہوا آرام یا کلفت مین گذار دی طبیعت
کا رنگ جو شروع مین تھا وہ آخر دم تک باقی رہا۔ ثابت قدمی اور
استقلال کی اس سے بہتر نظیر کا ملنا محال ہے۔

شاعری کی حیثیت سے دیکھیے تو وہ ایک فطرتی شاعر تھے انگریزی
مین مثل ہے کہ شاعر پیدا ہوتے ہین بنائے نہین جاتے۔ میر بھی کچھ خود ساختہ
شاعر نہ تھے بلکہ شاعری کے تمام لوازمات انمین قدرتی طور پر موجود تھے
اور جو خصوصیات ایک اعلی درجہ کے سخنگو کی ذات سے متعلق سمجھی جا سکتی
ہین وہ میر صاحب ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا ہوئے تھے۔ فن شعر و سخن کے
وہ عالی ماہر اور اردو زبان کے افضل ترین استاد تھے۔ فلاسفہ یونان
کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شاگرد کی حالت کا اندازہ کرتے۔ اگر وہ ان کے
معیار پر ٹھیک اترتا تو خیر ورنہ جواب دیدیتے۔ درویشانہ زندگی بسر کرنیوالے
جانتے ہین کہ مرشد مرید کے قلب پر توجہ ڈالکر اسکے ظرف کا اندازہ ابتدا ہی
مین کر لیتا ہے۔ اور ان تمام باتون کی غرض و غایت سوائے اسکے اور کیا ہو سکتی
ہے کہ اہل و نااہل کی تمیز کر لی جائے۔ یہ ایک عاقلانہ اصول ہے لیکن میر صاحب کا
عمل اسپر کسیقدر غیر ضروری سختی کے ساتھ تھا۔ انکی شاعرانہ قابلیت مسلم تھی
اور جس نظر سے وہ اس فن کو خود دیکھتے تھے اسی کی امید اورون سے
کرتے تھے۔ انکی شاعری کا نرخ ایسا نہ تھا جسکی کسی شاعر کو تمنا ہی ہو لیکن
اسکا معیار اسقدر اونچا رکھا گیا تھا کہ اکثر خاص الخاص لوگون کو بھی اس
امتیاز کے حاصل کرنے سے مایوس ہو جانا پڑتا تھا۔ میر نظام الدین ممنون کے
والد میر قمر الدین منت ایک خوشگو شاعر گذرے ہین سونی پت کے رہنے والے
تھے شعر گوئی کا شوق رکھتے تھے میر صاحب کے پاس ایک غزل اصلاح کی
غرض سے لیکر آئے میر صاحب نے وطن کا نام سنکر کہا کہ سید صاحب اردوئے معلی
خاص دلی کی زبان ہے آپ اسمین تکلیف نہ کیجیے۔ اپنی فارسی ادہی کہہ لیا کیجیے

اصلاح کے لئے سعادت یار خان رنگین سے صاف صاف کہدیا کہ نیزہ بازی
اور تلوار کی کثرت کیجیے، شہسواری کی مشق فرمائیے، شاعری خالی غم خواری اور
جگر سوزی کا کام ہے، آپ اسکے درپے نہ ہوں"۔ ان کا اصرار جب بڑھا تو وہ ہوا
دکھایا "آپ کی طبیعت اسکے مناسب نہیں۔ یہ آپ کو نہیں آنے کا، خواہ مخواہ
میری اور اپنی اوقات ضائع کرنی کیا ضرور ہے"۔ ناسخ کے ساتھ بھی ایسا
ہی سلوک کیا اور اصلاح دینے سے صاف انکار کر دیا۔

جس وقت ظاہر کے آگے خواجہ میر درد آئے اور میر سوز جیسے شاعر
نظر آئیں وہاں عوام کا کیا ٹھکانا ہے، سودا ایسے جامع خصوصیات سخنور
نے البتہ میر صاحب سے بڑے شاعر ہونے کی سند حاصل کر لی تھی، ہمارے خیال
میں میر ایسے مصلح زبان کیلئے اسقدر بلند نظر ہونے کی ضرورت بھی تھی
وہ اردو کا ابتدائی زمانہ تھا، نہال اردو میں نئی نئی کونپلیں اور ہری ہری
پتیاں نکل رہی تھیں، اس وقت اُسے چابکدست باغبانوں کی ضرورت
تھی کہ اس پودے کی جو آخر کار ایک تناور درخت ہونے والا تھا اچھی
باقاعدہ حفاظت کر کے ایک طرف اُسے خشک شاخوں اور زرد پتیوں
سے پاک کیا جاتا اور دوسری طرف اسکی حقیقی نشوونما کے سامان بہم پہنچائے جاتے
جس طرح انسان کی ابتدائی تربیت اسکے آئندہ کیرکٹر پر نمایاں اثر ڈالنے
والی چیز سمجھی گئی ہے اسی طرح "فلسفہ لسان" پر عبور رکھنے والے جانتے ہیں کہ
ہر زبان کیلئے جسے کسی ملک یا قوم کی عام زبان بننے کا فخر ملنے والا ہوتا
ہے اسکی ساخت پر بہت کیا کیا کوششیں نہیں کیجاتیں۔ یقیناً
میر صاحب کا خیال رہا ہوگا کہ اگر اردو ابتدائی زمانے میں ذمہ دار
اشخاص کے ہاتھوں سے نکل کر عوام الناس کی طفلانہ خام کاریوں کے
نذر کر دی گئی تو اسکے نتائج کسی صورت سے نا مناسب اور خوشگوار
مترتب نہیں ہو سکتے اور انصاف کرنا ہے کہ بجا طور پر یہ خیال کچھ بیجا نہ تھا۔

میر صاحب کی شاعری کا پایہ جسقدر بلند تھا اسے عام نگاہیں نہیں
دیکھ سکتیں۔ اس فن میں انکی محویت و انہماک کا یہ عالم تھا کہ دن اور رات
وہ اسی کی فکر میں محو رہتے اور خصوصاً اسی میں [illegible]
کے درجہ تک پہونچا دیا۔ دنیا کی کچھ بھی [illegible]
ان سب سے وہ مستغنی تھے اور جو کچھ تھی شاعری تھی جس سے انہیں کام
رہتا تھا۔

میر صاحب کو بہت تکلیف میں دیکھکر ایک نواب انہیں معہ عیال
اپنے گھر لے گئے اور محلسرا کے پاس ایک معقول مکان رہنے کو دیا۔ نشست
کے مکان میں کھڑکیاں باغ کی طرف تھیں، مطلب اس سے یہی تھا کہ ہر
طرح انکی طبیعت خوش اور شگفتہ رہے۔ یہ جسدن وہاں آکر رہے کھڑکیاں بند پڑی
تھیں۔ کئی برس گذر گئے اسی طرح بند پڑی رہیں کبھی کھولکر باغ کی طرف نہ دیکھا
ایک دن کوئی دوست آئے، انھوں نے کہا کہ ادھر باغ ہے آپ کھڑکیاں کھولکر
کیوں نہیں بیٹھتے میر صاحب نے کہا کہ ادھر باغ بھی ہے؟ انھوں نے کہا کہ اسی لئے
آپ کو یہاں لائے ہیں کہ جی بہلتا رہے اور دل شگفتہ رہے۔ میر صاحب کے پاس پھٹے پرانے
مسودے غزلیات کے پڑے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں اس
باغ کی فکر میں ایسا لگا ہوں کہ اس باغ کی خبر بھی نہیں ہے۔[۵]

محویت و مصروفیت کی اس سے زیادہ پر معنی اور اعلیٰ تمثیل [illegible]
ہے اور سچ پوچھئے تو اسی شوق و انہماک نے میر تقی کو میر [illegible]
بنایا کہ آج بھی علمی حلقوں میں انکی عزت پرستش کے درجہ تک پہنچی ہوئی
ہے۔ ایک در گیر و محکم گیر کے زرین اصول پر عمل پیرا ہو، اسلئے اس دنیا
میں انسان کیلئے کسی ہنر میں کامل ہونا غیر ممکن ہے، تقسیم عمل کے مسئلہ پر نگاہ
ڈالیے تو اسکا بھی کہنا یہی ہے کہ کسی ایک کے ہو کر رہو، حقیقت حال بھی یہی
ہے کہ جبتک آدمی پوری توجہ اور فکر سے کسی فن کا اکتساب نہ کرے اسے حاصل
نہیں کر سکتا۔ شاعری کا بھی یہی حال ہے بلکہ اسکے لئے معمولی توجہ و فکر
کی جگہ محویت اور بیخودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈیاکرٹیس کہتا ہے کہ کوئی شخص
اسوقت تک نازک خیال اور کامل شاعر نہیں بن سکتا جبتک کہ وہ [illegible]

---

۵ آب حیات ۱۲

فرماتے ہوے حیرت و استعجاب ظاہر کرتے ہین کہ صورت حال بالکل برعکس
ہے میر صاحب مرحوم نے کسی کے بھی متعلق طعن و ملامت سے کام نہین
لیا ہے وہ تمام اساتذہ کی نسبت کمال بلندی کا اور ہمسرون کے ساتھ پورے
حفظ مراتب کا پاس و لحاظ رکھا ہے ...... جن دو ایک شعرا کا ذکر شائستہ
الی سے نہین کیا انپر بھی طعن نہیں ہے بلکہ انکی خود نمائی یا کج خلقی کی
شکایت ہے"

قصاید | قصاید کو کلیات میر مین بہت کم حصہ ملا ہے لیکن جو کچھ بھی ہین
تبرک سمجھے جانے کے شایان ہین چونکہ میر صاحب بالطبع قانع اور
عالی حوصلہ واقع ہوے تھے اور خوشامد اور چاپلوسی کی باتین مشکل انکے
قلم سے نکل سکتی تھین اور ہر کس و ناکس کی مدح سرائی ان کا شیوہ نہ تھا
اسلیے انکے قصائد کی تعداد بہت محدود ہے۔ دو قصیدے نواب آصف الدولہ
کی تعریف مین اور باقی مذہبی مقتداؤن اور اماموں کی شان مین نظم کیے ہین۔

اکثر اصحاب میر کے قصاید مین وہ تمام خصوصیات دیکھنا چاہتے
ہین جو اس قسم کی نظمون کے لیے جزو لاینفک خیال کر لی گئی ہین لیکن
یہ اصولی غلطی ہے میر کی خاموش اور سوگوار طبیعت کا اندازہ کرنیکے
بعد انکے قصاید مین جولانی طبع اور زور بیان کے مشاہدے کی امید
کرنا فضول ہے یہ باتین شاعر کی شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی سے پیدا
ہوتی ہین اور یہان دونون باتین مفقود تھین لیکن ہمارا ذاتی خیال ہے
کہ اگرچہ انکے قصیدے مضمون آفرینی اور جدت طرازی کے لحاظ سے سودا کے
مقابل نہین لائے جا سکتے تاہم ان مین شروع سے آخر تک میر صاحب
کا خاص رنگ نمایان طور سے موجود ہے اور صرف ایک یہی بات شاعر کے
پختہ کار ہونے کی کافی دلیل ہو سکتی ہے۔

غزلیات | قصاید کے بعد غزلیات کا نمبر آتا ہے اور اس میدان کے
میر صاحب مسلمہ شہسوار ہین اور جو شخص انکی شاعری کو اصلی صورت
مین دیکھنا چاہے اُسے اُنکی غزلون کو دیکھنا چاہیے جسطرح سے
منطق کو بوجوہ چند در چند ارسطو کے ساتھ وابستہ سمجھا جاتا ہے اسیطرح
فن غزل گوئی کا میر صاحب سے خاص تعلق ہے میر صاحب سے پہلے بھی
غزل گو شاعر تھے اور انکے زمانے مین بھی انکی کچھ کمی نہ تھی لیکن اس
صنف خاص مین جو انداز میر نے پیدا کیا ہے وہ ان کا خاص حصہ ہے
اور اسکا جواب آجتک نہین ہو سکا بعض نکتہ رس نقادان فن کا
خیال ہے اور اس خیال کے برجستہ ہونے مین شک کی مطلق گنجائش
نہین کہ غزل شعر گوئی کی ابتدائی منزل بھی ہے اور آخری بھی۔ اور اس کی
آخری منزل وہی ہے جو میر کی غزلیات کے دائرے مین محصور ہے بلاشبہ انکی غزلون
مین سیدھی اور صاف زبان مین عشق و حسن کی باتین بیان کر دی گئی
ہین لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک مصرعہ سہل ممتنع کلام کی
صنعت سے مملو ہے ہر غزل بجاے خود سوز و گداز کا پُر اثر مرقع اور حسرت
و ارمان کی مجسم تصویر ہے انکے مطالعہ سے قلب پر خاص کیفیت پیدا ہوتی
ہے اور دل مین خود بخود سوز و درد کے جذبات متحرک ہو جاتے ہین اور
کلام کی تاثیر کا یہ انتہائی درجہ ہے جو باتین انسان کی زبان و قلم سے
تاثیر کا جامہ پہنکر نکلتی ہین وہ سامعین کو بھی متاثر کرتی ہین میر صاحب
نے بھی جو کچھ کہا ہے دل سے کہا ہے اور اسی وجہ سے اس مین موثر
کیفیت باقی ہے۔

زبان کی صفائی اور محاورات کی بے ساختگی انسانی کوشش کے
دائرہ سے باہر نہین چنانچہ خود میر صاحب کے ہمعصر میر سوز موجود ہین جنکی
زبان میر صاحب سے کچھ کم صاف اور ستھری نہین تھی لیکن سادگی زبان
کے ساتھ نازک خیالی کا قایم رکھنا صرف میر کے حصے مین آیا ہے [illegible]
نغز گو شاعر صرف اس نظم کو قابل تعریف سمجھتا ہے جسکے خیالات نازک اور

---

۵ مولانا شروانی کا ایک مضمون مخزن لاہور بابت ماہ [illegible] مین "تذکرہ میر تقی میر" کے عنوان
سے شائع ہوا ہے اس مضمون مین جو بات کہین تذکرے کے متعلق یا اُسکے حوالے سے کوئی
بات لکھی گئی ہے اسکا مخرج مولانا ے موصوف کے اسی مضمون کو سمجھنا چاہیے۔

...سے سادے ہوتے اور جو اپنے جذبات کے لحاظ سے پُر اثر ہو۔
...ن قابل تعریف صفت میر صاحب کی غزلون مین بوجہ احسن
...دہی

اگر یہ بات سچ ہو کہ شاعر کا کلام اسکی اندرونی حالت کا آئینہ
...رتا ہو تو میر کی غزلون کو پڑھکر ہم ان کی طبیعت کا اندازہ بھی
...لت لگا سکتے ہین۔ آزاد بجا کہتے ہین کہ ان کا کلام صاف
...ن کہے دیتا ہو کہ مین دل سے نکلکر آیا ہون، غم و درد کا پتلا انہین
...و اندوہ کا جنازہ تھا۔ ہمیشہ وہی خیالات بسے رہتے تھے
...جو دل پر گذرتی تھی زبان سے کہدیتے تھے کہ سننے والون کیلیے
...کا کام کرجاتے تھے،" ان اشعار کو دیکھیے حسرت و یاس ایک
...لفظ سے ترشح ہے۔

...ہو گئین سب تدبیرین کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

...م سے کچھ بجھا سا رہتا ہے   دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

...ور عشق مین روتا ہے کیا   آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

...ی عشق مانع نشو و نما ہوئی   مین وہ نہال تھا جو اگا اور جل گیا

...طرہ خون ہوکے پلک سے ٹپک پڑا   قصہ یہ کچھ ہوا دل غفران پناہ کا

...رہا جبتک کہ دم مین دم رہا   دل کے جانے کا نہایت غم رہا

...غم مین مجھکو یاد سب مبتلا کیا ہو   دل ساری رات جیسے کوئی تلا کیا ہو

ہم چمن مین گئے تھے وا نہوے   نکہت گل سے آشنا نہوے

غزلیات مین مضامین محدود نہین۔ اخلاق و نصایح دنیا کی بے ثباتی نیرنگی زمانہ اور اسی نوع کے مختلف سبجکٹ پر بیشتر اشعار ملسکتے ہین دنیاے فانی اور انقلابات زندگی کی تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے۔

جس سر کو غرور آج ہے یان تاجوری کا   کل اُسپہ یہین شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت   اسباب لٹا راہ مین یان ہر سفری کا

ایک ہی چشمک تھی فرصت صحبت احباب کی   دیدۂ تر ساتھ لے مجلس سے پیمانہ گیا

یان سرکشان جو صاحب تاج و لوا ہوے   پامال ہوگئے تو نہ جانا کہ کیا ہوے

شادی و غم مین جہان کی ایک سے دس کا ہے فرق   عید کے دن ہنسیے تو دس دن محرم روئیے

زنہار نہ جا پر دش و زمان پر   مرنے کیلیے لوگونکو تیار کرے ہے

حال گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق   رنگ کچھ اور ہی ہو جاے ہے اک آن کے بیچ

اے حب جاہ والو جو آج تاجور ہے   کل اسکو دیکھیو تم نے تاج ہے نہ سر ہے

ان شعرون مین انسانی طبیعت کا نقشہ کسقدر سچا دکھایا ہے۔

جون جون بڑھاپا آتا ہے بیٹھے جاتے ہین ہم   کس مٹی کا نہ جانیے اپنا خمیر ہے

جو لوگ آسمان نے یان خاک کر اڑائے   بے غیرتون نے لیکر خاک انکی گھر بنائے

بحر خفیف مین جو غزلین ہین وہ خاص دلچسپی کی چیز ہین اور میر کی

شاعری کا رنگ اُن سے بخوبی واضح ہوتا ہے

مدہوشی کرے ہے جبر تپش کا   حیرتی آئینہ ہے یہ کس کا
تاب کس کو جو حال میر سُنے   حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

گر چہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو   آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے   آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو

کچھ نہ پوچھو کہ آتش غم سے   جگر و دل کباب ہیں دونون
ایک سب آگ ایک سب پانی   دیدہ و دل عذاب ہیں دونون

ہستی اپنی حباب کی سی ہے   یہ نمائش سراب کی سی ہے
بار بار اس کے در پہ جاتا ہون   حالت اب اضطراب کی سی ہے

بود نقش و نگار سا ہے کچھ   صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ جو مہلت جسے کہے ہیں عمر   دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

شوق ہمکو کہا لے جاتا ہے   جان کو کوئی کھائے جاتا ہے
ہر کوئی اس مقام میں دس روز   اپنی نوبت بجائے جاتا ہے
کیا کیا ہے فلک کا مین کہ مجھے   خاک ہی مین ملائے جاتا ہے

ذیل کے اشعار مستقل قدر و قیمت کی چیز ہیں جن میں کہیں اخلاق و آداب اور کہیں تصوف کی چاشنی ملا کر لطف کو دوبالا کر دیا ہے جیسے چھٹے اور پانچوین شعر کی بلاغت اور معنوی وسعت قابل تعریف ہے۔ اُسکا سمجھنا وجدان سلیم اور فکر متین کے بغیر ناممکن ہے

کفر کچھ چاہئے اسلام کی رونق کیلیے   حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر   در دمین وہی نالۂ آشفتہ ازہان ہون

محو کر آپکو یون ہستی میں سب کی جیسے   بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی مین

سر اپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہمکو   وگر نہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتے
الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش   ہمیں تو شرم دامنگیر ہوتی ہے خدا ہوتے

سر کسو سے فرو نہیں آتا   حیف بندے ہوے خدا نہوے

زبان کی حیثیت سے میر کے کلام کا مرتبہ کچھ کم نہیں اسمین شک نہیں کہ اسوقت کی بعض ترکیبیں زیادہ تر فارسی سے مستعار لیگئی ہیں اور بہت سے الفاظ متروک ہونے سے اب کانون کو غیر مانوس معلوم ہوتے ہیں اور بعض کی تذکیر و تانیث میں بھی ایک حد تک تفرقہ پیدا ہو گیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی زبان صاف و شستہ ہے اور آج بھی کسی شخص کی تحریر میر کی زبان سے تشبیہ دیکر اسکی خوبی کا اعتراف کرنا گویا میر کی زباندانی کی قطعی بیّن دلیل ہے۔ ملاحظہ ہو زبان کی اس سے زیادہ صفائی [illegible] اور کیا ہو سکتی ہے

مفت آبروے زاہد علامہ لیگیا   اک مغبچہ اُتار کے عمامہ لیگیا
داغ فراق و حسرت دل آرزوے وصل   مین ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لیگیا

دھوکا ہے تمام بحر دنیا   دیکھیگا کہ ہونٹھ تر نہوگا

فلک کو منہ نہیں اس فتنے کو اُٹھانے کا   ستم سرشک ترا ناز ہے زمانے کا

برسا تو بہت دیدۂ خونبار کے حضور   پر ایک انفعال ہے ابر بہار کو
ہنستا ہی مین گذر گئی جو اختیار ہو   پر کیا کرون دیا نہیں [illegible] کو

سیواجی مرہٹہ

ہم ہین مجروح ماجرا ہے یہ   وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ
تھا ابتدائے عشق مین ہم   اب ہوئے خاک انتہا ہے یہ

وقت سے جان لب پہ آئی ہو   ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہو
لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر   شوق نے بات کیا بڑھائی ہو
تصنع کر لعل ہین وے لب   یعنی اک بات سی بنائی ہو

طرز ادا کی بیساختگی کا مختصر نمونہ یہ ہو ؎

جلے ہو جی نجات کے غم مین   ایسی جنت گئی جہنم مین

بتون کے جرم الفت پر ہمین زجر و ملامت ہے
مسلمان بھی خدا لگتی نہین کہتے قیامت ہو

آرام ہو چکا مرے جسم نزار کو   رکھے خدا جہان مین دل بیقرار کو

لاعلاجی ہو جو دہتی ہو مجھے آوارگی   کیجیے کیا میر صاحب بندگی بیچارگی

ضرب الامثال اور محاورات کو دیکھیے کس خوبی سے استعمال
کرتے ہین ؎

بوسہ اس بت کا لیکے منہ موڑا   بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

کل نشے مین جیگر وی کل بچ اس کی میر   سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر مین   عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

سفکوا آبلہ ابھی سے میر   ہے پیارے ہنوز دلی دور
میر صاحب کا کلام باوجود امتداد زمانہ اب بھی عام لب بستگی کا

ذریعہ ہے ادبیات مین آجکل بھی اُن کے اشعار کو نمایان جگہ ملتی ہو۔
اور ان کے بہت سے متفرق اشعار اب تک عوام الناس کی زبان پر
جاری ہین مثلاً ؎

ابتو جاتے ہین میکدہ سے میر   پھر ملین گے اگر خدا لایا

میر صاحب زمانہ نازک ہے   دونون ہاتھون سے تھامیے دستار

پھرتے ہین میر خوار کوئی پوچھتا نہین   اس عاشقی مین عزت سادات بھی گئی

مہر کی تجھسے توقع تھی ستمگر نکلا   موم سمجھے تھے ترے دلکو سو پتھر نکلا

معلوم ہوتا ہو کہ لکھنؤ کی دلچسپیون مین گھر جانے کے باوجود دہلی
کی یاد میر صاحب کے دل سے نہین نکلی اور وہ رہکر اسکے خیال مین بیچین
ہو جایا کرتے تھے غزلون مین متعدد جگہ اسکا ثبوت ملتا ہو کہین دہلی کو
یاد کرتے ہین کہین دہلی کے احباب کو۔ ہائے دلی بھی کیا چیز رہی ہو گی
جس نے اُسے ایکدفعہ دیکھ لیا اسی کا ہو کر رہا ؎

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے   جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہین   دلی سے بھی دیار ہوتے ہین

خاک دہلی سے جدا ہمکو کیا یکبارگی   آسمان کو تھی کدورت سو نکالا یون غبار

خرابہ دلی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا   وہین مین کاش مر جاتا سراسیمہ نہ آتا یان

دلی مین اب کی آکر اُن یارون کو نہ دیکھا   کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے

غزلون مین مسلسل مضامین باندھنے کا رواج نہین لیکن میر نے

کئی جگہ پوری پوری غزل قطعہ کی صورت میں لکھی ہے اسمیں شک نہیں کہ اگر غزل گوئی کا یہ انداز عام ہوتا تو اردو شاعری میں کچھ اور ہی دلآویزی پیدا ہوتی مفصلہ ذیل غزل میں تسلسل خیالات کا نہایت دلکش نمونہ پیش کیا ہے سعدی بلبل شیراز کے مشہور قطعہ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

کے حکیمانہ تخیل کا انداز جھلکتا ہے ؎

بات کیا آدمی کی بن آئی — آسمان سے زمین نپوائی
چرخ زن اسکے واسطے ہے مدام — ہو گیا دن تمام رات آئی
ماہ و خورشید و ابر و باد سبھی — اسکی خاطر ہوئے ہیں سودائی
کیسے کیسے کیے تردد جب — رنگ رنگ اس کو چیز پہنچائی

شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا
یہ بھی کرتا سدا جبیں سائی

رباعیات و قطعات وغیرہ غزلوں کے بعد رباعیات قطعات اور پھر منقبت میں مخمس و ترجیع بند ہیں میر صاحب کا مذہب شیعہ تھا اور ان کی بغرض مذہبی ارادت و عقیدت کا اظہار ان نظموں سے بخوبی ہوتا ہے۔ کسی شخص کا شیعہ ہونا کوئی جرم نہیں لیکن میر صاحب ایسے عالی قدر مشاہیر کو ان خیالات کے اظہار سے جو اسلام کے دو زبردست فرقوں میں امر ما بالنزاع کی صورت اختیار کر چکے ہوں اور جنکے اعادے سے باہمی بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اجتناب کرنا بہر حال مستحسن تھا اور دیوان میں اس قسم کے قطعہ کی شمولیت جو شکر ہے کہ تمام کلیات میں ایسی طرز کا اکیلا ہے سمجھنا چاہیے تھا ؎

تھی گفتگو سے باغ فدک جڑ فساد کی — جانے ہے جسکو علم ہے دین کے اصول کا
دعویٰ جو حق شناسی کا رکھتے تو سعد — پھر جان بوجھ کرتے تلف حق بتول کا

واسوخت اور مثنویاں واسوختوں اور مثنویوں کے بارے میں ابھی کچھ کہنا باقی ہے چونکہ یہ دونوں چیزیں میر صاحب کے رنگ طبیعت سے ملتی ہوئی تھیں اس لیے کلیات میں غزلوں کے بعد انھیں خاص طور سے ممتاز سمجھنا چاہیے واسوخت کے موجد خود میر صاحب ہیں اور جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے مثنویاں متعدد ہیں شعلہ عشق، دریائے عشق، شکارنامہ، خواب و خیال، معاملات عشق علی قدر مراتب شہرت بھی پا چکے ہیں انکے علاوہ جو کچھ ہے بھرتی ہے کہیں بلی کا دکھڑا ہے کہیں مرغے کا رونا کسی میں کتے کی داستان ہے کسی میں بکری کا قصہ ہاں برسات کے سفر اور اپنے مکان کی بربادی کا حال خوبی کے ساتھ دکھایا ہے۔

ہجو ہجویں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی عموماً دلچسپی سے خالی اور بہ حیثیت مجموعی پایہ تہذیب سے گری ہوئی ہیں۔ مخمس شہر آشوب میں بھی سودا کا سا رنگ نہیں۔

تاریخ معلوم ہوتا ہے کہ فن تاریخ گوئی سے میر صاحب کو مناسبت نہ تھی کیونکہ ساری کلیات میں ایک مادہ تاریخ بھی موجود نہیں۔

یہ ہے سرگزشت اس باغ کی جسے میر نے خون جگر سے سینچ سینچ کر سیراب کیا ہے اور انکی جگر کاوی کا اثر اب تک نمایاں ہے کہ باغ سرسبز و شاداب ہے اور جب تک صفحہ دنیا پر علم و فن کے قدر دان موجود رہیں گے اس باغ کی فضا انکے دماغ و دل کو روحانی تقویت پہونچاتی رہیگی۔

سید محمد فاروق

علم ہیئت کی مختصر تاریخ

ہیئت وہ علم ہی جسکا مدار آسمانی اجرام[1] یعنی چاند، سورج اور سیارون (گھومنے والے ستارون) اور ثوابت (غیر مدار ستارون) پر ہی اسکی دو قسمین ہین نظری اور عملی۔ نظری سے ان فلکی اجرام کے اوصاف و حالتین معلوم ہوتی ہین اور نیز یہ کہ سورج سے کون کتنی دور واقع ہی اور اسکی حرکت کیا ہے، سالانہ فصلین کیونکر بدلتی رہتی ہین، اور ان اجرام کی صورت و شکل کیا ہے اور دوسری قسم مین ان اجرام کی رصد کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہی۔ یہ علم اکثر علوم سے قدیم تر ہے اور کہا جاتا ہے کہ ستارون کی دریافت انسانی آفرینش کے ساتھ ہی شروع ہوئی ہی۔ اسکا ثبوت یہ ہی کہ علم تاریخ کے وجود سے پہلے (جس سے اس علم کے وجود پر وثوق کیا جاتا ہی) علم ہیئت سے متعلق بہت سی روایات مکو اور حوادث فلکیہ کے افسانے عام مخلوق کی زبانون پر جاری ہین اور یہ حوادث اور روایات بڑے اسرار کی تہ مین مخفی ہین لیکن ہم یہان چند ایسے حقائق واضح معروض بیان مین لاتے ہین جن سے اس علم کی قدامت پر روشنی پڑتی ہے۔

ملک چین کے باشندے فلکی مشاہدات و معلومات پر فخر و مباہات کرتے ہین یہان تک کہ انکا بادشاہ ہنوز اس بات کا مدعی ہی کہ اسکے اسلاف آسمانی لوگ تھے اور اسی وجہ پر رعایا اپنے عزیز بادشاہ کو "ابن الشمس" (سورج کا بیٹا) کہتی ہی۔

یہ بھی کہا جاتا ہی کہ چینی باشندون کے پاس قمر کے ساتھ ان چار سیارون کے قران کی تاریخ بھی موجود ہی جو طوفان نوح سے سو برس پہلے وقوع مین آیا تھا۔ یہی چینی ہیئت دان سب سے پہلے لوگ ہین جنھون نے اس سورج گہن کو روک رکھا تھا جو بگمان غالب طوفان سے سو بیس برس بعد واقع ہوا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہی کہ شاہان چین مین ایک شخص نے بعثت مسیح سے دو ہزار برس قبل اپنے ایک وزیر کو اس خطا پر کہ اس نے کسوف شمس کی دریافت کرنے مین خطا کی تھی قتل کر دیا تھا۔ یہ کسوف اسی زمانہ مین ہوا تھا۔

الکلدان سب سے اول فلکی کلدانی چرواہے ہین کیونکہ "ایوب" جس نے اسی سرزمین پر اپنا گھر بنا لیا تھا سب سے پہلے "ثریا" اور "جبار" کو معروض بیان مین لایا ہی۔

ثریا اور جبار ستارون کی دو صورتین ہین جو اس زمانہ مین انھین نامون سے پہچانی جاتی تھین۔

کہا جاتا ہی کہ حضرت مسیح سے دو سو سال قبل سکندر ذوالقرنین نے جب شہر بابل فتح کیا ہی تو اس شہر مین کلدانیون کی رصدون کی شکلین کتابی صورت مین پائین۔ انکی تاریخ اسوقت سے موجود ہی جب کہ زبانین باہم خلط ملط ہوئی ہین اور جیسا کہ تاریخ مین بھی مشہور ہی یہی وہ لوگ ہین جنھون نے پہلے پہل دن کو بارہ گھنٹے پر تقسیم کیا اور زوال کے معلوم کرنے کا آلہ بنایا جسے "مزوال" کہتے ہین۔

ثالیس یونان کے سات مشہور علماء مین سے ایک ثالیس ہی جو حضرت مسیح سے چھ سو سال قبل اس دنیا مین موجود تھا۔ یہ اس علم کا پہلا قانونی معلم ہی جس نے اس علم کے قواعد بنائے اور باقاعدہ علم کی صورت مین اسے مدون کیا۔ اس نے پہلے پہل یونان مین فلکیات کے مدرسہ کی بنا ڈالی اور اپنے شاگردون کو زمین کا "مستدیر" (گول) ہونا اور قمر کا سورج کی شعاعون سے کسب ضیاء کرنا بتایا۔ اسی نے سب سے پہلے سطح زمین کو منطقون پر تقسیم کیا اور اسی نے "دائرۃ البروج" کا خط استواء پر

[1] آسمانی موجودات کے اجسام کو اجرام کہتے ہین ۱۲

میلاد بیان کیا اور اس سورج گہن کی خبر دی جو تاریخ میں مشہور ہے
اور جسکو ماد کی اور لیدیا (ماڈیا لیڈیا) کے باہمی جنگ کے خاتمہ
کی علت سمجھا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں فریقین کے لشکر آمادۂ پیکار تھے
کہ یکایک ان پر ایک ظلمت چھا گئی پس فوراً دونوں نے ہتھیار
پھینک دیے اور باہمی صلح پیش کی۔

تالیس کے دو شاگرد بھی تھے ایک کا خیال ہے کہ ثوابت دراصل
سورج ہیں اور کسی کے ساتھ بھی کسی خاص مسکن میں سکونت پذیر ہیں یہی
وہ شخص ہے جس نے سپارٹا (سپارٹا) میں پہلا "مزولہ" نصب کیا
تھا۔ دوسرا شاگرد خدا کی وحدت اور اس بات کا قائل تھا کہ سورج
دراصل چاند ہی ہے اور اس کا حجم بلاد یونان کے کسی قدر وسط
میں ہے لیکن اس حکیم نے خسوف و کسوف کی طبعی علت بیان کرنے سے
گریز کیا اور دیگر ظواہر فلکی کی طبعی علتیں بھی بیان نہیں کیں

فیثاغورس | یہ حکیم مسیح سے پانسو برس قبل گزرا ہے۔ اس نے دوسرے مشہور
فلکی مدرسہ کی بنیاد شہر کروٹونا (واقع مضافات اٹلی) میں ڈالی یہ پہلا
حکیم ہے جس نے آسمانی اجرام کے پر اسرار حرکات کو نمایاں اور منکشف کیا ہے
لیکن علماء فن کے نزدیک اسکی تمام رائیں ناقابل تسلیم ہیں پھر چونکہ
اس مخالفت کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں کیگئی لہذا اسکو محض
تعصب اور تنگ نظری پر مبنی سمجھنا چاہیئے۔

آنذکسوس | یہ حکیم حضرت مسیح سے چارسو سال قبل بقید حیات تھا۔ اس نے
کرات فلکی کا بلوری ہونا ظاہر کیا ہے یعنی یہ کہ تمام سماوی اجرام شفاف
اور مجوف کروں میں جواہرات کی طرح مرصع ہیں یہانتک کہ ایک دوسرے
نور یکسانی پار پہنچتا ہے پس جب ہمارے اور کسی جرم کے درمیان میں
کوئی جرم حائل ہو جائے تو اسکا منظر ہم سے پردہ میں نہیں رہ سکتا اس نے
یہ بھی گمان کیا ہے کہ تمام سیارے ایک کرہ میں ہیں اور ہر ایک اپنی حرکت
کیلیے ایک قوت رکھتا ہے

ہپرخوس | یہ حکیم آنذکسوس سے دوسو سال بعد گزرا ہے اور یونانی
فلکیین میں نہایت درجہ مشہور و معروف ہے۔ اسکا شمار ان لوگوں میں
ہے جو قدیم زمانوں میں خاص شہرت و ناموری رکھتے ہیں۔ یہی حکیم برس
کی میعاد کو اس عمدگی سے شمار میں لایا کہ چھ منٹ سے زیادہ کا فرق
نہوا۔ اس حکیم نے اعتدالین کی باہمی دوری کو ظاہر کیا اور ستاروں کی
سب سے پہلی فہرست مرتب کی جسمیں (۱۰۰۰) ستاروں کا ذکر تھا۔

حکماء مصر | حکماء مصر بھی بلاد یونان میں پہونچے اور وہان کے فلاسفہ
کے ظہور سے پہلے ایک بلند مرتبہ پر فائز ہو چکے ہیں انھوں نے تعلیم
کے سلسلہ شروع کرنے سے پہلے اپنی عمر کا زیادہ حصہ ان ممالک کی
سیاحت میں صرف کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ فیثاغورس نے بھی تیس سال اس طریقہ پر بسر کیے ہیں
اور اسکے دوسو برس بعد اسکندریہ کے مشہور مدرسہ فلکیات کی بنیاد
پڑی۔ اس مدرسہ میں بطلیموس یونانی نے شہرت دوام حاصل کی اور اس
فن سے متعلق ان تمام اصول و قواعد کو منضبط کیا جن کی قدماء نے تعلیم دی
تھی پھر انھیں قواعد و اصول سے وہ تعلیم پھیلی جس کو "نصاب بطلیموسی" کے
نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین تمام
مخلوقات کا مرکز ہے وہ سہل یعنی نشیب و فراز سے پاک وسیع اور بساط کی
طرح پھیلی ہوئی اور بغیر حرکت کے ثابت ہے یہانتک کہ جن حکماء فن نے
اس مسئلے کو تسلیم کیا ان کا بھی گمان غالب یہی ہے کہ زمین بہت سے پانیوں
پر تیر رہی ہے۔ اور بعض دیگر ارباب فن کا یہ فیصلہ ہے کہ زمین ایک بڑے
اژدہے کے سر پر مرکوز (جڑی ہوئی) ہے اور وہ اژدہا ایک کچھوے کے
سر پر ہے لیکن ان کی تحقیقات اس کچھوے تک رہ گئی یعنی کچھوا وہ خبر ہی
کہ وہ کچھوا کس چیز پر ٹھہرا ہوا ہے مگر بطلیموس کی وفات کے بعد اس کا
یہ علم فن قرار دیا گیا یعنی جیسا پہلے معتبر سمجھا جاتا تھا ویسا بعد کو سمجھا گیا

مین | ان مین مشاغل جنگ کی کثرت اور فتوحات مین دلچسپی
کے سبب کوئی شخص ایسا نہین ہوا جسکا ذکر اس فن کے ذیل
لایا جاسکے۔

| عربون نے اس علم کو مستقل سمجھ کر حاصل نہین کیا بلکہ مستقبل
نتائج معلوم کرنے کا واسطہ قرار دیا۔ اسی کی مدد سے وہ آئندہ
کے نحس و سعد ہونے پر استدلال کرتے تھے۔

غرضکہ تمام قدیم علماء علم ہیئت کچھ نہ کچھ ان اوہام پر ضرور متفق الرائے
ہین اور بطلیاریوس قیصر امپیریر رومی علم نجوم کا ماہر اور اس کا
... ناطقہ "بقراط" (ابی الطب) جو حضرت مسیح سے چار سال
... پیدا ہوا علم نجوم کو طب کی ایک بڑی شاخ قرار دیتا ہے۔

ابتدائے زمانہ مین نجومیون نے عامہ مخلوق مین نہایت درجہ اعتبار
... یہانتک کہ اس فن کا اثر قرون وسطی تک برابر بڑھتا گیا۔ اس زمانہ
... علم ہیئت ایک بڑے مرکز شہرت پر پہونچ چکا تھا کسی حادثہ کے پیش
... نے یا کسی بچے کی ولادت کے وقت منجمین اپنا وہ زائچہ جسپر آسمانی اشکال
... ہوتی تھین دیکھکر اس حادثہ کے اہم نتائج اور مولود کے مستقبل کی
... بتاتے تھے خبرون کے دریافت کرنے کیلیے اس علم کی ترتیب کامل اور
... علم و قواعد یقینی تھے۔

عرب منجمین کا یہ گمان بھی تھا کہ ستارۂ زہرہ عشق پر مریخ لڑائی پر اور شرابا

میانی تیز و تند ہوا ان پر دلالت کرتا ہے۔ نہ صرف جہلا بلکہ علما نے
بھی اس علم کو نہایت معتبر سمجھا تھا چنانچہ لارڈ باکون نے اس کی
صداقت پر بعید خوش اعتقادی کا اظہار کیا ہے۔ ایک دوسرے
ملک کارلوس ینّللی نہایت مشہور منجم ہوا ہے اس زمانہ مین یہ مجلس
عالی کے آگے پیش کیا گیا کہ ہر زیر بحث امر کے متعلق آخر مین اپنی رائے
دیا کرے۔ غرضکہ علم نجوم اگرچہ فی ذاتہ محض جہل و کذب ہے تاہم اس نے
ایک تاریک زمانہ مین علم الفلک کی حفاظت کی اور لوگون کو بذریعہ درس
و جتہاد اور فلکیات کی دریافت و تحقیق پر خوب آمادہ کیا جس سے نجوم کو
تعلق تھا۔

کوپرنیکس | پھر سولھوین قرن کے تقریباً وسط مین جبکہ بطلیموس کی تعلیم تمام
یورپ مین عام تھی یہ حکیم نمایان ہوا۔ اس نے فیثاغورث کی تعلیم کو زندہ
کیا جو حقیقی تعلیم ہے اور جسپر فی زمانہ عمل ہے یعنی یہ کہ سورج مرکز ہے اور زمین
مع دیگر سیارون کے اسکے گرد گردش کرتی ہے اور ان سیارون مین سے ہر ایک
کیلیے ایک دَور ہے اور یہ سیارے اپنے "محور" پر گھومتے ہین شرفائے ڈنمارک
مین سے ایک شخص تیخو براہی ہے جس نے متعدد آلات رصد اختراع کیے
جن کے ذریعہ سے بڑے بڑے انکشافات پر دسترس حاصل ہوئی۔

محمد حسین محوی (لکھنوی)

دارا پسر داراب

دارا یا دارا ایس او خس کی پیدائش اور سنہ جلوس کا پتہ تو نہین معلوم ہوتا
البتہ تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی پیدائش سنہ جلوس اور پھر موت
... دنیاوی سے لیکر ... دنیاوی کے زمانہ مین ہوئی انھین برسون
مین سے ایک برس وہ پیدا ہوا جوان ہوا اور چھتیس برس تک ایران کے
تخت حکومت پر حکمران رہکر عدل گستری رعیت نوازی یا جو کچھ سمجھا جائے کرتا
رہا۔ اکثر شہرون پر فوج کشی کی اور آخر اسی ایران کی خاک مین ملگیا جس سے اس کا
پیکر بنا تھا۔ شہر دڈوِش جو ایک راست باز اور یونان کا قدیمی مورخ ہے

سلہ یہ نیکنام اور مشہور مورخ ایکارنیس کا رہنے والا تھا جو کیریا مین ڈوریا والونکی
بستی کا نام ہے جس زمانہ مین وہ پیدا ہوا تھا اس زمانہ مین کیریا کی زمام حکومت شاہ ایران
کی ایک معشوقہ یا کنیز کے ہاتھ مین تھی جسکا نام آرٹمیزیا بتایا گیا ہے ۱۲۔

بلکہ فن تاریخ کا موجد مانا گیا ہے اور جو چار سو چوراسی برس قبل مسیح (علیہ السلام) پیدا ہوا تھا لکھتا ہے کہ دارا الیس اڈمس نے تخت نشینی کے وقت دارا اپنا خطاب مقرر کیا تھا وہ لکھتا ہے کہ دارا کے معنی کرینج آنے والے اور دشمن سے عوض لینے والے کے ہین اور یہ خطاب اسپر اس سبب سے خوب چپ گیا کہ وہ تنہا ہین کی مکاریون مین نہین آیا بلکہ اسنے اس مزاج کے آدمیون کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا کتب تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کا عجیب طرح کا مزاج تھا اسکے بعض واقعات دیکھنے سے ایک ناظر خیال کرسکتا ہے کہ وہ شگفتہ بیدار مغز رحمدل غیر متعصب آدمی تھا اور بعض واقعات ایسے بھی نظر آئینگے جن سے معلوم ہوگا کہ وہ نہایت بے رحم انتہا درجہ کا جابر اور نا قدردان تھا۔ اگرچہ اسوقت ہم تمام حالات لکھنے پر آمادہ نہین لیکن مختصر چند واقعات نقل کرتے ہین انکے دیکھنے سے ہمارے دعوی کا ثبوت مل جائے گا۔ دارا اپنے حکم کا پابند نہین ہوا نہ تھا اسکے حکم کے خلاف ہونے پر وہ آپسے گذر جاتا تھا اور اپنے غصہ کو بغیر انتقام لیے جسکا نتیجہ خونریزی ہوتا تھا فرو نہین ہونے دیتا تھا جس زمانہ مین وہ مجبلین سے دنیا کو پاک کر رہا تھا اسی زمانہ مین سات دیسی امیر اسکے مشورہ کار اور معاون تھے اور کہا جاسکتا ہے کہ انکی ہی قابل قدر کوششون سے دارا کو اپنے ارادہ مین کامیابی ہوئی۔ بظاہر ان امرا کی قدر شاہی نظر مین جو ہونا چاہیے تھی کی گئی یہانتک کہ انکو اجازت دیدی گئی کہ وہ سوائے ایسے وقت کے جب بادشاہ اپنی ملکہ کے پاس ہو بادشاہ کی خدمت مین بغیر روک ٹوک کے حاضر ہوسکتے ہین۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ اپنی ملکہ کے ساتھ ایک کمرہ مین بیٹھا ہوا تھا کہ منجملہ ان امرا کے انٹفرنیز نامی ایک امیر کسی ضرورت سے دروازہ سلطانی پر حاضر ہوا اور اندر کمرہ مین جانے لگا۔ دربان نے روکا اور عرض کیا کہ اسوقت بادشاہ سلامت ملکہ صاحب کے ساتھ بیٹھے ہین مگر کچھ سماعت نہوئی اور دربان کے زیادہ منع کرنے سے انٹفرنیز نے پیش قبض کا وار کیا غریب دربان زخمی ہوکر گر پڑا جسوقت دارا کو اس گستاخی و خیرہ سری کی اطلاع ہوئی وہ نہایت آشفتہ ہوا چند ساعت تامل کرنے کے بعد حکم دیدیا کہ انٹفرنیز مع زن و بچہ اس گستاخی کے جرم مین ہلاک کر دیا جائے اگرچہ یہ بالکل ظالمانہ حکم تھا مگر کس کی مجال تھی جو بادشاہ کو اس ارادہ سے روکے یا منع کر سکے۔ انٹفرنیز کی ظلم رسیدہ بیوی نے اپنی زندگی کی آخری گھڑی مین جبکہ جلاد کے پنجہ سے وہ ہلاک ہونے والی تھی ایک کوشش اور کی یہ شاہی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر فریاد و فغان کرنے لگی ساتھ کچھ اس زور کے سے اپنی بے جرمی کا اظہار کیا اور اسقدر واویلا کی کہ بادشاہ کو رحم آگیا اسنے حکم دیا کہ اس عورت کی جان بخشی کیجائے اور اسکے سوا ایک مرد کو بھی جسکی وہ سفارش کرے رہا کر دیا جائے۔ عورت نے بعد غور و تامل اپنے بھائی کی شفاعت کی یہ سنکر دارا حیرت مین آگیا۔ اس عورت سے دریافت کیا گیا کہ اولاد اور شوہر کو چھوڑ کر اپنے بھائی کی سفارش کرنے کا کیا سبب ہے اس نے عرض کیا "سلطان عالم! شوہر دوسرا نکاح کرنے سے اور اولاد دوسرے شوہر سے ہوسکتی ہے مگر ماں جایا بھائی بغیر ماں باپ کے نہین ملسکتا" عورت کے اس خیال نے دارا پر بڑا اثر کیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کی اولاد کو بھی رہا کر دیا جائے[1]۔

اسیطرح ڈیموسیڈیز[2] کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا جبکہ اس نے بادشاہ کا علاج کر کے اُسے رنج فرسا تکالیف سے بچایا تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک مرتبہ شکار مین بادشاہ کا گھوڑے سے گر کر گٹا اتر گیا مصری حکیمون کا علاج ہو رہا تھا لیکن مطلق آرام نہوا اسکا اصلی سبب یہ تھا کہ موجودہ حکماے یونان کیطرح اس زمانہ مین فن جراحی سے حکیمون کو واقفیت

ے مجبلین یا مجوس حکیمون یا فلاسفرون کو کہتے ہین جنکا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہین ایک کو یزدان یعنی بھلائی کا خالق دوسرے کو اہرمن یعنی شر کا خالق کہتے ہین ان مجوسیون کے اقوال کو پارسی الہام سمجھتے ہین ۱۲

[1] دیکھو رولن صاحب کی ہسٹری ۱۲

[2] یہ ایک حکیم کا نام ہے جو کروٹونہ کا رہنے والا تھا ۱۲

تھی آخر حکیم صاحب طلب کیا گیا اور اسکے علاج سے بادشاہ چند روز مین اچھا چنگا ہوگیا۔ حکیم صاحب کو دولت سے مالامال کر دیا مگر ساتھ ہی نظربند وطن یا لوگون اور بال بچون کے دیدار سے محروم بھی کر دیا گیا۔ اسی نظربندی کے زمانہ مین بادشاہ بیگم بیمار ہوئین انکی چھاتی مین نیل نکلا اور وہ سخت تکلیف مین مبتلا ہوئین حکیم صاحب طلب ہوے اور علاج شروع کیا گیا۔ حکیم نے عرض کیا "اگر حضور مجھے میرے گھر جانے کی اجازت دلا دین تو بہت جلد آپ کو اچھا کیے دیتا ہون"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انکی برباد گنہ لازم کر کے غریب حکیم پر کسقدر ظلم کیا گیا آخر بادشاہ بیگم کی سفارش سے حکیم ڈیموسیڈیز پوشیدہ طور سے بھاگ کر اپنے بال بچون سے جاملا۔

باوجود ان سب باتون کے یہودیون کے ساتھ انکے معبد کی تعمیر کے وقت دارا نے نہایت بے تعصبی سے کام لیکر تعمیر کی اجازت دیدی اسکے سوا اور بہت اکثر ایسے نظر آتے ہین جو اسکی حسنِ لیاقت، بیدارمغزی اور نیک نیت ہونے کا ثبوت دے رہے ہین۔

دارا نے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ملک پر غائر نظر ڈالی اور انتظام ملکی مین مصروف ہوگیا۔ اس سے پہلے کیخسرو وغیرہ کے زمانے مین رعیت سے کسی قسم کا ٹیکس یا مدِ معاوضہ نہین لیا جاتا تھا لیکن جو وہ اپنی خوشی سے دیتے ہین البتہ یکر لگا دی گئی تھی کہ ضرورت کیوقت امیرون اور دولتمندون سے روپیہ طلب کی جاتی تھی۔ دارا نے اس انتظام کو توڑ دیا۔ تمام اشرداراور امیران بلاد کو بلا کر کہا کہ سلطنت کی نگرانی بغیر تجربہ کار اور تعلیم یافتہ فوج کے دشوار ہے اسواسطے اپنے قلمرو سے سالانہ اس کام کیواسطے روپیہ وصول کرنا چاہتے ہین لیکن چونکہ بادشاہ اپنی نیک نیتی سے کسی پر ظلم کرنا نہین روا رکھتا اسلئے تم سے مشورہ کیا جاتا ہے کیونکہ تم اپنے شہرونکی مالی حالت سے خبردار ہو سب نے باتفاق تصفیہ کیا اور عرض کیا کہ یہ رقم ایسی زیادہ نہین ہے جو ناگوار ہو لیکن بادشاہ نے صرف رعیت پروری کے خیال سے اس رقم مین سے بھی نصف کردی جسکی تعداد فرانسیسی سکہ کے حساب سے چالیس ملین یعنے دو کرور روپیہ کے برابر ہوئی اور اسکے حصول کے واسطے تحصیلدار صوبجات وغیرہ مقرر کئے گئے۔

یہ پہلا زمانہ تھا کہ دنیا مین اس انتظام کی بنیاد پڑی (تاریخ یونان) اسپر بھی عوام مین دارا سوداگر کے خطاب سے یاد کیا گیا جس زمانہ مین کہ دارا نہایت بیدارمغزی سے سلطنت کی روزافزون ترقی کر رہا تھا اہل بابل نے سرکشی اختیار کی اور لڑائی پر آمادہ ہوگئے چار برس تک آلات حرب وغیرہ کی درستی، فوج کے سنوارنے اور رسد فراہم کرنے مین مصروف رہے اور جب اطمینان ہوگیا تو بغاوت اختیار کی۔ افسوس وہ نہین جانتے تھے کہ اب کیخسرو یا گستاسپ کا زمانہ نہین ہے جو کہ ایرانی فوج سے لڑائی مین کام لیتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ دارا فوج لیکر چڑھ گیا اور ایک آشفتہ شیر کیطرح بابل کی دیوارون تک جا پہونچا۔ بابل والے پریشان او قلعہ بند ہوگئے۔

اگرچہ اہل بابل نے رسد کی فراہمی فصیل کی درستی اور شہر کی نگہبانی ایسی نہین کی تھی کہ ایک طاقتور بادشاہ بآسانی شہر کو فتح کر لیتا لیکن فی الواقع رولن صاحب کا یہ لکھنا قرین قیاس ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اہل بابل سے انکے ان مظالم کے عوض مین جو انھون نے خدا کے پاک بندون بنی اسرائیل کے ساتھ برتے تھے جان او رتباہیون کا سامان فراہم کر دیا۔

سلہ یہ اقعہ سولہ برس قبل ولادت مسیح (علیہ السلام) کا ہے قدیم شہر ملک اشور کا دریائے فرات پر واقع تھا یہ شہر پہلے بہت مشہور تھا مگر پھر برباد ہوگیا بیچ صاحب وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ شہر بغداد سے اڑتالیس میل بجانب جنوب واقع تھا ہیروڈوٹس صاحب فرماتے ہین کہ اسکی آبادی مربع تھی اور ہر ایک جانب کا طول پندرہ میل تھا اسکی فصیل پختہ تین سو پچاس فیٹ بلند تھی اور ستاسی فیٹ اسکا آثار تھا۔ دو سو پچاس برج اور سو دروازے برنجی تھے۔ خندق چارون جانب تھی اسکی گہرائی اور چوڑائی دیوار شہر کی بلندی کے برابر تھی۔ تمام شہر مین پچاس چوڑے بازار اور ایکسے چھہتر چوک تھے۔ شہر چوک کا مجموعہ سوا دو میل کا تھا۔

ان سب سے زیادہ یہ تھا کہ انکے دلون مین ایک ایسے جلیل القدر نوجوان اور پرجوش بادشاہ کی مخالفت کا خیال پیدا کر دیا تھا۔ بابل والون نے گوبارو کے اور مرنے پر یہانتک آمادگی ظاہر کی کہ تمام اپنے بچون اور عورات کو سوا ے ایک ایک کنیز یا بیوی کے ذبح کر ڈالا اور یہی ظالمانہ کارروائی تھی جس سے رولن صاحب کے قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ہم یہ تو نہین کہ سکتے کہ یہ کارروائی اہل بابل کی کوئی عمدہ یا شائستہ کارروائی تھی لیکن جس زمانہ کا یہ تذکرہ ہے اسی زمانہ کے طبائع اور رائے کا خیال کرکے یہ ضرور کہین گے کہ ان جاہلون مین اپنے ملک اور قوم کی نگہداشت کا کہان تک خیال تھا۔ کاش شائستہ اور مردانہ طور سے اسکی نصف ہمدردی بھی اسوقت مسلمانون سے ظاہر ہوتی جبوقت وہ ملک اسپین سے نکالے گئے ہین"

بیان کیا جاتا ہے کہ ... مہینے تک بابل کا محاصرہ نہایت سختی سے کیا گیا اور تمام تدابیر عمل مین لائی گئین لیکن کوئی تدبیر سود مند ثابت نہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ خود بادشاہ کا جی چھوٹ گیا۔ ایک دن بادشاہ نہایت افسردہ خاطر دربار مین بیٹھا تھا کہ زوپرس[1] حاضر ہوا۔ بادشاہ نے دیکھا تو اسکا تمام بدن زخمون سے چور ہے۔ ناک کان کٹے ہوے ہین۔ اس قدیمی محبت نے جو بادشاہ کو اسکے ساتھ تھی افسوسناک لہجہ مین پوچھا "ہین زوپرس؟ یہ تیرا کیا حال ہے! آخر معلوم تو ہو کہ یہ ظلم تیرے ساتھ کس نے کیا؟" اسنے عرض کیا کہ حضور ہی نے یہ ظلم میرے ساتھ کیا۔ یہ کہکر خلوت کی اور دس منٹ بعد اٹھکر چلا گیا اور بابل کی دیوارون کے نیچے جاکر فریاد شروع کی۔ اہل بابل نے دیکھکر پہچانا اور حال دریافت کیا۔ اسنے دارا کی شکایت کی اور انسے پناہ کا متمنی ہوا۔ الغرض اس تدبیر سے زوپرس قلعہ مین داخل ہو گیا۔ چند روز مین اسکا رسوخ اس درجہ کو پہنچا کہ ایک رسالون کا سردار کیا گیا۔ جب لڑائی پر گیا فتح پائی اور ہر موقع پر دارا کی فوج کو ہزیمت دی۔ اب کیا تھا بابل والون کی خوشی کا اندازہ کرنا نہایت مشکل تھا۔ آخر تمام فوج کا سردار ہو گیا اور شہر کی نگہداشت بھی اسکے سپرد ہوئی۔ آخر ایک مقرر کئے ہوے وقت پر دروازے شہر کے کھولدیے گئے اور اس تدبیر سے تمام شاہی فوج شہر مین داخل ہو گئی اور بابل فتح ہو گیا۔

اس واقعہ کے بیان سے ہماری یہ غرض نہین ہے کہ یہ بڑی فتح دارا کے زبردست اور شجاع ہاتھون سے ہوئی۔ نہین۔ بلکہ ہم اس امر کو دکھانا چاہتے ہین کہ زوپرس کی اس کارگذاری کو دارا نے کس عزت کی نظر سے دیکھا اور کیا اسکی قدر کی۔ دارا نے بڑی سیر چشمی کے ساتھ بابل کی ساری آمدنی زوپرس پر اسوقت تک وقف کر دی جبتک کہ اسکی زندگی وفا کرے۔ وہ سب عزتین اسنے زوپرس کو عنایت کین جو دنیا مین کوئی بادشاہ اپنی رعایا مین سے کسی پر کر سکتا ہے۔ اور ہمیشہ بہت حسرت کے ساتھ یہ کلمات اسکی زبان پر جاری رہے کہ "زوپرس نے جیسی جیسی سختیان اس بابل کے فتح مین میرے لیے اٹھائین جسطرح اسنے اپنے بدن کو چور کیا۔ اب اگر وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آجائے تو مین ایسے سو بابل اسپر سے قربان کرنیکے لیے حاضر ہون"۔

اسکے پہلو مین ایک احسان ماننے والا دل ہونے اور خود بینی اور خود پسندی سے اسکے پاک صاف ہونے کی ایک کھلی ہوئی مثال اس کا وہ کتبہ ہے جو اسنے سلطنت ملنے کے بعد اپنے گھوڑے کی مع سوار کے ایک مورت بنوائی تھی۔ اور اسپر کندہ کرایا تھا "ہسٹاسپس (گستاسپ) کے بیٹے دارا نے اپنے گھوڑے کے ذریعہ سے اور اپنے سائیس اوبازر[1] کے وسیلہ سے سلطنت پائی"۔

---

[1] یہ شخص منجملہ ان امیرون کے ایک امیر کا بیٹا تھا جو جیتین کی مخالفت مین دارا کے مددگار رہے۔ یہ بھی فوجی شاہی خدمات کو نہایت جان نثاری سے انجام دیتا رہا اور سپہ سالاری کے مرتبہ کو پہونچ گیا تھا۔ ۱۲

[1] سمیڈیس کے قتل کرنے والون نے کسی بادشاہ کے انتخاب کرنے سے پیشتر یہ ٹھہرایا تھا کہ جس شخص کا گھوڑا سورج کی نکاس پر بولے وہی ایران کا بادشاہ بنایا جائے چنانچہ دارا کی سائیس کی چالاکی سے عین موقع پر سب سے پہلے جسکا گھوڑا بولا وہ وہی دارا کا گھوڑا تھا اور اس وجہ سے دارا بادشاہ بنایا گیا۔ ۱۲

تمھارے سپاہیوں نے کشی کی متعدد بیہ سے خراج لیا۔ تھریس اسکے قبضہ مین آیا اور اکثر جزیرے (بیلیونٹ) اسکے قلمرو مین شامل ہوے یہانتک کہ ایکی ہندوستانی اور ملک گیری کی جو جوش سی لہرین ایک تک مین پھیلتی ہوئی ہندوستان کی طرف بڑھین ایک کے دہانہ تک پہونچکر پلٹ اور اندر کی امسے بحر قلزم میں پھیل جاتی ہوئی گنگس چین اور ہندوستان بیسوان ضلع ایران کا بن گیا۔

بیشک ہستی ہونے بہت جلدی کی ورنہ خدا کی خدائی مین کوئی بھی ایسا ملک نکلتا جو اسکے زیر فرمان نہوتا۔

یہ ملک گیری کی ہوائین اسکے دل اور دماغ مین بھری ہوئی تھین اور مصر و یونان کے زیر کرنیکے سارے سامان کر بھی چکا تھا کہ موت کا فرشتہ آ پہونچا اور دل کی ساری آرزوئین دل ہی مین رہ گئین۔

اسکے لوح مزار پر جو کتبہ کندہ تھا وہ بہت حیرت اور تعجب کی نظر سے ابتک دیکھا جاتا ہے کندہ ہوا تھا کہ "یہ بادشاہ شراب بہت پیتا تھا اور باوجود اسکے اوسان ٹھکانے رہتے تھے" اور فی الواقع کوئی بڑے سے بڑا واقعہ اسکے ہوش و حواس کو منتشر نہین کرسکتا تھا کتاب مقدس مین اس بادشاہ کا ذکر یون ہے کہ "وہ بغیر مشورے کے کوئی کام نہین کرتا تھا لڑائی مین بذات خود جانے سے نہ ڈرتا تھا اور عین گھمسان لڑائی مین اسکے اوسان ٹھکانے رہتے تھے" اور یہ تو وہ خود ہی اکثر کہا کرتا تھا کہ جب ہر اس غالب ہوتا ہے تو میری عقل اور شجاعت بڑھجاتی ہے۔

احمد شفیع

گیتا کی تعلیم

وید خاص طور سے تین ہین۔ اس نسبت سے گیتا چھ چھ ادھیاون مین تقسیم کرکے تین تین حصص اعظم مین تقسیم ہوتی ہے پہلی چھ چھ ادھیائین کرم (فعل کرم یوگ) پر ہین دوسری چھ ادھیائین بھگتی یوگ پر ہین اور آخر کی تیسری گیان یوگ پر۔

دوسرا حصہ یعنی بھگتی یوگ نے پہلوؤن کو کرم یوگ اور گیان یوگ دونون مین پھیلا ہوا اس خیال سے بھگتی یوگ کی تین قسمین سمجھئے:-

(۱) کرم مشرا (یعنی بھگتی جسمین کرم شامل ہے۔)

(۲) بھگتی شدھا (محض عشق خالص)

(۳) گیان مشرا (یعنی جسمین عرفان بھی شامل ہو)

پہلی کرم مشرا مین "تونگ" त्वं "تو"

تو کیا چیز ہے یہ کو ثابت کیا ہے یعنی شدھ آتما (پاک روح) کا اظہار کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی دکھایا ہے کہ کرم (فعل) کا چھوڑنا نامناسب اور ناممکن ہے اور شاستر جو کرم کے تیاگ کی اجازت دیتا ہے لیکن اسکے نتیجہ کی خواہش کا تیاگ ضروری بھی اور مفید بھی ہے اور یہی شرح ہے۔

دوسرے حصے بھگتی شدھا مین "تت" तत् "وہ" "وہ کیا چیز ہے" یعنی پرماتما کا بیان ہے۔

تیسرے حصے یعنی گیان مشرا مین "تت تونگ" त्वं तत् یعنی "وہ ہے" کی تشریح ہے۔ مدعایہ کہ انتہا مین یہ دکھایا ہے کہ بلاغرض افعال کے نتائج سے آتما (روح) کے درشن کرکے فرات بحت کے سفر مین واصل ہوجاتا ہے۔

اسیطرح ان تینون حصون کا ایک دوسرے سے تعلق ہے یہ خیال ہے کہ مقدس گیتا کا مدعا یہی ہے یعنی سنرا ابدی حاصل کرنا۔

افعال کی تفصیل یون ہے کہ نیک افعال جو کسی غرض کو مدنظر رکھکر کئے جاتے ہین ان کا نتیجہ تو ضرور اچھا ہوتا ہے اور فاعل ضرور مقام راحت بہشت یا سورگ کا مستحق ہوتا ہے مگر دائمی سنر سے وہ کوسون دور بھاگتا ہے جو افعال خاص سمت مین سرزد ہوتے ہین وہ پہنچتے ہو کر مقام تکلیف ترک

یا دوزخ مین پہونچاتے ہین۔ مدعا یہ ہے کہ فعل جو کسی خواہش کے ساتھ نشر ہوگا۔ وہ راحت رسان یا رنجدہ ہوگا۔ لیکن جسوقت اس عمل مین سے خواہش کی قوت ساقط ہو جائے گی اسوقت اسکی تکلیف ایسی ہی ہوگی جیسے بھنے بیج یا جلے ہوئے دانے کی جنکی تخم ریزی آبپاشی کرنے کے باوجود بھی کوئی زرخیزی ظہور مین نہین لاتی۔

اس لیے کرم یا تیاگ شاسترون کا تیاگ نہ نعل واجب ہے بلکہ حقیقت یون ہے کہ قانون قدرت کے مطابق اسلیے اس سے گریز ناممکن ہے۔ ہان اتنا خیال رہے کہ جو فعل بے غرضانہ اور فرض منصبی سمجھکر ادا کیا جائے تو ہم سے جواب دہی نہین کی جاسکتی۔ فانی بوجھ کی گٹھری اٹھا کر اپنے فرض سے فارغ ہوتا ہے اسکو اس سے کوئی بحث نہین کہ وہ زر اشرفیون کا ہے یا ننگ آلود لوہے کے ٹکڑون کا۔ یہ کرم کا انتہائی معیار ہے اور اس فلسفہ کا اعلیٰ ترین طبقہ۔

یہان ایک خیال اور ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ افعال بے غرضانہ (نشکام کرم) بھی قاعدے یا اصول کی پابندی ہی پر کیے ہونگے مگر باوجود قواعد و ضوابط کی پابندیون کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ من (دل یا نفس) معمولی طور پر قائم نہین ہوتا۔ اور بغیر استقلال کے منزل مقصود پر پہونچنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ ہر ایک کام مین استقلال کی ضرورت ہے مگر اسکے خلاف خواہشات کا طوفان من کو ہر لمحہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر اڑائے اڑائے پھرتا ہے اور اسی لیے اس سے جو افعال اس حالت مین سرزد ہوتے ہین وہ خواہشات کا زور لیے ہوئے ہوتے ہین۔ اسکے متعلق شری ارجن نے بھگوان شری کرشن جی سے چھٹے ادھیاے کے ۳۳ و ۳۴ شلوک (گیتا) مین من کے قیام کے متعلق سوال کیا ہے اور اسکا ایک ہی جواب بھگوان نے چھٹے ادھیاے کے ۳۵ وین شلوک (گیتا) مین دیا ہے یعنی من کا مستحکم قیام صرف ابھیاس اور ویراگ سے ہوسکتا ہے یہان ابھیاس سے مراد اسی فعل کی مشق ایدھر سے ہے۔

نتیجا اسکا قلب کی صفائی (من کی شدھی) ہے۔ بعد ازان عشق کا نور اور اس مین آتما کے دیدار و درشن اور یہی مقصود ہے۔

گو موجودہ زمانے کی ترقی کی روش یہ ہے کہ بغیر کسی مادی اشیا کی وساطت کے نراکار برہم کا گیان حاصل ہو۔ درمیانی مدارج طے کئے بغیر اعلیٰ طبقہ مین رواس ہو جاسے۔ شاید اس مقام پر بجلی روشنی کی ایک مثال دینا نامناسب نہوگا۔ فلورک ایسڈ عام شیشیون مین نہین ٹھہر سکتا اسی طرح سے جسوقت تک قلب کی وہ حالت نہو کہ وہ منترہ نور کو قبول کرسکے اسکی تاب لا سکے، روشنی اور جلوہ کا اظہار ناممکن ہے۔ اس لیے من کو ٹھہرا (قایم) کرنے کے لیے نفس پر قابو پانے کے لیے دل کو کسی ایک خیال پر جمانا لازمی ہے خواہ وہ خیال ظاہری ہو خواہ باطنی کسی معشوق کا دلفریب چہرہ ہو کسی جوگی کا نورانی مکھڑا ہو۔ دراٹ کا چکر یا دیپے کی بیوڑی کا چھیر ہو۔ شعلے کی صورت ہو یا مٹی کی مورت۔ غرض نقطہ پر قائم کرنا ہے اور یہین سے صورت پرستی مورت پرستی۔ اور پھر ورشپ شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی قوم کوئی فرقہ کوئی سماج، کوئی سبھا اسکو روک نہین سکتی۔ کوئی اسس کو مریم کی تصویر مانتا ہے کوئی کعبے کے حجر اسود مین پتھر کو چوم چوم کر اپنے گناہ بخشواتا ہے۔ کوئی قبر پرستی کی شکل پر اپنے پیارے محبوب کو زار زار روتا ہے۔ کوئی پیغامبر کے جبے کو چومتا ہے اور کوئی پریم کے ولولے اور ارمان کی امنگ مین مست ہو کر شری متھرا کے مندرون شری جمنا کے نرم نرم ریج اور شری ورنداون کے کنجون مین دیوانہ بنا پھرتا ہے۔ ہاے کرشن! پیارے کرشن! کوئی سب سے منہ موڑ اپنے قلب مین یا بھرکٹی مین یا ناک کی نوک کی سیدھ مین "ॐ" اوم اسم اعظم کا دھیان دھیان (مشق) کرتا ہے۔ یا جسکے دل مین فنا فی الفنا کے جذبے کا دریا امڈتا ہے وہ چارون طرف اپنے آپ "SELF" ہی کا نظارہ دیکھتا ہے۔

حاصل ان سب کا من کے منتشار کو روکنا ہے اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ سب طرف سے سمٹ کر کسی ایک مرکز پر قائم ہو۔

نو شکسیف معاوضہ شت کرم (پاک افعال نشکام) دستھار حالت بے غرضانہ امین ہونے چاہئیں جنکا نتیجہ رفتہ رفتہ کسی سالک کو ویراگ کی کرپا (مہربانی) سے قلب کا منور کرنا ہوگا۔

لازمی ہے کہ یہ کرم اپنی ذات، خاندان، شہر، ملک، اور دنیا کے حلقے کو گھیرین یعنی ان کا اثر لوک پرلوک دونون پر پہونچے نتیجہ شدہ ویراگ ہوگا۔ چونکہ خیال مین ایک مرکز یعنی موکش (نجات) ہے اسلیے جو افعال سرزد ہونگے وہ بے غرضانہ اور مستحکم ہونگے۔

راقم کو سے ویراگ اور دو کا نماری کے کرمون کا حامی نہین ہے تاہم گناہ ناجائز خواہش کرنے سے جڑ پکڑتے ہین اور بے غرضانہ کرم انسان کو راہ مستقیم پر پہونچاتے ہین۔

رام چندر

انارکلی

"نادرہ" اکبر کے حرم سرا کی ایک کنیز کی لڑکی کا نام تھا۔ ایک بار بادشاہ نے اسکو اس نام سے یاد فرمایا تھا اور آجتک وہ اسی (انارکلی) نام سے زندہ ہے۔ انارکلی ایک کمسن حسین مہجبین چنچل اور چلبلی لڑکی تھی جسپر محل شاہی کی بیگمات کی نظر عنایت تھی اور شاہی حرم سرا کے احاطہ کے اندر وہ ایسے پھرا کرتی تھی جیسے فصل بہار مین تتلی بھرے باغ کے اندر پھولون کی بہار لوٹتی ہو۔ آخر کلی کبتک بند رہ سکتی ہے۔ آفتاب کی حسن افروز کرنین اپنے نازک اور ملایم ہاتھون سے اُسے کھولنا شروع کرتی ہین اور حسن و خوشبو کے اس بند خزانے کو کھولکر لٹا دیتی ہین۔ یہی حال انارکلی کا بھی ہوا۔ زندگی کے ایام بہار کی آمد نے اسکے حسن مین شباب کی آب و تاب پیدا کر دی تھی۔ ابھی چار دن ہوئے وہ بالکل طفل تھی اور آج اُمنگ بھری جوانی اس پر پھول رہی ہے۔ بچپن کی گرمی شوخی رفتہ رفتہ رخصت ہونے لگی اور جوانی کی سنجیدگی اور دلچسپ متانت اسکی جگہ لینے لگی۔ اُسکے سانولے اور بھولے تبسم مین قیامت کی دلاویزی آگئی اور اسکی کالی اور رسیلی آنکھون مین ایک دلربایانہ انداز کی شوخی جھلکنے لگی۔ شباب نے گدگدا کر اسکو اور بھی شوخ بنا دیا تھا اور امنگون سے متوالی وہ اپنے جذبات حسن افزا مین روز افزون ترقی کرنے لگی۔

حرم شاہی کی معمر عورتین انارکلی کی جوانی کا اُبھار دیکھکر اور اسکی دلفریب اداؤن سے متاثر ہوکر آہین کھینچنے لگتی تھین کیونکہ انارکلی کی یہ حالت اُنکو اپنی جوانی کی یاد دلاتی تھی۔ کبھی انارکلی کی ہم عمر سہیلیان انارکلی کو چلتے دیکھکر کہہ اُٹھتی تھین "اچھا اب کلی بھی کھِل چلی"۔ اسکا جواب انارکلی ایک دلفریب تبسم کے ساتھ یون دیا کرتی تھی "پھر کیون نہ کھلے!"

(۲)

اب انارکلی کے ناز و کرشمے کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے کی نظر پڑی اور دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ آخر اُسکے اس حسن بلاخیز نے شہزادہ سلیم پر بھی جادو ڈالا۔ سلیم بیقرار تھا کہ کیونکر وہ اپنے دل کی اس بیقراری کا حال انارکلی کے گوش گذار کرے۔

رات کا وقت تھا۔ صاف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ دونون خلوت مین ملے۔ پانی کے ہلکے چھینٹے نے درختون اور پھولون کے گرد و غبار دھو دیا تھا اور موتیا کی بھینی بھینی خوشبو سے تمام باغ اُڑا جا رہا تھا۔ درختون کی پتیون سے پانی منقطر ہوکر گر رہا تھا اور بےقاعدگی کے باعث ان گرنے والی بوندون کی آواز نے نغمہ کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ بادل رفتہ رفتہ ہٹ رہے تھے اور چاند کی بیباک کرنین درختون کی چوٹیون پر بلند ہوگئی تھین۔ انارکلی سنگ سفید کے فرش پر ٹہل رہی تھی اور اپنے چھوٹے ہرن کے بچے سے اٹکھیلیان کر رہی تھی۔ "آرا، آرا!"

یہ الفاظ اُسکے ہونٹو اور رسیلے گلے سے نکل کر ہوا کی موجون مین

ہوئے دور تک چلے جاتے تھے اور شام کے سکوت میں ایک راحت انگیز راگنی کا لطف دے رہے تھے

انارکلی کی اس سُریلی اواز کے جواب میں ایک ہلکی سی جھنکار سنائی دی

پھر اس نے "آرا، آرا" پکارا اور پھر وہی جھنکار کان میں پڑی کبھی وہ آواز دور معلوم ہوتی تھی اور کبھی پھر نزدیک ہوجاتی تھی۔ یہ ظاہر تھا کہ ہرنی اسکی آواز سن رہی تھی۔ وہ جواب کیسے دیتی۔ لیکن وہ کہاں وہ آواز سنتے ہی ہرنی عموماً اُچھلتے کودتے دوڑ آتی تھی۔

پھر انارکلی نے آواز دی اور پھر اُسی قسم کا جواب ملا۔ انارکلی آگے بڑھی اور باغ کے اس کونے میں آہٹ پر جا پہنچی جہاں سے جھنکار کی آواز آتی معلوم ہوتی تھی۔ ایک تڑپ قریب درد انگیز آواز سے انارکلی نے کہا "آرا! آرا! ابھی تک تو کہاں تھی؟"

ہرنی فوراً اُچھل پڑی اور ایک درخت کے نیچے سے چھلانگیں مارتی ہوئی آموجود ہوئی۔ شام کی خاموشی میں اسکے گلے کی گھنٹی کی آواز تیرتی ہوئی نکل گئی۔ انارکلی نے جھک کر ہرنی کی گردن میں اپنی نازک اور گول باہیں ڈال دیں تب عاشقانہ انداز سے بولی "کیوں بی سن ہرنی! تو ابھی تک کہاں تھی تجھے کس نے روک رکھا تھا؟"

"میں نے"

انارکلی چونک پڑی پھر کر دیکھنے لگی کہ یہ آواز کہاں سے آئی تھی انارکلی لڈگئی اُسے کیا معلوم کہ اسکے پیچھے شہزادہ سلیم کھڑا ہے۔

شہزادہ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمہاری ہرنی کو نہ جانے دونگا۔"

انارکلی کے چہرہ پر شرمندگی کی سُرخی جھلکنے لگی۔ اس نے جلدی سے نقاب سنبھالا اور تعظیم بجالائی۔

انارکلی نے دبی زبان سے رک رک کر کہا "حضور میری خطا معاف کریں، مجھے معلوم نہ تھا۔"

درمیان ہی میں شہزادہ نے بات کاٹکر کہا "نہیں، مجھے آپ سے معافی مانگنا چاہیئے کیونکہ میں نے بغیر آپ کی اجازت کے آپکی ہرنی کو دیر تک جانے نہیں دیا۔"

شہزادہ کی اس ازدارانہ انداز جھکتی ہوئی آواز میں کچھ بات تھی جس نے انارکلی کو شرمندہ کردیا۔

سلیم نے پھر کہا "آپ جانتی ہیں کہ میں نے اس ہرنی کو کیوں روک رکھا تھا" یہ کہتے کہتے شہزادہ سلیم آگے بڑھا اور انارکلی کے کان میں چپکے سے کہا "محض اس وجہ سے کہ اسکی آنکھیں تمہاری آنکھوں سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔"

انارکلی نے سُنکر کچھ جواب نہ دیا۔ کچھ روز ہوئے اسکو معلوم ہوا تھا کہ شہزادہ انارکلی سے محبت کرتا ہے اب اسکے شبہ کو یقین کا درجہ نصیب ہوچکا تھا۔ اسکے دل میں خوشی کی ایک لہر اٹھی جس نے اسکی زبان کھلنے نہ دی۔

سلیم اسکے پاس کھڑا تھا۔ وہ انارکلی کیطرف ہنستی ہوئی نظروں سے گھور رہا تھا۔ نادرہ نے بھی نظر اُٹھائی اور دونوں کی آنکھیں چار ہوگئیں۔ نادرہ کے ہونٹوں پر بھی شرمیلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ سلیم نے آہستہ سے نادرہ کے جسم پر ہاتھ رکھا اور پھر اپنے آغوش محبت میں کھینچ لیا۔

"میری مایۂ حیات! تم میری ہو اور فقط میری!"

پہلی بار نادرہ کے ملایم ہونٹوں نے بوسہ کی لطیف حرارت محسوس کی۔ اور جب سلیم اپنے دونوں ہاتھ نادرہ کی گردن میں ڈالے کھڑا تھا تو نادرہ ہوا سے ہلتے ہوے پتے کیطرح کانپ رہی تھی۔ ہرنی ایکبارگی بھڑک کر چل دی جیسے خواب سے چونک پڑی ہو۔ چلتے چلتے ہرنی کے آنکھوں سے دو چھوٹے چھوٹے موتی آنسو ہوکر نکل پڑے اور اس صاف چمکتی ہوئی زمین پر گر کر ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔ . . . . .

(۴)

اُس رات انارکلی کو نیند آئی خوشی کے مارے [illegible]

وہ رہکر شام کے واقعات یاد آتے تھے جو اسے سونے نہ دیتے [illegible] شہزادہ

اس عشق کا اظہار کیا تھا۔ عجیب حالت امید خوشی تھی اسکے دل و دماغ پر عجب استغراق سکون طاری تھا آنکھ بند کیے وہ بستر پر لیٹی رہی لیکن سونے کی بجائے نیم خوابی کی حالت میں وہ اس جان بخش سکون کا مزہ لیتی رہی جو کہ اسکے دل پر طاری تھا۔ شام کے واقعات کو اس نے اپنے دل میں ایک ایک کر کے دہرانا شروع کیا چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اسکے دماغ کے پردوں پر منقش ہو گئی تھی اور شہزادہ کی وہ عاشقانہ انداز سے بات چیت کرتی ہوئی تصویر اسکی نگاہ کے سامنے آموجود ہوئی۔

سلیم کا وہ خطاب کرنا اسکے دل میں خوشی کے مارے گدگدی پیدا ہونا شہزادہ کی آواز میں وہ عاشقانہ جوش اور لطافت اپنا حجاب لو وہ انداز شہزادہ سے بات کرتے وقت جو عشا اسکے جسم پر پڑ گیا تھا۔ وہ دونوں کی نگاہوں کا ملنا شہزادہ کی آنکھوں کا وہ سیلاب شہزادہ کے رخساروں کی تابش جسنے انارکلی کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ اور سب سے زیادہ وہ بیحد دلخوش کن وقت جب دونوں کے ہونٹ گویا خود بخود ایک دوسرے کے ہونٹوں سے مل گئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کے دل بھی ہونٹوں پر آ کر ایک دوسرے سے ملنے اور وہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں ان تمام باتوں کی یاد نے انارکلی کے رخساروں پر گلاب کے پھول کی سی تازگی پیدا کر دی وہ پھر اپنے دل میں جذبات کی حرارت محسوس کرنے لگی۔ پھر اسکا دل ایک مجنونانہ جوش سے دھڑکنے لگا تھا اور ایکبار پھر اسکے دل میں راحت بخش جذبات موجین مارنے لگتے تھے جسکے دل میں ایسا مخمرستان خیال ہو وہ کیسے سو سکتا ہے۔

عشق ہاں عشق تھا شہزادہ نے انارکلی سے عشق کا اظہار کیا تھا۔ یہ بہت ہی عجب خبریات تھی کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ انارکلی اس سوال کا جواب اپنے اطمینان کے موافق نہ دے سکتی تھی۔ کیا واقعی وہ خوبصورت تھی اُسے یقین کیا تھا کہ وہ واقعی حسین ہو گی ورنہ شاہزادہ سلیم اس پر عاشق ہی کیوں ہوتا ان خیالات نے جمع ہو کر اسکے دل پر خود بینی کا گہرا رنگ چڑھا دیا کسی کے عشق و الفت میں زندگی بسر کرنا آہ۔ اس خواہش نے اس کے دلکے ارمانوں کا گنجینہ اور آرزوؤں کا خزانہ بنا دیا تھا۔ یا یہی محبت اور عشق تھا جو دلوں ایک تازہ پھول کی صورت میں اسکی آنکھوں کے سامنے نمودار ہوئے سلیم میرے ساتھ نکاح کرے گا اور اس خواب راحت کی حالت میں ہم لوگ کتنی ہی بعید از قیاس منازل الفت و محبت طے کر جائیں گے آہ کتنا اچھا ہو گا وہ وقت کاش وہ وقت جلد آتا۔

وہ ایسے ہی خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی اور ایسی ہی آرزوؤں سے اسکا دل لبریز ہو رہا تھا۔ وہ ہر لحظہ ایک نئے انداز کی خوشی محسوس کرتی تھی اور وہ اپنی خوشی کے مزے لے رہی تھی۔

ادھر سلیم کی راتیں بھی بے چینی میں کٹنے لگیں وہ ابھی بالکل نوجوان تھا مسیں بھیگ رہی تھیں لیکن شاید معصومیت اور عنفوان شباب کو عشق و محبت سے کچھ خاص مناسبت ہے اس عمر میں عشق ناپاک جذبات سے پاک ہوتا ہے اور ارمانوں اور آرزوؤں میں معصومیت ہوتی ہے۔

میدان محبت میں شاہزادہ سلیم کا یہ پہلا ہی قدم تھا انارکلی کے حسن دل افروز نے جو اثر اسکے دل پر ڈالا اس سے پہلے کبھی اس نے محسوس نہ کیا تھا۔ آہا کیسی دلکش حسین اور بولتی ہوئی آنکھیں تھیں کیسی دلکش آواز جس پر سُریلے سے سُریلے نغمے نچھاور ہیں کیسے گلابی ہونٹ ایسی ہی باتوں کا تصور کرتے کرتے شہزادہ کی بے چینی بڑھ گئی اور ایک بے قرارانہ نیم خوابی کی حالت میں وہ سو گیا۔

(۴)

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد دولتسرائے شاہی میں ایک جلسہ ہوا۔ رقص و سرود کا انتظام تھا۔ اکبر موسیقی کا دلدادہ تھا اور اکثر شام کا وقت وہ رقص و سرود کی محفلوں میں گذارتا تھا۔

ارباب نشاط میں انارکلی کا نمبر اول تھا کیسا پیارا انداز تھا اور کتنی سُریلی آواز پائی تھی اسی وجہ سے وہ اکبر کی آنکھ کی پتلی ہو رہی تھی ایسی محفلیں بغیر انارکلی کے سونی رہتی تھیں اور خود جہاں پناہ کے منظور نظر

ہونے کے باعث اسکا گانا بادشاہ کی محفل کے سوا کہیں اور نہ ہو سکتا تھا یہانتک کہ جب کبھی بادشاہ سلامت بیگمات میں وقت گذارنے کا قصد کرتے تو انارکلی وہان بھی حضر موجود ہوتی۔

شیش محل میں روشنی کا انتظام ہوا۔ رنگارنگ جھاڑ اور فانوس آئینوں میں منعکس ہوکر اپنی جگمگاتی روشنی سے ایک نادر کیفیت پیدا کر رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ ایک طلائی زیور ہے جسمیں رنگارنگ کے جواہرات جڑے ہیں صحن میں کمخواب اور قاقم کا فرش لگا ہوا ہے صدر میں مسند زرین پر بادشاہ سلامت بنفس نفیس تشریف فرما ہیں۔ حفظ مراتب کے ساتھ جابجا فرش پر امرا گرد اور مسند پر گاؤ تکیہ کے سہارے معشوقانہ انداز سے بیگمات جلوہ افروز ہیں۔

گانا شروع ہوچکا تھا۔ بجید نشگران دلنواز نے بادشاہ کی سلطنت ارزی کی تھی لیکن انارکلی ابتک رونق آرائے محفل نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد انارکلی کی باری آئی۔ انارکلی حاضر ہوئی۔ اداؤں سے چھم چھم ہلا رہی تھی اور حسن جھم جھم کر رہا تھا۔ ایک انداز محبوبانہ کے ساتھ انارکلی نے مودبانہ طور پر کھڑے ہوکر بادشاہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور چپ چاپ کھڑی ہوگئی اسکی پوشاک ارغوانی رنگ کے مخمل کی تھی جس پر زردوزی کا کام کیا ہوا تھا اسکے بالوں میں اسکے خوبصورت گلے میں اسکی تمام پوشاک میں جواہرات جلوہ دکھا رہے تھے۔ وہ یوں ہی بیحد خوبصورت تھی لیکن آج اس پوشاک اور ان زیوروں نے اسکے حسن کو اور چار چاند لگا دیے تھے۔

بادشاہ نے نظر اٹھا کر انارکلی کی جانب دیکھا اور تب ایک متین انداز سے فرمایا "انارکلی! چاند کو تاروں پر فتح پانے کے لیے آرائش کی ضرورت نہیں ہے تم نے یہ پوشاک فضول ہی پہنی ہے!"

انارکلی نے معشوقانہ انداز سے شرما کر سر جھکا لیا جو کچھ اسکے دل میں تھا اسکو بادشاہ کے روبرو وہ کیسے کہہ سکتی تھی سلیم محفل میں موجود تھا پھر آج اچھی سے اچھی پوشاک کیونکر نہ پہنتی!

سارنگی کی مدھم و سریلی آواز دفعتہ محفل شاہی میں بلند ہوئی جیسے ہی تمہیدی ساز ختم ہوا اس نے ایک غلط انداز نگاہ استاد پر ڈالی اور تب داہنا پاؤں گت ناچنے کیلیے بڑھایا۔ انارکلی کے گھنگرو کی آواز نے سامعین کے دلوں میں سنسنی پیدا کردی۔ تمام محفل میں سناٹا چھا گیا اور اس سناٹے میں انارکلی کے گھنگرو کی آواز ناچتی ہوئی معلوم ہوئی وہ کس طرح آہستگی اور خاموشی کے ساتھ ناچتی ہوئی آگے بڑھتی تھی جیسے خواب میں انسان حرکت کرتے ہیں۔ پھر گھونگرو بجے اور پھر سارنگی کے بلند ہونے والی آواز نے انارکلی کی آواز کو اپنی آغوش میں لے لیا تب دبی آواز سے انارکلی نے گانا شروع کیا۔ اسکی آواز اور کی تھی اور نغمہ کی لطافت سے لالا کبھی کبھی وہ ایسے مدھم سروں میں گانے لگتی تھی کہ اسکے گانے کا یقین صرف اسکے ہلتے ہوے ہونٹوں کو دیکھکر ہوتا تھا کچھ دیر بعد رفتہ رفتہ آواز صاف سنائی دینے لگی۔ آواز میں وہ کیفیت تھی جو چاندنی رات کے سناٹے میں کسی خوش گلو پرندے کے گانے سے ہوتی ہے۔

آج انارکلی کو گانے میں ایک خاص قسم کی خوشی محسوس ہو رہی تھی آج اسکو اپنی ہستی ایک خواب کی سی کیفیت معلوم ہوتی تھی جسمیں سوائے اسکی محبت کے اور کوئی چیز دیرتک رہنے والی دکھتی تھی اس نے ادھر ادھر نظر ڈالی اور اسکی آنکھیں سلیم کی آنکھوں سے لڑ گئیں سلیم انارکلی ہی کو دیکھ رہا تھا سلیم کی خوبصورت اور بڑی آنکھوں میں ایک لفریب محبت جھلک رہی تھی انارکلی کے دل میں گذشتہ چند ملاقاتوں کی یاد دفعتاً تازہ ہوگئی کیونکہ اس شام کے بعد عاشق و معشوق اکثر مل چکے تھے اسکے چہرہ پر بیحد خوشی کے آثار پیدا تھے اور اسکی آنکھیں فرط انبساط سے مسکرا رہی تھیں۔

ادھر سلیم کو دیکھیے آج انارکلی ایک فرشتہ حسن معلوم ہوتی ہے۔ اس نے دل میں کہا اُف! کس غضب کا حسن ہے اور کس قدر دلکش ادائیں ہیں! اسکی نگاہیں سلیم کے کلیجے میں اتری جاتی تھیں۔ انارکلی نے بلند آواز سے گانا شروع کیا۔

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

یہ شعر گاتے گاتے اسکے دل میں ایسے خیال موجزن ہونے لگے جنکا اُسکو گمان بھی نہ تھا کیا اچھا موقع ہے معشوق اپنے عاشق کے سامنے اپنے دلی جذبات کو دلکش پیرایہ میں گا کے ادا کرتا ہے۔ اور جذبات بھی کیسے جو سچی محبت کے گہرے رنگ میں رنگے ہوے تھے اور دل میں سما جانے کے بجائے دل کے ٹکڑے بن بن کر باہر نکل رہے تھے۔ کیا اچھا موقع تھا۔ اس خیال نے انارکلی کو از خود رفتہ کر دیا۔ اُسے یاد نہ رہا کہ وہ محفل شاہی میں حضور جہان پناہ کے روبرو گا رہی ہے۔ اسکو وہ محفل بھول گئی۔ وہ وقت بھی بھول گیا اُسے سب کچھ بھول گیا۔ اسکے دل میں صرف ایک راحت افزا خیال باقی رہ گیا۔ وہ اپنے آپ کو اس وقت ایک ایسی محفل میں سمجھ رہی تھی جسمین اسکے عاشق نامدار سلیم کے سوا اور کوئی نہ تھا اسکی آنکھوں میں خوشی نور بنکر جھلک رہی تھی اسکی نگاہوں سے ایک مغرورانہ ناز پیدا تھا اور اسکا چہرہ ایک خاص روشنی سے منور تھا۔ تب ایک نازک اور دلربانہ انداز سے وہ شاہزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر مسکرا دی۔

اتنے میں بادشاہ نے ایک نہایت خشمناک بلند اور رعب دار آواز سے کہا "گانا بند کرو" معاً ہی گانا بند ہو گیا اور غضبناک خاموشی طاری ہو گئی۔ بادشاہ کی پیشانی اور آنکھوں سے غصہ کے شعلے نکل رہے تھے اسکے سامنے والے آئینہ میں راز و نیاز کی جلوہ نمائیاں اور دلفروشیاں جو سلیم اور انارکلی میں ہو رہی تھیں منعکس ہو رہی تھیں اور وہ انکو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ برابر آئینہ پر نظر جماے ہوے انکے خیالات کا اندازہ لگانے میں مشغول تھا ادھر ان سرمستان محبت کی آنکھوں سے جذبات الفت کے جام چھلک رہے تھے، جنکی خود بادشاہ کو مطلق خبر تھی۔ وہ ان کو بغور دیکھتا رہا اور ہر انداز اسکے شبہ کو یقین کیطرف کھینچے لیے جا رہا تھا یہان تک کہ وہ وقت آیا جب انارکلی سلیم کو دیکھکر مسکرا دی اور سلیم نے برابر اسکے جاذبانہ تبسم کا جواب تبسم میں دیا۔ اب بادشاہ کے نزدیک اسمین کوئی شک باقی نہ تھا کہ انارکلی نے سلیم پر جادو ڈالنا شروع کیا تھا۔ چلتا ہوا جادو تھا۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ آسانی سے سلیم اس وار کو بچا نہ سکے گا۔

گو خلقتاً بادشاہ بہت حلیم اور تحمل مزاج واقع ہوا تھا لیکن آج اس کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا۔ اس خیال نے کہ شہزادہ ایک غلام زادی کے جال میں پھنسکر خراب ہوا جا رہا ہے اسکے دل کو سخت صدمہ پہونچایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس خطرے سے سلیم کو بچانے کیلیے صرف زبان ہلانے کی دیر ہے۔ ایک صاف اور غضبناک آواز سے اس نے خواجہ سراؤں کے افسر کو بلایا۔

غصے کانپتی ہوئی انگلی انارکلی کی جانب اٹھا کر بادشاہ نے کہا "اس عورت کو لیجاؤ اسے زندان میں قید کر دو کل صبح کو اسکی زندہ کھال کھنچوا دی جاے گی ایسی شریر اور بے تمیز عورتوں کی یہی سزا ہے جنکو یہ سلیقہ نہیں ہے کہ ان کو اپنی اداؤں کا جال کہاں ڈالنا چاہیئے"

بادشاہ کے یہ الفاظ اس خاموش اور سہمے ہوے کمرہ میں گونج اُٹھے اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔

ادھر انارکلی نے بھی پھر کر بادشاہ کی جانب دیکھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا اشارہ اسی کی جانب تھا تو اسکا خون سرد ہو گیا۔ وہ سناٹے میں رہ گئی۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ بادشاہ کے اس حکم کا کیا مطلب ہے۔ اس نے کمرہ کے اندر کسی کو خوف دلانے والی آواز میں بات چیت کرتے سُنا اور ابھی وہ اچھی طرح اس حال کو سمجھنے نہ پائی تھی کہ کمرہ کی تمام روشنی گل ہو گئی۔

آہستہ سے اسکا شانہ کسی نے پکڑا۔ خواجہ سرا نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور اب اُسے لیجا رہا تھا۔ اب اسکی آنکھوں اور چہرہ سے ایک قابل رحم مایوسی برس رہی تھی۔ وہ دبی آواز سے رونے لگی۔ وہ بہت زور سے چیخ کر روئی۔ اور ایک بیتابانہ جوش سے خواجہ سرا کے پنجہ سے ہاتھ چھڑا کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی جیسے کسی تانے پھول کو کسی نے شاخ سے توڑ کر پھینک دیا ہو۔

(۵)

جب انارکلی نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو عجب عالم میں پایا۔ رات بڑی اندھیری تھی اور چاروں طرف وحشتناک خاموشی طاری تھی۔ رات کی سیاہی ایک بجھتے ہوئے چراغ کے سنبھالا لینے کے باعث اور زیادہ گہری ہو گئی تھی اور رات کا سناٹا، اور بولنے والے پرندوں کی آوازوں سے اور زیادہ خوفناک ہو رہا تھا۔

انارکلی نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا "آخر میں کہاں ہوں" کچھ دیر تک وہ کچھ سمجھ نہ سکی لیکن تھوڑی دیر کے بعد گذشتہ شب کے دل ہلا دینے والے واقعات کی یاد پھر تازہ ہو گئی۔ کتنا خوفناک واقعہ تھا۔ اب وہ بحیثیت مجرم کے قیدخانہ میں تھی اور کل اسکی جان لیے جانے کا حکم صادر ہو چکا ہے جب اس نے اس بیرحمانہ موت کا جس کا شکار وہ دوسرے دن ہونے کو تھی خیال کیا تو اسکا دل بیٹھ گیا۔ یہ خیال کہ زندگی کے صرف چند گھنٹے اور باقی ہیں اور بعد اسکے اسکی جان ننھی پیاری اور معصوم جان نذر اجل کی جائے گی اور اس حسن دلکش اور نگاہ دلفریب کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ ان خیالات نے انارکلی کے چہرہ کو زرد کر دیا اور اسکی تازگی اور ملاحت دم زدن میں رخصت ہو گئی جسطرح کوئی شہزور فربہ اندام بھیڑیا اپنی خوفناک آنکھوں سے کسی کمزور اور دبلے بکری کے بچے کی جانب گھور رہا ہو اسیطرح موت انارکلی کو گھور رہی تھی۔ موت یوں ہی خوفناک ہوتی ہے اور انارکلی کی موت ہزار چند زیادہ خوفناک تھی۔ وہ حسن جانسوز وہ اٹھتی جوانی اور شہزادہ کی قدردانی، وہ حسرتناک انجام اور موت سامنے نظر آتی تھی اور ہر لحظہ قریب تر ہوتی جاتی تھی کیسی خوفناک موت تھی اور کس قدر بے وقت؟

انارکلی اٹھ بیٹھی۔ اسکا سر چکرا رہا تھا جسطرح کوئی چھوٹا جانور شکاری کے ہاتھوں زخمی ہو کر گر پڑتا ہے اسیطرح انارکلی بے بس ہو کر زمین پر گر پڑی۔ کون زمین؟ جیلخانہ کی سخت اور تکلیف دہ زمین۔ انارکلی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آہ! کیا دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جو اسپر رحم کھاتا، جو اسکے بچانے کی فکر کرتا، جو اس ڈوبتی ہوئی کو کچھ بھی سہارا دیتا؟ سلیم۔ آہ سلیم! جسکے لیے اسکو یہ دن دیکھنا پڑا وہ سلیم کہاں ہے؟ انارکلی رونے لگی اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

انارکلی بڑی دیر تک روتی رہی یہانتک کہ اسکی آنکھوں میں اب آنسو بھی باقی نہ تھے۔ جب ذرا ہچکیاں رکیں تو اسکو حالات معلوم ہوئے، وہ چپ چاپ بیٹھ کر سوچنے لگی۔ اسکے دل میں وہی حالات جنکے باعث آج وہ اس حالت میں تھی یکے بعد دیگرے آنے لگے۔ اسے تعجب تھا کہ ایسی اس سے کیا خطا ہوئی تھی جسکے باعث اسکو یہ سزا ملی۔ ہاں خطا تھی اور خطا بھی یہ کہ اس نے شہزادہ سے دل لگایا تھا شہزادہ سے دل لگانا جرم تھا، خطا تھی لیکن انارکلی کو یہ کیا معلوم تھا۔ اسے یقین نہ آتا تھا۔ اسکے دل کی معصومیت کبھی کبھی اسکو اس بات کا یقین دلاتی تھی کہ اسکے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ کبھی کبھی اسکو اس خیال سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ کہہ اٹھتی تھی "میرے خدا! اگر اس خواب کی تعبیر یہی تھی تو پھر مجھے وہ خواب نظر ہی کیوں پڑا۔ اگر حصول ناممکن تھا تو اس دل میں ایسی خواہش ہی کیوں پیدا ہوئی۔ آخر اسکی کیا وجہ تھی؟ کیا راز تھا؟" انارکلی کچھ سمجھ نہ سکتی تھی۔

کسی خیال سے بھی اسکے دلکو ڈھارس نہ بندھتی تھی۔ وحشتناک خیالات سوہان روح ہو رہے تھے، اور کسی طرح اسکو اس آفت سے نجات ملنے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ آخر اس انتہائی تکلیف میں اسکے خیالات شہزادہ سلیم کی جانب رجوع ہوئے "آہ! کیا سلیم سے یہ ہو گا کہ اپنی انارکلی کو اسطرح اس خوفناک موت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دے؟ کیا سلیم کوئی تدبیر نہ نکالیگا؟" اب اسکے دل میں ایک نیا خیال آیا "کیا واقعی سلیم کو مجھ سے محبت تھی یا میں محض شہزادہ کے دل بہلانے کا سامان تھی اور اب مجھے وہ بالکل بھول گیا ہے؟" اس خیال کی تکلیف انارکلی کو موت سے زیادہ جانگداز تھی۔ یہ خیال کہ سلیم کو واقعی اس سے محبت نہ تھی، انارکلی کو موت سے زیادہ تکلیف دہ اور روح فرسا تھا۔

ابھی وہ انھیں خیالات میں محو تھی کہ آنے والے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز اسے سنائی پڑی۔ دروازہ کھلا اور ایک سنتری مشعل لیے ہوئے نظر پڑا۔ اسکے پیچھے پیچھے اور ایک دوسرا آدمی آ رہا تھا۔ یہ سلیم تھا۔ سلیم اور انارکلی

گرونانک دیو

گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے کے آغوش میں متغفل ہو گئے۔ سنتری نے یہ حالت دیکھی تو شرم کرنے میں رکھکر وہاں سے ہٹ گیا۔ انار کلی اور سلیم خاموش سوتے رہے۔ انتہائے غم کی حالت تھی اور خون کے آنسو آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ بڑی دیر تک دونوں کے حواس قابو میں نہ آئے۔

آخرکار سلیم نے کہا "میری جان! میری طلیعہ! دل مضبوط کرو۔ اب بھی میں تمکو بچا سکتا ہوں۔ آؤ۔" انار کلی نے متعجب اور استفسارانہ انداز سے سلیم کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ سلیم نے کہا "میں نے اپنے اور تمہارے یہاں سے بھاگ چلنے کا انتظام کیا ہے۔ اب دیر نہ کرو۔ وقت چلا جا رہا ہے۔ میں نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر گھوڑے تیار کیے ہیں۔ صبح تک ہم لوگ کوسوں دور نکل گئے ہونگے۔ ہم لوگ بھیس بدل کر چلیں گے تاکہ کوئی ہم کو پہچان نہ سکے۔"

انار کلی: "اب ہم بھاگ نہیں سکتے۔ لوگ ضرور ہماری تاک میں ہونگے۔ ہمارا تعاقب کیا جائے گا، اور ہم پکڑ لیے جائیں گے۔ آپ میرے لیے اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالیے۔"

سلیم: "میری جان! ہمارے آدمی بہت ہی چلتے ہوئے ہیں۔ وہ تعاقب کرنے والوں کو ادھر ادھر دوسرا راستہ بتا دیںگے۔ گھوڑوں کے سُم ربڑ سے منڈھے ہوئے ہیں کہ جاسوس گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز دور تک نہ جا سکے۔ لیکن پیاری اب جلدی کرو۔ ہر لحظہ ہماری دشواریاں بڑھ رہی ہیں۔"

لیکن انار کلی نے توقف سے کام لیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اسکو کوئی حق سلیم کی جان کو خطرہ میں ڈالنے کا نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس جگہ سے محفوظ بھاگ جانا قریب قریب ناممکن تھا۔ اس لیے کانپتی ہوئی آواز سے کہا "میرے پیارے سلیم! میری تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا۔ خدائے تعالیٰ اور خداوند نعمت بادشاہ کی مرضی ہے کہ میں زندہ نہ رہوں۔ اور اب میرے لیے یہی اچھا ہے کہ میں زندہ نہ رہوں۔ میں اب کہیں نہ جاؤنگی۔ میں اب اسی کوٹھری میں پڑی ہونگی اور اطمینان سے اپنی موت کا انتظار کرونگی۔"

سلیم کو سخت تعجب ہوا۔ اس نے کہا "میں ظالم بادشاہ کے ہاتھوں تمہارے جانے کے لیے تمکو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر یہ کیا جنون ہے؟"

سلیم نے پھر زور دیا کہ انار کلی اسکے ساتھ بھاگ جانے پر رضامند ہو جائے، لیکن انار کلی نے اسکو پسند نہ کیا۔

انار کلی: "میرے جان، دل کے مالک! میرا وقت آگیا ہے اور میری قسمت میں جوانامرگ لکھی ہے۔ تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا۔ اس میں کسی کا کیا اختیار ہے۔ میرے لیے یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرنا نامناسب بھی ہے اور پھر وہ بادشاہ کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن رعایا کیلیے اسکے حکم میں قانون کی عظمت ہے۔ آپ میرے ساتھ کیسے چلیں گے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم لوگ پکڑ نہ لیے جائیں۔ آپ نے کچھ سوچا بھی ہے کہ یہاں سے آج ہم لوگوں کے بھاگ جانے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ میرے لیے سزائے موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اب میں یہاں سے کہاں جا سکتی ہوں۔"

سلیم: "میری جان! میں تمکو کہاں تک سمجھاؤں۔ یہ بھی کوئی نصیحت اور نمایش کا وقت ہے۔ میں بادشاہ کے اس ظالمانہ برتاؤ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اب میرے لیے سوائے اسکے کہ میں اسکی نافرمانی کروں کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن مجھے بھی دہلی کا تخت میسر ہوگا۔"

انار کلی نے اسکی بات سُنی لیکن جواب نہ دیا۔ شہزادہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ انار کلی کیوں اسوقت بھاگ جانے سے انکار کر رہی ہے۔ آخر وہ کیوں جیلخانہ سے بھاگ جانے کا ارادہ نہیں کرتی اور جان بوجھکر موت کے منھ میں سمانا چاہتی ہے۔

یہ دیکھکر کہ قیمتی وقت رائیگان ہو رہا ہے سلیم بار بار انار کلی کو وہاں سے بھاگ جانے کی ترغیب دے رہا ہے لیکن انار کلی انکار ہی کیے جا رہی ہے اور اپنی قسمت کے فیصلہ پر بالکل قانع معلوم ہوتی ہے۔ انار کلی کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ اپنے بادشاہ کے خلاف مرضی کام کرے۔

سلیم ایک مجنونانہ جوش سے چلا اٹھا "میرا انار! آخر تم یہاں سے چلنے سے کیوں انکار کر رہی ہو۔ بغیر تمہارے میں زندہ کیونکر رہ سکتا ہوں۔ اگر تم

نہ ہو گی تو مین بھی دنیا مین رہ کر کیا کرونگا۔ اگر تم میرے ساتھ نہ آو گی تو مین اس جیلخانہ سے باہر نہ جاؤنگا“

اب انارکلی کے ارادہ کی پختگی مین بھی تغیر پیدا ہو چلا۔ اس نے مضمحل آواز سے پوچھا ”کیا ابھی دیر نہین ہوئی۔ کیا ابھی ہم لوگون کو یہان سے بھاگ جانے کا موقع ہے؟“ سلیم نے اسکو یقین دلایا کہ ابھی بہت دیر نہین ہوئی اور دونون کے بھاگ جانے کیلئے وقت کافی ہے“ اتنا کہتے کہتے سلیم نے انارکلی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسکو زندان سے نکال لیجانے کی کوشش کی۔

اسی اثنا مین دروازہ بہت زور سے کھٹکا اور ایک خوفزدہ شخص قریب قریب بحواسی کے عالم مین کمرے کے اندر داخل ہوا۔ کچھ دیر تک وہ وہان ہانپتا کھڑا رہا آخر جب اسکا دم درست ہوا تو اس نے کہا ”حضور بادشاہ سلامت ادھر تشریف لاتے ہین“

سلیم چونک پڑا اور بیحواس ہو کر پوچھا ”اب کیا کرنا چاہیئے؟“

رحیم خان:۔ ”اب وقت ضائع کرنا مناسب نہین ہے۔ حضور اس وقت جیلخانے سے باہر چلے جائین اور جب بادشاہ سلامت یہان سے تشریف لیجائین پھر تشریف لے آئین“

سلیم:۔ ”رحیم خان! تم یہان پر ٹھہرو مین آتا ہون“

فوراً شہزادہ نے چوکیدارون کی پوشاک جو وہ ساتھ لایا تھا پہنی، اور انارکلی کو آغوش مین لیکر کہا ”میری جان! تم ذرا دیر یہین ٹھہرو۔ لیکن تیار رہنا مین ابھی آتا ہون“ انارکلی نے اسکی طرف مایوسانہ انداز سے دیکھا لیکن اسکی زبان سے آواز نہ نکل سکی۔

سلیم نے سر اٹھایا جھک کر انارکلی کا بوسہ لیا اور مشعل گل کر کے وہان سے چلا گیا۔ انارکلی ہل نہ سکی۔ وہ کچھ بھی زبان سے نہ کہ سکی یہانتک کہ وہ شہزادہ کے بوسہ کا جواب بھی نہ دے سکی۔ شہزادے کے جانے پر اسکی رہی سہی امیدین بھی رخصت ہو گئین اور آخر کار اس کوٹھری کی خوفناک تاریکی نے مایوسی کی شکل روبرو پیش کر دی۔

(۶)

انارکلی کی کوٹھری مین کوئی نہ آیا۔ رحیم خان نے جھوٹ کہا تھا۔ نہ بادشاہ تھا اور نہ کوئی۔ شہزادہ کے جانبازدوستون کا ایک گروہ تھا جسمین رحیم خان بھی شریک تھا جب ایکبار شہزادے نے بادشاہ کی زندگی ہی مین علم بغاوت بلند کرنیکی تیاری کی تھی تو رحیم خان اُن لوگون مین تھا جنھون نے شہزادہ کا ساتھ آخر دم تک دینے کا وعدہ کیا تھا۔ رحیم خان جیلخانہ کا داروغہ تھا اُسکا خیال تھا کہ سلیم محض انارکلی سے الوداع کہنے آیا ہے۔ اُسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ انارکلی کو زندان سے نکال لیجانے کی کوشش کرے گا۔

جب سلیم کمرہ مین داخل ہوا تو رحیم خان کو یہ شوق ہوا کہ دیکھون اس نازک وقت مین جذبات محبت کے متوالون مین کیا بات چیت ہوتی ہے۔ وہ دروازہ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور اس نے انکے وہان سے بھاگ جانے کی تجویزین سُن لین جب رحیم خان نے دیکھا کہ وہ انارکلی کو وہان سے لیجانے کی فکر مین ہے تو اس نے جان بوجھ کر اسکو روک دینا چاہا۔

آخر وہ کیا کرتا۔ اگر قیدی کو وہ بھاگ جانے دیتا تو اسکی جان خود خطرہ مین پڑ جاتی لیکن وہ یہ بھی نہ کر سکتا تھا کہ کھُلم کھُلا شاہزادہ کو ناخوش کر دے بادشاہ اب بُڈھا تھا اور سلیم جلد ہی بادشاہ ہونے والا ہے اسلیئے رحیم خان نے سوچا کہ ایسی تدبیر ہو کہ کام بھی نکل جائے اور شہزادہ ناخوش بھی نہو۔

جب سلیم باہر آیا تو رحیم خان نے دور دو مشعلین جلتی ہوئی دکھائین یہ اسکے آدمی لیے جارہے تھے سلیم نے پھر کر انکی طرف پھر نہ دیکھا وہ بادشاہ کے خلاف کھُلم کھُلا کوئی کام کرنا نہ چاہتا تھا۔

رحیم خان نے سلیم کو گلیون اور سڑکون سے ہوتے ہوئے شہزادہ کے محل تک پہونچا دیا۔

سلیم:۔ ”رحیم خان تم ٹھیک جانتے ہو کہ وہ بادشاہ ہی تھا؟“

رحیم:۔ ”جی حضور“

شہزادہ:۔ ”آخر وہان بادشاہ کیسے تشریف لائے؟“

رحیم: ”حضور کو معلوم ہوگا کہ اکثر بادشاہ سلامت جیلخانوں کا معائنہ کرنے بغیر اطلاع تشریف لاتے ہیں۔“

سلیم: ”ہاں اتنے دنوں تو بادشاہ نے لوگوں کو تعجب میں ڈالا ہے اب بہت جلد خود انکو تعجب ہونا ہوگا۔“ سلیم نے یہ فقرہ نہایت معنی خیز انداز سے کہا تھا۔

رحیم خان اب سخت متحیر تھا۔ اسکو معلوم تھا کہ کچھ دیر میں شاہزادہ انار کلی کو جیلخانے سے نکال لیجانے کی غرض سے یہاں جائے گا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ قیدی کا قید خانے سے نکل جانا روا نہ رکھ سکتا تھا۔

رحیم: ”حضور کی اجازت ہو تو غلام تھوڑی سی شراب پیش کرے۔“

سلیم کا حلق مارے غصہ کے خشک ہو رہا تھا۔ اس نے کہا ”خیر ذرا سی تھوڑی سی لے آؤ۔“

رحیم خان وہاں سے گیا اور تھوڑی سی شراب لے آیا اور کمربند سے ایک پڑیا نکالکر شراب میں گھول دی۔ یہ ایک سفید رنگ کا سفوف تھا۔ شراب میں کچھ جھاگ پیدا ہوا اور پھر اپنی حالت پر آگئی۔

سلیم شراب کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ رحیم خان کا پیالہ پیش کرنا تھا کہ سلیم کے حلق کے نیچے تھی۔ ”تھوڑی اور لاؤ“ رحیم خان اور شراب لایا اور سلیم نے پھر غٹ غٹ پی لی۔ اب شراب نے اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ اس نے مجنونانہ جوش سے کہا ”رحیم! رحیم! مجھے انار کلی کے پاس لیچلو۔“

رحیم: ”حضور غلام کو کوئی عذر نہیں ہے لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔“

سلیم: ”لیکن۔ لیکن کیا؟“

رحیم: ”ممکن ہے کہ بادشاہ ابھی وہیں ہوں۔“

سلیم: ”بھائی جان! بادشاہ کو جو کیدا سکے گھرانے میں پیدا ہونا چاہیے تھا وہ بادشاہت کے قابل نہیں ہے۔ جاؤ دیکھو اسوقت بادشاہ کہاں ہیں۔“

رحیم نے سر تعظیم خم کیا اور وہاں سے چلدیا۔ اسکو یقین تھا کہ شہزادہ صبح تک بیہوشی میں پڑا رہے گا۔

(۷)

انار کلی سلیم کے واپس آنے کا انتظار کرتی رہی لیکن سلیم نہ آیا۔ انتظار نے سخت پریشان کیا لیکن امید نے اسکا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ یہی سمجھتی رہی کہ ممکن ہے سلیم اب بھی آتا ہو۔

صبح کا سپیدہ جھلک رہا تھا اور انار کلی کے تنگ حجرہ کی تاریکی اب کم ہو چلی تھی۔ دفعتاً اسکو قریب ہی کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو انار کلی کی ماں نے انار کلی کو دی تھی۔ جب انگوٹھی جسمیں ہیرا لگا ہوا تھا انار کلی کی ماں نے اسکو دی تھی تو کہا تھا کہ خدا نکرے کہ بیٹی تجھکو کبھی اسکے استعمال کی ضرورت ہو لیکن جب دنیا میں امید کی دھندلی سی روشنی بھی باقی نہ رہے اور مستقبل بالکل تاریک نظر آئے تب اسکو چاٹ لینا۔

انار کلی کو آج اپنی ماں کی باتوں کے معنی معلوم ہوئے۔ اس نے انگوٹھی دبا کر ہیرا اپنے منھ میں رکھ لیا۔ فوراً اپنے بچپن کا زمانہ اور اسکی ماں کی تصویر اسکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ تب سلیم کی محبت کے جذبات بھی اسکے دلمیں موجزن ہونے لگے۔ اسکے بعد از خود رفتگی شروع ہوئی تھوڑی ہی دیر میں انار کلی وہاں تھی جہاں سے کوئی خبر نہیں آتی۔

اپنا سر ہاتھ پر رکھے انار کلی اس سخت اور ٹھنڈی چٹان پر پڑی ہوئی تھی۔ ہونٹ کھلے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسکرا رہی ہے اور اسکی آنکھیں نیم باز تھیں۔

جب بادشاہ کے آدمی وہاں پہونچے کہ اسکو سزائے موت دیں تو پہلے دروازہ کھولنے میں کچھ تامل ہوا جب دروازہ کھلا تو آفتاب کی روشن کرنوں نے انار کلی کے چہرہ کو منور کر دیا۔ وہ ایک حسن کی دیوی تھی جو واقعی انار کلی تھی، اور اس کا نام اب بھی اس کے رخساروں اور ہونٹوں کے حسن پر پھبتا تھا۔

اب وہ اس بادشاہ حقیقی کے سامنے کھڑی تھی جسکے آگے اکبر ایسے شہنشاہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں

(۶)

خاندان بابر کا سب سے زیادہ شاندار بادشاہ اب جنت میں آرام کرتا ہے اور
سلیم تخت شاہی پر نور الدین جہانگیر کے نام سے جلوہ افروز ہے۔
انارکلی کی موت کا واقعہ اس شکستہ دل عاشق کے دل سے بھی محو ہو چکا ہے
اب اُس نے عیش و عشرت کے نئے پیالون کی چاشنی چکھ لی ہے۔ اس نے مہر النسا
کو دیکھا ہے اور مہر النسا کی محبت کے سامنے انارکلی کا عشق ویسا ہی ہے جیسے
نصف النہار پر چمکتے ہوے آفتاب کے آگے جگنو کی چمک بے بضاعت اور حقیر
معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہی مہر النسا ہے جسے دنیا نورجہان کے نام سے جانتی ہے
بادشاہ کے دل و دماغ پر سوتے جاگتے نورجہان ہی کا قبضہ ہے۔
شام کا وقت تھا۔ جہانگیر شاہی باغیچہ مین ٹہل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حیف
ابتک میری اس سچی محبت پر بھی مہر النسا کا دل نہین پسیجا۔
وہ ٹہل ہی رہا تھا کہ یکایک اسکی نگاہ ایک انار کے نیچے جسمین پھول کھلے
ہوے تھے اور کلیان لگی ہوئی تھین ایک چھوٹی سی قبر پر پڑی اس نے اس
قبر کو اس سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ اسمین کون دفن ہے۔ ایک بوڑھا
مالی کچھ فاصلہ پر پھولون کی کیاری مین کام کر رہا تھا۔ جہانگیر نے اُسے بلایا اور
پوچھا کہ یہ کسکی قبر ہے۔ مالی نے پہلے قبر کیجانب دیکھا کچھ سوچا اور پھر بادشاہ کیجانب
دیکھکر چپ ہوگیا۔ وہ گھبرا اُٹھا اسکا دل خوفزدہ ہوگیا۔ شہزادہ نے پھر پوچھا اسمین
کون دفن ہے۔ باغبان نے رکتے رکتے کہا "انارکلی بیگم"
"انارکلی"۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے دل مین پرانے واقعات تازہ ہوگئے اسنے
مغرب کی جانب نگاہ کی ایک چمکدار ستارہ افق سے اوپر چڑھ رہا تھا اور اسکے
ساتھ انارکلی کی یاد بادشاہ کے دل مین ترقی کر رہی تھی۔
تھوڑی دیر کے لیے وہ مہر النسا کو بھی بھول گیا جسطرح کئی سال ہوے
انارکلی کو اسنے دیکھا تھا وہی صورت اسکی نظرون کے سامنے پھر گئی اُس کی
قابل افسوس موت کے واقعات اسکی آنکھون کے سامنے پھرنے لگے اُسکو انارکلی کا
تبسم یاد آگیا جسکی ادنی قیمت جہانگیر یا سلیم کی جان تھی۔ اُسے رحیم خان کی دہ
دغا بھی یاد آئی۔
جہانگیر فکر مین ڈوب گیا۔ آہستہ آہستہ وہ محل کو واپس چلا۔
دوسری صبح کو داروغہ عمارات کو حکم ہوا کہ وہان ایک عالیشان عمارت تعمیر
کر دیجاے اور یہ شعر اُس عالیشان عمارت پر کندہ کر دیا جاے :-

"تاقیامت شکر گویم کردگار خویش را"
"آہ! گر من باز بینم روے یار خویش را"

عاشق مجنون سلیم

(ماڈرن ریویو)

جگت موہن لال (رواں)

دختران شاہجہان

ہر ملک کی حکومت مین عورتون نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیا ہے اس قاعدہ
سے تیموریہ کا خاندان کیونکر مستثنی رہ سکتا تھا۔ چنانچہ دہ بائی نورجہان اور ممتاز محل
بالترتیب اکبر جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ مین ملک کی حکمرانی مین شریک رہی
ہین۔ اورنگ زیب کے وقت مین شاہجہان کی بیٹیون نے اس کام مین بڑی
شہرت حاصل کی۔ یہ تین عورتین تھین اور تینون ہوش عقل اور خوبصورتی کے
زیور سے آراستہ تھین۔ سب سے بڑی کا نام جہان آرا تھا جسکو بیاد کی وجہ سے
بیگم صاحبہ یا بادشاہ بیگم کہتے تھے۔ یہ نہایت نرم دل خوبصورت رحمدل
اور فیاض عورت تھی جس سے باپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ منجھلی روشن آرا
اس سے کم خوبصورت تھی لیکن بہت تیز فہم چالاک اور سازشی تھی۔ ان دونون بہنون
مین کسی قسم کی مناسبت نہ تھی لیکن بڑی شہزادی اسکے باپ اور بڑے شاہزادہ
کی عادتون مین ایک عجیب و غریب قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح
منجھلی شاہزادی اور اورنگ زیب مین ایک قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے

اسلیے جہان آرا شاہجہان اور دارا کی طرف مائل رہنے لگے اور روشن آرا
اورنگ زیب کی طرف۔ شاہزادی قدسیہ جسکو گوہر آرا بھی کہتے ہین
سب سے چھوٹی تھی اور چونکہ وہ کمزور اور آرام پسند طبیعت کی عورت واقع
ہوئی تھی اسلیے وہ پولیٹکل معاملات و سازشون سے علحدہ رہتی تھی۔

خاندان مغلیہ کی اور شاہزادیون کی طرح ان تینون کو بھی اپنی زندگی
کنوارپن مین گذارنی پڑی کیونکہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی اسکا رتبہ بلند کیون نہو
انکا شوہر ہونے کے قابل نہین سمجھا جاتا تھا اور کوئی دوسرا بڑے سے بڑا
شخص بھی اپنی گردن شاہی جوتے کے نیچے رکھنے کی جرات نہین کرسکتا
تھا۔ ان معاشرتی اسباب کے ساتھ ساتھ ایک پولیٹکل سبب یہ بھی تھا کہ ممکن
تھا کہ شہزادی کا خاوند کسی وقت مین زور پکڑ جائے اور تخت شاہی پر قبضہ کرلے
کیونکہ مغلون مین کوئی وراثت کا قانون نہین تھا۔ لیکن چونکہ انکی پرورش آرام
اور عیش و عشرت کی آغوش مین ہوئی تھی اسلیے لوگون کو ان پر بدزبانی
اور تہمت لگانے کا موقع مل گیا۔ مشہور فرانسیسی سیاح برنیر جو اورنگ زیب
کے زمانہ میں راجہ دانشمند خان کا طبیب تھا جہان آرا اور روشن آرا کے عشق کی
نسبت حکایات بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ گو بیگم صاحبہ حرم سرا مین مثل
دوسری خاندان شاہی کی خواتین کے مقید رہتی تھی تاہم اسکے پاس ایک
نوجوان شخص آیا کرتا تھا جو کسی بہت بڑے رتبہ کا تو نہ تھا مگر ایک پسندیدہ صورت
شخص ضرور تھا۔ کسی نہ کسی طرح سے باپ کو بھی اسکی خبر ہوگئی اور ایک روز
وہ دفعتاً جہان آرا کے محل مین چلا آیا۔ شہزادی کا عاشق مارے خوف کے
گھبرا گیا اور جب اس سے کچھ نہو سکا تو آخرکار ایک بڑی دیگ مین جاکر بیٹھ گیا۔
شہنشاہ مختلف واقعات پر اس سنجیدگی سے گفتگو کرتا رہا کہ کوئی غیر معمولی
بات واقع ہی نہین ہوئی ہے گفتگو کے درمیان بادشاہ نے جہان آرا کو
اسکے میلے کپڑون اور نادرست چہرہ پر توجہ دلائی اور نہانے کے لیے
حکم دیا۔

خواجہ سراؤن نے اس دیگ کے نیچے آگ روشن کردی اور وہ بہادر
عاشق اسطرح زندہ بھون دیا گیا۔ دوسری حکایت ایک ایرانی نظر خان
نامی کی نسبت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک نوجوان شریف زادہ تھا جو اپنی
خوبصورتی دماغی قوت اور جوش کی وجہ سے تمام دربار شاہی مین حسن کی
نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شائستہ خان اورنگ زیب کے ماموں نے بڑی شاہزادی
کی شادی اس شخص کے ساتھ تجویز کی تھی لیکن بادشاہ نے جو پہلے ہی انکے
ناروا عشق کا حال سن چکا تھا اس تجویز کو نامنظور کردیا۔ بادشاہ نے اس
عاشق سے پیچھا چھڑانے اور اپنی بدنامی دور کرنے کے لیے ایک روز تمام دربار کے
روبرو اسکو ایک زہر آلود پان دیا۔ وہ اسکو ایک بڑی عنایت شاہی کی نشانی
سمجھ کر کھا گیا۔ زہر اسقدر تیز تھا کہ وہ اپنے گھر پہنچنے سے پہلے یعنی راستہ ہی
مین مرگیا۔ برنیر اتنی ہی زبان درازی سے باز نہین آجاتا بلکہ وہ آگے چل کر
کہتا ہے کہ شاہجہان نے بیگم صاحبہ کو اپنی بیوی بنا رکھا تھا۔ اسی طرح یہ
فرانسیسی حکیم ایک فحش حکایت منجھلی شاہزادی کی نسبت بھی بیان کرتا ہے
وہ لکھتا ہے کہ چند روز تک دو نوجوان شخص اسکے پاس رہے انمین سے
ایک کو اسنے پہرہ دینے والی عورتون کے سپرد کیا کہ اسکو رات مین حرم سرا
سے باہر پہنچا آئین۔ یہ عورتین اسکو کسی نہ کسی وجہ سے باغ مین چھوڑ گئین
جہان اسکو اورنگ زیب نے دیکھ پایا۔ اورنگ زیب نے اس سے بہت سوال کیے
لیکن اسنے یہی جواب دیا کہ دیوار پھاند کر یہان آیا تھا۔ اسکو حکم دیا گیا کہ وہ
اسی راستہ سے واپس چلا جائے مگر نوکرون نے اُسے دیوار پر سے نیچے
پھینک دیا۔ دوسرے عاشق کو حکم دیا گیا کہ وہ جس دروازہ سے آیا تھا اسی
سے چلا جائے۔ ان تمام باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ نے خواجہ سراؤن کو
جو حرم سرا کے دروازون پر متعین تھے سخت سزائین دین تاکہ دوسرون کو
بھی تنبیہ ہوجائے۔

یہ تمام الزامات اور تہمتین سراسر غلط اور لغو ہین کیونکہ (۱) برنیر نے
روشن آرا کے متعلق حکایات ایک بوڑھی پرتگالی عورت کی زبانی سنی تھین

عہ ایسا ہی ایک قصہ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کی نسبت مشہور ہے۔

جو محل سرا کے غلاموں میں نوکر تھی، جو ہرگز قابل یقین ہو سکتی ہیں (۲) مینوکی
دربار شاہجہانی کا اطالوی حکیم، جہان آرا سے متعلق حکایات کو قابل
وثوق قرار نہیں دیتا۔ (۳) دربار شاہجہانی کا مورخ خافی خان ان
حکایتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا ہے (۴) اورنگ زیب بجائے ان عاشقوں
کے سلامت پہنچ جانے کے ان کو دبا سکتا تھا اور (۵) کیونکہ انصاف پسند اور
دوسرے مورخ ان کہانیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔ مسٹر اسٹینلی لین پول
جنکی معلومات ونیز انکے متعلق گران پایہ ہیں صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ
شاہجہان نے ممتاز محل کے انتقال کے بعد اپنی تمام محبت و الفت اپنی
سب سے بڑی بیٹی جہان آرا پر منعطف کر دی تھی اتنی کہ اس سے کسی برے
ارادہ کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے خیال میں یہ برنیر ہی ہے اور
صرف برنیر جس نے اس قدر شرارت کی ہے اور خاندان مغلیہ کی شاہزادیوں
کے چال چلن پر داغ لگانے کی ناپاک مگر بے سود کوشش کی ہے۔

خیر جو کچھ بھی ہو اب اس ناگوار مضمون سے ایک خوشگوار مضمون کیطرف
متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ جہان آرا شاہجہان کی
سب سے زیادہ چہیتی بیٹی تھی، اور وہ اپنے بہت سے راز اس پر ظاہر کر دیا کرتا تھا
ممتاز محل کے انتقال پر چونکہ کوئی بڑی عورت محل سرا میں نہیں رہی تھی
اسلیے جہان آرا کا محل اور دربار میں بڑا دخل تھا۔ کوئی شخص بادشاہ سے
کسی قسم کی مراعات حاصل نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ وہ ایک بہت بڑی رقم
جہان آرا کے پیش نہ کرے۔ ان ہدیوں اور تحفوں سے اسکا خزانہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا
اور وہ حد سے زیادہ مالدار ہو گئی تھی۔ ٹیورنیر مشہور فرانسیسی سیاح اور جوہری
ایک امیر کا قصہ بیان کرتا ہے جو سندھ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ لوگ اسکی ظلم اور
تشدد کی شکایات اگرچہ بھیجتے رہے لیکن انکی کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ بالآخر کار وہ
وہاں سے واپس بلایا گیا اور بجائے اسکے کہ اسکو کچھ سزا دی جاتی اسے
زرخیز صوبہ الہ آباد کا حاکم بنا کر بھیج دیا گیا۔ اسکا سبب جلد ہی معلوم ہو گیا
سندھ سے روانہ ہونے سے پیشتر اس نے پچاس ہزار اشرفیاں شاہجہان کیلیے
روانہ کی تھیں اور تیس ہزار بڑی شاہزادی کیلیے۔

وہ اپنے باپ کی بڑی ہوشیاری سے نگرانی کیا کرتی تھی۔ یہانتک
کہ کوئی کھانا جو اسکے سامنے تیار نہ کیا گیا ہو شاہی دسترخوان پر ہرگز نہیں
آ سکتا تھا۔ بعض اوقات سلطنت کے نہایت اہم کام اسکی سپردگی میں دیے
جاتے تھے۔ مثلاً فتح آباد کی لڑائی کے بعد جس سے دارا کے تخت نشین ہونے
اور شاہجہان کے دوبارہ تخت پر قبضہ کرنے کی تمام امیدیں ٹوٹ چکی تھیں۔ تو
اسوقت جہان آرا ہی کو اورنگ زیب کے (جس نے اپنے بیٹے محمود کو محاصرہ کا اہتمام
کرنے کا حکم دیا تھا) بحث کرنے کو بھیجا گیا تھا۔ شاہزادی آخری شخص تھی
جسکی باتوں کو باغی شہزادے نے جو کسی پر اعتبار نہ کرتا تھا سنا۔ ۱۸ جون ۱۶۵۸ء
کو محمود قلعہ میں داخل ہوا جو وحشت اور خون کا سین بنا ہوا تھا۔ [illegible]
ہو گیا اور محل قید خانہ بنا دیا گیا۔ آٹھ سال بعد تک جب تک شاہجہان
زندہ رہا محل کو نہ چھوڑ سکا۔ کیونکہ عنبر خان اورنگ زیب کا خاص خواجہ سرا
شاہی احکام پر سختی سے عمل کر رہا تھا۔ قیدی شہنشاہ کی بہت عزت کی جاتی
تھی۔ اسکو رہنے کیلیے بڑی جگہ دی گئی تھی البتہ وہ صرف قلعہ ہی کے احاطہ میں حرکت
کر سکتا تھا جو شاہجہان جیسے بادشاہ کیلیے یہ ایک بدترین آزادی تھی۔ اسے
صرف ایک یہی اطمینان تھا کہ اسکی پیاری بیٹی جہان آرا اسکی تکلیفوں اور
دکھوں میں حصہ لینے کیلیے اسکے پاس موجود تھی۔ اسکے بے شمار ذرائع
تھے اور اگر وہ چاہتی تو ایک غیر متعلقانہ زندگی بسر کر سکتی تھی مگر اس نے بڑی
فرائض کے ادا کرنے پر سب کو ترجیح دی۔ وہ اپنے باپ کو تسکین دیا کرتی تھی
اور اسکی ضروریات کو حتی المقدور پورا کرتی تھی۔ وہ اسکے آرام کا خیال ایک
بیٹی کے فرائض سے زیادہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء کو اورنگ زیب
کی خوش قسمتی سے اسکا انتقال ہو گیا کیونکہ اورنگ زیب کو اگر کوئی خطرہ تھا
شاہجہان سے تھا۔

اورنگ زیب کی نسبت بحیثیت ایک بادشاہ کے کہا جاتا ہے کہ اسکے
تمام زمانہ حکومت میں جو قریب پچاس سال کے تھا اسکے خلاف کوئی خاندانی

سے جو شخصیات کے ثبوت کو نہین پہونچا۔ ہم ایسا ہی اسکی بڑی
بہن کی نسبت کہہ سکتے ہین۔ گو وہ اورنگ زیب کی سخت دشمن تھی، مگر شاہجہان
کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے اسکو اپنا دبدبہ اور حشمت علیحدہ قایم رکھنے
کی اجازت دیدی تھی۔ ۱۶۸۱ء مین وہ اپنی جوانی کے مشہور حسن کے ساتھ جواب
دی بیاہی تھا بحالت ناکتخدائی ۶۷ سال کی عمر مین اس جہان سے سفر
کر گئی۔ اسکی قبر دلی کی دیوارون سے باہر ایک درویش اور ایک شاعر کی قبر کے
درمیان ہے۔ مقبرے کے نزدیک سنگ مرمر کی بارہ دری مین واقع ہے ایک سنگ مرمر
کے تختہ سے جسپر تھوڑی سی گھاس اُگی ہوئی ہے شاہزادی کی قبر کا نشان
ملتا ہے اسکے لوح مزار پر ذیل کی عبارت کندہ ہے :—

ہوالحی القیوم

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

المسکینہ الفانیہ جہان آرا مرید خواجگان چشت بنت شاہجہان بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ

سنہ ۱۰۹۲ھ

روشن آرا ۔ یہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ روشن آرا اورنگ زیب سے ملی ہوئی
تھی اور تاج کے جھگڑون مین وہ برابر قلعہ کی کارروائیون سے اسکو باخبر
رکھتی تھی۔ بلا شبہ اورنگ زیب کو تاج و تخت اسی کی مدد اور کوشش سے ملا۔
اسکی خدمات کے متعلق جو کچھ مبالغہ کیا جاے وہ غلط نہین ہو سکتا۔ ساموگڈھ
کی فیصلہ کن جنگ کے بعد جب شاہجہان نے دیکھا کہ عصاے سلطنت اسکے ہاتھ
سے نکلا جا رہا ہے تو اسنے اعتدال کی پالیسی اختیار کی۔ اسنے دارا کو دس
[illegible] اور اشرفیون سے بھرے ہوے لڑائی کے خرچ کے واسطے روانہ
کیے اور اسے کہا کہ وہ دہلی کو بھاگ جاے جہان کا حاکم اسکو مدد دیگا اور
اسی وقت اپنے مخالف بیٹے کو تنبیہ کر رہا تھا کہ وہ اسکے پاس آئے اور اسنے
یہ چاہا تھا کہ اسپر قابو حاصل کر سکے۔ اسی مطلب کیلئے سو تاتاری عورتون کو
اس لیے مقرر کیا کہ جب وہ محل مین داخل ہو تو وہ اسکو اچانک گرفتار کر لین۔
روشن آرا نے اسکی مدد کی۔ اسنے اورنگ زیب کو اس دوہرے مکر کی خبر
دیدی جو شہنشاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس طریقہ سے اورنگ زیب اُس جال سے جو اُسکے
لیے بچھایا گیا تھا بچ گیا۔

وہ تاریخ کے اسٹیج پر اسوقت پھر نظر آتی ہے جبکہ بد قسمت اور احسان
فراموش جیون خان نے دارا کو پکڑ کر اور دہلی لا کر اسکے دشمن کے ہاتھ مین
دیدیا۔ ایک مجلس اس بحث کیلیے منعقد کیگئی کہ آیا دارا کو تمام عمر کیلیے گوالیار
کے قلعہ مین قید کر دیا جاے یا قتل کر دیا جاے۔ اس پر رایون مین اختلاف
ہوا۔ دانشمند خان نے جو اگرچہ دارا کا قدیم دشمن تھا مع چند دوسرے امرا
کے پہلی تجویز پر زور دیا اور اسکے اونچ نیچ سمجھاے لیکن روشن آرا نے شایستہ خان
کی تائید مین اپنی فصاحت سے تمام مجلس کو مغلوب کر لیا۔ اسنے کہا کہ دارا کا کوئی
حق نہین ہے کہ اسپر رحم کیا جاے کیونکہ وہ لامذہب ہے اور کافرون کا ساتھی۔ وہ
لوگون کے ہمدردانہ جذبات سے پورے طور پر باخبر تھی۔ دلی کی گلیون مین دارا
پھٹے پرانے کپڑے پہنا کر اور ایک لنگڑے لولے ہاتھی پر سوار کرا کر تشہیر کیا گیا
اسنے اس بحث پر زیادہ زور دیا کہ اپنے محبوب بھائی کی سلامتی اور بادشاہت
کے استحکام کیلیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بغیر ایک لحظہ ضائع کیے اسکو مار ڈالا
جاے۔ افسوس ہے روشن آرا پر! اگر اسکو معلوم ہو جاتا کہ کچھ دنون بعد
اکبر اعظم کے تخت پر صرف برائے نام بادشاہ تاج پوش ہونگے اور بادشاہت
سکھون، مرہٹون اور نادر شاہ کی فوجون کے نیچے پامال ہوگی تو اس کو
کسی قدر تکلیف محسوس ہوتی۔ نہین اس نے اپنی آنکھون سے دیکھا ہوگا اور
تکلیف محسوس کی ہوگی جبکہ سیوا جی نے دکن کے دار السلطنت اورنگ آباد پر
یورش کی ہوگی اور شایستہ خان اور محافظ فوج کو ۱۶۶۳ء مین قتل کیا ہوگا
اور اسنے ۱۶۶۴ء اور پھر ۱۶۷۰ء مین سورت کو جو مغلون کا بندرگاہ تھا
تاراج کیا ہوگا۔ ۱۰ ستمبر ۱۶۵۹ء کو حکم دیا گیا کہ دارا کو قتل کر دیا جائے۔

۲۶ مئی ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب اپنے بھائیون اور بھتیجون کے خون
مین ہاتھ رنگ کر باقاعدہ تخت نشین ہوا۔ روشن آرا محلسرا کی مالک بنائی گئی
اور مہر سلطنت کی وہ محافظ قرار دی گئی لیکن اورنگ زیب اسپر اتنا کم اعتبار

کیا تھا کہ وہ مہر کو ایک چھوٹے سے بیگ مین بند کرکے اور اسپر اپنی دوسری مہر کرکے اسکو دیتا تھا۔ سنہ ۱۶۶۲ء مین بادشاہ سخت بیمار ہو گیا جس سے اسکی دفعتاً موت کا خطرہ ہو گیا تھا، روز بروز وہ کمزور ہوتا گیا یہان تک کہ وہ کلام نہین کر سکتا تھا۔ اس واقعہ نے نو قائم شدہ بادشاہت کو ہلا دیا خبرین مشتہر ہو گئین کہ تمام صوبون کے حاکم دہلی کیطرف کوچ کر رہے ہین تاج و تخت سے محروم شدہ بادشاہ کے ساتھ سازش کرنے لگے اور اکبر خان پر زور دیا گیا کہ وہ قیدخانہ کا دروازہ کھولدے اور اسی وقت دربار کے ارکون مین دو فریق ہو گئے جنمین سے ایک چاہتا تھا کہ اورنگ زیب کے منجھلے بیٹے معظم کو تخت ملے اور دوسرا چاہتا تھا کہ اسکا تیسرا بیٹا اکبر تخت نشین ہو۔ اس تمام شورش مین روشن آرا بدل و جان کوشش کرتی رہی۔ اس نے اورنگ زیب کے کمرہ کو اپنی حفاظت مین لے لیا تھا۔ تاتاری عورتین دن رات دروازہ پر متعین رہتی تھین اور کسی دوسری عورت کو کمرہ مین آنے نہین دیتی تھین حقیقت مین اس قدر راز سے کام لیا گیا کہ محل سرا کی عورتون کو بھی خبر نہ ملتی تھی کہ آیا بیمار زندہ ہے یا مردہ۔ اس تمام اثنا مین روشن آرا برابر سازش کرتی تھی اور امراے دربار اور خواتین دیگر اس بات پر راضی کرتی تھی کہ وہ اکبر کیلیے کوشش کرین جسکی وہ موید تھی۔ اسکو امید تھی کہ بطور اکبر کے اتالیق کے بہت دن تک حکومت کر سکے گی اور کمسن شاہزادہ صرف سات یا آٹھ سال کا تھا، اور شاہی مہر ادہر ہونیکی وجہ سے اسکو کامیابی کا بہت کچھ بھروسہ تھا لیکن قسمت اسکے برخلاف تھی اور اسکو ناامید ہونا پڑا۔

پانچوین روز اورنگ زیب کو افاقہ ہوا اور اسکا سب سے پہلا کام بادشاہت کے اہم کامون کی طرف توجہ کرنا تھا۔ اس نے اکبر خان کے نام ایک حکم لکھوایا کہ وہ معزول شدہ بادشاہ پر پورا قابو رکھے تاکہ ایسا نہو کہ وہ نکل جاے اور تمام بادشاہت کو تہ و بالا کر ڈالے۔ اس کے بعد اس نے مہر سلطنت لانے کے لیے حکم دیا جو اسکی چھوٹی بہن کے قبضہ مین تھی۔ وہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ اسکی بہن نے اس مہر کو کسی بُرے کام مین تو استعمال نہین کیا ہے۔ اسکو جلد اطمینان ہو گیا کیونکہ سازش ابھی اتنی پختہ نہین ہوئی تھی کہ اس سے مہر کا استعمال ضروری سمجھا جاتا۔ اورنگ زیب کو جلد ہی اس سازش کی خبر ہو گئی لیکن اس نے اسوقت اس کا کچھ خیال نہین کیا۔ اس سے وہ پوری طرح واقف تھا کہ اسکی بہن کوئی معمولی عورت نہین ہے اور وہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے کسی بات سے نہ جھجکے گی بس اسی روز سے اورنگ زیب اس سے بدظن ہو گیا اور روشن آرا نے بھی اپنے بھائی کے مزاج مین تبدیلی محسوس کی۔ وہ اپنے بدقسمت بھائیون اور بھتیجون کی قسمت سے باخبر تھی اور اسکو خوف تھا کہ کہین اسکا بھی یہی حال نہو اس نے اورنگ زیب سے التجا کی کہ اسکو محل سرا کے چھوڑنے اور ایک علحدہ محل مین رہنے کی اجازت ملجاے لیکن اورنگ زیب اپنی بہن سے خوب واقف تھا لہذا اسکی درخواست کو نامنظور کیا۔ عذر یہ کیا کہ چھوٹے بچون کی تعلیم کی نگرانی کیلیے اس کا محل مین رہنا نہایت ضروری ہے۔ اسکے بعد سے اس کی زندگی غیر دلچسپ ہو گئی۔ بس یہ کہنا کافی ہے کہ اورنگ زیب اس سے اس قدر خائف تھا کہ وہ اسکو ہمیشہ زیر نظر رکھتا تھا خواہ وہ دہلی مین ہو یا کشمیر مین۔

(ترجمہ)

تجلی (خورجوی)

سکھ اور مرہٹہ

جس وقت ہم مرہٹون اور سکھون کا مقابلہ کرنے کیلئے تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہین تو ہمین دونون کے طلوع وغروب اور اغراض و مقاصد مین نمایان اختلافات نظر آتا ہے۔ پہلا فرق تو یہی ہے کہ مرہٹون کے سرغنہ سیواجی نے اپنی زندگی کا معیار ہندستان مین ہندو سلطنت قائم کرنا ٹھہرایا اور اس طرح اپنی قوم مین جان ڈالی، حالانکہ سکھون کی زندگی کا آغاز مذہبی فرقہ کی صورت مین نمایان ہوا۔ سیواجی نے جو سرکشیان اور ہنگامہ آرائیان کین وہ انکی تحریک اور معیار زندگی کا جزو اعظم تھین، کہ جن سے تمام ملک مین ولولہ و جوش پیدا ہو گیا تھا۔

سکھون کے گرو نانک کے دلمین روحانی آزادی کی امنگین اُٹھ رہی تھین۔ انکو ملکی آزادی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بت پرستی یا مورتی پوجن سے ہندو قوم بہت محدود ہو گئی تھی۔ بابا نانک نے اس تنگی کو دور کیا اور روحانی آزادی کی عمارت وسیع پیمانہ پر تعمیر کی۔

پرانون کے معتقدین کی تعداد وسعت خیز نہین ہے۔ انکے مقرر کردہ قوانین کی پابندی سے آزادی بالکل جاتی رہتی ہے مگر نانک آزادی کے شیدا تھے۔ انھون نے پرانک مذہب سے مخلصی حاصل کر لی، اور اپنی زندگی بندگان خدا کو روحانی آزادی کی تلقین کرنے مین صرف کر دی۔ جنھون نے گرو نانک کا دین و ایمان قبول کیا اور انکے مذہب کے معتقد ہوے وہ لوگ سکھ کے نام سے موسوم ہین۔ سکھ ہندی لفظ "شِشیہ" کی بگڑی ہوئی ہئیت کا نمونہ ہے۔ گرو نانک کے مذہب مین تمام لوگ بلا تمیز فرقہ و نسل شامل ہو سکتے تھے اسلیے اسکے آغاز سے یہ امید نہوتی تھی کہ سکھ مذہب کے پیرو کسی زمانہ مین سرزمین ہند پر قومی تاریخ کی عمارت بنائین گے۔

آئندہ چلکر گرو نانک کے معتقدین اور مریدون کو بھی مغل بادشاہون کے تعدی و مظالم سے محدود ہو جانا پڑا۔ اسوقت مذہبی وعظ و پند اور اپنے مذہب کی حمایت و اشاعت انکا خاص معیار قومیت نہ تھا بلکہ موقع و مصلحت دیکھکر انھون نے اپنی ذاتی اور قومی منفعت زندگی کی کسوٹی قرار دی۔

سکھون کے آخری گرو نے اپنی زندگی موخر الذکر معیار کو ہاتھ مین لیکر صرف کی۔ اس نے طبقہ انسانی مین مذہبی اشاعت کا کام بند کر دیا اور سکھون کا ایک طاقتور گروہ بنانا اپنا مشن قرار دیا۔ گرو گوبند سنگھ مین اس مشن کے تمام اوصاف موجود تھے۔ اپنی یادگار زمانہ و عدیم النظیر مستقل مزاجی سے دشمنون کے ہاتھون سے بچنے کے لیے انھون نے یہ فرقہ عظیم تیار کیا۔ سکھ جماعت کو فوجی گروہ مین تبدیل کرنے کا فخر گرو گوبند سنگھ ہی کو حاصل ہے اور اسی سبب سے آج انکا نام زمانہ کے سرتاج رہبرون اور ممتاز لیڈرون مین شمار کیا جاتا ہے۔ گرو گوبند سنگھ کے بعد جو گدی خالی ہوئی اسپر کوئی نہ بیٹھا اور اسوقت سے گدی نشینی کا سلسلہ متروک ہو گیا۔

گرو گوبند سنگھ مین اگرچہ تمام اوصاف حمیدہ موجود تھے مگر انھون نے گرو نانک کے روحانی آزادی کے مشن کو مد نظر نہین رکھا بلکہ اپنے مریدون کے صفحۂ دل پر دشمنون سے آزادی حاصل کرنے کی تلقین کا نقش فی الحجر کر دیا۔ اسطرح گرو نانک کے مشن سے جو مطلب براری ہوتی تھی وہ نظر انداز ہو گئی۔ یہ بات ضرور ہے کہ سکھ قوم نے صفحۂ تاریخ کو اپنے کارنامون سے بھرنے کیلئے اشاعت مذہب و وعظ کی صورت تبدیل کر دی تھی لیکن اس سے کچھ فائدہ نہوا، اور انکا اقبال جگنو کیطرح چمک کھا کر نظر سے اوجھل ہو گیا۔

اسمین شک نہین کہ گرو گوبند سنگھ کی ان تلقینات سے سکھ قوم جنگ آزمائی کیلیے ممتاز روزگار ہو گئی لیکن ایسا کرنے سے بابا نانک کی روحانی آزادی کا منشا اگرچہ بالکل فوت ہو گیا، مگر ترقی و اقبال نے جواب نہ دیا۔

اس زمانہ کے بعد جب ہم سکھون کے حالات پڑھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے جنگ و جدل مین زیادہ ترحصہ لیا۔ یہان سے انکی قومی تاریخ جنگ

ہی میں ملتی ہے آئندہ جون جون سلطنت مغلیہ کمزور ہوئی سکھ لوگ اپنی
سرکشیوں اور جد و جہد میں مظفر و منصور ہوتے گئے اور جس وقت یہ افغانہ
جنگ ختم کر چکے تو دلمیں طمع حکمرانی پیدا ہوئی۔

عام طور سے قاعدہ ہے کہ جب تک کہ دشمن میں مدافعتی طاقت
باقی رہتی ہے ہر ایک نوع انسان اپنے ذاتی تحفظ کی بہت فکر کرتا ہے اور
ایک خطرہ عظیم کے مقابلہ کے واسطے کل طبقہ کو متفق کر لیتا ہے لیکن
جب وہ بیرونی دباؤ ہٹ جاتا ہے تو کسی چیز سے نشۂ فتحمندی نہیں جا سکتا
کون ایسی شے ہے جو اس نشہ کو روکتی ہے؟ وہ چیز ذاتی مدافعت کی جنگی
اسپرٹ ہے۔ اگر انسان کے دلمیں وہ اسپرٹ قائم رہے تو ہرگز وہ نشۂ نصرت
سے مغرور نہیں ہو سکتا۔ ایام ظفر میں اس اسپرٹ کو کون قائم رکھ سکتا ہے۔
ایسے وقت میں تو یہی سوجھتی ہے کہ چلو غیر پر حملہ کریں۔

سکھوں میں یہ طاقت موجود تھی لیکن گرو گوبند سنگھ نے اس کا کچھ
خیال نہ کیا وہ اپنے فرقہ کی غیر مستقل ضروریات کو پورا کرنے میں کوشاں رہے
انکی تعلیم یہ تھی کہ تلوار کے سوا سکھوں کا اور کوئی گرو نہ ہونا چاہیے جس وقت
گرو نانک نے جہان فانی سے کوچ کیا تو انکے اقوال و ہدایات "گرنتھ صاحب"
کی شکل میں ظاہر ہوے۔ انکے بعد جتنے گرو گدی نشین ہوے انھوں نے مذہب میں
روحانیت کا عنصر زیادہ رکھا اور کشت انسانیت کو اپنی پند و نصائح کی آبیاری
سے زرخیز کیا لیکن گرو گوبند سنگھ کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس طرح روحانی
آزادی کا بہتا ہوا دریا یکایک سراب بن گیا۔

اس زمانہ سے سکھوں کی طاقت بڑھتی اور انکی طمع حکمرانی میں افزونی
ہوتی گئی۔ اب طمع بے قابو ہو گیا سکھوں کے تھیٹریکل اسٹیج سے مذہبی [illegible]
معلم نے کہاں چلے گئے اور انکی جگہ نئے نئے دنیوی جھگڑوں میں پھنسنے والوں
نے لے لی۔ سکھوں کی روحانی آزادی کیا کم ہوئی گویا انھوں نے خودکشی کر لی۔
اسی زمانہ میں رنجیت سنگھ کا ظہور ہوا۔ انھوں نے سکھوں کو اتفاق کی زبردست
رسی سے جکڑا اور ایک عظیم جماعت تیار کی۔ رنجیت سنگھ نے جو کچھ کیا وہ صرف
طاقت کے زور سے کیا کیونکہ اس وقت قوم میں ان سے زیادہ شجاع جری
اور مضبوط شخص ناپید تھا۔

دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی طاقت اور زور سے دوسروں کو متفق کرنے کی
کوشش کرتے ہیں وہ دوسروں کو کمزور کیے بغیر ایسا نہیں کر سکتے وہ اسی پر اکتفا
نہیں کرتے بلکہ بیج اتفاق کی جڑ اور محبت اکو اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ پھینکتے اور
اس طرح اپنی مطلب براری کرتے ہیں۔ بغرض خود غرضی سے مجبور ہو کر راجہ رنجیت سنگھ نے
سکھوں کو متفق کیا اور متواتر حکمت عملیوں سے کام لیکر انھیں سبز باغ دکھایا۔ رنجیت سنگھ
نے انکے دلمیں ایسی روح نہیں پھونکی جس سے قوم انکے بعد بھی یکجان و دو قالب ہو کر
رہتی۔ سکھوں کی تواریخ میں صرف رنجیت سنگھ ہی ایک ایسی مثال ہے جس نے
دغا و فریب اور حکمت عملی سے کام لیا۔

رنجیت سنگھ کے دلمیں طمع و حرص کی کوئی حد نہ تھی۔ خواہشات نفسانی
بے شمار تھیں عشرت پرستی اور عیاشی کے وہ غلام تھے لیکن ایک بات ضرور تھی
بمصداق جوئندہ یابندہ جس بات کے وہ درپے ہوتے تھے وہ فوراً ہی حاصل
ہوتی اور بیکار بھی نہ جاتی تھی۔ زندگی بھر میں رنجیت سنگھ نے صرف ایک مرتبہ
اپنی عیاشی وغیرہ سے کنارہ کشی کی۔ وہ برٹش حدود کے اس پار ہرگز نہ جاتے
تھے۔ صرف ذاتی اغراض و طمع انکو پیچھے سے جوش دلاتا تھا۔ یہی باتیں اسکی
پشت و پناہ ہوئیں تھیں۔

رنجیت سنگھ کو نصرت حاصل ہوئی اور ظفر نے ہمرکابی کی اور کیوں نہ کرتی
انسان اسی غرض سے طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتا ہے۔ اسکی ایسی مثالیں
ہمارے دل پر اپنا سکہ جما لیتی ہیں آتش طمع کو بھڑکاتی ہیں اور انھیں سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تباہی کس طرح ہوتی ہے۔

گرو نانک نے جو کچھ کیا وہ تو اظہر من الشمس ہے لیکن دیکھنا چاہیے کہ رنجیت سنگھ
نے سکھوں کیلیے کیا کچھ چھوڑا۔ کون رنجیت سنگھ وہ دنیاوی کامیابیوں کا متلاشی
سکھوں کے آبائی دشمنوں کو پسپا کیا جس کی آرزو ہمیشہ پوری ہوتی رہی جب
سلطنت مغلیہ کے شمس اقبال کے غروب ہونے پر سپہر تواریخ پر قمری روشنی پھیلا

[illegible] کی ترقی کے وقت جگنو کی طرح چمک اٹھی ایسی ہی جیسے کہ
[illegible] کیلیے [illegible] صرف تین باتیں یعنی نفاق، باہمی بے اعتقادی اور
[illegible] آ نکلی۔

رنجیت سنگھ [illegible] سکھ لیڈروں نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ طاقت
[illegible] ہے اس [illegible] کو فراموش کر دیا تھا کہ ہستی یا انکی طاقت کو بڑھاتی ہو
دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ جس نفاق کی رسی گرونانک نے
سکھوں کو [illegible] اتفاق سے رنجیت سنگھ نے جلا کر خاک میں ملا دیا اسکا نتیجہ
ہوا کہ سکھ قوم [illegible] اپنی چند سونہ چمک دکھا کر غروب ہو گیا اور اسوقت سے
[illegible] کیلیے ڈوب گیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نئی بنا ز سکھوں میں ترقی کرنے کا مادہ نہیں رہا اور
انکا فرقہ تنگ پیمانہ پر محدود ہو گیا اور انکی تعداد میں افزونی بھی نہیں
ہوئی۔ صدیاں گذر گئیں اور کوئی دوسرا روحانی آزادی کا واعظ نہ پیدا
ہوا اور نہ انھوں نے دنیا کے ذخیرہ معلومات میں کچھ اضافہ کیا۔

اسمیں شک نہیں کہ آج گرونانک کے پیرو کارزار حرب میں لاثانی اور
فرزانہ ہیں اور رعب ہمدگی کے ساتھ داد شجاعت دیتے ہیں لیکن ہم یہ ماننے
کو تیار نہیں کہ گرونانک ایسے آزاد پرست بزرگ کی شان سکھوں کے
[illegible] میں بھرتی ہونے سے قائم رہے گی۔ گرونانک نے اسکے لیے اپنی قیمتی زندگی
نہیں صرف کی تھی کہ انکے معتقدین فوجی نقل و حرکت میں اپنی زندگی بسر کریں۔

گرونانک نے اپنے مریدوں کو خود غرضی، تنگ بینی، تعصب اور روحانی
مردنگی سے بچنے کی تلقین کی تھی اور انکا منشا یہ تھا کہ یہ لوگ ان باتوں
[illegible] معتقد ہوں۔ گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کو ایک خاص کام میں لگا دیا
ساتھ ہی [illegible] کے پہلو بھی دلوں پر نقش کر دیے۔ نئے نام تجویز کیے گئے
[illegible] سکھوں کی [illegible] نئے رسم و رواج جاری کیے اسطرح گرو گوبند سنگھ
سکھوں کی [illegible] مختلف اطراف سے ہٹا کر ایک طرف لگا دی، یہ طرز
[illegible] ایک خاص کام کیلیے بنا دی گئی اور اسکی نوعیت [illegible]

اختلاف قائم ہو گیا۔

جسوقت سکھ قوم اپنے درجہ کمالیت سے گر گئی اور ان کی آزادی جاتی
رہی، اور کسی کام کے نہ رہے صرف مخصوص باتیں اسکے حصے میں آگئیں۔
ذی اقتدار تاجداروں نے ان سے اپنی فوجی ضروریات رفع کیں۔
لڑنے کی قابلیت انسانی کمالات کا انتہائی درجہ ہرگز نہیں ہوا اس عارضی
ضرورت کیلیے لوگ جان پر کھیلتے ہیں اور اپنے کارنامے تاریخ میں قلمبند ہونے
کے واسطے چھوڑ جاتے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے جابر عالم تاریخ
میں بہت موجود ہیں۔ یہی خواہش انسان کی سچی اور انتہائی انسانیت کو
برباد کر ڈالتی ہے اور وہ زندگی کے تمام حظ لطف سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔

سکھوں کی تواریخی زندگی کا خاتمہ نہایت پر الم ہے ندیا کی زندگی پر
غور کرو برف کی پہاڑوں سے نکلتا اور رہیں مارتا ہوا دفعتاً میدان
سراب میں مفقود ہو جاتا ہے بعینہ یہی حال سکھوں کی قومی ترقی کا ہوا۔ ایک
خدا پرست کے سچے دل سے نکلے الا چشمہ آزادی جس سے سرزمین عالم سرسبز
شاداب ہوتی ہے دفعتاً کارہائے فوجی کے ریگستان میں معدوم ہو جاتا ہے
اسمیں انسان کی شان و شوکت ہرگز نہیں باقی رہ سکتی اور نہ کچھ خلل سکتا ہو

وہ دن پھر بھی غنیمت تھا جسقدر سکھوں کی تواریخی زندگی انتہائی دائرہ
سے نکل گئی تھی لیکن اب تو یہ قومی ترقی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور نہ انھوں نے
اسمیں کچھ شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

رنجیت سنگھ نے جس سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی وہ انھیں تک رہ گئی۔
گرو گوبند سنگھ نے جو جنگ آزمائیاں کیں وہ قومی لڑائیاں تھیں لیکن ان
میں سے کسی نے بھی اپنے ارادوں کو اپنے معتقدین کے دل میں وسعت دینے
کی کوشش نہ کی۔

یہاں پر مرہٹہ اور سکھ تواریخ میں پھر اختلاف نظر آتا ہے سیواجی کی کوششیں
کسی خاص فرقہ تک محدود نہ تھیں اسکا سبب یہی ہے کہ ہندو قوم اور سکھوں
سکھوں کے مقابلہ میں کہیں وسیع تھی یہاں سیواجی کا یہ مقصد نہ تھا کہ

ہندو قوم زمانۂ فرمانروایان اسلام کی رعایا نہ رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیواجی نے کبھی اس بات کا ارادہ نہیں کیا کہ ہندوستان کی تواریخی عمارت از سر نو تعمیر ہو گرو گوبند سنگھ قریب قریب سیواجی کے معاصر ہی تھے۔ ان دونوں کے آزادی پسندانہ مین اکبر کی پالیسی منقطع ہو گئی تھی اور مغلیہ سلطنت نے غیر مسلم قوموں کو ذاتی مدافعت کیلیے بیدار کر دیا تھا یہ امر مسلمہ ہے کہ اندرونی اور بیرونی مظالم سے ہندوستان مین مختلف اوقات مین نئے نئے مذہب بن گئے اور دکھن مین اس تحریک نے کئی مرتبہ عملی صورت اختیار کی۔ یہی سبب تھا کہ اورنگزیب کے مظالم کا مقابلہ اور انسداد کرنے کیلیے سیواجی نے ہندوستان مین مذہبی علم نصب کرنے کی قسم کھائی تھی۔

اسی زمانہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے مغربی حصہ مین سکھ قوم بیدار ہوئی، اور انکے دلون مین قومیت کا احساس پیدا ہوا۔ اس اسپرٹ کے پیدا ہو جانے سے تاجداران مغلیہ نیز غالب آسکے اور ان کا شعلہ جوش قومیت اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھا حالانکہ سیواجی اور گرو گوبند سنگھ پر اندرونی اور بیرونی مظالم یکسان ہوتے تھے لیکن دونون نے ان کے انسداد کی مختلف صورت اختیار کی۔

مغل تاجدارون اور گرو گوبند سنگھ کی جنگ آزمائیان اور جانبازیان کسی قدر بیقاعدہ معلوم ہوتی ہین کیونکہ گرو نے ذاتی مدافعت کے لیے انکے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ سیواجی مین یہ بات نہین پائی جاتی ہے اسکی لڑائیان لڑائیان تھین جو قاعدہ سے ہوئین یعنی محض ولولہ اور جوش سے نہین ہوئین۔ اسکی کشکشون مین اورون نے بھی حصہ لیا سب شریک ہوے اور ہم آہنگ ہو کر لڑے، کیونکہ تمام ہندوستان کے ہندوون کی ترقی انکے مدنظر تھی۔ سیواجی کے شکار نے جو کارنمایان کیئے وہ ایک خاص فرقہ تک محدود نہ تھے، بلکہ تمام ہندوون کی تکالیف اور جذبات کے ادنی کرشمے تھے۔

ہم نے ان سب باتون پر غور کر لیا ہے لیکن جب سکھون اور مرہٹون کے انجام پر نظر ڈالتے ہین تو دونو کی زندگی کا خاتمہ یکسان نظر آتا ہے۔

ایسا کیون ہوا؟ جواب صاف ہے کہ جس ارادہ اور معیار کو صرف ایک یا معدودے چند بڑے بڑے اشخاص ہاتھ مین لیکر ملک بھر کیلیے سر اٹھاتے ہین وہ ارادہ کبھی کامیابی کی صورت نہین پکڑ سکتا۔ اگر کوئی آگ کی چنگاری کو بھڑک کر ہوے شعلہ مین تبدیل کرنا چاہے تو ضرورت ہے کہ پہلے وہ عمدہ اور چیدہ چیدہ مصالحہ جمع کرے۔ سیواجی کا دل تمام باشندگان ملک کے دل سے نہ مل سکا اس لیے اسکی تمام جدوجہد ملکی مفاد کیلیے کافی نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ارادون پر پانی پھر گیا۔ وہ عروس کامیابی سے ہمکنار نہو سکا اور مہاراشٹر والون نے اپنی طاقت قزاقی حملون مین صرف کر دی۔

عام طور سے قاعدہ ہے کہ اگر افادۂ عام کا کوئی معیار ہر ایک کے دل مین استحکام پذیر نہو یعنی اگر وہ صرف ایک لیڈر یا اسکے معدودے چند معتقدین تک محدود رہے تو اس سے فائدہ نہین پہونچتا بلکہ اسکے بجائے دوسرون کو اس سے نقصان پہونچ جاتا ہے۔ اسیطرح سیواجی کا معیار زندگی پیشواؤن کی خودغرضی کے نذر ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔

ہندوستان کی تواریخ ہمین بتاتی ہے کہ یہان نئی نئی طاقتین اٹھ کھڑی ہوتی ہین لیکن انھین کچھ زیادہ قیام نہین ہوتا۔ بڑے بڑے عالی دماغ اور بلند خیال لوگ پیدا ہوتے ہین اور چلے جاتے ہین لیکن قدرت ہمین انکے معیار کی انتہائی کمالیت پر پہونچنے کا موقع نہین دیتی۔ اسکا الزام ہم قوم یا ملک کی باہمی علیحدگی کے سر رکھتے ہین۔ ہماری سوسائٹی مین انتہا اختلافات موجود ہین، خواہ مذہب ہو یا خوراک کوئی کام ہو یا خوشی۔ تمدن یا اتفاق کسی مین یکرنگی نظر نہین آتی۔ نئے نئے چشمۂ خیالات ابلتے ہین لیکن پھر ریگ مین غائب ہو جاتے ہین۔ نئی زندگی کا ایک شرارہ ہم تک پہونچتا ہے لیکن پھر دھوان بنکر گل ہو جاتا ہے۔ بعینہ یہی حال ہمارے خیالات کا ہے ہمارے اعلی خیالات و جذبات کبھی خاص و عام مین مشتہر نہین ہوے۔

علی ہذا القیاس سکھون اور مرہٹون کے طلوع و غروب کا مقابلہ کرتے ہو

ہم یہ تجویز کرتے ہین کہ ایک وزن سکھ قوم بہت وسیع معیار کو قائم کرنے کیلیے
سعی ہوتی تھی۔ اسوقت اس ہستی کی خوش آیند خبر سنی گئی جس نے ایک مخصوص
مقام کے قدیم رواج مین جیح نہ واقع ہوتا تھا جو کسی خاص وقت مین جوش و
خروش سے مٹین بنی جسمین تمام فرقون کے باشندے شامل تھے جس کے
سبب سے ہر ادنی و اعلے کے حقوق برابر تھے اور آزادی باقی تھی اور جسکی بدولت
سے ہر شخص انسانیت کی انتہائی شان و شوکت کو پہونچ سکتا تھا گرو نانک
کی مذہبی تلقین کے معتقد ہونے کے بعد اگرچہ سکھون نے تکلیفات اُٹھائین
لیکن پھر بھی تعداد مین افزونی ہی ہوتی رہی۔ اسی مذہبی بیداری اور
مصائب کی برداشت نے سکھون کو اتفاق کی مضبوط رسی سے جکڑ دیا۔

گرو گوبند سنگھ نے سکھون کے اس روحانی اتفاق و اتحاد کو دنیوی کامیابی
کی شکل مین تبدیل کر دیا۔ ایک خاص اور عارضی ضرورت کیلیے انھون نے
اس مذہبی فرقہ کے اتحاد کی صورت بدل دی جس سے اسمین ملکی ترقی کی نوعیت
آگئی۔ ملکی اتفاق کی اشاعت سے بھی سکھون کا فرقہ محدود ہو گیا۔ اسی اتحاد
کیلیے ذات پات کا تفرقہ جس سے اسمین رکاوٹ حائل ہوئی تھی اُٹھا دیا گیا۔
گرو گوبند سنگھ نے سکھ جماعت سے ذات پات کا جھگڑا بالکل نابود کر دیا۔ اسکا خاص
سبب تھا کہ گرو نانک کے آزادانہ وعظ سے پہلے ہی اس دیوار کو قریب قریب منہدم
کر چکے تھے گرو گوبند سنگھ کی جدوجہد سے ذات پات کی نیم شکستہ دیوار بالکل
ہی گر پڑی اور خاک مین مل گئی۔ اگر گرو نانک اس ذات پات کے جھگڑے کو
پہلے سے نہ مٹا دیتے تو اس حالت مین گرو گوبند سنگھ کو ایسی کامیابی نہ حاصل
ہوتی۔ حاصل ہونا تو درکنار دماغ مین اس رسم کے انسداد کی تحریک ہی نہ پیدا ہوتی
اور نہ فرقہ بندی کی زنجیر توڑنے کی کوئی تدبیر سمجھ مین آتی۔

دیکھنا چاہیے کہ گرو گوبند سنگھ نے کیا کچھ کیا جس وقت ان مین وہ سکھون
کی دیوار اتفاق مستحکم کرنے مین ہمہ تن مصروف تھے انھون نے وہی روحانی آزادی
ہاتھ سے کھو دی جیسے کی کامیابی کا دارومدار تھا یعنی انھون نے گرون کا سلسلہ
منقطع کرکے مادی مفاد حاصل کرنا سکھون کا معیار زندگی قرار دیا۔

کچھ شک نہین کہ خیالات کے متحد ہونے کا ذریعہ صرف اتفاق ہے جسقدر وہ
نہر وسیع ہوگی اسیقدر خیالات اعلی اور کشادہ ہونگے ہر اعلی خیال کا کسی پہلو
کو مستحکم بنانے مین اپنی طاقت صرف کرتا ہے

عارضی ضروریات کی وجہ سے اور جذبات نفس کے جوش و خروش مین
گرو گوبند سنگھ کی بنائی ہوئی یہ نہر چوڑی ہوتی گئی لیکن دوسری طرف انھون نے
اپنی توجہ مبذول کی نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ اسوقت تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی
لیکن وہ طاقت جس سے آزادی نشو و نما پا رہی تھی زائل ہو گئی۔ اگرچہ سکھون
نے آپس مین بہت ہی اتفاق پیدا کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ انکی رفتار ترقی کم
پڑ گئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کئی صدی سے مذہب کے سچے معتقدین مین
ممتاز شمار ہوتے تھے محض فوجی سپاہی بن گئے اور انکی قماریکی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

سیواجی کا معیار زندگی تنگ اور عارضی ضروریات پر مبنی تھا۔ اس کے
قبل سنت اعظان مذہبی کی کوششون سے یہ سرزمین اچھی طرح زرخیز ہو چکی
تھی۔ اسی لیے سیواجی کی پر جوش تحریک تھوڑے عرصہ تک مرہٹون مین اشاعت پذیر
اور حوصلہ افزا رہی۔

ٹوٹے ہوے پیالہ مین پانی اوپر تک بھر سکتا ہے لیکن رہ نہین سکتا
بہ جاتا ہے۔ اسیطرح غیر مستقل جوش و خروش تمام ملک مین پھیل جاتا ہے اور ہم
سمجھتے ہین کہ ملک مین اتفاق پیدا ہو گیا۔ لیکن ہمارے تمدنی جسم کے سوراخ
اپنا کام چپکے چپکے کرتے رہتے ہین اور ان درازون سے وہ ہوا نکل جاتی ہے بعدہٗ
ہمارے دلمین کوئی خیال اثر پذیر نہین ہو سکتا اور اسی لیے ہندو سوسائٹی مین
نئی روح پھونکنے والی تحریک اکثر مردہ ہو کر رہ جاتی ہے اسمین جان نہین باقی
رہتی۔ سیواجی نے مرہٹہ ہندو سوسائٹی مین اپنے خیالات اسقدر مضبوطی سے
جما دیے تھے کہ اسکے بعد وہ اپنا کام کرتے ہی رہے۔

سیواجی مین ایک کمی یہ تھی کہ اس نے جو کچھ کیا اسکا تجربہ خود نہین کیا
تحریک پیدا ہوئی نہین کہ اس نے جوش و خروش سے پھیلانا شروع کر دی
اور ایک ہلچل سی مچا دی لیکن اسکی چندان ضرورت تھی سیواجی کا منشا یہ تھا

کرشل بادشاہون کیطرح ہند و سوسائیٹی کی مدافعت ہو اور اس کی حفاظت کیجائے جسکا امتیاز فرقہ بندی سے قومی جسم مین اب درج باقی ہے۔

سیوا جی ہندو سوسائیٹی کو تمام ہندوستان مین مظفر و منصور بنانا چاہتا تھا لیکن یہ مثل مشہور ہے کہ بالو کی دیوار کبھی ٹھہرتی نہین اسکی تمام کوششون پر پانی پھر گیا۔

سیوا جی کے لئے کبھی ایسا خیال پیدا نہین ہوا اور نہ اسکی اہمیت ہوئی جبسے ہندو سوسائٹی کی ضروریات پوری ہون۔ اپنی قوم پر اگر دوسری اقوام طعن و تشنیع کرین اور ظلم و تعدی سے کام لین تو ایسی صورت مین انکو ان حرکات سے روکنا اور اپنے مذہب کو ملک بھر مین فتحیاب بنانا انسانی فطرت مین داخل ہے۔

سیوا جی کی یہ تمنا اور آرزو ترقی کیلئے کافی نہ تھی کیونکہ جہان مذہب خود اپنی ہی قوم والون کے ہاتھون تنگ آگیا ہو جہان ایسی سختیان اور پابندیان موجود ہون جن سے اپنے ہی لوگ علیحدہ ہوجاتے ہون وہان کسی شخص کے لیے ایسی تفرقہ آمیز اور مذہب مین جکڑی ہوئی کمیونٹی کا تصور بھی ہندوستان مین قائم کرنا بالکل ناممکن ہے۔ بیرونی مظالم کے خلاف اظہار ناراضگی کرنے سے نہ تو کوئی قوم عالیشان ہوسکتی ہے اور نہ اُسے کچھ حاصل ہوسکتا ہے جب تک کمیونٹی مین مذہبی بیداری کے ساتھ ساتھ اتفاق نہوگا اور تمام فرقے ہم آہنگ ہوکر کام نہ کرین گے جسوقت تک کوئی اتفاق پیدا کرنے والی کشش کسی عمدہ تحریک کیلیے تمام سوسائٹی کو اندر اور باہر ہر طرف سے ہٹا کر اتفاق کی منزل مقصود پر نہ کھینچ لائے گی، اسوقت تک کوئی بیرونی طاقت اور معمولی لوگون کی شجاعت کسی سوسائٹی کو متفق نہین کرسکتی ہے اور نہ اسوقت تک اسمین زندگی اور بیداری پیدا ہونا ممکن ہے۔

بشیشر پرشاد منور

کلام شاد

(از مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای بالقابہم)

دلِ کلفت زدہ ام غنچۂ تنگ است اینجا ساقیا شیشۂ عشرت سرِ سنگ است اینجا

ناوکِ نازِ تو مرغ دل من کرد شکار غمزہ با اینہمہ چون بر سرِ جنگ است اینجا

گرچہ بد نام تماشائے تو گردست مرا پردۂ عشق مگر صورتِ ننگ است اینجا

بر سر قتل گر آمادۂ تاخیر مکن گر پئے دادن جان ما بدرنگ است اینجا

ساقیا ساغر عشرت بطلوات بزم آر نغمۂ عیش و طرب مطرب و چنگ است اینجا

ناز بر کعبہ و بتخانہ نمودن عبث است شان بیرنگی من جلوۂ رنگ است اینجا

حاجت تیر و کمان نیست پئے شاد حزین

گردش چشم تو با توس و خدنگ است اینجا

رباعیات

ہیں یاس کے نظارے کو کافی بس سمجھو   ہر برگِ شجر کو دستِ افسوس سمجھو
کیا قسمتِ سیہ نے دیکھو نیرنگ دکھائے   اس زاغ میں ہمرنگیِ طاؤس سمجھو

یکسانی سے دیکھو جلوۂ جاناں کو   کر جوہرِ آئینۂ دلِ حیراں کو
کانٹوں میں نظر کر گلستاں اے غافل   بینا ہے تو راہ سے اٹھا مژگاں کو

گلچیں ہے بازار عبث ہے بلبل   مٹھی میں تری نہیں جو نالانِ گل
مفلس کا تو گنج کنجِ خاموشی ہے   ہر شیشۂ خالی میں نہ شورِ قلقل

قسمت میں مری ہے چشمِ روشن تیری   ہے مائل لہو طبع پُر فن تیری
ہر پردے سے ہے وہ شوخیِ حسن عیاں   مژگاں نہیں دیکھ یہ ہے چلمن تیری

ہے کون اعانہ جس کو بھائی تیری   رندی تیری سے ہے پارسائی تیری
کیا تیری نظروں میں نہ دنیا کی سمائے   ہاں شمس و قمر میں روشنائی تیری

امید بقائے عیش نادانی ہے   اے خضر! تمھاری عمر بھی فانی ہے
شہرت سے نہ سرخرو ہوں مردانِ غنا   خود نقشِ نگیں کا چین پیشانی ہے

شوکت (میرٹھی)

عہد وفا

ہے مسرت چار سو قنوج میں جلوہ فگن   اور ہے آراستہ عیش و طرب کی انجمن
ہر طرف ہے ساز و ترنم کا سامان   انبساط و کامرانی کے ہیں ہر سو ہم سخن
ہے ارادہ سنجوگتا دختِ شہ جے چند کی   ہے سوئمبر کے ادا ہونے کو اب رسم کہن
کھوئی ہے بہرِ حصول دولتِ حسن و جمال   مختلف اندازِ رعنائی سے شاہانِ زمن
پر نہیں ہے شاہ دہلی بھی پرتھی راج چوہان   رنگ لائی آہ بوئے نخوتِ خاطر شکن
شہ کی جا دیکھو رکھا ہے جے چند نے تصویر سے   بزم میں دربان کی صورت اک بت پیمان شکن

ہے تصور کے مرتبے لیتا کمالِ شوق دید
اور سینوں میں ہے دریائے محبت موجزن

آہ! کیسی بزم میں یہ جلوہ افزائی ہوئی   وقفِ حیرت سر بسر چشمِ تماشائی ہوئی
محفلِ حیرت میں آئی شاہزادی باسکوت   زینتِ بتخانہ اک تمثالِ رعنائی ہوئی
نو عروسی کی وہ سج دھج اور وہ حسنِ شباب   گلشنِ خوبی میں تھی گویا بہار آئی ہوئی
آہ یہ جوشِ مسرت یہ تقاضائے حیا   خندہ زیرِ لب نگاہِ شوق شرمائی ہوئی
رخ سے پیدا تھا فروغِ جلوۂ حور و پری   تھی یہ سرخی و سپیدی کی جھلک آئی ہوئی
اور ہی کچھ آہ دھن تھا حق پرستوں کو بھلا   کاشفِ رازِ ازل وہ شانِ یکتائی ہوئی
آکے محفل میں ہوئی وہ اس طرح محوِ خرام   باغ میں جیسے نسیمِ صبح اترائی ہوئی
جستجو نے شوہرِ دلجو کی تھی منظورِ نظر   انتخابِ حسن پر مائل خود آرائی ہوئی
تو وہ دیکھو پڑ گیا آخر بتِ زریں پہ ہار   اہلِ محفل پر یہ بجلی سی اک چھائی ہوئی
بارِ خجلت سے جھکے یک لخت گلہائے چمن   ان پسند آئی کلی بلبل کو مرجھائی ہوئی
شرم و غم سے رنگِ رخ فق ہو گیا جے چند کا   رسمِ حسن باعثِ تضحیک و رسوائی ہوئی

تنگ ہو کر دختِ نافرمان کو زنداں میں رکھا
مبتلائے حلقۂ زنجیرِ سودائی ہوئی

یہ خبر جا پہنچی پرتھی راج تک سرعت کے ساتھ   آ گئی چہرہ پہ غصہ کی جھلک غیرت کے ساتھ
محو ہو کر رہ گیا جانبازیِ معشوق پر   حسرتِ دیدار آئی جذبۂ الفت کے ساتھ
بہرِ آزادیِ مظلوم و برائے انتقام   فوج لیکر جا چڑھا قنوج پر عجلت کے ساتھ
تیغ داور تھی پئے کبر و جفا، دستِ غنیم   سرنگوں ہونا پڑا جے چند کو ذلت کے ساتھ
یوں جو پرتھی راج کی آخر بر آئی آرزو   لے گیا سنجوگتا کو نصرت و عزت کے ساتھ
آکے دہلی شاہزادی سے کیا شہ نے بیاہ   ارتباطِ غنچہ و گل ہو گیا نکہت کے ساتھ

ہو گئے دونوں غرض جب وصل سے یوں شادکام
روز و شب باہم بسر ہونے لگی عشرت کے ساتھ

امرت پروا - آب حیات یا کایا پلٹ

کے بارہ مین دُنیا کے حکیموں ڈاکٹرون اور مایوس مریضوں کی کیا رائے ہے؟

اور کن کن امراض کو دور کرتا ہے مریضوں کے الفاظ مین معہ پتہ درج کرتا ہون۔ سو دو سو نہین ہزار دو ہزار نہین بلکہ لاکھون ہندو مسلمان عیسائی ڈاکٹر یورپین معتقد و قائل ہین کہ یہ علاج امراض کا اور اتفاقی حادثات کا حکمی اور شرطیہ علاج ہے۔

سِل دِق کھانسی سات ماہ کی صرف چند روز مین دور ہوا

عالیجناب ہز ہائنس نواب سر پیر فیض محمد خانصاحب بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی والی ریاست خیرپور سندھ۔ سرکار غلام رسول عرصہ سات ماہ سے بعارضہ بخار لازمی جو ۱۰۲ درجہ تھرمامیٹر پر رہتا تھا اور رات کے علاوہ کھانسی ایسی شدید تھی کہ سونا بیٹھنا حرام ہو گیا تھا چونکہ مریض اپنے آقائے نامدار میر احمد علیخان کی خدمت مین شب و روز رہتا تھا اور کھانا پینا ان کے ساتھ رکھتا تھا جن کے معالجہ کے لیے یورپین ڈاکٹر معالجہ کرتے رہے۔ میر ممدوح مدقوق تھا کوئی چارہ نہ چلا اور وہ فوت ہو گیا۔ تمام طبیبوں اور ڈاکٹروں نے متفق ہو کر کہہ دیا تھا کہ سرکار غلام رسول بھی اسی مرض مین مبتلا ہو گیا ہے۔ آخر جب تمام معالجات سے تنگ آ کر بحالت مایوسی سرکار امیر پائدار والی ریاست نے

حکیم غلام نبی زبدۃ الحکما، لاہور

کو جو جامع علوم ڈاکٹری و یونانی اور ماہر فنون مجرد طبیین برائے معالجہ طلب فرمایا۔

آب حیات کرشمۂ قدرت

زبدۃ الحکما موصوف نے کہا کہ مقدمہ سل ہے اور جگر بھی بڑھ گیا ہے۔ صرف ۱ قطرہ آبحیات ۳ دفعہ دینے شروع کیے اور تمام ادویہ انگریزی و یونانی ترک کرا دین سات ماہ کا بخار اور کھانسی ساتوین روز جاتی رہی +

الـعبـد خان بہادر رسول بخش خان نائب وزیر ریاست خیرپور سندھ

موسیٰ خان جنرل مرچنٹ گنڈھ پور اسٹریلیا۔ تمہ شیشیان آب حیات نے اس قدر فائدہ بخشا ہے گویا مردہ کو زندہ کیا۔ ایک آدمی دریا مین ڈوب گیا جب باہر لایا گیا تو لوگون نے کہا کہ مردہ ہے مین نے آپ کا آب حیات دو دفعہ دیا جس سے وہ مردہ سے زندہ ہو گیا آب حیات واقعی لاجواب دوائی ہے۔

محمد فیاض الدین فیاض زیدآباد دکن۔ آبحیات کی بہت مریضون پر آزمائش کی گئی مین نے اپنا جاد و کا اثر دکھایا واقعی ہم آم آمی ہے ایک شیشی اور بھیج دیجئے

غلام احمد تاجر کتب بھوپال پیٹ درد و قے یا دست ہون آپکی دوا آب حیات سے فوراً آرام ہوا۔

فرخ حسین ڈاکخانہ جبدالہا آب حیات عجیب چیز ہے بچہ بلا زور کرتا ہے کہ کھا لیتا ہون درد دانت مین بہت فائدہ کرتا ہے اور درد پسلی مین دو دفعہ کھایا اور لگایا۔ درد جاتا رہا واقعی عمدہ ہے۔

خواجہ ناظم لت سید ناظم علا حسن آباد دکن ضلع بیڑ ایک لڑکا دو روز سے درد سر قبض و بخار مین مبتلا تھا پہلی خوراک مین درد سر اور بخار رفع ہو اور درد سر کی تیسری خوراک مین بالکل آرام ہو گیا ایک شخص کو ۲ خوراک سے سرسام سے نجات ملی اسطرح درد سر اور بچھو کاٹنے کے کئی مریض روتے آئے اور ہنستے چلے گئے واقعی آب حیات اکسیر اعظم ہے۔

اسقدر معززو مستند اسناد کے بعد کیا مین دعویٰ کر سکتا ہون کہ یہ دوا مجرب و سریع الاثر ہے **قیمت** فی شیشی عہ آدھی درجن صہ ایک درجن عـ۵ ر ساٹیفکٹ و مفصل حال کے لیے کتاب آب حیات مفت۔

الغرض آبحیات کی شیشی ہر گھر مین موجود ہونی ضروری ہے سفر و حضر مین آرام کا باعث ڈاکٹر کی ضرورت ہے نہ طبیب کی بیسیون امراض کی ایک ہی تیر بہدف دوا ہے جو بلا ضرر و تکلیف کے نفع دیتی ہے۔ (منیجر)

پتہ: شاہی سند یافتہ زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی مصنف سلسلۂ لطفِ زندگانی و ایڈیٹر رسالہ حفظ صحت۔ لاہور

مرد عورت اور لڑکوں کے لیئے سر مین لگانیکا خوشبودار تیل

(رجسٹری شدہ) **# کامی نیا آئیل** (رجسٹری شدہ)

یہ تیل نہایت عمدہ او بنا ہے ... ہندوستان ... سب ... استعمال کرتے ہین کیونکہ یہ مفید اجزا سے ... کامی نیا آئیل سر پر لگانیسے ... اور اسی باعث ... دیر تک ... اور دماغی کام کرنیوالون ... کامی نیا آئیل ... بیماریون کو دور کرتا ہے اور گرتے ہوئے بالون کو ... سفید ہونے نہین دیتا سر کے بال نرم و سیاہ ... ہو جاتے ہین دماغ کی خشکی درد سر کمزوری وغیرہ کو دور کرتا ہے بالونکو بڑھاتا ہے ضعف دماغ زیادہ رنج و غم و فکر کی وجہ سے بالونکی جڑین کمزور ہو جاتی ہین اور پھر بال ٹوٹکر گرنے لگتے ہین اور یہ بیماری اکثر بچہ پیدا ہونیکے بعد بھی عورتونکو ہوتا ہے جسکے لیے کامی نیا آئیل نہایت مفید ہے نقلی تیل جو بازار مین لوگ فروخت کرتے ہین دماغ کو نقصان پہونچاتے ہین ایسا ضرر رسان تیل نہ خریدو بلکہ ہمیشہ ہمارا اصلی کامی نیا آئیل طلب کرو جسکی عمدگی کے لیے ہمکو **میسور کی گذشتہ نمائش گاہ سے ایک سونے کا تمغہ انعام ملا ہے**

کامی نیا آئیل خریدتے وقت اگر کوئی دوکاندار آپکو دوسرا تیل دے اور کہے کہ یہ اس سے عمدہ اور سستا ہے تو اسکی خریداری سے اجتناب کرو کیونکہ ہلکا تیل فروخت کرنیوالے زیادہ نفع کی لالچ سے خراب مال دینے کی کوشش کرتے ہین اسلیے جب خرید کامی نیا آئیل کی سر مہر بند بوتل دیکھ لو قیمت فی بوتل ایک روپیہ

وی پی خرچ چار آنہ ۴ ر تین بوتل دو روپیہ دس آنہ وی پی خرچ سات آنے ۷ ر

استعمال کرنیکی ترکیب بال اور بالونکی جڑونکو ہر دوسرے تیسرے روز صاف کرکے نیم تیل کی مالش کی جاوے۔

(رجسٹری شدہ) **# آٹو دل بہار** (رجسٹری شدہ)

واقعی آپکے مزاج کے مطابق قدرتی پھولونکا کیمیاوی طریق سے جوہر نکالا گیا ہے خوشبو کی پائداری اور پاکیزگی مین لاثانی ہے اسکے چند قطرے آپکے رومال پر لگانیسے آپکے گرد مہکتے ہوئے پھولونکا باغ ہونیکا ثبوت دینگے۔ اچھی خوشبو کے طلبگار اسمین کفایت کا پہلو تلاش کرین اور اسمین شراب کی آمیزش نہین ہے۔

قیمت چھوٹی شیشی ۸ ر درمیانی ۱۲ ر بڑی عام محصولڈاک علاوہ اسکی بڑھتی ہوئی فروخت دیکھکر حریفین نے نقل بنانا شروع کی ہے۔

ہر ایک شیشی پر لفظ "**آٹو دل بہار**" رجسٹرڈ دیکھکر خرید کرین

سول ایجنٹس انگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی جامع مسجد مارکیٹ بمبئی

شاکر میرٹھی نے منور پریس لکھنؤ (دفتر العصر) سے شایع کیا

ادبِ اُردو کا ماہوار باتصویر رسالہ

مرتبہ

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

قیمت سالانہ للعہ مع محصول (جملہ حقوق محفوظ) قیمت فی پرچہ ۸؍

جلد ۴ نمبر ۳ — عصر — مارچ سنہ ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

تصاویر: (۱) محویت رنگین۔ (۲) خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب (۳) جناب رشید تھانوی (۴) جناب محوی لکھنوی (۵) خواب گاہ۔

	صفحہ
۱۔ نفس انسانی کا ناقابل پیمائش عمق۔ مولوی ابوالعلا صاحب خشی (؟)	۱۱۷
۲۔ ارتقائے حیات۔ منشی رشید احمد صاحب رشید تھانوی۔	۱۲۳
۳۔ خاقانی ہند ذوق مغفور۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری۔	۱۲۶
۴۔ محاربۂ عظیم۔ مسٹر جے۔ آر۔ رسالے۔	۱۳۲
۵۔ خط ناگ لکھی۔ منشی تیرتھ رام صاحب فیروز پوری۔	۱۳۹
۶۔ فن تحریر۔ منشی موہن لال صاحب فہم لکھنوی۔	۱۴۵
۷۔ تنقید کتب۔ "سید القلم"۔	۱۴۸
۸۔ تیر نگاہ (قصہ)۔ منشی محمد شفیع الدین خان مراد آبادی۔	۱۶۰
۹۔ شام جوانی۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی۔	۱۶۵
۱۰۔ مزار غالب۔ منشی عبد الخالق صاحب خلیق دہلوی	۱۶۵
۱۱۔ افسوس۔ منشی تلوک چند صاحب محروم۔	۱۶۶
۱۲۔ مجذوب کی بڑ۔ جناب رشید بازید پوری۔	۱۶۶
۱۳۔ خیر مقدم العصر۔ مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی۔	۱۶۸
۱۴۔ محویت۔ سید محمد یوسف صاحب قیصر۔	۱۶۸
۱۵۔ رباعیات اوج۔ حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی۔	۱۶۹
۱۶۔ جگنو۔ قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی۔	۱۷۰
۱۷۔ فکر انجام۔ مرزا برکت علی صاحب شروانی۔	۱۷۰
۱۸۔ تازہ غزلیں۔	۱۷۱

نفس انسانی کا ناقابل پیمائش عمق

(۱)

غالبًا ہمیشہ سے ارباب تفکر کو یہ شک ہے کہ ہم "نوع انسانی" جسقدر بڑے معلوم ہوتے ہین' اس سے زیادہ بڑے ہین۔ یہ خیال اولًا تو ہمارے قدرتی غرور اور اگر اسکی تعبیر نرم و عنایت آمیز الفاظ مین کی جائے تو ہماری امیدون' خواہشون' اور حوصلون کی خوشامد کرتا ہی۔ اسکے علاوہ یہ ایک مہمان نواز پناہ گاہ ہی' جہان مصائب و شدائد کے وقت' جو ہماری پابندیونکا نتیجہ ہین' ہمین کثرت ہوا اور وسیع گنجائش ملتی ہے۔

اس خیال کا اظہار گونہ گون شکلون مین بہت سے مواقع پر ہوا ہے۔ انجیل مین انسانون کا ذکر خداوند کی حیثیت سے کیا گیا ہی۔ مسیحی متکلمین نے خدا اور انسانون کو ملا دیا ہی، اور پھر نہ صرف کسی فقید المثال موقع پر بلکہ ہر جگہ۔ افلاطون کی "جمہوریت" مین روح انسانی آسمانی سلطنتون سے آتی ہی، اور دریائے لیتھی یونانی میتھولوجی مین ایک دریا ہی۔ جو شخص اس دریا کا پانی پیتا ہی اسکے حافظے سے تمام باتین محو ہو جاتی ہین، اُسکا پانی پیکر اپنے تمام گزشتہ تجربات کو بھول جاتا ہے۔

یہ نظریہ ہندؤن کے یہان بعض تعلیمات سے بہت مشابہ ہی۔

اس خیال کی بلند پایہ تعبیر وہ ہی جو ورڈس ورتھ نے اپنے قصیدے "اوڈ" مین کی ہی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے :-

ہم خدا کے پاس سے آئے ہین جو ہمارا گھر ہی' نہ بالکل فراموشی کے عالم مین اور نہ ہمہ تن عریانی کی حالت مین' بلکہ عظمت و شان کے بادل اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے۔

یہی شاعر ایک اور سانٹ کو (انگریزی نظم کی ایک قسم ہی) اس کثیر الاستشہاد فقرہ پر ختم کرتا ہی "ہم محسوس کرتے ہین کہ اپنے آپ کو ہم جسقدر بڑا سمجھتے ہین اُس سے زیادہ بڑے ہین"!

اب تک یہ خیالات فلاسفہ، شعرا، اور انبیا کے قلمرو مین داخل

سمجھے جاتے تھے مگر گزشتہ ربع صدی یا اس سے کم و بیش عرصہ میں
اُنھوں نے اب علم سائنس کی توجہ پر استحقاق کے دعوے کیے ہیں اور
اس باب میں انھیں ایسے واقعات سے مدد ملی ہے جو اصلی ہیں اور
علمی سائنٹفک طور پر مشاہدہ میں آتے ہیں۔

(۲)

اگر درحقیقت ہمارے اندر کوئی ایسی جسمانی یا دماغی شے ہے جو ہمارے
روح یا نفس سے خارج ہے جیسا کہ ہمیں "خود آگہی" کی حالت میں محسوس
ہوتا ہے تو اسے ہم کیونکر دریافت کرسکتے تھے؟
یہ ایک سوال ہے جس کا جواب گوناگوں واقعات کا ذکر اور پھر ان سے
نتائج مستنبط کرے گا۔

احساس مخفی اگر ایک چھوٹی سی مکھی ہمارے ہاتھ کی پشت پر چلتی ہے
تو اسکی رفتار ہمارے احساس میں کسی قسم کا ہیجان پیدا نہیں کرتی
بلکہ اسکی رفتار محسوس تک نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ایک کے بجائے چھ ہوں
تو وہ ہمیں ضرور محسوس ہونگی۔ تو گویا "لاشے" جب چھ گونہ ہو تو اس سے
"شے" پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہیے کہ احساس کی ایک مقررہ مقدار ایک
محرک سے پیدا ہوتی ہے لیکن جب اس محرک میں سے پانچ سدس (چھٹا
حصہ) کم کر لیے جائیں تو احساس کے ایک سدس باقی رہنے کے بجائے
کچھ بھی نہیں رہتا۔
بالفاظ دیگر ایک دہلیز ہے بظاہر اس دہلیز کے نیچے ایک محرک کوئی
احساس پیدا نہیں کرتا لیکن ہمارا قیاس ہے کہ یہ محرک گو "محسوس"
احساس پیدا نہ کرسکے مگر ایک غیر محسوس اور مخفی احساس ضرور پیدا کرتا ہے
ہم میں کوئی ایسی شے ضرور ہے جو ایک مکھی کو بھی محسوس کرتی ہے اگو
معمولی نفس اسے محسوس نہیں کرتا۔ یہ شے خواب مقناطیسی کے مختلف
تجربات سے ظاہر ہوتی ہے جسمیں بقول پروفیسر جیمس اشیاء سطح عام پر
آجاتی ہیں "آگہی" ایک اسپیکٹرم بینڈ ہے ایک آلہ جس میں نور کے
وہ الوان منتشر بھی نظر آجاتے ہیں جنکو یوں نظریں نہیں دیکھ سکتیں (ا
جس طرح روشنی کی) بہت سی ایسی شعاعیں ہیں جنکو آنکھیں نہیں
دیکھ سکتیں اسی طرح بہت سے احساسات ہیں جن سے معمولی طور پر
ہم آگاہ نہیں ہوتے مگر روشنی کی ان غیر مرئی شعاعوں کیطرح وہ بھی
اس احساسات کے اس اسپیکٹرم بینڈ "احساس مخفی" میں اُتر آتے ہیں۔

ادراک مخفی ادراک مخفی کے لیے بکثرت شہادت موجود ہے۔ اسمیں تو
شک ہی نہیں کہ ہم میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو "معمولی آگہی"
کی محض لاعلمی میں سوچتی ہے دلائل قائم کرتی ہے اور پھر ان کے نتائج
نکالتی ہے۔ اس نقطہ بحث کے متعلق ڈاکٹر بریمول کے تجربات سب سے
زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے معمولوں کو حکم دیا کہ وہ
فلاں کام اپنے خواب سے بیدار ہونے کے اتنی دیر کے بعد کریں مثلاً
یہ کہ کاغذ کے ایک پرزے پر چلیپا بنائیں۔ بیداری کی معمولی حالت
میں تو معمول کو حکم کا ذرا بھی علم نہ تھا مگر ایک "مخفی طبقہ دماغ" اس سے
باخبر تھا اور وقت مقررہ کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اسے محسوس ہوا کہ
وقت مقررہ آگیا ہے تو اس نے معمول سے وہ حکم پورا کرالیا۔ وقت
مقررہ کی مقدار منٹوں سے لیکر مہینوں تک تھی۔ مثلاً ایک دفعہ ڈاکٹر
موصوف نے اپنے ایک معمول سے کہا کہ تمھیں فلاں وقت یہ معلوم
ہوگا کہ جیسے کاغذ کے پرزے پر چلیپا بنانے کے لیے کوئی مجبور کر رہا ہے
اور تم بناؤگے۔ اسکے ساتھ اُنھوں نے وقت بھی بتا دیا ہے چنانچہ
اُنھوں نے کہا کہ یہ واقعہ ۲۴ گھنٹے اور ۲۸۰۰ منٹ پر ہوگا۔ یہ وقت کا
تعین بھی منجملہ اسباب اصلیہ کے ہے۔ یہ حکم اٹھارویں دسمبر یوم شنبہ
کو ۳ بجکے ۴۵ منٹ پر دیا گیا تھا اور اکیسویں دسمبر کو ٹھیک ۳ بجکے ۴۵ منٹ
پر اسکی تعمیل ہوئی۔ دوسرے تجربوں میں ۴۴۱۷، ۸۶۵۰، ۸۷۰۰، ۱۰۰
۷۰ منٹ کی مدت مقرر کی گئی تھی، ان تمام احکام کی تعمیل عین
وقت پر ہوئی۔

ہم بہت سے اکثر اشخاص کی طرح معمول بھی بیداری کے عالم مین اس قابل نہ تھا کہ وہ دماغی طور پر حساب لگا کے معلوم کر سکتا کہ یہ مدت کب ختم ہوگی؟ مگر طبقہ "خواب مقناطیسی" اِس قابل ضرور تھا اور وہ اس امر کی ضمانت کر سکا کہ جونہی وقت مقررہ آئیگا فوراً حکم کی تعمیل ہو جائیگی۔ ایک تجربہ مین یہ وقت رات کو آیا، معمولہ نے (اس تجربہ مین معمول ایک عورت تھی) ٹھیک اسی وقت چلیپا کا نشان کاغذ کے ایک پرزے پر بنایا جو اسکے پلنگ کے پاس پڑا تھا۔ بظاہر وہ اسوقت بیدار نہین ہوئی کیونکہ جب وہ اُٹھی ہی تو اسے چلیپا بنانا یاد نہ تھا۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ صرف یہی نہین کہ نفس کا ایک ایسا مخفی حصہ ہی جو حساب لگا سکتا ہی، بلکہ یہ حصہ عالم بیداری کی "معمولی آگہی" سے بہتر حساب لگا سکتا ہے!

یہی نتیجہ حساب کے عجیب و غریب سوالات کے حل پر غور کرنے سے نکلتا ہی۔ بارہا دیکھا گیا ہی کہ ان عجیب المواہب اشخاص نے (یعنی وہ لوگ جنھین قدرت نے عجیب و غریب دماغی قویٰ عطا کیے ہین) چند سکنڈ کے اندر ایسے سوالات حل کر دیے ہین جن کے آگے معمولی تعلیم یافتہ اشخاص کی عقلین خیرہ رہجائین اور متوسط درجہ کے حساب دان کو بھی ان کے حل مین کاغذ، پنسل، اور جلد جلد حساب لگانے کے باوجود نصف گھنٹہ لگے۔ تاہم یہ عجائب المخلوقات لوگ (جنکا وجود خلقت انسانی کی عبارت مین بطور جملہ معترضہ کے ہی) جیسے بکسٹن، ڈاس، مانیڈیو، ذرا نہین بتا سکتے کہ وہ کیونکر اسقدر جلد حساب لگا لیتے ہین؟ کیونکہ وہ جو کچھ کرتے ہین دانستہ نہین کرتے بلکہ سوالات کو اپنے نفس کے اندر اُترنے دیتے ہین اور اسکے بعد اندر سے جواب آنے کے منتظر رہتے ہین یہ ایسا ہی ہی جیسے کہ ہیلم پڈنگ کو (ایک قسم کا انگریزی کھانا ہی) گرم چشمہ مین جوش دینے کے لیے رکھیے، یا مکڑی کے بچے کو جیگا کوشین مین ڈالیے کہ اندر جاتا ہوا تو مکڑی ہی مگر نکلتا سیوسا ہی اور درمیان کی تمام کارروائی ہم سے پوشیدہ رہتی ہی۔ علی ہذا حساب بھی معمولی آگہی کی دہلیز کے نیچے ہی نکلتا ہے!

حافظہ مخفی | تجارب خواب مقناطیسی کے نتائج، اور شکستہ شخصیتوں کے تشخیصی حالات کا مطالعہ اِس امر کے اثبات کے لیے کافی ہی کہ معمولی حافظے سے "حافظہ مخفی" کا وسیع ہونا سوال کی سرحد سے باہر ہے۔

بہت سی باتین جو ہم "بھول جاتے ہین" معلوم ہوتا ہی کہ سرک کے "دہلیز" کے نیچے آ رہتی ہین، اور اسطرح گو ہماری "معمولی آگہی" کے لیے وہ "گم شدہ" ہو جاتی ہین مگر خواب مقناطیسی کی ان تک رسائی ممکن ہوتی ہی۔ یا یون کہیے کہ عالم خواب مین جب خود "آگہی" غائب اور دوسرے طبقات نفس برسرکار ہوتے ہین تو یہ "گم شدہ" چیزین پھر واپس آ جاتی ہین یا پھر "لوح صغیر"[1] کی ایک "غیر ارادی"[2] "تحریر کی صورت مین منتقل ہو جاتی ہین چنانچہ

---

[1] یہ ایک فرانسیسی نژاد لفظ ہی جسکے لغوی معنی چھوٹا سا تختہ ہین مگر اصطلاح مین ایک خاص قسم کی تختی کو کہتے ہین۔ یہ ایک قلب نما یا مثلث لکڑی کا تختہ ہوتا ہی۔ اسکے نیچے تین پائے ہوتے ہین۔ ان پایون مین دو پہیئے لگے ہوتے ہین اور ایک نوکدار پنسل۔ جب پنسل کے بالائی سرے پر ہاتھ رکھا جاتا ہی تو وہ اِس طرح چلنے لگتی ہی گویا از خود چل رہی ہی۔ پنسل کی رفتار سے نیچے کے کاغذ مین نقوش بنتے جاتے ہین۔ خواب مقناطیسی کے معمول کو یہی تختی دی جاتی ہی عربی مین اسکا ترجمہ "لوح صغیر" ہوا ہی جو اصل لفظ کا بعینہ ترجمہ ہے۔

[2] جاندار اور بیجان چیزون مین ایک وجہ امتیاز یہ ہی کہ جاندار چیزون کے کام ارادہ اور علم کی حالت مین ہوتے ہین۔ لیکن بیجان چیزون کے کسی ایک کام مین بھی ارادہ یا علم کو دخل نہین ہوتا۔ فونوگراف اور انسان، دونون بولتے اور دونون کی گفتگو معنی خیز اور قابل فہم ہوتی ہے، اور بعض بہتر قسم کے فونوگرافون کی تو یہ حالت ہی کہ اگر سننے والے کو معلوم نہ ہو کہ فونوگراف بج رہا ہی تو وہ یہی سمجھتا ہی کہ کوئی انسان بول رہا ہی۔ مگر انسان کے بولنے مین علم و ارادہ کو دخل ہوتا ہی اور فونوگراف کے بولنے مین منشا اور ہوتا ہی اور نہ علم اسلیے ایک گویا اور دوسرا صرف آہنگ سا ہی

حال کے ایک واقعہ میں جسکی اطلاع سوسائٹی فار فزیکل ریسرچ کو دیگئی ہو ایک کاتب "غیر ارادی" اور ایک روح سے سلسلۂ مخابرات تھا جولیے آپکو بلانش ناٹنگس کہتی تھی اور بہت سے ایسے تاریخی واقعات کی تفصیل بیان کرتی تھی جس سے یہ شخص خود واقف نہ تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ روح ایک ناول کا کیرکٹر ہو جسے عرصہ ہوا اس لکھنے والے نے پڑھا تھا، اور یہ تمام تفصیل اسمین موجود تھی۔ یہ شخص اسکو بھول گیا تھا مگر وہ سرک کے دہلیز کے نیچے گئی تھی مخفی طبقات نے انھین محفوظ رکھا تھا اور جب ایسا سوراخ کیا گیا جو آگہی کی بالائی سطح سے پار ہو گیا (یعنی "آگہی" کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا) تو پھر ان طبقات نے اسے غیر ارادی تحریر کے ذریعہ سے حاضر کیا۔

جذبات کا ہیجان مخفی | جذبات کا "مخفی ہیجان" بھی ایک حقیقت ہو اگرچہ شاید بہت کم قابل ثبوت ہو۔ مسز وریل کی شہادت کی ایک دلچسپ مثال وہ واقعہ ہو جو چند دن ہوئے مسز وریل[ل] کو غیر ارادی تحریر کے ایک تجربہ میں پیش آیا تھا۔ مسز موصوفہ جب اپنی "نیم آگہی" کے عالم سے نکلین جسمین کہ وہ "بلا ارادہ" لکھ رہی تھین تو باوجودیکہ ان کے جذبات مین "خبر دارانہ ہیجان" نہین ہوا تھا، مگر پھر بھی ان کے رخسارے ہنوز اشک آلود تھے۔ امتحان کرنے پر معلوم ہوا کہ تحریر مین دو دوستون کا تذکرہ ہو جنھین نہایت غمناک حالات مین موت آئی تھی۔ لیکن خود مسز وریل نے جب تک اپنی تحریر نہین پڑھی، اسوقت تک وہ اسکے مضمون سے واقف نہ ہوئین۔ اس سے ظاہر ہو کہ نفس کا کوئی حصہ صرف یہی نہین کرتا کہ "خبر دارانہ ہستی" کے بغیر سوچتا، یاد کرتا، اور انگلیون کو لکھواتا ہو، بلکہ بغیر اسکے کہ "نفس آگاہ" کو سب معلوم ہو، وہ آنکھون سے آنسو کے دریا بھی بہا دیتا ہو!

تخلیق مخفی | "تخلیق مخفی" سب سے زیادہ ثابت ہو کیونکہ ہم مین ہر شخص ہر شب کو اس کا ثبوت دیتا ہو۔ وہ عالم خواب مین ایک ناول یا ڈراما نویس بنجاتا ہو اور ایسے ایسے حالات تراشتا ہو جو بیداری کی حالت مین نفس کو بالکل لغو معلوم ہوتے ہین اور ہمارے تجربہ کے لحاظ سے بالکل انوکھے ہوتے ہین!

اسکی تصدیق اسکاٹ بھی کریگا جسنے "برائڈ آف لیمر مور" اپنے مرض اور دماغ کی غیر معمولی حالت مین لکھوائی، اور جب یہ قصہ کتاب مین پڑھا تو اسکا بڑا حصہ اسے بالکل نیا معلوم ہوا!

اگر دعوے کی اس سے بلند تر سطح پر قدم رکھنا ہو تو بلا خوف رد کہا جا سکتا ہو کہ ذہن کے تمام اعمال اور تخلیقات انہی مخفی چشمون سے جوش زن ہوتے ہین۔ یہ چیزین خیالات کے اخذ سے پیدا نہین ہوتین معلوم ہوتا ہو کہ اسکا طریقہ اس قوت کے طریقہ سے بالکل مختلف ہو جو دانستہ سوچتی اور دلائل قائم کرتی ہو۔ یہان عمل سے زیادہ انتظار ہوتا ہو گیٹے کہتا ہو کہ "گویا سب کچھ دیا ہی گیا ہو" اور الہام "دہلیز" کے نیچے سے آتا ہو! بہت سے اجلۂ اہل قلم گیٹے کے مقولے کی تائید کرتے ہین۔ چنانچہ اسٹیفن نے سخت بخار کی حالت مین تین حصہ کے اندر "برینڈ"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن کبھی ایسا ہوتا ہو کہ انسان اپنی اس مزیت سے علیحدہ ہو جاتا ہو۔ وہ سب کچھ وہی کرتا ہو جو پہلے کرتا تھا، مگر اسکی اس حالت کے تمام حرکات و سکنات کا شمار ایک جاندار کے حرکات و سکنات مین نہین ہوتا وہ اسوقت بالکل ایک مشین کی طرح ہوتا ہو۔ جو گو ایک جاندار کیطرح کام کرتی ہو مگر زندگی کی اصلی مزیت یعنی علم و ارادہ سے محروم ہوتی ہو۔ کچھ انسان ہی کی خصوصیت نہین۔ یہ حالت دوسرے جاندارون کی بھی ہوتی ہو کوئی جاندار شے جب اس حالت مین ہو تو اسکو "آٹومیٹن" کہتے ہین اور اس حالت کے حرکات و افعال کو "آٹومیٹک"۔ آٹومیٹن کا لفظی ترجمہ "خود رو" ہو لیکن ہماری زبان مین خود رو دوسرے معنی مین مستعمل ہو۔ عربی مین آٹومیٹن کا ترجمہ متحرک بلا ارادہ ہوا ہو۔ ایسی حالت مین آٹومیٹن کا ترجمہ غیر ارادی کیا جا سکتا ہو۔

[ل] مسز وریل کیمبرج مین السنہ قدیمہ کی خطیبہ یعنی کلاسیکل لیکچرر ہین۔ ان کے متوفی شوہر انگریزی پروفیسر شپ موسومہ باسم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم پر مامور تھے۔

کسی [illegible] کے عالم میں اپنے بستر مرض سے ان سطرون کے لکھنے کے لیے [illegible] اٹھا کرتا تھا جو ہنگامہ محشر بپا کرتی ہوئی اسکے نفس کی سطح تک آ جاتی تھیں۔ شارلٹ برانٹ کی یہ حالت تھی کہ وہ پہلے تو چند دنون تک نہایت آزادی سے لکھتی تھی، مگر اسکے بعد تحریر ملتوی ہو جاتی تھی اور مہینون تک دوبارہ جاری ہونے کا نام نہین لیتی تھی۔ مگر اسکے بعد پھر کوہ آتش فشان پھٹتا تھا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ لکھنا شروع کرتی تھی۔ یہانتک کہ وہ کثرتِ محنت کی وجہ سے آخر بیمار پڑ جاتی تھی۔ اسنے "ایمیلیز دتیر نگ ہائٹس" مین جہان یہ بحث کی ہو کہ ہیتھکلف کے سے کریکٹر کا پیدا کرنا بجا ہی، وہان وہ اپنی بہترین زبان مین اس واقعہ کو یون بیان کرتی ہے:-

مگر اسکو مین جانتی ہون جو انشا پرداز کہ قوتِ تخلیق رکھتا ہو، اسکے پاس ایک ایسی شے ہوتی ہو جسکا وہ ہمیشہ مالک نہین ہوتا۔ جو بسا اوقات نہایت عجیب غریب طور پر چاہتی ہو اور اپنے لیے کام کرتی ہو۔ وہ قواعد بنا سکتا ہو، اصول وضع کر سکتا ہو، شاید سالہا سال تک انکی محکومی مین پڑا بھی رہے، لیکن پھر ایک وقت آتا ہو جب یہ قوت بغاوت کی اطلاع کے بغیر وادیون کی جُتی ہوئی زمین مین ہینگا یا سرادن پھیرنے یا ہل مین جُتنے کو قبول نہین کرتی جبکہ یہ شہر کے مجمع پر خندہ زن ہوتی ہو اور ہنکانے والے کی آواز کے ساتھ بے پروائی کرتی ہو جبکہ وہ سمندر کے ریت کی رسیان (ریت کی رسی یعنی کمزور اور غیر استوار رشتہ یا رابطہ) بنانے سے انکار کرتی ہو اور بت تراشی شروع کر دیتی ہو۔ چنانچہ تمھین "قسمت" یا "الہامی ہادی" کی حیثیت سے ایک بت تراشنے کے لیے ملیگا۔ یہ کام خواہ ہیبتناک ہو یا شاندار، ابلیسی ہو یا قدوسی، تمھین انتخاب کا اختیار نہین۔ تمھارے لیے صرف یہی رہ گیا ہو کہ اسے خاموشی کے ساتھ اختیار کر لو۔ رہے تم، تو ایک بے نام صناع کی حیثیت سے تمھارا حصہ صرف اتنا ہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ ان ہدایات کے اندر کام کرو جو نہ تو تم نے دیے ہین اور نہ دیکھے متعلق تم دریافت کر سکتے ہو۔ جو نہ تو تمھاری نماز جنازہ مین بیان کیئے جائینگے اور نہ تمھارے خیال کے وقت چھپائے یا بدلے جائین گے۔ نتیجہ دلچسپ ہوا تو دُنیا تمھاری تعریف کریگی۔ تم کہ تعریف کے مستحق نہین ہو دُنیا تمھاری تعریف کریگی، اور اگر ناپسند ہوا تو تم تعریف کی طرح الزام کے بھی سزاوار نہین۔ دُنیا الزام دے گی!"

اسکاٹ کیطرح اسٹیونسن بھی اسکی تائید کریگا، جسکا بیان ہو کہ اسنے ٹرئیرر آئیلینڈ کے پندرہ باب پندرہ دن مین لکھ ڈالے۔ مگر اسکے بعد یہ کارروائی رُک گئی، اور خاص اُسکے الفاظ مین "میرا منھ بالکل خالی تھا اور میرے سینے مین ٹرئیرر آئیلینڈ کا ایک حرف بھی نہ تھا" مگر اس جزر کے بعد پھر مد ہوا "اور دیکھو وہ میرے اندر سے چھوٹی چھوٹی نالیون کیطرح جاری ہوئی" چنانچہ اس نے ہر روز ایک باب کے حساب سے کتاب پوری کر دی!

اس سلسلے مین یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے افسانون کے خاکے (پلاٹ) خواب مین دیکھا کرتا تھا، جیسا کہ اسنے "ایکروس دی پلینس" مین بیان کیا ہے۔

اس قسم کے تجربے دوسرے فنون کے میدانون سے بھی منتخب کیئے جا سکتے ہین جہان قوتِ تخلیق کام کرتی ہو۔ غالباً یہ فن ادب سے زیادہ موسیقی مین نظر آئیگا۔ مثلاً موزارٹ کے ذہن مین الہام کی اجنبی (کیونکہ الہام "نفس آگاہ" کے لیئے اجنبی ہی ہی) نوعیت کا ایک روشن تخیل تھا۔ مصورون مین سے والٹر ایک عجب انداز کے ساتھ کہتا ہو کہ وہ اپنی نادرہ روزگار صناعی پر خود ششدر رہ! یہ ظاہر ہو کہ وہ ذرا بھی نہین جانتا کہ وہ کیونکر کرتا ہے؟

فی الواقع کوئی ذہن نہین جانتا کہ "وہ کیونکر کرتا ہو؟" اگر وہ جانتا تو دوسروں کو بھی بتا سکتا، یہ شے تو نہ نفس کا جاننے والا حصہ ہو اور نہ کوئی دوسرا حصہ ہو جسے "آگہی" سمجھ سکے۔ تو ایک قوت ہے جو

مخفی طبقات مین بہت نیچے مدفون ہو' اور یہ جو ہمین نظر آتا ہو صرف اسکے نتائج و آثار ہین۔

غرض اب یہ ثابت ہوگیا ہو کہ احساس' ادراک' حافظہ' ہیجان' جذبات' تخلیق' وغیرہ وغیرہ کے متعلق ایسے اعمال جسمانی و دماغی ہوسکتے ہین جو ان تمام چیزون سے بالاتر ہون جن سے نفس آگاہ و واقف ہو۔ سائنس نے یہ ثابت کردیا ہو کہ ہم اپنے آپ کو جسقدر جانتے ہین' اس سے زیادہ بڑے ہین۔ نفس کے اشار فرمابرکے ٹکڑے چھٹ گئے ہین' اور مابعد الطبیعی مین نئے مناظر کا دروازہ کھلا ہو۔ ہماری روح بے پایان اور ناقابل پیمائش نکلی ہو' اور دفعتاً ہمین تہ خانون سے نکالکر ناپیدا کنار مرغزارون مین لایا گیا ہو۔ ہم صرف یہی نہین جانتے کہ ہم آئندہ چلکے کیا ہونگے؟ بلکہ ہمکو یہ بھی نہین معلوم کہ ہم کیا ہین؟

اسلئے ہم ال دولیکیطرح روح کا تصور عزت کے ساتھ کرتے ہین۔ صاحب اناشید' جس سے مسیح نے اتفاق کیا ہو اور اسکا قول نقل کیا ہو' کہتا ہو کہ "ہم خدا ہین" یعنی ایک نظر خیرہ کن ہستی' اور ایک نقش حیرت خیال!

لیکن خواہ ہم اسقدر بلند جائین یا نہ جائین' لیکن بہرحال یہ کوئی ایسی بہت بڑی بات نہین کہی گئی ہو۔ کیونکہ ہم یونان اور نارویے کے بہت سے معبودون سے کہین زیادہ تعجب انگیز مخلوق ہین۔ ہم کم از کم ذیل کے دانشمندانہ مثلث مین ایمرسن کے ہم نوا ہوسکتے ہین جو ان امور کے متعلق انبیاء کا سا احساس رکھتا ہو۔ وہ کہتا ہے:-

اگر تجھسے ہوسکے تو تو وہ پراسرار خط کھینچ جو صحیح طور پر "تجھے" "اس" سے جدا کردے' اور یہ بتادے کہ کون انسان ہو اور کون خدا؟

(۳)

متوفی پروفیسر ولیم جیمس کہا کرتا تھا کہ فلسفہ کا سب سے اہم مسئلہ وحدت و کثرت کا ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہو کہ "ذوکل" یا "ایک" ہو' وہی ایک "عالم" بھی ہو جسمین مادی اور غیر مادی ہر قسم کی چیزین شامل ہوئی؟ یہ کیسے ممکن ہو کہ ایک ہی شے ایک ہی وقت مین ایک بھی ہو اور کئی بھی؟ اگر اسکے برعکس ہم کثرت کیطرف سے شروع کرتے ہین مثلاً یہ اور وہ' درخت اور مکان' پہاڑ اور ملک' خوردبینی کیڑے اور کہکشان کی پنیان یا تتلی تو یہ چیزین جو بلا اختلاف کے ایک دوسرے سے ملحدہ ہین' انھین ہم کیونکر "ایک" دیکھ سکتے ہین؟ اسوقت یہ مسئلہ ناقابل حل ہو۔ ہم دونون سرون مین کسی ایک سے شروع کرسکتے ہین' مگر مشکل یہ ہو کہ درمیان مین کوئی "ملتقی" نہین ہو۔ "ایک" ہمیشہ ایک رہیگا اور "کئی" ہمیشہ کئی رہین گے۔

لیکن اس مسئلہ کے حل کی طرف کم از کم اشارہ تو ضرور روح' نفس' یا ذات مخفی' کے جدید اصول مین موجود ہو جسے ۲۵ برس ہوئے سب سے پہلے میرس نے پیش کیا تھا' جسکا استقبال جیمس نے علم النفس مین "سب سے بڑی جدید ترقی" کے نام سے کیا' اور جسکی تائید تازہ ترین واقعات سے ہو رہی ہے۔

یہ صحیح ہو کہ نفوس انسانیہ بہت ہین' مگر انمین بہت ہی مشابہت ہو اور ان تمام علوم مین جنکا تعلق علم الحیات سے ہو' یہ دیکھا گیا ہے کہ مشابہت کا اشارہ ایک عام سرچشمہ کی طرف ہوتا ہو اسلئے ایک طرح یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ تمام نفوس انسانیہ کا سرچشمہ صرف ایک ہی ہو۔ مگر تحقیقات طبیعی کے مشاہدات جیسے "ٹیلی پیتھی" سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ تمام نفوس انسانیہ جو یہان ہین اور اسوقت موجود ہین' ان مین باہم کچھ اسطرح کا تعلق کامل ہو کہ وہ ان تمام طریقون سے خارج اور بالاتر ہو جنکو حواس معلوم سمجھتے ہین اس یقین کے لیے وجوہ موجود ہین کہ وہ اور انکے ہر شئہ مشاہدات مین اصلی کارفرما وہی نفس کا حصہ مخفی ہو۔ یہ دلائل اسقدر پیچیدہ ہین کہ انکی تفصیل بیان نہین ہوسکتی۔

یہ اور اسی قسم کے غور و فکر کا اشارہ اس طرف ہو کہ گو ہماری معمولی حسی آلی ایک دوسرے سے جدا اور بظاہر ممتاز نظر آتی ہو، اور اپنے خیالات میں نطق اور تحریر کے ذرائع سے بے حد کام لینا پڑتا ہو، تاہم عمقی سطحوں میں ہم باہم دیگر وابستہ ہین۔

بہ طور استعارہ ہم مین سے ہر شخص پانی کی ایک دھار ہو جو ایک شہر کے ہزار ہا نلون مین سے کسی ایک نل سے جاری ہو، مگر پانی وہی ہو اور اسی ایک "خزانۂ آب" سے آرہا ہو۔ اسیطرح وہی ایک روح ہو جو ہم سب کو پہنچی ہو۔ "ایک" "کئی" ہے اور "کئی" "ایک"، ممکن ہو کہ کہا جائے، یہ ایک ایسا نتیجہ ہو جسکا مبنی خیال اور جس کا وجود صرف ذہن میں ہو، مگر اس کے برعکس حالت یہ ہو کہ یہ بالکل عملی شے ہو، کیونکہ اسے اعمال انسانیہ سے بہت بڑا تعلق ہے۔

دیکھو! ہم اپنے بھائی اور بہنوں کا کیسا درد رکھتے ہین! کیا ان کے مدد میں ہم دوش بدوش نہین کھڑے رہتے کہ خاندان کا فائدہ ایک عام فائدہ ہو، اور اُس کے لئے کیا ہم مین سے ہر شخص کو اِس کارزارِ ہستی مین جنگ نہین کرنا چاہیئے؟۔ دیکھو! کسی قدر توسع کے ساتھ کہا جا سکتا ہو کہ افراد کی بہبودی خاندان کی بہبودی کے ساتھ وابستہ ہو اور جو ایک جزو کے لیے بہتر ہو وہی دوسرے اجزا کے لئے بھی بہتر ہو! پس آپ غور کرو کہ کیا سے کیا ہو جائے اگر سب لوگ یا کم از کم متمدن یا تعلیم یافتہ آدمی سمجھنے لگین کہ انسانیت ایک بڑا خاندان ہو، اور فوائد کے لحاظ سے، نیز اصلیت و حقیقت کے لحاظ سے "ایک" ہی ہو۔ جو فرق ہمین نظر آتا ہو وہ افرادی نفس آگاہ کا فریب ہے۔ اُس کا سبب صرف ہماری اصلی فطرت کا جہل ہو۔ اگر واقعی ایسا ہو جائے تو کیا اِس سے ایک انقلاب برپا نہو جائیگا؟ مجھے تو یقین ہو کہ جلد یا بدیر ایسا ضرور ہوگا۔

مذہب کی تعلیم اخوت ایک شریفانہ اخلاقی ترغیب تھی، مگر اسکی اپیل محبت کے جذبات سے تھی۔ اس لیے وہ سرد مہر دماغ کے مقابلے مین بے اثر ثابت ہوئی۔ لیکن البتہ علم "سائنس" سے مدد مل رہی ہو! اب علم عقیدہ اور محبت کے ہاتھ مین ہاتھ ڈال کر چل رہا ہو، اور مشرق مین اسکی شعاعین پہنچنے کے لئے ایک نئی پو پھٹ رہی ہو! اب نیکی کا دور قریب ہے...... اب ہمین یہ نظر آنے لگا ہو کہ ہم "معرکہ آرا اجزاء دی مقراطی" کا ایک بنا رہی نہین ہین بلکہ اجزاء وسیع کا ایک مجموعہ ہین، جو آپس مین لڑتے اور ایک جسم تیار کرتے ہین پس جو اِس جسم کے لیے اچھا یا برا ہو، وہ اجزا کے لئے بھی اچھا یا برا ہو۔ ہمارا شعار مجلسی اور یکجہتی ہونا چاہیے شخصیت حد سے زیادہ تیز ہو گئی ہو۔ ہمین انسانیت کو استقلال کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہیئے، اور اسکے ایک ایک مجموعہ کو تمام کائنات کے وسیع مجموعہ کے لحاظ سے مجموعہ در مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔

ابوالعلاء ندوی

ارتقائے حیات

بنگال کے مشہور شاعر سر رابندرا ناتھ ٹیگور نے اپنے اُس مجموعۂ نظم مین جسکی قدر افزائی اہالیان یورپ نے "نوبل پرائز" والی ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ کی رقم دیکر کی ہو ایک جگہ لکھا ہے:-

زندگی کا جو چشمہ میری رگون کے اندر دوڑتا پھرتا ہو وہ تمام عالم مین جاری ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہو جس کا ثبوت دُنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سے نمایان ہو اور موجودات کا ذرہ ذرہ علی الاعلان اسکی گواہی دے رہا ہو۔ جس طرف آنکھین اُٹھتی ہین زندگی ہی زندگی ناچتی ہوئی نظر آتی ہو۔ کرۂ زمین کے اندر کروڑون قسم کی ہستیان زندگی کی رہین منت ہین۔ بالائی سطح پر تو اُسکا کوئی تعین و اندازہ ہی نہین ہو سکتا۔ بحر ذخار کا ایک قطرہ اگر بذریعۂ آلات کے دیکھا جائے تو اسمین بے انتہا جاندار حرکت کرتے ہوئے نظر آئین گے۔ نباتات کا کوئی مختصر ترین

جز دیکر اگر اسمین ذی حیات اجسام کی تلاش کیجائے تو کثیر التعداد کیڑون کی دُنیا دکھائی دیگی۔ ہوا کی لطافتِ شفاف مین اگر خوردبینی کی جائے تو وہ ایک قسم کے غبار سے بھری ہوئی نکلیگی اور یہ غبار اُس ننھی مخلوق کی بیرونِ قیاس تعداد کا مجموعہ ہی جو کشاکشِ زندگی مین مبتلا ہے۔ غرضکہ

خاکِ زمین کے اندر خوابیدہ زندگی ہی — بنو کی شکل ہوکر روئیدہ زندگی ہی
جاری ہین اُسکی لہرین ہر ایک بحر و بر مین — برپا ہی اسکا طوفان دُنیا کے خشک و تر مین
پھیلی ہوئی ہی ہر سو پہنائے وسعت فضا مین — ان ہی وہی بقا مین اور ہی وہی فنا مین

زندگی کی اسی بیشمارانہ کیفیت کو فرانسیسی ڈاکٹر لوئیس فیگور نے ایک اور دلچسپ طریقہ سے بیان کیا ہی، اور ایک خاص سلسلہ کے ساتھ باہمی وابستگی پیدا کی ہی۔ وہ کہتے ہین کہ جو جانور دوسرے جاندارون مین اور پودے دوسرے درختون مین بلاقصد پیدا ہوکر زندگی بسر کرتے ہین وہ اُن کے پیرازائٹ کہلاتے ہین اور یہ پیرازائٹ تمام نمایان جاندارون مین پائے جاتے ہین۔ اسی طرح نباتات مین اُنکی نوعیت کے پیرازائٹ اُگتے ہین۔ شاہ بلوط کے درخت مین اکثر مختلف قسم کے پیرازائٹ ہوتے ہین جو اسی مین پیدا ہوکر اپنی غذا (اور سکونت بھی) اُسی مین حاصل کرتے ہین۔ یہ حیوانی اور نباتاتی زندگی کی ایک بہترین مشابہت ہی کیونکہ انسان اور حیوان مین بھی جُون، پسّو، کھٹمل، کلی، چچڑی وغیرہ ایسے ہی پیرازائٹ ہین۔ اب لطف یہ ہی کہ یہ پیرازائٹ بھی اپنے پیرازائٹ رکھتے ہین۔ اگر شاہ بلوط کے درخت پر جمی ہوئی کائی اور انسان سے تعلق رکھنے والے پسّو کو ایک اچھی طاقت کی خوردبین سے دیکھا جائے تو ہر پیرازائٹ کے ساتھ اُسکے پیرازائٹ نظر آئینگے اور یہ سلسلہ ایک محسوس و ناقابل ادراک حد تک پہنچکر ایک محقق کو حالت تشنگی مین چھوڑ دیگا جو فراوانی حیات کا غیر معمولی حیرتناک مشاہدہ ہی۔ اسی طرح ہر شخصی زندگی پنہانی طور پر اپنے اندر ایک ورنا قابل قیاس تسلسل رکھنے والی زندگی کا مادہ رکھتی ہی جس کا کثرت تواتر کی وجہ سے بغیر دیکھے بھالے ہم یقین رکھتے ہین، اور بالمرہ واقعات سے تصدیق ہوتی رہتی ہی۔ ہر کاشتکار ایک دانہ سے بہت سے دانے حاصل کرتا ہی اور ہر جوڑا چند روز بعد بہت سے جوڑون کی تعداد دُنیا مین اضافہ کر دیتا ہی۔ درانحالیکہ اُسمین عمل تصنع بھی جاری رہتا ہی خیر یہ تو ہمارا اِس دُنیا کا اندازہ اور تجربہ ہی جہان ہم روزانہ بلاکسی کوشش اور ارادے کے بھی اپنے احساسات کو استعمال کرتے رہتے ہین اور باوجود اس کے کہ ہماری تحقیقاتین نامکمل، ہمارا سائنس ناقص، اور ہمارے ذرائع معلومات محدود ہین، گر ہر شے جس کا ہم ادراک کرتے ہین اُسکو حاملانِ زندگی سے لبریز پاتے ہین، تو اُن دوسری دُنیاؤن اور کُرون مین جن کے متعلق ہماری واقفیت بہت زیادہ قیاسات پر مبنی ہے اور یہ قیاسات بھی حقیقت واقعی کے متعلق مختتم نتائج کے تصور سے معذور ہین نہین کہا جاسکتا کہ زندگی کن کن پیرایون مین جلوہ گر ہوگی۔ ہم تو اس بسیط ترین وسعت کا بھی اندازہ نہین کرسکتے جو اپنی بے پایانی مین موجود ہی۔ بقول مؤلف "رموز فطرت" کے ہمارا نظام شمسی کڑورون بلکہ اربون میل پھیلا ہوا ہی، اور خود یہ آفتاب جس سے کل سیارے وابستہ ہین ایک اور سورج کے گرد جسکی عظمت ہمارے نیرِ اعظم سے لاکھون گنا زیادہ ہی گردش کر رہا ہی اور وہ سورج مع اپنے جوار مین سیارون کے کئی اُس سے بدرجہا بڑے آفتاب کے گرد گھوم رہا ہی۔ اسیطرح ایک لامتناہی سلسلہ چلا گیا ہی اور انسان کی فہم اِس امر کے تصور سے قاصر ہی کہ آیا یہ سلسلہ کہین ختم بھی ہوا ہی یا خدا کی قدرت کی طرح اس سلسلۂ کائنات کی بھی کوئی حد نہین اور حقیقت مین یہی صحیح معلوم ہوتا ہی۔ بایںہمہ مشہور امریکن پروفیسر ٹاڈ کے بیان کے مطابق اسمین شک نہین کہ تمام اجرام فلکی مین اس حالت کے

کے قائم رکھنے کی قابلیت موجود ہو جسے ہم زندگی کہتے ہین اور یہ بات
پوری طرح ثابت ہو چکی ہو کہ نظام شمسی کے متعلق تمام کرے جنمین زمین
بھی شامل ہو ایکسا قسم کے اجزا سے مرکب ہوئے ہین، اور مہر منیر سے لیکر
ذرہ ریگ تک ایک ہی سی یکسانیت رکھتے ہین - اسلئے کوئی وجہ اس
امر سے انکار کرنیکی نہین ہو کہ یہ تمام کرے جن کو ہماری نظرین مختلف
سیارون کی صورت سے ایک کثیر تعداد مین دیکھتی ہین قابل رہائش
ہین - چنانچہ یہی مصنف اس خیال کی کہ "زندگی صرف کرۂ زمین تک
محدود ہو" سخت تحقیر کے ساتھ تردید کرتا ہوا کہتا ہو کہ یہ ادنی ترین کرہ
جو اجرام سماوی مین اس درجہ بے وقعت ہو کہ اُن کی فراوانی و کثرت
مین ڈھونڈھے بھی نہین ملتا بجائے خود تو قیام حیات کیلئے منتخب
کیا جائے اور باقی کروڑون عظیم الشان کرے جن مین کا ایک ایک
کرہ عظمت و جسامت مین زمین سے ہزارہا گنا بڑا ہو کیونکر ممکن ہو کہ محض
بیکار پڑے رہین - درحقیقت عقل سلیم کبھی اسکو تسلیم نہین کرسکتی اور ماننا
پڑتا ہو کہ یہ تمام تر اجساد زندگیون کے گہوارے ہین اور بیشک قدرت
نے انھین زندگی کو ملفوف کیا ہو - یہ دوسری بات ہو کہ اُسکی ماہیت
اور نوعیت کی بوقلمونیون تک پہنچنے سے وہم و گمان کو بھی اعتراف
عجز و قصور ہو - کیونکہ مقدار و تسلسل زندگی کو دیکھتے ہوئے اُسکی ترتیب و
تکمیل بھی تو کسی طرح ذہن مین نہین آتی، اور خود زندگی اپنے متعلق
کچھ علم نہین رکھتی کہ وہ کیونکر اور کیا ہو - کرہ زمین کی زندگی کا دلکش و مکمل
نمونہ انسان اپنے جولانگاہ کی نسبت ابتک صحیح طور پر اتنا بھی اندازہ
نہین کرسکا کہ وہ کس وقت سے اسپر قابض ہو؟ کب اور کس طرح
اس دُنیا مین آیا؟ اور کیونکر موجودہ حالت تک پہنچا؟ اگرچہ تعین
زمان کے عہد کی انیسوین صدی کے وسط سے چارلس ڈارون کی تھیوری
نے دھوم مچا دی ہو اور دماغون کو مسئلہ ارتقاء اور ابقائے بہترین کی طرف
متوجہ کردیا ہو لیکن جس مواد سے وہ اپنے دلائل کے ثبوت کو مضبوط
و مستحکم بناتا ہو اُسکے اُصول کی تردید بھی تاریخ کے اُسی زبردست میٹریل
سے کی جارہی ہو - اور آثار قدیمہ کی بدولت موجودہ زمانہ کا ترقی یافتہ
انسان تلاش و تجسس کی عینک لگا کر ازمنہ گذشتہ مین اپنے سے زیادہ
مضبوط، اپنے سے زیادہ عقلمند، اپنے سے زیادہ معلومات رکھنے والے
انسانون کے نشان پاتا ہو - اور حیوان مطلق سے حیوان ناطق تک پہنچتے
ہوئے اس خوشنما زنجیر کی طلائی کڑیون مین کئی جگہ ناموزونی اور غیر مناسبت
سے دوچار ہونا پڑتا ہو - بہرحال ان تمام صورتون کو زیر نظر رکھکر بھی
ماہران علم ہیئت کی یہ رائے ہو کہ بلحاظ تحقیقات علم ہیئت طبقات الارض
کے تغیر و تبدل کو دیکھتے ہوئے آفرینش انسان کی ابتدا ۳۰ یا ۴۰ ہزار
سال قبل مسیح ہوئی ہوگی - اسیطرح یہ اندازہ بھی قیاس سے زیادہ مرتبہ
نہین رکھتا کہ شاید اب سے ایک کروڑ پچاس سال پہلے زمین پر کوئی
جاندار چیز موجود نہ تھی تاہم علم طبقات الارض کی رُو سے یہ نتیجہ ضرور نکالا گیا ہو
کہ سوا لاکھ صدی کے اندر ہی اندر ایک خاص قسم کے کیڑون نے
جن کا اصطلاحی نام "آلی نیلس" ہو ایک کثیر تعداد مین پیدا ہو کر کرۂ
زمین پر زندگی کا ثبوت دیا، اور بتدریج ایسی ترقی کی کہ پیداوار زمین
کی عظیم الشان مخلوق مین اُسکا شمار ہونے لگا، اور شاخ در شاخ
اسقدر نوعتین اختیار کین جنکی تفصیلات کا احاطہ کرنا مشکل ہو گیا
ہو - بعض بعض قسمین حوادثات دہر کا شکار ہو کر ہمیشہ کیلئے معدوم ہو گئین
اور باقی و قائم رہنے والی ہستیان انقلابات زمانہ سے متغیر ہوتے
ہوتے کچھ سے کچھ بنگئین، اور اُسی مین کی ایک ترقی یافتہ نسل
بلند ہو کر درجہ انسانیت پر آپہنچی جو سب سے پہلے سرزمین "لیموریا"
پر نمایان ہوئی اور پھر تمام زمین پر قابض و متصرف ہو جانے کی
وجہ سے اپنے اصلی وطن سے اسقدر مستغنی ہو گئی کہ لیموریا کے بحر ہند
مین غرق ہو جانیکی اُسنے پروا بھی نہ کی - اور بالآخر اُس مرز و بوم کا
تصور بھی اُسکے ذہن مین نہ رہا، اور اب اُسکی تعداد دُنیا مین اسقدر

ہوگئی ہو جس کے شمار کا تخمینہ ایک ارب ساٹھ کروڑ تک کیا جاتا ہو اور بلحاظ تقسیم ممالک کے اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

ایشیا	۹۰۰
یورپ	۳۸۰
افریقہ	۲۰۰
امریکہ	۱۴۰
اوشینا	۱۰
میزان	۱۶۳۰

اس مجموعۂ میزان مین تقریباً آدھے آدمی قوقاسی نسل کے ہین، تہائی منگول نسل والے، اور بقیہ آدمی دوسری نسلون کے ہین جنمین حبشیون کا شمار زیادہ ہو۔ اور یہ تقسیم نسل باعتبار رنگ کے قرار دیگئی ہو جسکی صراحت مع تعداد مندرجہ تحت ہے:-

(۱) گورے رنگ یا قوقاسی نسل کے لوگ، جو اسوقت تمام دنیا مین مہذب ترین سمجھے جاتے ہین، اور یورپ، فارس، شمالی ہند مین آباد ہین ... کروڑ
انکے سر کے بال ملائم بل کھائے ہوئے لانبے چہرے بیضوی اور پیشانیان سیدھی ہوتی ہین۔

(۲) زرد رنگ یا منگول نسل کے لوگ، جو باعتبار تہذیب قوقاسیون سے درجۂ دوم پر ہین، اور چین، جاپان، شمالی ایشیا و یورپ کے بعض حصص مین آباد ہین ... کروڑ
انکے سر کے بال موٹے سیدھے ڈاڑھی کے بال بہت کم چہرے چپٹے ناک چوڑی، تنگ چشم، اور پیشانی نیچی ہوتی ہو۔

(۳) سیاہ رنگ یا حبشی نسل کے لوگ، جنکا غیر مہذبون مین شمار ہو افریقہ کے جنوب مین رہتے ہین اور اب امریکہ مین بھی جا بسے ہین انکے ... کروڑ
سر کے بال مختصر پیچیدہ، ناک چپٹی اور ہونٹ موٹے ہوتے ہین۔

(۴) سُرخ رنگ یا امریکن نسل کے لوگ، جو وحشی مطلق ہین مگر اب چار پانچسو سال سے انکا ارتباط و اختلاط قوقاسیون سے ہوگیا ہو یہ امریکہ کے اصلی باشندے ہین اور قطبین سے منطقہ حارہ تک پھیلے ہوئے ہین اور تانبے کیطرح انکا رنگ ہوتا ہو لیکن حقیقت مین منگول نسل کی یہ ایک جداگانہ شاخ ہو ... کروڑ
۱۶۱۱

اس تمام معلومات مصرحہ بالا سے مسئلہ بقائے بہترین کی جزو نوعیت مین بھی تائید ہوتی ہو کہ وہ نسلین جو بلحاظ انسانیت کے تہذیب، شائستگی، معاشرت تمدن وغیرہ مین ترقی کر رہی ہین تعداد مین بھی انھین کی ترقی ہوئی ہو اور ابھی بہت کچھ اُمیدین ان باقیات الصالحات سے وابستہ ہین جسکو دیکھتے ہوئے نہین کہا جا سکتا ہو کہ ارتقائے حیات کی یہ رفتار بتدریج اور کن مناظر زندگانی کو معرض وجود مین لانیوالی ہو۔ غرضکہ اب اس کرۂ زمین پر انسان کا دور دورہ ہو زندگی بظاہر ایک جامع اور مکمل حالت مین جلوہ افروزی کر رہی ہو۔ ترقیون مین ان گنت ارات چوگنا اضافہ ہو رہا ہو اور ہر جگہ انسان ہی انسان پایا جاتا ہو، اور آخر یہین سے ایک خطرہ کی صورت بھی پیدا ہو چلی ہو کیونکہ باعتبار اُس مردم شماری کے جسکا تخمینہ اوپر دکھلایا گیا ہو اور جسمین روز افزون زیادتی ہوتی جاتی ہو یہ قیاس پیدا ہوتا ہو کہ اب سے دو سو برس بعد کرۂ زمین پر نوع انسان کے رہنے کیلئے جگہ نہ رہیگی، اور اگر قدرتی حادثات نے پیش آکر اس تعداد کی ترقی کو غیر معمولی طور پر نہ روک دیا تو موجودہ آبادی کے چار گنا ہو جانے پر زمین کی وسعت قطعی ناکافی ہو جائیگی اور خدا ہی کو علم ہو کہ پھر ان اشرف المخلوقات ہستی کا کیا حشر ہوگا، باوجود اپنی اس تمام رفعت ترقی کے اپنی زیست و مرگ کے متعلق اس سے زیادہ اب بھی کچھ نہین جانتی کہ ؎

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب موت کیا ہو انہی اجزا کا پریشان ہونا

ارشد تھانوی

۵ مجموعۂ تاملایا جزائر ہند شرقی وغیرہ مین جو متحد اللون اشخاص آباد ہین، اُن کو ملایائی نسل کہا جاتا ہو اور یہ نسل نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ کی کچھ کچھ علامتین رکھتی ہو چونکہ علیحدہ بالتخصیص انکی تعداد معلوم نہین کیگئی۔

خاقانی ہند ذوق مغفور

قدرت کے کارخانے بھی عجیب ہیں بعض اوقات یہاں کے حیرت انگیز کرشمے انسانی عقل و فہم سے اس قدر بالا ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی قیاس اور کوئی رائے کام نہیں دیتی ویرانہ کھنڈروں سے بھی کبھی ایسے گوہر شب چراغ ہاتھ آجاتے ہیں کہ بادشاہوں کے خزانے کی زینت کے قابل ہوتے ہیں۔ شیخ ابراہیم ذوق کی مثال بھی اسی قبیل کی ہے جو جھونپڑی میں پیدا ہوئے اور بادشاہی محلات میں عمر بسر کی۔

شیخ محمد رمضان دہلی کے ایک غریب سپاہی تھے کابلی دروازے میں گھر تھا۔ انھیں کے یہاں ذوق ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ کو پیدا ہوئے اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکا جو آج اس حالت میں ہے کبھی شاہنشاہ ہندوستان کا استاد بننے کی عزت حاصل کرے گا تاریخ عالم میں بہت سے ایسے واقعات تلاش سے مل سکتے ہیں کہ بعض مشاہیر جو اپنے کارناموں سے آج بھی زندہ ہیں انکی ابتدا بہت معمولی تھی لیکن انھوں نے اپنے فضل و کمال اور علم و ہنر کے ذریعہ سے اپنے لیے زندگی جاوید کا سامان مہیا کرلیا۔ حضرت ذوق کا شمار مشاہیر عالم میں اسی طبقے میں ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے کمال کی بدولت اقانی عظمت اور دیرپا شہرت کے وہ مدارج طے کیے ہیں کہ کم از کم اردو شعرا میں بہت کم ان کے مقابلہ میں آسکتے ہیں۔

ذوق مرحوم کے عقیدت شعار شاگرد اور اردو ادب کے سرمایہ ناز محسن مولوی محمد حسین آزاد نے "آب حیات" میں اپنے قابل فخر استاد کی زندگی کا جو دلکش مرقع دکھایا ہے اس سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ ذوق کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے۔ انکے سوانحی حالات بجائے خود انکی شاعری کا تذکرہ ہے۔ جسطرح ذوق سرتاپا شاعر بنے ہوئے تھے اسی طرح ان کا حال بھی شاعرانہ سرگزشت ہے گویا جو نسبت ناخن کو گوشت کے ساتھ ہوتی ہے وہی شاعری اور حسن کو ذوق کے ساتھ تھی۔ یوں بھی اپنی سوانح جو شاعری سے جدا کر نہیں سکتے جالین تا ہیہ ہیں اس لیے ہم انکی شاعری کی کیفیت قلمبند کرتے ہیں موقع موقع سے کچھ ذاتی حال بھی آتا جائے گا۔

حافظ غلام رسول شوق دلی کے ایک شاعر تھے۔ کلام کے اعتبار سے تو شاید ان کی شہرت اس قدر وسیع نہ ہوگی لیکن ذوق کے اولین استاد ہونے کی وجہ سے آج وہ بھی ایک عالم کے روشناس ہیں۔ شاعر ہونے کے علاوہ وہ صاحب درس بھی تھے۔ ذوق نے سب سے پہلے فارسی عربی وغیرہ کی ابتدائی تحصیل انھیں سے کی تھی۔ ذوق کو فکر شاعری فطرتی طور پر ملا تھا۔ جب وہ اپنے استاد کو غزلیں کہتا اور اشعار پڑھتے دیکھتے تو ان کی طبیعت بھی للچاتی۔ آخر اسی تحریص و ترغیب نے انھیں بالکل کم عمری میں خود شعر کہنے پر آمادہ کردیا۔ پہلے پہل خود ہی کہتے اور کسی کو نہ دکھاتے۔ دو ایک ہم سن تھے وہ البتہ جانتے تھے کہ یہ بھی شعر کہنے لگے ہیں۔ رفتہ رفتہ جب جھجک کم ہوئی تو حافظ شوق سے اصلاح لینے لگے استاد بھی ہونہار شاگرد کی طبع آزمائیوں کو دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے، اور آخر تو انھیں اس بات کا فخر تھا کہ ایسا قابل اور نکتہ سنج شاگرد انکے حلقے میں شامل ہے۔

لیکن ذوق کی شاعری کی مثال ایک نئی کلی سی تھی جو کسی پودے سے نکلتی ہے اسوقت اسکی حالت کیا ہوتی ہے؟ لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتی جاتی ہے ویسے ہی پلے دار ہوتی جاتی ہے۔ ذوق کی شاعری کا دائرہ بھی اول اول محدود تھا لیکن جب مشق بڑھنے لگی اور طبیعت میں پختگی کا رنگ آنے لگا تو انھیں کسی قابل تر استاد کی ضرورت ہوئی۔ شاہ نصیر اس زمانہ میں کوس لمن الملک بجا رہے تھے گویا دلی کی عظمت و شان کا جھنڈا ان سے کھڑا تھا۔ ولیعہد بھی انھیں سے اصلاح لیا کرتے تھے شہر میں اور بیرونجات میں انکے سیکڑوں شاگرد انکی استادی کا ثبوت تھے۔ مذاقی طور پر بھی انکے فضل و کمال ہونے میں کسکو شک ہو سکتا ہے دہلی کے علاوہ دکن کے دربار میں بھی انھیں آخر تک

خوب اعزاز حاصل ہوا غرضکہ اسوقت بھی ایک ایسے شخص تھے جن پر قدرتاً ذوق کی نگاہ پڑنی چاہیئے تھی اور یہی ہوا کہ جب حافظ شوق کی اصلاح ان کے لیے کچھ زیادہ تشفی بخش اور فائدہ مند نہ رہی تو یہ شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے۔

اسوقت تک باوجود کم سنی کے ذوق نے کچھ امتیاز پیدا کر لیا تھا لیکن حق یہ ہے کہ شاہ نصیر کے سامنے زانوے ادب تہ کرنے کے بعد انھیں وہ عزت و وقعت ملی جو آجتک ان کے نام سے وابستہ چلی آتی ہے۔ جہانتک نفس شاعری کو تعلق ہے ہمارا خیال ہے کہ استاد شاگرد کے حق میں کچھ نہیں کرسکتا یعنی اگر ذوق میں فطرتاً شاعری کا مادہ نہوتا تو نصیر انھیں اسدرجہ تک ہرگز نہ پہونچا سکتے تھے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ شاہ نصیر نے جہاں اپنے فیضان اصلاح سے انھیں شاہراہ سخن سے آشنا کیا، وہاں انھیں کے ذاتی اثر نے ذوق کو اس طبقے تک بھی پہونچا دیا جہاں عام طور پر رسائی دشوار ہوتی ہے شاہ نصیر کے رعایا برایا سے لیکر بادشاہ و وزیر تک جاننے اور پہچاننے والے تھے۔ اور یوں انھیں خاص و عام مجلسوں میں عزت کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملتا تھا یہی اسباب ذوق کی تیز پا شہرت کے ہیں ورنہ جو ہر دلعزیزی ان کے کلام کو دنوں اور مہینوں میں حاصل ہوگئی وہ برسوں میں کہیں ہوتی۔

تھوڑے عرصے تک استاد کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اور خاص و عام سے کلام کی داد پاتے رہے چونکہ علمی شغف انھیں بہت تھا اس لیے تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ پرائیوٹ طور پر مطالعہ کتب کیا کرتے تھے اس سے اور بھی انکی واقفیت روز بروز بڑھتی اور طبیعت تیز ہوتی گئی۔

بزم سخن میں اور بھی نوجوان شاعر تھے لیکن جو بات ذوق میں تھی اس کا عشر عشیر بھی کسی میں نہ تھا ذاتی لیاقت و قابلیت نے خداداد مادہ شاعری کے ساتھ سونے میں سہاگے کا کام کیا، اور بہت قلیل مدت میں ہمعصروں میں نمایاں تفوق حاصل ہوگیا۔ رفتہ رفتہ انکی طبع آزمائی کا زور شور اکثر اساتذہ کی شہرت کو صدمہ پہونچانے لگا، اور بقول مولانا آزاد مرحوم کے انکی گرم بازاری دیکھکر خود شاہ نصیر بھی ٹھنڈے پڑ گئے۔ شاہ نصیر ذوق کے استاد تھے لیکن اسی شاعری کی بدولت دونوں میں ناچاقی بھی ہوگئی تھی، اسکا حال کہیں آگے آئے گا۔

جب کسی دو شخصوں میں مخاصمت پیدا ہوجاتی ہے تو عوام کو گویا دلچسپی کا وافر سامان ہاتھ آجاتا ہے۔ چنانچہ شاہ نصیر اور ذوق کی شاعرانہ چشمک ہوجانے سے دلی کے ادبی حلقوں میں ایک عجیب چہل پہل سی ہوگئی تھی، اس سے بھی ذوق کا نام اور نام کے ساتھ ان کا کلام دلی کے کوچے اور گلیوں میں مشہور ہو رہا تھا۔

اب ان کی شہرت کا دایرہ محدود نہ تھا۔ انھوں نے اپنی طبع رسا کے روح افزا کرشمے دکھا کر اچھے قابل لوگوں سے قبولیت کی سند لیلی تھی ممکن نہ تھا کہ ان کا تذکرہ دربار شاہی میں نہوتا۔ ہوا اور ایسا ہوا کہ خود ذوق بھی وہاں پہنچ گئے۔

اکبر شاہ کا زمانہ تھا۔ ان کا دربار شاہ عالم کا دربار تو نہ تھا لیکن اہل کمال و فن کی پرسش کچھ نہ کچھ ہوجایا کرتی تھی، اور اسطرح خاندان تیموریہ کی علم دوستی کی روایات زندہ تھیں۔ بہادر شاہ ولیعہد جو خود بھی شعرگوئی کے اچھے ماہر تھے انکے پاس شعرا کی آمد و رفت زیادہ تھی انھیں خود بھی شاعروں کے ساتھ طبعی انس تھا۔

شاہ نصیر شاعری میں ولیعہد کے استاد تھے لیکن جب وہ حیدرآباد دکن چلے گئے تو یہ خدمت میر کاظم حسین بیقرار دہلوی کے سپرد ہوئی۔ میر بیقرار ذوق کے ہم کتب اور ہمعصر تھے۔ چونکہ وہ بھی برابر حافظ غلام رسول شوق اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے اس لیے ذوق کے خواجہ تاش بھائی بھی تھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں ایسا اتحاد تھا کہ جب اول الذکر نے حافظ شوق کی شاگردی قطع کرکے شاہ نصیر سے اصلاح لینا شروع کی تو ذوق نے بھی انکی پیروی کی۔ انھیں کی سفارش اور ضمانت سے ذوق کو دربار معلی کی حاضری کی اجازت بھی ملی تھی قسمت کے کھیل دیکھیے کہ یہی اجازت انکے آئندہ اعزاز و احترام کی ابتدا ثابت ہوئی۔ گویا ذوق کو قلعہ میں آنے کی اجازت نہوئی تھی بلکہ کارپردازان قضا و قدر نے خود میر کاظم کا جانشین بنا کر انھیں وہاں بھیجا تھا۔

کچھ زمانے تک یہ قلعہ میں آتے جاتے رہے۔ اب اتفاق دیکھیے کہ میر کاظم حسین کو تو مسٹر جان الفنسٹن کے میر منشی ہونے کے بعد قلعہ کے تعلقات سے کچھ کنارہ کش

ہونا پایا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کن ہیں تھے۔ اب ولیعہد کی غزلیں کون دیکھے اور اصلاح کون دے۔ آخر ذوق ہی اس عزت کے مستحق قرار پائے۔

سلطنت ہند کے ولیعہد کی استادی کا فخر بظاہر کوئی معمولی بات نہ تھی حضرت شاہ نصیر کے دو چار کہن سال اور دیرینہ مشق شاگردوں کے علاوہ بھی چند ایسے لوگ موجود تھے جن کے سپرد یہ کام ہو سکتا تھا لیکن یہ امتیاز ذوق کے لیے مقرر ہو چکا تھا، دوسرے کے حصہ میں کیسے آتا۔

بہادر شاہ کے استاد ہو جانے سے ذوق نے نام و نمود تو بہت پایا لیکن مالی نفع برائے نام تھا یعنی کل چار روپیہ تنخواہ کے مقرر تھے ظاہر ہے کہ یہ رقم نہ صرف انکے عالی مرتبہ شاگرد کی حیثیت کے منافی تھی بلکہ خود انکے کمال کی بھی، لیکن ایک تو مرحوم سے کہ ذوق طبعاً مستغنی المزاج تھے اور کچھ اسوجہ سے کہ آئندہ امید کا گلزار سامنے سے لہلہاتا نظر آ رہا تھا، انھوں نے باوجود اپنے والد کی ناراضی مندی کے یہ خدمت قبول کر لی۔ اور اسمیں شک نہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ان کے اعزاز و جاہ کے ساتھ تنخواہ میں بھی کچھ نہ کچھ ترقی ہوتی گئی۔

لیکن حق بر زبان جاری، سچ بات کہنا پڑتی ہے کہ ماہوار وظیفہ کے اعتبار سے انکی قدردانی جیسا کہ چاہیے تھی آخر تک نہ ہوئی۔ یہ ضرور ہے کہ بہادر شاہ زمانۂ ولیعہدی میں بھی مجبور تھے بادشاہ پر ممتاز محل کا جادو چل گیا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ بہادر شاہ کا حق ولیعہدی زائل کر کے ممتاز محل کے لڑکے کو دیا جائے اس کشمکش میں خود بہادر شاہ کی تنخواہ بھی کم رہ گئی تھی اور اس صورت میں ذوق کی کافی حوصلہ افزائی محال تھی لیکن عنان حکمرانی قبضے میں آنے کے بعد انھیں کون روکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ بہادر شاہ طبیعت کے کمزور تھے۔ بادشاہ ہونے کے بعد انپر بعض آدمی مسلط تھے کہ انھیں مردہ بدست زندہ بنا دیا تھا۔ ان لوگوں میں مرزا مغل بیگ کا نام خصوصیت سے مشہور ہے۔ مرزا صاحب کسی کو ٹھنڈے دل دیکھ ہی نہ سکتے تھے اور باوجودیکہ خود وزارت کے مالک اور انکے تمام عزیز و اقارب مختلف محاکم سلطنت پر قابض تھے لیکن کسی نظیر سخن انکے لیے طبعاً ناپسند تھا اور اسی وجہ سے ذوق کے ساتھ بھی شہنشاہی سے وہ سلوک نہ ہو سکا جسکے وہ ہر طرح مستحق تھے نہ صرف اتنا ہوا کہ

انکی تنخواہ چار روپیہ ایک ایک دو دو بڑھتے بڑھتے تیس تک ہو گئی اور جب انقلاب زمانہ نے مرزا مغل بیگ سے قلمدان وزارت چھین لیا تو بادشاہ کے استاد کا درماہہ بھی پورے سو روپیہ کر دیا گیا تھا۔

لیکن تنخواہ کی قلت کے ساتھ انکے اعزاز و اکرام میں کوئی کمی نہ تھی ولیعہدی سے لیکر شاہی کے زمانہ تک ذوق کو بہادر شاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور اکثر انعامات اور خلعت سے سرفرازی ہوتی تھی۔ ذوق کے فرزند خلیفہ شیخ اسمعیل باغات شاہی کے نگران کار رہے۔ اسکے علاوہ بھی کئی اور ذمہ دارانہ خدمات سپرد تھیں اور انھیں بھی بہادر شاہ کے دربار میں نمایاں وقعت حاصل تھی۔

عیدین اور دوسری تقاریب پر تہنیتی قصیدے پیش ہوتے تھے اور خطابات خلعت، جاگیر اور دیگر قسم کے انعامات سے سرفرازی ہوتی تھی ظفر بادشاہ تھے اپنے استاد کے ساتھ بہت التفات و عنایت کرتے تھے اور انکی وجہ سے ذوق کی زندگی بہت فارغ البالی سے گذر گئی۔ اور گو انھیں اپنے کمال فن کے لحاظ سے کوئی قابل اعتبار قدردانی کا ثبوت نہیں ملا تاہم شاہنشاہ ہندوستان کا استاد ہونا بجائے خود ایک ایسی نمایاں عزت و توقیر تھی کہ دنیاوی عروج کی انتہا سمجھنی چاہیئے۔

صفر ۱۲۷۱ھ کی ۲۴ تاریخ اور جمعرات کا دن تھا کہ اس فرمانروائے ملک سخن نے اس عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف سفر کیا۔ بڑے آدمی مر جاتے ہیں لیکن انکا نام نہیں مرتا۔ ذوق کے علمی و ادبی کارنامے بھی ایسے ہیں کہ ان کا نام قیامت تک زندہ رکھیں گے۔ آینوالی نسلیں انکے فیوض و برکات سے متمتع ہونگی اور انکی روح کو دعائیں دیگی۔ کہتے ہیں مرنے سے کچھ روز پیشتر یہ شعر کہا تھا۔

کہتے ہیں آج ذوق جہان سے گذر گیا　　کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق اردو زبان کے مسلم الثبوت شاعر ہونے کے علاوہ جامع خصوصیات آدمی تھے۔ پرانی تہذیب و وضعداری کے وہ ایک مکمل اور قابل قدر نمونہ تھے۔ طبعی عادات و صفات کے ساتھ اکتسابی فضائل میں بھی وہ اپنی آپ نظیر تھے۔ ابتدائی التعلیم تو جیسی کچھ ہوئی تھی وہ چنداں قابل وقعت نہیں،

لیکن انھین علوم و فنون سے شوق تھا چنانچہ اپنی ہی خواہش و کوشش سے انھون نے مروجہ السنۂ شرقی کی تحصیل کی تکمیل کرلی جیسا کہ ان کے فصیح و بلیغ کلام سے ظاہر ہوتا ہی اور اسے قطع نظر کرکے دیکھیے تو وہ کسی میدان میں بند نہ تھے تاریخ، تفسیر، تصوف، موسیقی، نجوم، رمل ان سب مین انھون نے اپنی طبیعت خداداد کی مدد سے مہارت تامہ اور واقفیت کامل بہم پہونچائی تھی لیکن انھین تو بہادر شاہ کا استاد بننا تھا، ان علوم سے کوئی کام نہیں لیا۔ بلکہ تمام عمر شاعری کے ذوق مین رہے بصیرین کا قول ہی کہ انسان کو کسی خاص فن مین اسیوقت دسترس کامل طور پر حاصل ہوتی ہی جب وہ اسکے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے، اور یہ بالکل صحیح ہی کسب ہنر کے لیے استقلال، یکسوئی اور شوق تینون چیزین درکار ہوتی ہین۔ اور اگر ان مین سے ایک بھی نہو تو نتیجہ صفر سمجھنا چاہیے۔ ذوق تمام جھگڑون کو چھوڑ کر شاعری کے ہو رہے تو شاعری بھی ان کی ہو گئی۔ اگر اور مشاغل کے ساتھ شعر و سخن کا چرچا رکھتے تو شاعر ضرور ہو جاتے لیکن دنیاے ادب مین ان کی یہ توقیر جو پرستش کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہی نہوتی۔

شعر و شاعری سے انھین ازلی مناسبت تھی، اور ان کی عادات و خصائل بھی ایسی ہی تھین جو صرف ایک سچے شاعر کی ہو سکتی ہین۔ استغنا، تواضع، حلم و مروت سب ان مین بدرجہ اتم موجود تھین۔ فکرِ سخن کی کثرت کے ساتھ ان کے شاعرانہ اوصاف بڑھتے گئے اور آخر آخر مین تو گویا وہ مستغنی الشعراء کی منزل مین تھے۔ محویت اور استغراق شاعر کی خصوصیات مین سے ہین۔ یہی محویت تھی کہ میر لکھنؤ کے کسی رئیس کے مکان مین برسون رہا کیے لیکن انھین نہ معلوم ہوا کہ اسی تیرہ و تار کمرے کی کوٹھری کے باہر ایک خوشنما باغیچہ بھی موجود ہی اور اسی کی ایک نظیر ذوق کے حالات مین بھی ملتی ہی۔

ایک تنگ و تاریک مکان تھا جسکی تنگنائی اسقدر تھی کہ ایک چھوٹی سی چارپائی ایک طرف بچھتی، دو طرف انشارستہ رہتا تھا کہ ایک آدمی چل سکے۔ حقہ منہ سے لگا رہتا تھا۔ کھری چارپائی پر بیٹھے رہتے لکھے جاتے تھے یا کتاب دیکھتے جاتے تھے۔ گرمی، جاڑا، برسات تینون موسمون کی بہارین وہین بیٹھے گذر جاتی تھین۔ انھین کچھ خبر نہوتی تھی۔ کوئی میلا کوئی عید اور کوئی موسم بلکہ دنیا کے شادی و غم سے انھین سروکار نہ تھا۔ جہان اول روز بیٹھے وہین بیٹھے اور جبھی اٹھے کہ دنیا سے اٹھے۔

ابتداے زمانہ مین ان مین آراستہ مزاجی ضرور آگئی تھی اور اس کا سلسلہ کچھ دنون تک رہا لیکن ۳۰ سال کی عمر مین تمام منہیات سے توبہ کی اور اس توبہ کی تاریخ کہی ع

اے ذوق بگو سہ بار توبہ

اس کے بعد ان کی زندگی سلامت روی اور صلاحیت پسندی کا دلفریب نمونہ تھی۔

ذوق کی شاعری محققانہ تھی۔ انکی طبیعت ہمہ گیر اور فکر رسا تھی۔ انکے دیوان کو بالاستیعاب دیکھ جاؤ تو انکی وسیع النظری اور نازک خیالی کا اندازہ ہو سکتا ہی۔

فن شاعری کے متعلق تمام مستند کتابین اور اساتذہ کے بہت سے کلیات ان کی نظر سے اسطرح گذرے ہوے تھے کہ ضرورت کے وقت ان سے سند فی البدیہہ دیا کرتے تھے۔ بھرے مشاعرون مین اُنپر اعتراضات ہوتے لیکن وہ اسقدر مستحضر العلم تھے کہ اسیوقت معترضین کو دلایل و اسناد سے ساکت کر دیتے تھے۔ شاہ نصیر کے ساتھ انکے معرکے بہت مشہور ہین اور مولانا آزاد مرحوم نے ان کے حالات بہت دلکش و نکتہ آموز پیرایے مین قلمبند کیے ہین۔

اوایل شباب مین جیسا کہ عام قاعدہ ہی انسان کسی قدر خود رائے اور خود پسند ہوتا ہی اور خاصکر شاعر جو وہبی قوتون کو اپنا زور بازو تصور کرتے ہین۔ جب ذوق کی شہرت نے شاہ نصیر کے دل مین رشک کی کیفیت پیدا کر دی کہ ایک نوعمر شاگرد کہنہ مشق استاد کے سامنے اسطرح اپنا

اُچھا لئے جاتے تھے بعض ایسی نا سعادت گستیں ہوئیں جو انکی شان کے منافی تھیں مثلاً یہ کہ اگر ذوق ان کے پاس کسی استاد کی غزل پر غزل لکھ کر لے گئے تو حوصلہ افزائی کی جگہ سخت لعنت ملامت کی گئی۔ یا یہ کہ جب وہ کوئی قصیدہ یا غزل ایسی کہتے کہ عام طور پر مشہور ہو جاتی تو شاہ نصیر ہوتے انکے عیوب کو دوسرون کے ذریعہ سے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے پھر کیف استاد کی نظر مخالف پاکر ذوق نے بھی ان سے کنارہ کیا۔ جوانی کا جوش تھا اور پھر لگانے بجھانے والون کی کوئی کمی نہ تھی یہ بھی کلہ بہ کلہ جواب دینے لگے۔ بھرے مشاعرے مین شاہ نصیر کے ایما سے انکے کلام کی گرفت ہوتی تھی اور یہ دندان شکن جوابات سے معترضین کا منہ بند کر دیتے تھے بعض اوقات استاد شاگرد مین با لمشافہ بحث کی نوبت بھی آجاتی تھی غرضکہ کچھ دنون تک ان دونو کی شاعرانہ جنگ سے مشاعرے میدان کارزار بنے رہے۔ اور پھر استاد زمانہ سے زور کم ہوتا گیا۔ ذوق کا طالع بلند تھا یہ پھر کے مین ور رہے اور پھر کہ دمہ پر اپنی علمیت و قابلیت و شاعری کا سکہ بٹھا دیا۔

شاہ نصیر و ذوق کے جھگڑون کی تفصیل "آب حیات" مین پوری طور پر دی گئی ہے۔ کسی اور کتاب مین اسکا حال درج نہین۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم سے بے لاگ انشا پرداز کے محققانہ طرز بیان کے خلاف کچھ کہنا قہرناک گستاخی ہوگی لیکن تنقید نگاری کے فرائض سے بھی بعید ہے۔ اگر یہ نہ کہا جائے کہ اس تصویر مین کسی حد تک طرفداری اور عقیدت کا رنگ بھی دیا گیا ہے لیکن اتنی طویل مدت گذر جانے کے بعد بلا کسی وثوق کے اب یہ بھی غیر ممکن ہے کہ شاہ نصیر و ذوق کے متعلق معقول جرح و تعدیل کی جائے شروع کس طرف سے ہوئی ہ ذوق نے استاد کی عظمت شان کو ملحوظ رکھ کر نزاع کے روکنے کی اپنے جانب سے کیا کوشش کی ہ مشاعرون مین علی الاعلان استاد و شاگرد کا سوال وجواب کرنا کس حد تک جائز تھا ہ یہ باتین ایسی ہین کہ معاملے کی تہ تک پہونچنے کے لیے ان پر کافی غور کرنا ہوگا" اور سب سے پہلے اس نازک مسئلہ کا تصفیہ کرنا ہوگا" کہ کیا واقعی شاہ نصیر کا کلام اس قابل تھا کہ اُسے ذوق کے مقابلے مین فروغ نہ مل سکے ہ اول الذکر تمام بحث فیلہ سو برس سال گذرنے کے بعد کوئی صحیح رائے قائم نہین ہو سکتی لیکن شاہ نصیر اور ذوق کا کلام موجود ہے۔ دونون کی ہم طرح غزلین نکال کر موازنہ کیجئے اور انصاف سے کہیے کہ دونون مین کیا فرق ہے۔ اسمین شک نہین کہ جسمین مین شاہ نصیر کے چند شعر ملین گے اسی مین ذوق کی ایک طویل غزل بلکہ غزل در غزل ہوگی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ شاہ نصیر کے یہ چند اشعار کیسے ہین۔ ہماری عاجز رائے مین شاہ نصیر کا ایک ایک شعر ان کی مشاقی اور طباعی کی اپنی آپ نظیر ہے پختگی خیال، متانت کلام، صفائی زبان، غرض ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ پھر سمجھ مین نہین آتا کہ مبصرین فن اسکی تکسیر شان پر کسطرح آمادہ ہو گئے۔ بہر کیف اب یہ ایک معمہ ہے جو حل نہین ہو سکتا۔

سطور بالا سے ذوق کی قدر شکنی مقصود نہین ہے۔ بلکہ ہم انھین اسی عظمت کا مستحق سمجھتے ہین جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا محض تنقید کے نقطۂ خیال سے لکھا گیا ہے۔ یون بھی انصافاً ذوق کو شاہ نصیر کے برابر سمجھنا کسی طرح اول الذکر کی کسرِ شان کا باعث نہین۔ شاہ نصیر جو کچھ بھی تھے ذوق کے استاد تھے" اور شاگرد کا استاد کا ہم عصر ہو جانا بھی کچھ کم فخر کی بات نہین۔

اب ہم ان تمام مباحث سے قطع نظر کر کے ذوق کی خصوصیات شعری کو حوالۂ قلم اور کسی قدر اجمالی تفصیل کے ساتھ ان کی غزلیات و قصاید پر رائے زنی کرنا چاہتے ہین۔

(باقی آئندہ)

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

محاربۂ عظیم

تمہید

جنگ یورپ کو چھڑے ہوے اب ڈیڑھ سال گزر چکا ہی. مناسب ہو کہ اسپر سرسری نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ اسکی گذشتہ تاریخ اور اسکے عظیم واقعات کی رفتار ہمین کیا سکھاتی اور کن امیدون کی طرف اشارہ کرتی ہی. آیا انجام کار برطانیہ اور اسکے معاون غالب آئینگے یا خدانخواستہ اسکے مخالف کی فتح ہوگی۔

جنگ کے اسباب

ولیعہد آسٹریا کا قتل جنگ کا فوری سبب

یہ تو ظاہر ہی کہ جنگ یورپ کا فوری سبب آسٹریا کے ولیعہد آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ اور انکی بیگم صاحبہ کا قتل ہی جو ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کے جدید صوبہ بوسنیا کے دارالصدر سراجیو رمین واقع ہوا تھا. آسٹریا نے اس افسوسناک واقعہ کو گورنمنٹ سرویہ کی شر اور شرارت سے منسوب کیا، اور اپنے کمزور مگر دلیر ہمسایہ کو تحس نحس کرنے کا بیہودہ حیلہ تلاش کیا۔ واقعہ کے پچیس روز بعد ایک طویل چٹھا مطالبات کا سرویہ کے پاس بھیج کر اڑتالیس گھنٹون کے اندر اندر جواب طلب کیا اور ان نامعقول مطالبات کی عدم قبولیت کی صورت مین تلوار سے فیصلہ کرنے کی دھمکی دی. اس سے تمام یورپ پر ایک آفت نازل ہوگئی. روس سلافی اور بلقانی قومون کا خاص مربی و سرپرست تھا. اس نے آسٹریا سے ملائمت سے کہا کہ دوستانہ طریقہ سے یہ تنازع نمٹ لینا چاہیئے مگر آسٹریا نے جو جرمنی کے اشارون پر چلتا تھا انکار کیا. اس نے سرویہ کا ساتھ دینے کا اقرار کیا. اسکے ساتھ اسکا پرانا دوست فرانس تھا وہ الگ نہ رہ سکتا تھا. جب اسکو سرویہ کی پشتی پر دیکھا تو جرمنی نے آسٹریا کی حمائت کا اعلان کیا اور فرانس سے مطالبہ کیا کہ اگر روس سے جرمنی کی جنگ چھڑ جائے تو فرانس کدھر ہوگا؟ یہ کیفیت دیکھکر برطانیہ نے اپنی صلح پسندی کا ثبوت دیا، اور آسٹریا سرویہ کے تنازع کو مغربی یورپ کی پنچائت کے روبرو پیش کرنے کی تجویز پیش کی جس سے سوائے جرمنی کے سب نے اتفاق کیا. اس مین ناکام ہو کر برطانیہ نے فرانس اور جرمنی سے ایک ساتھ پوچھا آیا دونون کے درمیان جنگ چھڑجانے کی حالت مین وہ بلجیم کے علاقہ سے گذر کر ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے باز رہینگے؟ فرانس نے فوراً جواب دیا کہ وہ بلجیم کے علاقہ مین قدم بھی نہ رکھیگا مگر جرمنی حیلے حوالون مین وقت ٹالتا رہا اور اپنی تجاویز پیش کر کے برطانیہ سے انکے منوانے کی عیارانہ کوشش کرنے لگا، جس مین اُسے ناکامی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ ۱۸۳۹ء کے عہدنامہ کے رو سے جس پر یورپ کی سب حکومتون نے مع جرمنی کے دستخط کئے تھے کہ کوئی سلطنت بلجیم پر حملہ نہ کرے "اگر کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو باقی سب ملکر اس کا سر کچلینگے" بلجیم کے بادشاہ نے ہمارے شہنشاہ معظم سے مدد کی درخواست کی، اس لیئے برطانیہ کو ایک کمزور ہمسایہ کی استمداد کے لیے فوج کشی کرنی پڑی۔

ولیعہد آسٹریا کو جرمنی و آسٹریا کے چند وزیرون نے مروایا

چند ماہ ہوے لندن کے مشہور اخبار ٹائمز کے نامہ نگار نے جو سولہ برس سے وائنا پایہ تخت آسٹریا مین جنگ چھڑنے تک موجود تھا، یہ راز فاش کیا کہ آرچ ڈیوک فرڈیننڈ مرحوم کو آسٹریا اور جرمنی کے چند وزیرون نے جو ولیعہد موصوف کے خیالات کو سخت ناپسند کرتے تھے، چند شہدون کے ہاتھون قتل کرایا اور الزام بیچارے سرویہ کے سر تھوپ دیا۔

جرمنی کی طمع جنگ کا اصلی سبب

مگر جنگ یورپ کی تفصیلی وجہ جرمنی کی طمع و حرص اور عالمگیر حکومت کا خواب ہی جب سے یہ محاربۂ عظیم شروع ہوا ہی واقعات اور دستاویزات سے بخوبی ثابت ہو چکا ہی کہ جرمنی تیس چالیس سال سے جنگ کی خفیہ تیاریون مین مصروف تھا. فوج، رسالہ، توپخانہ، جنگی بیڑہ وغیرہ سامان فراہم کرتا رہا. ۱۹۰۵ء سے لیکر ۱۹۱۴ء کے اوّل نصف حصہ تک

اس نے ساڑھے چار ارب روپیہ جنگی جہازون پر خرچ کر ڈالا اور ایک عظیم بیڑہ تیار کر لیا جو برطانیہ کے سوا باقی سب بیڑون پر فائق سمجھا جاتا ہے۔ اسپر کون عظیم چڑھائی کرنے کی دھمکی دے رہا تھا جو اسقدر عظیم رقم بیڑہ پر خرچ کر ڈالی؟ جنگ سے دس بارہ سال پیشتر اسکا فوجی خرچ سال بسال بڑھتا چلا گیا۔ حتی کہ ۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء کے بجٹ مین اٹھاسی کرور روپیہ مخصوص ہوئے۔ ۱۹۱۳ء مین نیا آرمی ایکٹ پاس کیا جسکی رو سے اس نے باقاعدہ سپاہ مین کئی لاکھ کا اضافہ کیا۔ اور کئی ارب روپیہ سپاہ کی درستگی اور فوجی استحکامات و قلعہ بندیون کے لیے منظور کیا۔ اس وجہ سے ساری قوم پر بھاری ٹیکس لگایا گیا۔ یہان تک کہ قیصر جرمنی کو بھی اپنی جاگیر کا سوا دو لاکھ پونڈ سالانہ جزیہ دینا پڑا۔ دیگر امیرون اور شہزادون کو بھی اپنی اپنی آمدنیون کا پانچ سے دس فیصدی حصہ تک فوجی اخراجات کے لیے وقف کرنا پڑا۔ سوال ہے کہ اسپر کدھر سے حملہ ہونے والا تھا؟ فرانس کی طرف سے؟ کیا اس سے اسے خوف تھا؟ یہ دونون ملک اپنے اپنے آرام سے بیٹھے اندرونی اصلاحات مین مصروف تھے، یہ کب حملہ کر سکتے تھے۔

اب یہ امر بخوبی ظاہر ہو چکا ہے کہ برطانیہ اور اسکے معاون جنگ کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ نہ فوج اور نہ فوجی سامان، نہ توپخانے اور دیگر ضروریات جنگ موجود تھین۔ اس لیے بے سروسامانی کی حالت مین جرمنی کے مقابلہ کو دوڑے اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ جرمنی دشمنون کو چپکے سے ہڑپ کرنے کے لیے تیاریون مین مصروف تھا اور موقع پاتے ہی "خوئے بد را بہانہ بسیار" کے اصول کے مطابق جنگ چھیڑ دی۔ پس ظاہر ہے کہ جرمنی کی ہوا و ہوس اس خونی معرکہ کی بانی ہو کر ان لاکھون جوانون کے قتل اور کرورون بےگناہون کے مصائب مین گرفتار ہو جانے کا اصل موجب جرمنی ہی ہے خدا کے سامنے اس عظیم معرکہ کی بازپرس جرمنی کے وزرا سے ہوگی۔

خشکی کے معرکے

میدان فرانس و بلجیم کے معرکے

جنگ کا اعلان برطانیہ نے ۴۔ اگست کو کیا تھا۔ گو آسٹریا نے سب سے پہلے سرویہ کے خلاف اور اسکے بعد جرمنی نے روس و فرانس کے خلاف کیا۔ جرمن سپاہ یکم و ۲ اگست کی شب کو بلجیم کے اندر داخل ہوئی تھی۔ سیلاب کی طرح جرمن سپاہ جسکا کل شمار ۲۵ لاکھ کیا گیا ہے فرانس پر حملہ آور ہوئی۔ اور ستمبر کے اول ہفتہ مین پیرس کے پاس تیس پینتیس میل پر جا رہی۔ بلجیمی فوجون نے چند روز تک جرمنون کا مقابلہ کیا۔ یا شارلی رائے اور مونگ پر انگریزون سے ۲۳۔ اگست سے ۲۶۔ اگست تک معرکے ہوے۔ اسکے بعد اتحادی سپاہ پیچھے ہٹتی چلی گئی، اور جرمن بڑھتے چلے گئے۔ حتی کہ پیرس سے تیس پینتیس میل مشرق سے جنوب کیطرف رخ کیا تاکہ فرانس کی سپاہ کے عقب پر جا پڑے اور اسے بالکل ہلاک کر دے عین اسوقت دو ڈھائی لاکھ انگریزی اور فرانسیسی سپاہ نے جرمنون کے بائین بازو پر حملہ کر کے چھ سات لاکھ چیدہ و آراستہ جرمن لشکر کو جسکے سپہ سالار جنرل کلک، جنرل بیولو، اور ڈیوک آف ورٹمبرگ تھے، ایسا دبایا کہ وہ سامان چھوڑ کر پچھلے پاؤن بھاگے اور ستر اسی میل کے فاصلہ پر دریائے آسنی کے کنارون پر جا کر دم لیا اور وہان پر مورچے بنا کر بیٹھ گئے۔ یہ جرمنون کی پہلی عظیم شکست تھی جو ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔ بعد ازان طرفین ایک دوسرے کا پہلو دبانے کی کوشش مین کود بار انگلستان پر جا نکلے جرمن سپہ سالار پیرس مین دھوم دھام سے داخل ہونے اور فرانس کے قلب پر قبضہ کرنے کے شاندار منصوبہ مین سخت ناکام رہے پھر یہ ترکیب سوجھی کہ شہر کیلے پر قبضہ کر کے انگریزون کی تجارت کو نقصان پہونچایا اور لندن مین کھلبلی پیدا کی جائے۔ اس لیے نومبر ۱۹۱۴ء مین ایپر پر عظیم خونی معرکہ ہوا۔ جو تین ہفتہ تک ہوتا رہا۔ جرمنی کی قابل فخر سپاہ پرشیائی گارد، دو لاکھ کی تعداد مین اسی معرکہ مین کام آئی۔ اسکی جانبازانہ سعی صرف اتنی کامیاب ہوئی کہ تین ناکون پر انگریزی سپاہ کو زیر کر کے آگے نکل گئی

گر دو کے لیے ہندوستانی بہادر موجود تھے جنھوں نے جرمنی سپاہ کو مار کر
میدان لاشوں سے پاٹ دیا۔ جرمنی کو یہ دوسری سخت ہزیمت اٹھانی پڑی
فروری ۱۹۱۵ء میں شمپین کے جنگلوں میں فرانس کی دلاور فوج نے
جرمنوں کو ایک بھاری شکست دی اور پھر ۱۱ مارچ ۱۹۱۵ء کو انگریزوں
نے نیوشاپل کے معرکے میں جرمنوں کو ایک اور شکست دی۔ اپریل کے تیسرے
ہفتے میں جرمنوں نے زہریلی گیس کے وسیلے سے اپریز پر چھاپہ مارا تاکہ کیلے
پر پھر پہونچ جائیں۔ وہاں پھر دو ہفتے تک سخت جہاد ہوا مگر جرمنوں کو کوئی
کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ اپنی دوسری کوشش میں بھی ویسے سخت ناکام
رہے جیسے نومبر ۱۹۱۴ء میں شکست کھا کر لوٹ آئے تھے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں
اتحادیوں نے خوفناک اور طویل گولہ باری کے بعد شمپین میں اور انگریزوں نے
لنس اور لوز (Loos) میں جرمنوں کو ایک اور شکست دی اور چند
میل علاقہ چھڑا لیا۔ اسکے بعد جنوری ۱۹۱۶ء تک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں
کوئی بڑی لڑائی فرانس میں نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ سال کے دوران میں جرمنی
نے لاکھوں جانوں کی قربانی اور اربوں روپے کے خرچ کے بدلے جلد سات ہزار
مربع میل رقبہ فرانس کا اور دس ہزار مربع میل علاقہ بلجیم کا حاصل کیا ہے۔

مشرقی میدان جنگ

اب مشرقی میدان جنگ کا حال سنو جرمنوں کا اور نیز
اتحادیوں کا خیال تھا کہ اسکی سپاہ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں میدان جنگ میں
آسکے گی مگر جنگ کے دوران میں خلاف توقع باتیں واقع ہوتی ہیں۔ روسی
بہت جلد تیار ہو کر ۱۰ اگست ۱۹۱۴ء کو میدان جنگ میں آ دھمکے
اسوقت جرمن لشکروں کا زور فرانس کیطرف تھا جرمن دو تین لاکھ آسٹریائی
سپاہ پولینڈ کے جنوبی حصوں پر حملہ آور ہوئی تھی ایک زبردست روسی لشکر
زیر کمان جنرل رینن کمف مشرقی پرشیا پر حملہ آور ہوا۔ اسٹالوپونن
ہشیلین گمبین، اور گلڈاپ کے قصبے لے لیے۔ اور جرمنوں کو شکست دی۔
لیک پر بھی جرمنوں کو شکست ہوئی مگر لوٹسن پر چالیس پینتالیس ہزار
جرمنوں سے خوب گھمسان کا معرکہ ہوا لیکن اس سے بھی بڑی سخت لڑائی
۲۰ اگست ۱۹۱۴ء کو گمبنن پر ہوئی۔ جہاں دو لاکھ جرمن سپاہ فیصلہ کن
معرکے کے لیے فراہم تھی بہت کشت و خون کے بعد روسیوں نے جرمنوں کو
شکست فاش دی۔ پل کلن پر بھی جنرل ہنڈنبرگ کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی
اور بہت سا سامان جنگ اور ہزاروں قیدی چھوڑ کر سرپٹ بھاگنا پڑا۔ روسیوں
کا تہلکہ تمام مشرقی پرشیا میں بیٹھ گیا اور لوگ حواس باختہ ہو کر گھر بار چھوڑ کر
بھاگ گئے جرمن سپاہ کا بہت ابتر حال ہو گیا۔ اگست کے آخری ہفتہ میں
آلون سٹاٹن پر بھی ہنڈن برگ نے شکست کھائی۔ صوبے اندر ہراسانی
پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے جرمنوں نے ویچولا کے کنارہ کے قلعوں سے بھاری
توپخانے اور بہت سی تازہ دم سپاہ بہم پہونچائی۔ اور آسٹی روڈ کے قریب میں
معرکہ عظیم ہوا جس میں روسیوں کو ۳۱ اگست کو شکست ہوئی اور جنرل
رینن کمف اسی عجلت سے واپس لوٹا جس سے وہ آگے بڑھا تھا اسی
معرکہ میں جرمنوں نے ماہ اگست کی پہلی زک کا داغ دھو ڈالا۔ اس کے
بعد جرمن سپاہ ماہ ستمبر میں پولینڈ کے شمال میں جا گھسی لیکن روسیوں نے
وہاں پر اسکی ایسی خاطر کی کہ وہ سرپٹ پیچھے کو بھاگی۔

گلیشیا میں روسیوں کے کارنامے

جس وقت جنرل رینن کمف مشرقی پرشیا میں داخل ہوا
تھا عین اسوقت جنرل روسکی لشکر جرار لیکے ساتھ آسٹریائی
فوجوں پر حملہ کرنے کو بڑھا۔ اس نے پہلے جنوبی پولینڈ کو خالی کرایا پھر آسٹریا
کے صوبہ گلیشیا میں جا گھسا۔ ۳ ستمبر ۱۹۱۴ء کو اسکے صدر مقام لیمبرگ پر
عظیم فتح حاصل کی۔ بعد ازاں روسی سپاہ گلیشیا کے مغرب میں بڑھی اور
ایک دستہ جنوب کی طرف بھی گیا۔ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں جرمنوں نے مغرب
کی طرف سے پولینڈ پر بڑا حملہ کیا۔ وارسا اسکا مقصود تھا مگر اکتوبر کے تیسرے
ہفتے میں وارسا سے پچیس میل مغرب کی طرف سخت شکست کھائی اور
پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔ اسکے بعد روسی سپاہ پھر مشرقی پرشیا میں داخل
ہوئی اور ایک روسی رسالے کے دستہ نے پوزن کے پاس ایک جرمن قصبہ
کو تباہ کر ڈالا اور ارد گرد مار دھاڑ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں روسی سپا

[illegible] آسٹریائی فوجون کا پھر مقابلہ یا تھا۔ اور پرمسل کا محاصرہ شروع
کیا [illegible] بہت سے اور اکتوبر مین جرمن اور آسٹریائی سپاہ نے وسیع پیمانہ
[illegible] سامان حرب کے ساتھ پولینڈ پر حملہ کیا۔ روسیون کو پسپا ہونا پڑا۔ وہ
[illegible] کے شروع مین لودز خالی کرکے پیچھے چلے گئے اور جرمن خندقین
[illegible] گئے۔ دسمبر مین اور کئی ناتمام معرکے ہوے۔ وسط فروری ۱۹۱۵ء
مین پھر جرمنون نے حملہ کیا اب کی پولینڈ کے شمال سے بڑھے اور وارسا سے ساٹھ
ستر میل مغرب مین تین چھوٹے دریاؤن کے درمیان خوب جنگ ہوئی
حملہ سو توپون سے دو روز تک روسیون کے مورچون پر گولہ باری ہوئی
دس بارہ میل کے میدان مین مین بڑھی اور روسیون کی مشین توپون
اور بندوقون سے ہلاک ہوکر رہگئین وارسا کے شمال مین ستر اسی میل پر
جرمنون نے پرسیس نیز پر سخت شکست کھائی اور لوٹ کر واپس چلے گئے۔
اسکے بعد روسی دستہ پھر تیسری مرتبہ شرقی پرشیا مین جا گھسا اور
گلیشیا مین روسی فوج مغرب اور جنوب کی طرف بڑھتی گئی فروری ۱۹۱۵ء
کے آخر مین ایک روسی لشکر کوہستان کارپتھین کو طے کرکے ہنگری کے میدان
مین جا پہونچا اور ۲۲ مارچ کو پرمسل چند ماہ کے محاصرہ کے بعد روسیون کے
ہاتھ آگیا جہان سے سوا لاکھ سے کچھ اوپر قیدی اور ہزار کے قریب توپین
اور بہت سا سامان ہاتھ آیا۔ روسی سپاہ مغرب کی طرف بڑھتی گئی۔ دریاے
ڈوناجک عبور کرکے کراکو سے پندرہ بیس میل پر نکلی اس سے ہنگری اور
نیز جرمنی کے نہایت بڑے صوبہ سیلیشیا مین سخت بے چینی پیدا ہوگئی۔ اسوجہ
سے جرمنون نے آسٹریا کے وزیرونکے ساتھ صلاح و مشورہ کرکے نیا منصوبہ باندھا
لشکر و سامان جنگ فراہم کیا۔ اور مئی ۱۹۱۵ء کے شروع مین گلیشیا کے
مغربی حصہ سے چار ہزار توپون اور کئی لاکھ فوج کے ساتھ روسیون پر
حملہ کیا بیان کیا جاتا ہے کہ جرمن سپہ سالار اعظم فیلڈ مارشل آکنسن کے پاس
بارہ چودہ لاکھ سپاہ تھی۔ اور روسی آٹھ نو لاکھ کے درمیان تھے مگر توپخانے
اور گولہ بارود مین سخت تہیدست تھے۔ اس وجہ سے ہر میدان سے پسپا
ہوتے چلے گئے مئی اور جون مین جرمنون نے گلیشیا کا ۵/۶ حصہ روسیون
سے خالی کرالیا۔ اور وسط جولائی مین وارسا سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ
پر شمال مغرب اور جنوب مین حلقہ بنالیا۔ روسیون نے دو تین ہفتون تک
خوب مقابلہ کیا کئی جگہ انھین شکست دی۔ آخرکار اتحادیون کے صلاح و مشورہ
سے وارسا خالی کرکے پیچھے چلے گئے۔ پورے ایک سال مین جرمنون کا
وارسا پر قبضہ ہوگیا۔ اگست کے آخر تک جرمنون نے پولینڈ خالی کرالیا۔
اسوقت چھبیس ستائیس لاکھ جرمن و آسٹریائی سپاہی روسیون سے لڑ رہے تھے۔
ستمبر مین جرمن سپاہ خاص روس مین داخل ہوئی۔ گویا قدرتی آفتون کے
حلقہ مین جا پھنسی۔ اتنے مین روسیون کے پاس گولہ بارود اور تازہ دم سپاہ
کافی تعداد مین پہونچ گئی۔ اسلیے ستمبر کے آخری ہفتہ سے جرمنون کا
تعاقب شروع کیا۔ انھین ہانککر بہت پیچھے لے گئے۔ جرمنون نے ایگہ
اور ڈونسک کے خطہ پر قبضہ کرکے روس کے دارالصدر کا راستہ صاف کرنا
چاہا۔ جو وہان سے ساڑھے تین سو میل کے قریب ہے مگر سخت ناکامی اٹھانی
پڑی۔ جنوری ۱۹۱۶ء کے آخر تک روسیون نے بعض جگہ جرمنون کو ستر اسی
میل پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ اور گلیشیا کے مشرقی حصہ مین صوبہ بکوینہ مین کئی
عمدہ معرکے مارے جس سے جرمن و آسٹریائی سپاہ بلقان اٹلی اور فرانس
کے میدان سے ڈھائی پونے تین لاکھ کے قریب واپس بلانا پڑی پنک کے
علاقہ مین جو عین وسط مین ہے روسی اب بریسٹ لیٹووسک سے جو
پولینڈ کے مشرقی کنارہ پر واقع ہے صرف پچاس ساٹھ میل دور ہین الغرض
روسیون کا پلہ بہت بھاری ہوتا جاتا ہے۔

بحری معرکے

بحری معرکے بہت اہم واقع نہین ہوے سب سے پہلے ۲۸۔ اگست ۱۹۱۴ء کو
جزیرہ ہیلی گولینڈ کی بغل مین چند جرمن اور چند برٹش تباہ کن جہازون
اور راگنبوٹون کے درمیان لڑائی ہوئی تھی جسمین انگریزون کی فتح رہی بعد
ازان اور خفیف جھڑپین ہوئین۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو ملک چلی کے مغرب مین

جزیرہ کروتن کے پاس جرمن ایشیائی بیڑہ اور ایک ہلکے برٹش بحری دستہ کے درمیان معرکہ ہوا چار مین سے دو برٹش جہاز ڈوب گئے اسکے ایک ماہ بعد ۸ دسمبر کو جزائر فاک لینڈ کے قرب مین اسی جرمن بیڑہ اور برطانیہ کے دوسرے دستہ مین جسکے کمانیر نائب امیر البحر سر سٹان اسٹرڈی تھے معرکہ ہوا جرمن بیڑہ غرق ہوا صرف ایک ہلکا تیز رو کروزر بھاگ کر بچ گیا۔ اسکے بعد ۲۴ جنوری ۱۹۱۵ء کو ڈوگر بنک کے پاس ایک جرمن دستہ کا معرکہ برٹش گرانڈ دستہ کے ساتھ ہوا جسمین ایک بڑا جرمن جہاز اور تین چار ڈسٹرائر اور آگن بوٹ غرق ہوے اور دو بڑے جہازون کو بہت سخت نقصان پہونچا۔ برطانیہ کا کوئی جہاز چھوٹا یا بڑا غرق نہین ہوا۔ ۱۴ اشخاص ہلاک اور تین بیتیس مجروح ہوے ۱۸ فروری ۱۹۱۵ء کو اتحادی جہازون کے ایک زبردست بیڑہ نے درہ دانیال کے بیرونی قلعون کو تباہ کیا۔ مگر ۱۸ مارچ ۱۹۱۵ء کے حملہ مین اسے بہت نقصان اٹھایا۔ ۵ جون کو جرمن بیڑہ نے ریگہ پر حملہ کیا مگر روسی بیڑہ کے ہاتھون شکست کھائی۔ وسط اگست ۱۹۱۵ء مین جرمنون نے اسی شہر پر حملہ کیا لیکن شکست کے سوا کچھ حاصل نہوا اور سات آٹھ جہاز غرق یا بالکل بیکار کراکے واپس چلے گئے۔ اور خفیف لڑائیان بحیرہ اسود مین روسیون اور ترکون کے درمیان یا بحیرہ ایڈریاٹک مین اٹلی اور آسٹریا کے بیڑون مین ہوتی رہتی ہین۔ مگر یہ چندان وقعت نہین رکھتی ہین۔ ہوائی معرکہ آرائیون کا ذکر بخوف طوالت نظر انداز کرنا پڑتا ہے مگر [illegible] جرمنون نے [illegible] برطانیہ کے مشرقی ساحل کے شہرون پر گولہ باری کرکے بیگناہون کا خون کیا، اور کچھ مالی نقصان بھی پہونچایا۔ مگر اتحادیون نے جرمنی کے اندر جاکر ہیڈلن، انیرا (کارخانہ کروپ) ککس ہیون، فریڈرک شاہم اور دیگر شہرون پر ہوائی جہازون کے حملہ سے فوجی گوداموں اور سامانون کو سخت نقصان پہونچایا اور جب کبھی برٹش یا فرنچ ہوائی جہازون کا جرمنون کے ساتھ مقابلہ ہوا تو اول الذکر ہمیشہ غالب آتے رہے۔

دیگر میدان ہاے جنگ یہ معرکہ عالمگیر ہے اسکا یورپ تک محدود رہنا دشوار ہے، اس لیے افریقہ، ایشیا، اور دیگر حصون تک بھی جا پہنچا۔

ہندوستانی انگریزی سپاہ نے نومبر ۱۹۱۴ء کو وادی دجلہ و فرات پر چڑھائی کی تھی۔ اسوقت سے لیکر ۲۲ نومبر ۱۹۱۵ء تک گویا پورے ایک سال تک کامیابی اور فتح کے ساتھ یہ فوج ترکون کو شکست دیتی چلی گئی۔ بغداد سے اٹھارہ میل ادھر سے نومبر ۱۹۱۵ء کے آخری ہفتہ مین ترکون کی عظیم جمعیت کے باعث لوٹنا پڑا۔ اور قط العمارہ پر آکر مقیم ہوگئی یہ مقام بغداد سے (۱۰۰) میل ادھر ہے۔ اسکی کمک کیلیے جو دستہ بھیجا گیا ہے اس نے جنوری گذشتہ کے اول اور دوسرے ہفتے مین شیخ سعد اور دیگر مقامات پر جو قط سے بیس پچیس میل ادھر واقع ہین، ترکون کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا۔ اسکے بعد موسم بہت خراب ہوگیا اور پیشقدمی رک گئی۔ کاکیشیا کے علاقہ مین بھی نومبر ۱۹۱۴ء سے ترکون اور روسیون کے درمیان معرکے ہوتے چلے آتے ہین۔ جنوری گذشتہ مین جھیل ترعوم کے قرب مین ترکون نے ناگہانی شکست کھائی۔ اور سرپٹ بھاگ نکلے روسیون نے زیر سپہ سالاری گرانڈ ڈیوک نکولس انکا تعاقب کیا جس قلعہ ارکیری کوئی پر پھر انھین شکست دی اور آخرکار وسط فروری مین ارض روم جو آرمینیا کا دار الصدر ہے فتح کرکے ترکون کو سخت شکست دی۔ گویا ایشیائی کوچک مین ترکون کی نقل و حرکت کا راستہ مسدود ہوگیا ہے۔ مصر پر ۲ فروری ۱۹۱۵ء [illegible] نے حملہ کیا تھا۔ مگر شکست کھا کر واپس چلے گئے۔ مغربی مصر پر عربون نے نومبر اور دسمبر ۱۹۱۵ء مین دو چار مرتبہ حملے کیے لیکن زک کھائی۔

گیلی پولی پر ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو برٹش و فرنچ سپاہ اتاری گئی تھی وہان [illegible] خوب معرکے ہوتے رہے۔ کئی جگہ شاندار فتوحات حاصل ہوئین [illegible] دروازہ کھولنے مین لیکن کامیاب نہوے۔ مگر اس

اور بہت سے مضر نتائج برآمد ہوئے۔ مثلاً مصر پر ترکون کے حملۂ ثانی کا احتمال موقوف ہو گیا۔ گلیشیا اور عراق پر ترک زور نہ ڈال سکے کیونکہ ساری فوج گیلی پولی اور قسطنطنیہ پر اکٹھا ہو رہی تھی۔ جرمنون نے اکتوبر ۱۹۱۵ء مین سرویہ پر حملہ کیا اور اسے ۱۵ دسمبر تک بالکل فتح کر لیا جس سے جرمنی اور ترکی کے درمیان بلگیریا کے راستہ سے تعلق قائم ہو گیا۔ ایسی صورت مین گیلی پولی پر قبضہ کرنا فضول ٹھہرا۔ اس وجہ سے کچھ سپاہ دسمبر ۱۹۱۵ء کے شروع مین اور باقماندہ جنوری ۱۹۱۶ء کے شروع مین ایسی خوبی کے ساتھ ہٹائی گئی کہ دونون مرتبہ ایک سپاہی بھی ہلاک نہوا۔ صرف متروک شدہ توپین اور کچھ سامان پیچھے چھوڑنا پڑا لیکن چلتے وقت اسے آگ لگا دی اور توپون مین میخین ٹھونک دین۔ اٹلی نے ۲۴ مئی ۱۹۱۵ء کو آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ وہ اپنی حد کے شمال اور مشرق مین لڑتا رہا۔ خاصا علاقہ جس مین سیکڑون دیہات اور قصبات مین آسٹریا سے چھڑا لیا۔ فقط آئی سونزو کے میدان مین تیس ہزار آسٹریائی قید کیے اور بہت سا سامان جنگ ہاتھ آیا۔ افریقہ کے تمام مقبوضات اتحادیون کے ہاتھ لگ گئے ہین۔ صرف جرمن مشرقی افریقہ باقی ہے۔ اسکی فتح کی فوجی کارروائی شروع ہو گئی ہے اور جرمن مقبوضات بھی اتحادیون کے ہاتھ مین منتقل ہو گئے ہین۔

ڈیڑھ سال جنگ کے نتائج۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ڈیڑھ سال کے عرصہ مین جرمن نے کیا حاصل کیا، اور اتحادیون کو کیا خسارہ ہوا۔ جرمنی کو تیس چالیس برس کی تیاریون کی وجہ سے فرانس و بلجیم کا سولہ سترہ ہزار اور پولینڈ کی طرف ساٹھ ستر ہزار میل رقبہ پر عارضی قبضہ مل گیا ہے۔ سرویہ اور مانٹی نگرو کا تیس ہزار مربع میل سے قریب علاقہ بھی جرمنی یا اسکے معاونون کے قبضہ مین آگیا ہے گویا انھون نے ڈیڑھ سال مین بمشکل سوا لاکھ میل رقبہ حاصل کیا ہے مگر اسکے لیے انھون نے کتنا روپیہ خرچ کیا اور کتنی جانین قربان کی ہین۔ جرمنی، آسٹریا، بلگیریا اور ترکی چارون ایک طرف ہین۔ برطانیہ، فرانس، اٹلی اور روس دوسری طرف ہین۔ سرویہ، مانٹی نگرو اور بلجیم کے ننھے سے ملکون کو بھی اسی ذیل مین شامل کر دینا چاہیے۔ اٹلی کے ایک نامی اخبار کے اندازہ کے رو سے جرمنی کے جوانون کا مستقل نقصان ڈیڑھ سال کے عرصہ مین چونتیس لاکھ ہوا ہے آسٹریا کا تیس لاکھ کے قریب ترکی کا سوا نو لاکھ اور بلگیریا کا ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ بعض ماہرون نے جرمنی وغیرہ کا پینسٹھ لاکھ نقصان کا اندازہ کیا ہے لیکن اوپر کا تخمینہ قریب قریب صحیح ہے۔ اسکے سوا روپیہ کا خرچ ہے جرمنی کا روزانہ خرچ بعض امریکن ماہرون کے بیان کے مطابق چار کروڑ روپیہ ہے۔ اس حساب سے جرمنی کا ڈیڑھ سال مین بائیس ارب نوے کروڑ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ آسٹریا کا ساڑھے سترہ ارب۔ ترکی اور بلگیریا کا غالباً آسٹریا کے نصف کے قریب۔ تجارت وصنعت اور مالی نقصان اسکے علاوہ ہے۔ جرمنی کے تمام بیرونی مقبوضات سوائے جرمن مشرقی افریقہ کے ہاتھ سے نکل چکے ہین جنکا رقبہ ساڑھے آٹھ لاکھ میل مربع ہے۔ ترکون کے ہاتھ سے جزیرہ قبرص اور مصر اور وادی عراق نکل گئی ہے جنکا کل رقبہ (مع سوڈان) آٹھ لاکھ میل ہے۔ جرمنی کی چھیانوے فیصدی خارجی تجارت جسکی سالانہ آمدنی ساڑھے سات ارب روپیہ تھی، برباد ہو گئی ہے۔ آسٹریا، ترکی، بلگیریا کی تجارت اسکے علاوہ ہے۔ جرمنی کے تجارتی جہاز دنیا کے سمندرون سے نابود ہو چکے ہین گو جنگ سے پیشتر اسکے دو ڈھائی ہزار تجارتی جہاز دنیا کا مال ڈھونے مین مصروف تھے۔ ڈیڑھ سال مین جرمنی کے ڈیڑھ سو کے قریب جنگی جہاز جنمین بڑے بڑے جہاز، بڑے کروزر، چھوٹے کروزر، گن بوٹ، تباہ کن، آبدوز اور مسلح تجارتی معاون جہاز شامل ہین غرق ہو چکے ہین۔

برطانیہ کا روزانہ خرچ پانچ کروڑ روپیہ تخمینہ کیا گیا ہے۔ فرانس اور روس کا اس سے کچھ کم ہے۔ فرانس کے نامی اہل قلم ایڈمنڈ تری کا اندازہ ہے کہ ایک سال کے عرصہ مین اتحادیون کا کل خرچ تیس ارب روپیہ ہوا ہے۔ اور جرمن اور اسکے معاونون کا بائیس ارب۔ برطانیہ اور اسکے دوستون کے تجارتی جہاز دنیا کے انتہائی گوشون سے مال و اسباب لا رہے ہین مگر جرمنی اپنے ہی ملک مین قید ہے۔ بیرونی دنیا سے اسکا تعلق قطع ہو گیا ہے۔ برطانیہ کا

چپہ بھر علاقہ بھی جرمن یا اسکے دوستون کے قبضہ مین نہین ہی برعکس
اسکے کہ سلطنت برطانیہ مین جنگ کے وقت سے لیکر اسوقت تک جو
علاقہ جرمنی پاس کی شامل ہوچکے ہین انکا رقبہ جرمنی سے جیسی وہ جنگ سے
پیشتر تھی کئی گنا زیادہ ہی

جنگ کے خاتمہ کی صورت

جنگ کب ختم ہوگی یہ سوال ہر کس و ناکس کی زبان پر ہی اور مضمون ہذا
کے آخر مین اسپر بحث نہ کرنا گویا اسے ناتمام چھوڑنا ہی اس سوال کا مختصر جواب
یہ ہے کہ جنگ کی ابتدا کے اسباب کو مدنظر رکھنا چاہیے جبتک بلجیم سربیہ
اور مانٹی نگرو اپنی کامل قومی آزادی حاصل نہ کرلین اور نیز نقصان کی تلافی
نہ ہو جاے۔ اور آئندہ چھوٹی قومون کی ہستی جرمنی کی دست درازیون
سے قطعی محفوظ نہو جائے اور علاوہ ازین جبتک جرمنی کا فوجی زور
نہ ٹوٹ جائے جنگ جاری رہے گی۔ علاوہ ازین اتحادی ملکون کے
نامی گرامی مدبرون اور لیڈرون نے جنوری اور فروری مین یہ امید ظاہر
کی تھی کہ سنہ ۱۹۱۶ء ختم ہونے سے پیشتر جنگ یورپ خیر و خوبی کے ساتھ ختم
ہوجائے گی۔ اب جبکہ جرمنی کا زور تمام ہوچکا ہے تو اتحادیون کی تیاری
شروع ہوئی ہے۔ اگر سنہ ۱۴-۱۹۱۵ء کے موسم سرما مین اتحادی حکومتین سامان
جنگ اسی سرعت و مستعدی سے تیار کرنے مین غفلت نہ کرتین جیسا
جرمنون نے کیا تھا تو شاید جنگ آج تک ختم ہوگئی ہوتی۔ جنگ شروع
ہونے مین جہان جرمن تین گولے پھینک سکتا تھا برطانیہ کے پاس
فقط ایک تھا۔ اب برطانیہ و فرانس جہان جرمنی ایک پھینکے تو وہ
پانچ گولے پھینک سکتے ہین۔ علاوہ ازین ہر قسم کی ہوائی اور مہلک توپین
اتحادیون نے بنائی ہین اور سامان بکثرت تیار ہو رہا ہی۔ برطانیہ مین بیس
لاکھ کے قریب اسلحہ سازی کے کارخانون مین کام کررہے ہین۔ اور قریب قریب
اتنے ہی فرانس اور روس مین ہونگے۔ (۳۴۴۰) کارخانے براہ راست
محکمہ اسلحہ سازی کے زیر اہتمام ہین۔ ٹھیکہ دارون کے کارخانے اس کے
علاوہ ہین۔ امریکہ اور جاپان بھی اسلحہ بہم پہونچا رہا ہی۔ سنہ ۱۹۱۵ء مین اتحادیون
کی ناکامی اسلحہ کی قلت کی وجہ سے تھی اب یہ دقت بالکل دور ہوگئی ہی
نئے لشکر تیار ہو رہے ہین۔ روس ستر لاکھ سپاہ کے ساتھ جسمین چالیس لاکھ
بالکل تازہ دم ہی موسم بہار مین حملہ کے لیے بڑھے گا۔ اسکے پاس گولا بارود
حد حساب سے باہر ہے۔ فرانس نے کل ستر لاکھ جوان آراستہ کئے ہین
جنمین سے پندرہ بیس لاکھ آجتک مجروح و مقتول ہوچکے ہین۔ باقیماندہ
پچاس پچپن لاکھ موجود ہین۔ برطانیہ نے عظیم الشان سپاہ تیار کی ہی چالیس
لاکھ جوان خوشی سے بھرتی ہوچکے ہین اور باقی پچیس تیس لاکھ جبری قانون
سے بھرتی ہونے شروع ہوگئے ہین سلطنت کا کل نقصان ڈیڑھ سال کے
عرصہ مین چھ لاکھ کے قریب ہوا ہی۔ اٹلی نے جنگ کے اعلان کے وقت
تیس لاکھ جوانون کو میدان جنگ کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا تھا۔ اب
دس پندرہ لاکھ اور شریک ہوگئے۔ اتحادیون کے پاس اس قدر کثیر فوج
ہی اور سامان جنگ بھی بے حد ہی۔ روپیہ کا بھی کوئی حساب نہین ہے۔
علاوہ ازین دنیا کے سب حصون سے ہر قسم کی چیزین انکے پاس پہونچتی رہتی
ہین۔ جس سے جرمنی اور اسکے معاون محروم ہین۔ جرمنی کی ساکھ گھٹتی جاتی
جاتی ہی۔ اسکے سکہ مارک کی قیمت سوئٹزرلینڈ کے بازارون مین معمولی
بارہ آنے کے بجاے ساڑھے نو آنے ہی۔ ہالینڈ اور ڈنمارک اور امریکہ مین بھی
شرح تبادلہ مین عظیم تبدیلی واقع ہوئی ہی۔ غیر جانبدار ملکون کے لوگ جو
حال مین جرمنی سے آئے ہین بیان کرتے ہین کہ وہان پر اشیا کے
دام پہلے سے چار پانچ اور چھ گنا بڑھ گئے ہین۔ اور جمہور کے درمیان
اضطراب پیدا ہوگیا ہی۔ اشیاے خوردنی کی قلت کی وجہ سے جرمنی
کے مختلف شہرون سے کئی بار فساد کی خبرین آچکی ہین۔ پچھلے چند ماہ مین
یہ دیکھنے مین آچکا ہی کہ جب لڑائی کا زور پڑا تو جرمنی امدادی سپاہ دوسرے
میدانون سے لانے کو مجبور ہوا۔ جسکے یہ معنی ہین کہ اسکے پاس محفوظ
سپاہ کافی نہین ہی۔ پینتالیس پچاس اور پچپن سال کے بوڑھون کو [illegible]

نیز [illegible] میں فوجی علامت جبری قانون کے رو سے اختیار کرنے والے دکانوں کو [illegible] بارہ لاکھ مضبوط سپاہ معلوم ہوتی ہے یہ کب تک مقابلہ کریں گے۔ اتحادی اس انتظار میں ہیں کہ جاڑا نکلتے ہی فرانس اٹلی بلقان اور پولینڈ کے میدانوں سے جرمنوں پر ایک دم حملہ کریں، تاکہ جرمنی کو عنقریب ایک میدان کی سپاہ دوسرے میدان میں لیجانے کا موقع نہ ملے۔ اس صورت میں اتحادیوں کی پیشقدمی تیزی اور طرح کامیابی کے ساتھ ہوگی جیسے شطرنج کی چال ہے ویسے ہی میدان جنگ میں فوجی نقل و حرکت ہوتی ہے جو باوجود نقشہ دیکھنے سے معمولی آدمیوں کو دشوار معلوم ہوتی ہے فنون جنگ کے ماہر جنرل اور [illegible] اہ کی پیشقدمی کے لیے بہت آسان کام ہے۔ ارض روم کی فتح کو لو۔ کہ اس کا کتنا اہم اثر ہوا اور ہوگا۔ اسی طرح اگر فرانسیسی لشکر آل ساس سے گذر کر دریائے رائن پر جا نکلے تو تمام شمالی فرانس اور بلجیم فی الفور خالی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر روسی وارسا پر قبضہ کر لیں تو صوبجات بالٹک اور شمالی پولینڈ دفعتاً جرمن خالی کر کے چلے جائیں گے۔ ایسی نقل و حرکت کو مد نظر رکھ کر یہ امید لگانا فضول نہ ہوگا کہ اتحادی بہت جلد جرمنوں کو سخت ہزیمت دیکر اپنے شاندار اور مبارک مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔

جے۔ آر۔ رائے
جرنلسٹ لاہور

خطرناک مکھی

۱۔ اسکی زندگی کی داستان

زمانہ قدیم کے لوگ خیال کیا کرتے تھے کہ جب کبھی دیوی دیوتا ناراض ہو جاتے ہیں یا ارواح بد دنیا پر اپنا اثر [illegible] ڈالتی ہیں تو ہم پر امراض نازل ہوتے ہیں کئی مقامات میں جہاں علم کی روشنی پورے طور سے نہیں پہنچی اب تک یہی خیالات عام ہیں لیکن تہذیب یافتہ لوگ بخوبی سمجھنے لگے ہیں کہ اشاعت امراض کا باعث خاص قسم کے حیوانی اور نباتاتی جراثیم ہوتے ہیں جو مختلف طریقوں سے ایک دوسرے مقام تک پہونچتے ہوئے انجام کار بدن انسانی میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں داخل ہو کر امراض کا موجب بنتے ہیں۔ یوں تو بدن انسانی میں ہر وقت لاکھوں جراثیم موجود رہتے ہیں جنمیں سے بعض بے ضرر اور کئی نہایت خطرناک ہوتے ہیں تاہم مرض صرف اسی صورت میں رونما ہوتا ہے کہ یہ جراثیم "فیگو سائٹس" (Phagocytes) کی نسبت (جو ان سفید ذرات خون کا نام ہے جو خون میں داخل شدہ اجزاے خارجی کو مسدود کر کے اگر ممکن ہو تو تلف کر دیتے ہیں) طاقتور ہوں۔ اس طریقہ پر امراض میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہر وقت انسان کو لگا رہتا ہے اور دوراندیشی اسی میں ہے کہ ہم اس بارے میں پورے طور سے محتاط رہیں اور جراثیم پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ علما رفتہ رفتہ ثابت کرتے جا رہے ہیں کہ ان جراثیم کو ایک سے دوسرے مقام تک پہنچانے کا کام بعض کیڑے سر انجام دیتے ہیں۔ جو عام طور پر بے ضرر سمجھے جاتے ہیں، مثلاً مچھر جو ملیریا کے جراثیم پھیلاتا ہے یا گھریلو مکھی جو کئی امراض بالخصوص تپ محرقہ کو پھیلانے کا موجب ثابت ہوئی ہے۔ پس اگر تم تندرست رہنا چاہتے ہو تو کوشش اس بات کی ہونی چاہیے کہ جہانتک ہو سکے ان بالی کیڑوں سے بچے رہو۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص ملیریا یا تپ محرقہ میں مبتلا ہونا چاہتا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ مکھیوں اور مچھروں کو نسل کشی کا موقع دے لیکن ظاہر ہے کہ گو زمانہ ماضی میں ہم اس بارے میں بہت کچھ لاپرواہ رہ چکے ہیں تاہم اب جبکہ ہم ان خطرات سے جو ہماری لاپروائی سے پیدا ہوتے ہیں پورے طور سے واقف ہو گئے ہیں اس بات کی کسی کو بھی خواہش نہ ہوگی کہ ان موذی کیڑوں کو بڑھنے کا موقع دیا جائے۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر اس مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش

کی جائے گی کہ مکھی کس لیے ایک نہایت خطرناک بلا سمجھی جاتی ہے اور اسکو پورے طور سے تلف کرنے کی ضرورت کیون محسوس کی جا رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ سب سے پہلے اسکی زندگی کی کسی قدر دلچسپ داستان مختصر طور پر بیان کیجائے۔

انڈے دینے کے مقامات عام گھریلو مکھی جسکو تپ محرقہ پھیلانے والی مکھی بھی کہتے ہین قریب قریب ہر ایک چیز مین جسکے اندر سڑانڈ کا عمل پیدا ہو چکا ہو انڈے دے دیتی ہے لیکن اس مطلب کے لیے اسے خصوصیت کے ساتھ گھوڑون کی لید پسند ہے۔ گوبر کی سطح اسقدر جلد خشک ہو جاتی ہے کہ اگر مکھی اس مین انڈے دے تو بچون کا زندہ نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ باوجود اسکے بعض اوقات گوبر مین انڈے دیکر بھی وہ انھین سے نیچے لیتی ہے۔
گوبر سے دوسرے درجہ پر اسے انسانی فضلہ پسند ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی میلے مقام پر اکثر بیشمار مکھیان بھنبھناتی نظر آتی ہین۔ باوجود اسکے مکھی کسی خصوصیت کے ساتھ انھین چیزون کی تلاش مین نہین رہتی۔ اور اگر یہ مل سکین تو ان چیزون سے جو اسکے خیال مین ان کی قائم مقام ہو سکتی ہین کام لے لیتی ہے۔ چنانچہ وہ ڈبے ہوئے شوربہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون سڑے ہوئے خربوزون راکھ کے ڈھیر سڑے ہوئے اناج، دودھ مین بھیگی ہوئی روٹی، ابلے ہوئے انڈون یا اسی قسم کی اور چیزون مین انڈے دیتی دیکھی گئی ہے لیکن پھر بھی ان سب سے مکھی کو گھوڑے کی لید اور انسانی فضلہ ہی پسند ہے۔ اور اگر یہ دونون یا ان مین سے کوئی ایک چیز اسے میسر آ سکے تو وہ ہمیشہ اسی کو ترجیح دیتی ہے۔

مکھی کے انڈے مکھی کا انڈا لمبوترا، نہایت چھوٹا اور چمکدار سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ لمبائی مین ۱/۲۵ انچ سے بڑا نہین ہوتا۔ مادہ ایک جھول مین ۱۲۰ یا اس سے زیادہ انڈے دیتی ہے اور اسکے کئی کئی جھول ہوتے ہین فارسس صاحب کا بیان ہے کہ مین نے ایک مکھی کے ڈیڑھ [illegible] کی چار نسلین یعنی کل [illegible] دیکھے تھے ان حالات مین مکھیون کا

بکایک بڑھ جانا کچھ بھی تعجب خیز نہین۔ [illegible] سے لیکر ۲۴ گھنٹون کے عرصہ مین ٹمپریچر کے لحاظ سے اس عرصہ مین کمی بیشی ہوتی رہتی ہے انڈون مین سونڈیان نکل آتی ہین۔

لاروا یا سونڈی جس وقت لاروا انڈے مین سے نکلتا ہے تو اسکی شکل نہایت پتلی، پیچھے کی طرف گول، اور سر کی طرف نوکدار ہوتی ہے رنگت اسکی بھی سفید ہی ہوتی ہے۔ مکھی کا لاروا بڑا محنت کش ہوتا ہے اور تھوڑے ہی عرصہ مین اس مادے مین جہان مکھی نے انڈے دیے تھے گھسکر سوراخ سا بنا لیتا ہے۔ اس جگہ رہ کر وہ بالیدگی کی تین منازل مین گزرتا اور دوبارہ جلد اتارتا ہے۔ اس عرصہ مین اسکے اندر کئی ایک تبدیلیان پیدا ہوتی ہین لیکن وہ چونکہ ہمارے ناظرین کے لیے زیادہ دلچسپ ثابت نہونگی اسلیے ہم ان کا ذکر نظر انداز کرتے ہین۔
لاروے کی حالت پانچ دن تک رہتی ہے۔ اس عرصہ مین وہ جلد جلد ایک سے دوسرے مقام تک پہونچتے رہتے ہین۔ اور ان کا بغور معائنہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض اوقات نظر سے بچنے کے لیے وہ اس مادے کے نیچے جس مین رہتے ہون زمین کے اندر کئی انچ کی گہرائی تک پہونچ جاتے ہین۔

پیوپا جب لاروا پوری بالیدگی حاصل کر کے جسامت مین سہ گنا ہو چکتا ہے تو وہ خوراک کی نالی خالی کر کے جلد کے اندر ہی سکڑ جاتا ہے۔ اس وقت اسکی صورت مخروطی ہوتی ہے اور اُسے "پیوپا" کہتے ہین۔ ۲۴ گھنٹہ بعد اس مین آئندہ مکھی کے اکثر حصے نظر آنے لگتے ہین۔ "پیوپا" کی حالت پانچ دن تک رہتی ہے۔ پس اگر مکھیون کو تلف کرنا مطلوب ہو تو لازم ہے کہ کھاد کے ڈھیرون کو پیوپا کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اٹھوا دیا جائے۔

بالغ مکھی پیوپا کی تکمیل کے بعد اس کے اندر سے سالم تندرست مکھی نمودار ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کا خاردار کیڑا ہے۔ جو جراثیم امراض کو کئی طریقون سے جا بجا لیے پھرتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر مکھی کا منہ اور پاؤن اس منحوس فرض کو سر انجام دیتے ہین۔ مکھی کے چھ پیر ہوتے ہین اور ہر ایک پاؤن مین

دوسرے [illegible] گرد و غبار اگر یہاں بھی لگی ہوتی ہیں ان گردون کے [illegible] ہوتے ہیں۔ اور ان کے اندر سے ایک قسم کا لیسدار [illegible] رہتا ہی جو دو کام دیتا ہی یعنی ایک تو جراثیم امراض کو [illegible] جاتا ہی۔ دوسرے چھت یا دیوار پر چلتے وقت اسے گرنے نہیں دیتا۔ مکھی کا منہ اس قسم کا ہوتا ہی کہ اسکی مدد سے وہ رقیق مادون کو آسانی سے چوس سکتی ہی لیکن وہ ایک نہایت خطرناک قسم کا منھ ہی کیونکہ اسکی مدد سے مکھی تپ دق کے مریضون کے جراثیم چوس کر ادھر ادھر پھیلاتی پھرتی ہی کوئی ایک جراثیم مثلاً دق [illegible] اس کے بالون سے لگے رہتے ہیں باقی [illegible] کی نالی سے گذر کر اسکے فضلہ میں نمودار ہوتے ہیں، اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ اس عمل سے جراثیم کے خطرناک ہونے میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔

آنکھیں | غور و مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوا ہی کہ مکھی کی آنکھیں اس قسم کی ہیں کہ وہ ہر سمت میں دیکھ سکتی ہی۔

ایک موسم میں مکھی کی سات نسلیں | اس بارے میں صحیح طور پر اندازہ کرنا مشکل ہی کہ مکھی کی ایک موسم میں کتنی نسلیں پیدا ہوتی ہیں تاہم اندازہ کیا گیا ہی کہ ۱۵ اپریل سے لیکر ۱۰ ستمبر تک اسکی سات نسلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو ممالک منطقہ معتدلہ میں واقع ہیں ان میں اسکے بعد بھی دو تین نسلیں پیدا ہو جاتی ہیں ہندوستان میں یہ تعداد خصوصیت سے بڑھی ہوتی ہی اور یہی وجہ ہی کہ سال کے [illegible] یہاں اس کثرت سے مکھیاں موجود پائی جاتی ہیں۔

اس معاملہ کا سب سے عجیب پہلو وہ ہی جسکا تعلق اعداد سے ہے ذیل کے اعداد یقیناً دلچسپی سے خالی نہون گے:—

۱۵ اپریل میں اگر صرف ایک مکھی موجود ہو اور ۱۵ اپریل کو ۱۲۰ انڈے دے تو [illegible] مئی تک ان میں سے ۱۲۰ مکھیاں پیدا ہو جائینگی جن میں سے کم از کم ۶۰ کو مادہ سمجھا جا سکتا ہی۔ اسی تسلسل میں سے ہر ایک ایک سو بیس انڈے دے سکے گی جن سے کل ۷۲۰۰ مکھیاں پیدا ہون گی۔

اور ان میں سے کم بیش ۳۶۰۰ مادہ ہونگی جن کو پھر ایک سو بیس انڈے دین گی اور ان میں سے ۴۳۲۰۰۰ مکھیاں نکلین گی۔ اگر اسی عمل کو بڑھاتے چلے جائین تو ثابت ہوگا کہ ۱۰ ستمبر تک ایک مکھی سے ۵۵۹۰۷۲۰۰۰۰۰۰ مکھیاں پیدا ہو جائین گی۔ اور ایک تخمینہ کے بموجب جسے زیادہ طویل عرصہ کی بنا پر مرتب کیا گیا ہی کل میزان ۷۴۲۰۴۹۳۹۲۶۱۰۹۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ تک پہونچتی ہی اور یہ تعداد اتنی بڑی ہی کہ اگر ان سب مکھیون کو پہلو بہ پہلو بٹھایا جائے تو وہ ۲۹۸۷۷۱۱۵۰۰۰ مکعب میل میں پھیلیں گی۔ یہ لمبائی روئے زمین کی سطح سے بھی زیادہ ہی۔ یہ تحقیقات یا اعداد حیرت میں ڈالنے والے ہیں۔ ممکن ہی کہ تم اعتراض کرو اور کہو کہ ان میں سے بہتیری لاروا اور پیوپا کی حالت میں اور بہت سی بالغ ہو کر مر جاتی ہون گی۔ یہ اعتراض صحیح ہی لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہی کہ ہم نے ایک مکھی کے انڈون کی تعداد صرف ۱۲۰ شمار کی ہی بجائیکہ درجہ اوسط میں وہ چار سے ۶ سو تک انڈے دے ڈالتی ہی۔ ان اعداد کے نتائج پر غور کرنا امکان تخیل سے باہر ہے اس لیے اس نتیجہ کا اندازہ کرنے کی کوشش نکرو کہ اگر مکھی ۶۰۰ کے حساب سے ہی انڈے دینے لگے اور ان میں سے ہر ایک انڈے میں سے ایک بالغ مکھی برآمد ہو تو ایک موسم میں ان کی تعداد کہان تک پہونچ سکتی ہی کیونکہ آگے چل کر ہم یہ ثابت کرین گے کہ مکھی ایک بھی ہو تو وہ کسقدر خطرناک ثابت ہوتی ہی۔

۴۔ بالغ مکھی کی عادات

پیوپا کی حالت چھوڑنے کے بعد مکھی کی سب سے پہلی خواہش پیٹ بھرنے کی ہوتی ہی۔ اسکی اُسے پروا نہیں کہ خوراک کیسی ہو۔ دودھ، دہی، گوشت، کوڑا کرکٹ، حتیٰ کہ غلاظت اور نجاست بھی اسکا من بھاتا کھانا ہی۔ خوراک حاصل کرنے کے لیے یہ ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے پر آمادہ رہتی ہی۔ اور باوجود بار بار ہٹائے جانے کے بھی باز نہیں آتی مکھی بالعموم

ہر وقت ہی پیٹ بھرنے میں مصروف رہتی ہی۔

مکھیاں صرف دن کے وقت اڑتی پھرتی اور رات کو آرام کرتی ہیں۔ چمکدار روشنی انھیں پسند نہیں یہی وجہ ہو کہ گھر کے تاریک کونوں اور سایہ دار حصوں میں زیادہ تر اوقات بسر کرتی ہیں۔

ایک صاحب (گیلی ویلیر یو) مختلف تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مکھیوں میں بعض بعض رنگوں کے متعلق خاص رغبت ہوتی ہی اور ان کے بیان کے بموجب مکھیاں علی الترتیب حسب ذیل رنگوں کو پسند کرتی ہیں:۔ صاف سبز (سب سے زیادہ) پھر گلابی، صاف زرد، نیلا، صاف سرخ، گہرا سٹیلا اور سب سے کم سفید۔ بہ حیثیت مجموعی اُسے ہلکے رنگ زیادہ پسند ہیں لیکن یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں۔ ہلکا نیلا، ہلکا ارغوانی، سیاہی مائل، بھورا رنگ، اور لیموں جیسا زرد رنگ اُسے پسند نہیں۔ اور بہت صاف سبز رنگ سے بھی نفرت ہی۔ صاحب موصوف نے اس تحقیقات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ کچھ زیادہ واضح نہیں مگر اس جگہ ان کا ذکر محض ان کی دلچسپی کی وجہ سے کر دیا گیا ہی۔

مکھی ہر وقت بہت بڑی مقدار میں کھاتی رہتی ہی یہاں تک کہ بسا اوقات ایک بار اپنے وزن سے نصف کے قریب خوراک کھا جاتی ہی یہی وجہ ہی کہ وہ جا بجا بیٹ کرتی پھرتی ہی جیسا کہ ہم آگے چلکر بیان کرینگے تپ دق، تپ محرقہ، وغیرہ امراض کے جراثیم جنھیں مکھی اپنی خوراک کے ساتھ کھا لیتی ہی اسکی بیٹ کے ذریعے سے پھیلتے ہیں تو ان کے اثر میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا پس اگر مکھی کھانے کی کسی چیز پر بیٹھ کر اس پر بیٹ کر دے تو وہ ہرگز کھانے کے قابل نہیں رہتی مکھی کی تیز رفتار حیرت خیز ہی اور ثابت ہو چکا ہی کہ اُسے اڑا کر تھکانا عملی طور پر ناممکن ہی۔ اسمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن کے مسٹر ٹونسنڈ نے بعض مشاہدات کی بنا پر معلوم کیا تھا کہ بعض قسم کی مکھیوں کی پرواز ایسی ہی کہ اسکے نمونہ پر آلات پرواز تیار کرنا خوب ہوگا مکھیوں پر نشان لگا کر بعض تجربات کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا ہی کہ مکھی ڈیڑھ سے دو میل تک سطح زمین سے ۵۰ فٹ کی بلندی پر اُڑ سکتی ہی اس سے ثابت ہوتا ہی کہ محض ایک دو مقامات کی صفائی ہی کافی نہیں اگر تم مکھیوں کے خطرات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمام آبادی کو مکھیوں کی چھوت سے بچنے کے لیے صفائی پسند رہنے کی تاکید کرو۔

یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہی کہ مکھی کی عمر کتنی ہوتی ہی۔ بہر حال اوسطاً اسکی میعاد تین ہفتے سمجھی جاتی ہی لیکن ہیوٹ صاحب نے بعض مکھیوں کو سات ہفتے اور گریفتھ صاحب نے ایک نر مکھی کو ۱۶ ہفتے زندہ رکھا تھا۔ اگر انڈے دینے سے پہلے مکھی کی عمر معلوم ہو سکے اور اسے اسوقت تلف کر دیا جائے تو گویا نہ صرف ایک مکھی بلکہ ۱۲ سے ۱۰۰ تک ویسی ہی مکھیاں اور ان کی اولاد تلف ہو جائے گی۔ ڈاکٹر ہوج کے نزدیک مکھیوں کی وبا کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہی لیکن گو اس بارے میں بہت سی تحقیقات کیجا چکی ہی تاہم کوئی یقینی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۳۔ مکھی کے قدرتی دشمن

ہر زندہ جاندار کے خاص خاص قدرتی دشمن ہوتے ہیں جو ہمیشہ اس تعداد کو روکنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں جسکا بغیر انکی موجودگی کے ہوجانا ناممکن ہی۔ مکھی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہر چند کہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں اسکی تعداد بیشمار ہوتی ہی تاہم اگر اسکے قدرتی دشمن موجود نہ ہوتے تو یہ تعداد اس سے بھی بے حد زیادہ ہو جاتی انسان سے لیکر ادنیٰ ترین قسم کے پودے جنھیں (FUNGI) کہتے ہیں مکھی کے دشمن ہیں۔ کوکرمتا وغیرہ قسم کے پودے (FUNGUS) کہلاتے ہیں اور یہی نام ان نہایت باریک نباتاتی ہستیوں کا ہی جو کسی چیز کے پڑنے کے وقت اس پر جم جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی بعض نباتات بھی مکھی کی دشمن ہیں اور وہ بسا اوقات اسکے ہلاکت کا موجب ثابت ہوتی ہی تاہم اس بارے میں کسی قسم کی تفصیلات میں پڑنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض محققوں نے [illegible] کی ہی کہ ایسی نباتات [illegible] ان کے ہلاکت

سے کام میں لایا جائے مگر تا حال اس میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی
ایک چھوٹے سے سُرخ پسو کو بھی جو بہت باریک ہوتا ہے مکھی کا دشمن
خیال کیا جاتا ہے لیکن معلوم نہیں ہوا کہ اس سے مکھیوں کے اتلاف میں
کہاں تک عملی امداد ملتی ہے ممکن ہے یہ ایک سے دوسرے مقام تک پہونچنے کے
لیے مکھی کو صرف بطور آلہ پروانہ کام میں لاتا ہو۔

مکھی کے دشمنوں میں سب سے قابل ذکر نام مکڑی کا ہے مگر اس کے
پھیلائے ہوئے جالے خود ایک زحمت ہیں اس لیے عملی طور پر اس سے
مکھیوں کے اتلاف میں مدد نہیں لی جاسکتی۔

کنکھجورا بھی مکھیوں کا دشمن ہے۔ یہ جانور اکثر کھمبے اور تند اور گھروں
میں پایا جاتا ہے۔ اس کے منہ کی ساخت صاف بتلائے دیتی ہے کہ گوشت خوار
ہے۔ اس کے جبڑے مضبوط ہوتے ہیں اور گذارہ زیادہ تر مکھیوں جھینگروں
اور کیڑوں پر ہے۔ یہ اکثر رات کے وقت ان کا شکار کرنے نکلتا ہے۔ اس کے
علاوہ خاص خاص گبریلے چیونٹیاں بھڑیں اور بعض خون آشام کیڑے
بھی مکھی کے دشمن ہیں۔

ان کو چھوڑ کر مینڈک اور چھپکلیاں بھی مکھیوں کو ختم کرنے میں
بہت بڑا حصہ لیتی ہیں۔ اول الذکر تو اتنا پیٹو ہوتا ہے کہ لاتعداد مکھیاں
چٹ کر جاتا ہے۔ پرندے بالعموم مکھیوں کو نہیں پکڑتے۔ ان میں بعض اوقات
ان کی تعداد کم کرنے میں کافی حصہ لیتے ہیں۔

آخر میں یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ گھریلو چوہا مکھیوں
کا بہت بڑا دشمن ہے۔ مگر ہم ہندوستانی بجائے خود چوہے سے ہی بہت
خوف کھاتے ہیں اور ایسی ترکیبوں کی فکر میں رہتے ہیں جن سے
ان کا بآسانی خاتمہ کیا جاسکے۔

امراض پھیلانے کے طریقے

صدہا سال سے خیال چلا آرہا ہے کہ گھریلو مکھی وبا پھیلانے کا بہت بڑا
ذریعہ ہے۔ مگر آجتک یہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کن طریقوں سے یہ امراض
پھیلاتی ہے۔ لوگوں کے شبہات درست تو تھے مگر بہر صورت شبہات ہی
تھے اور جب تک ان کے اسباب تحقیقی طور پر معلوم نہ ہو جاتے کوئی انسدادی
کارروائی عمل میں نہ لائی جاسکتی تھی۔ حال کی تحقیقات سے ہمیں
اس بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو چکی ہیں گو اب بھی جو کچھ معلوم
ہوا ہے اسکو مکمل نہیں کہا جاسکتا۔

مکھی اور انوفلیز (ANOPHELES) مچھر میں فرق صرف
اسقدر ہے کہ اول الذکر صرف جراثیم امراض کی اشاعت میں حصہ لیتی ہے
اور آخر الذکر ان جراثیم کو مکمل کرنے میں۔ پس اگر مکھیوں کو تلف کیا جاے
تو یہ ہوگا کہ بیماری کا رقبہ محدود ہو جائے گا لیکن اگر مچھروں کو مارا جاے
تو بیماری میں بھی تخفیف ہو جائے گی۔ دونوں میں اختلاف نمایاں ہے
مگر اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مکھیوں کو تلف نہ کرنا چاہیے۔

مکھیوں کے اشاعت امراض کا ذریعہ ہونے کا خیال نہایت قدیم
ہے حتیٰ کہ توریت میں بھی اسکا بعض مقامات پر ذکر آتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم
بیان کر چکے ہیں اب تک یہ کسی کو تحقیقی طور پر معلوم نہ تھا کہ مکھیاں کس طرح
اشاعت امراض میں حصہ لیتی ہیں۔ حال کے تجربات نے اس بارے میں
ہماری معلومات کو بہت کچھ وسعت دی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر گراہم
اسمتھ نے ثابت کیا تھا کہ

(۱) اگرچہ مکھی کے پروں اور ٹانگوں پر جراثیم صرف ۵ سے ۱۸
گھنٹوں تک زندہ رہتے ہیں۔ تاہم

(۲) وہ اس کی سونڈ میں کئی دن تک زندہ رہ سکتے ہیں اور جب
مکھی کسی مقام کو چاٹنے لگتی ہے تو وہاں سے جھڑ جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ
وہ اسکی

(۳) آنت میں اور بھی زیادہ عرصہ تک زندہ رہ سکتے ہیں

(۴) ثابت ہو چکا ہے کہ کسی چھوت دار کھانے پر بیٹھنے کے ۴۸ گھنٹے بعد
بھی اگر مکھی کھانڈ پر بیٹھے تو اس میں امراض کے جراثیم چھوڑ جاتی ہے۔

سنہ ١٩٠٠ء مین ڈبلیو۔ این۔ اسٹن اور سی جے جیلیسن نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس کے حسب ذیل فقرات خاص طور سے قابل غور ہین :—

یہ ثابت ہوتا جا رہا ہی کہ گھریلو مکھی نہ صرف ایک گھنونا اور تکلیف دہ کیڑا ہی بلکہ صحت انسانی کا بھی خطرناک دشمن ہی۔ یہ ثابت ہو چکا ہی کہ ایک خاص قسم کا مچھر ملیریا پھیلاتا ہی۔ اور اسکی ایک اور قسم زرد بخار کی اشاعت کا موجب ثابت ہوتی ہی۔ اب معلوم ہوا ہی کہ مکھی تپ محرقہ اسہال ہیضہ وبائی وغیرہ امراض متعدی کو جا بجا پھیلانے مین حصہ لیتی ہی۔

ثابت ہو چکا ہی کہ صرف ایک مکھی کے ساتھ ٥٥٠ سے ٦٦٠٠٠٠ جراثیم پائے جاتے ہین جب مکھیان اول ہی اول نمودار ہوتی ہین تو ان کے جراثیم کی تعداد کی کثرت و قلت کا دار و مدار اس بات پر بھی ہوتا ہی کہ مکھیان زیادہ تر کن مقامات مین رہتی ہین۔ راقمان پمفلٹ نے جن ٤١٤ مکھیون کا معاینہ کیا ان پر کم و بیش ١٢٥٠٠٠٠ جراثیم پائے گئے تھے۔ بظاہر نا ممکن معلوم ہوتا ہی کہ ایک اتنی چھوٹی ہستی اس قدر جراثیم ساتھ ساتھ لیے پھر سکے۔

اگر مکھی کسی کھانے کی چیز پر سے گذر جائے تو صفائی کے لحاظ سے اس سے بدتر کھانا اور کوئی نہین ہو سکتا۔ اور یہ بالکل ممکن ہی کہ اس کھانے کی بدولت کئی ایک امراض پیدا ہون۔

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نٹل اور مسٹر جیپسن نے بھی سنہ ١٩٠٩ء مین حسب ذیل مستند بیان شائع کیا تھا :—

گو زمانہ قدیم مین بھی بعض لوگ گھریلو مکھی کو شبہ کی نظر سے دیکھا کرتے تھے تاہم سنین حال مین ہی تحقیق طور پر معلوم ہوا ہی کہ یہ چھوت دار امراض پھیلانے کا ذریعہ ہی۔

ہم نے جس قدر شہادتون پر غور کیا ہی ان سے معلوم ہوتا ہی کہ ہیضہ اور تپ محرقہ کی اشاعت مین مکھیون کو بہت کچھ دخل ہوتا ہی گو اس بارے مین ہم فیصلہ کن نتائج پر پہونچ چکے ہین اور اس مین کچھ بھی شک نہین کہ آگے چل کر ضروری ہوگا کہ حکام صیغہ حفظ صحت ان کے انسداد پر پورے طور سے توجہ دین عملی طور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہی کہ مکھی سب سے زیادہ خرابی پھیلانے کا ذریعہ ہی۔ چنانچہ مختلف تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ وہ مختلف قسم کے جراثیم کو ایک سے دوسرے مقام تک پہونچانے کی قدرت رکھتی ہین۔ ہمین اس بات کا یقین ہو چکا ہی کہ مکھیان ہی ہیضہ اور تپ محرقہ پھیلاتی ہین اور ہم امید کرتے ہین کہ عنقریب اس بارے مین بھی کامل ثبوت حاصل کر سکین گے کہ یہی بچون مین اسہال اور پیچش پھیلاتی ہین۔ گو ہمین یہ بھی معلوم ہی کہ دودھ پانی وغیرہ اشیا کے ذریعہ سے بھی یہ امراض پھیلتے ہین۔

یہ بات پورے طور سے یاد رکھنے کے قابل ہی کہ مکھی اگر کسی چھوت دار چیز کو (چاہے وہ تپ محرقہ کی چھوت لگی ہو یا اسہال کی یا ہیضہ کی) کھا کر آئی ہوگی تو جس خوراک پر آ کر بیٹھے گی اُس کو بھی یقیناً چھوت دار بنا دے گی۔ نہ صرف اسکا خارجی بدن جراثیم سے بھرا ہوا ہوتا ہی بلکہ اسکی امعا مین بھی چھوت دار سامان موجود رہتا ہی اور وہ جس خوراک پر جا کر بیٹھتی ہی اسپر ان جراثیم وغیرہ کو بدستور چھوڑتی جاتی ہی یہی وجہ ہی کہ پانی کی ایک خاص مقدار مین اس قدر چھوت دار جراثیم نہین ہو سکتے جس قدر مکھی کی بیٹ مین ہو سکتے ہین۔ اشاعت کے لحاظ سے ایک مکھی کی چند بیٹین گندہ پانی یا خراب دودھ کے کئی گیلن سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہین۔

مکھیون کے انسداد کے ذریعے

ذیل کے طریقون پر عمل کرنے سے مکھیون کی کثرت کو بہت بڑی حد تک روکا جا سکتا ہی۔

(١) کوڑا کرکٹ یا کھاد کا ڈھیر لگانے سے احتراز کرو

(۲) تمام گوشت گوندھا کو ڈھکے ہوئے بیپون مین بند رکھو۔

(۳) ملک بپایا انفکشن یو نائیٹڈ رلمٹی الیڈ کا ۱:۰۰۰ ۵ طاقت کا محلول بکمال سے ترکیبان باسانی تمت کی جا سکتی ہین یہ محلول ہر تیسرے دن بدل دینا چاہیئے۔

(۴) جہان کمیان انڈے دیتی ہون ان ستی کا تیل چھڑکنا چاہیئے گلیون مین جو کوڑا کرکٹ جمع ہو اس پر خام پٹرولیم اور چونا وغیرہ ڈال کر اچھے گھر دبا دینا چاہیئے۔

(۵) گھرون مین مکھی مار کاغذ بنا کر اس سے کام لینا چاہیئے۔

مکھیون کو اشاعت امراض سے روکنا

(۱) خوراک پر تار کی جالی بچھا رکھو۔

(۲) خوراک کے ٹکڑے ادھر ادھر پڑے نہ رہنے دو۔

(۳) کوڑے کرکٹ کے بیپون کو ڈھانک کر رکھو۔

(۴) پاخانہ کو صاف رکھو اور فضلہ کو کسی مناسب مقام پر پہنچوا دو۔

(۵) گندے پانی کے گڑھون کو گاہ بگاہ خالی کر کے صاف کرتے رہا کرو۔ اور ان مین فنیل یا سلکن یا اور کوئی جراثیم کش ادویہ چھڑکو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ایسے گڑھون پر تار بچھوا دو۔

(۶) کھاد کو جلد اٹھوا لیا کرو۔

ہان اگر باوجود ان سب باتون کے چھوت دار خوراک ہی پسند کرتے ہو اور چاہو کہ کمیان امراض کے جراثیم ادھر ادھر لیے پھرتی رہین تو پھر ان قواعد پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہین۔

تیرتھ رام

فن تحریر

جس وقت انسان وحشیانہ حالت سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے اس کو گویا ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ اس تغیر و تبدل کو فلسفے کی اصطلاح مین حیوانیت سے انسانیت مین آنا کہتے ہین۔ اس زمانہ مین عقل آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے اور عقل کی ترقی سے تہذیب پیدا ہوتی ہے۔ ترقی تہذیب کے لیے غور و خوض اور اظہار خیالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ زبان عالم وجود مین آتی ہے اس کے بعد فقہ، روحانیات سے تعلق رکھنے والی کتابون کا ظہور ہوتا ہے۔ ایسی کتابین نہایت بیش قیمت خیال کی جاتی ہین کیونکہ ان مین سب سے اول خداوند کریم کی لامحدود صفات کا بیان قلمبند ہوتا ہے۔ ایسی کتابون کی عزت و تعظیم کا اندازہ ویدون کے مشہور اعزاز و احترام سے کیا جا سکتا ہے ویدون نے ہندوستان کے پنڈتون کو تو اپنی محبت مین والہ و شیدا بنا ہی رکھا تھا لیکن میکسمولر وغیرہ علمائے مغرب کو بھی اپنا وارفتہ بنا لیا ہے۔ جب انسان کو روحانی صحائف کا حفظ کرنا محال ہو جاتا ہے اس وقت وہ انھین قلمبند کرنے کی خواہش کرتا ہے علم تحریر کے عالم ظہور مین آتے ہی کتابین قلمبند ہونے لگتی ہین اور آہستہ آہستہ زیادہ تعداد مین کتابین لکھی جانے لگتی ہین یہی سلسلہ ہے جس سے کتابون کے مجموعے اور کتابون کے مجموعون سے کتبخانے ظہور مین آتے ہین۔

ایسی کتابین جو اعلیٰ روحانی جذبات سے مملو ہون دل و دماغ سے پیدا ہوتی ہین۔ ان کو زبانی یاد کرنا پڑتا ہے سنسکرت مین انھین "سمرتی گرنتھ" کہتے ہین۔ ان کے ذریعہ سے حفظ کردہ خیالات کا اظہار رواج ہوتا ہے ان مین زمانہ قدیم کے تاریخی قصے، مثالی کہانیان، شعر و سخن، بھجن اور گیت وغیرہ شامل ہوتے ہین۔ پرانے زمانہ کی مقدس مذہبی کتابین، اندرجال کے منتر اور شعبدے اور نیز عملیات سفلی وغیرہ بھی ایسی ہی کتابون مین لکھے ہوئے ملتے ہین۔ ان کی زبان ایک عجیب زبان ہوتی ہے اور اسی قسم کی زبانون سے دنیا کی تمام دلکش زبانین پیدا ہوئی ہین۔ ایسی زبانون کا رواج اور ایسی کتابون کا

علم سادا سے باپ اور باپ سے بیٹے کو پہونچتا تھا۔ اسطرح بر قوت حافظہ بہت ترقی کر گئی تھی اور یہ اسی حافظہ کا فیض تھا کہ ہمارے بزرگون نے ویدا پنشد سمرتی وغیر مقدس کتابین ہزار ہا برس تک محفوظ رکھیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اس زمانہ کے موجودہ قدیم صحائف کب کے معدوم ہوگئے ہوتے۔ کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں بلکہ زمانہ قدیم میں عبرانی زبان کی کتابون کا رواج بھی اسی طرح ہوتا تھا۔ یونان کے ملک الشعرا "ہومر" کی قابل قدر تصانیف بھی اسی ذریعہ سے مشہور ہوئیں۔ "الیڈ" اور "آڈ" سے نامی مشہور منظوم کتابیں ۸۰۰ ق م مین ملک الشعرا ہومر نے نظم کی تھیں۔ ہومر نابینا ہوگیا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے کلام کو گا گا کر ادھر ادھر سیر و سیاحت کرتا پھرتا تھا۔ ان ظروف کو لوگون نے ہومر ہی کی زبان سے سنکر ازبر کر لیا تھا۔ جاپانیون کی "کوزکی" نامی کتاب کا رواج بھی اسی طریقہ سے ہوا تھا۔ ملک چین مین "ٹائپ" "اٹنگ" اور "پرنٹنگ مشین" کے اجرا سے پہلے وہان کی تاریخین پولٹیکل کتابین، پند و نصائح اور مذہبی کتب بھی اسی طریقہ سے مروج ہوئی تھین۔

روحانیات سے تعلق رکھنے والی کتابون کی ترقی ہوتے ہوتے آخر ان کا یاد کرنا مشکل ہوگیا، اور رفتہ رفتہ ان کو تحریر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ اسوقت کاغذ نہ تھا لہذا پتھرون، سیلون، ہڈیون، سینگ، ہاتھی دانت اور مٹی کے ظروف اور اینٹون پر کتابین تحریر ہونے لگین۔ علم طبقات الارض کے ماہرین کی رائے ہے کہ زمانہ قدیم مین لوگ ہتھیارون سے پتھرون اور سیلون پر کھود کر اپنے دلی خیالات قلمبند کرتے تھے۔ دنیا کی بہت سی پرانی کتابین پتھرون اور سیلون وغیرہ پر تصاویر و نقوش کے ذریعہ سے قلمبند کی گئی تھین۔ تصاویر اور نقش و نگار کے ذریعہ سے اظہار خیالات کو فن تحریر کا پہلا زینہ سمجھنا چاہیئے۔ مصر مین خط تصویر کا بہت رواج تھا۔ اور اب بھی وہان اسقدر ذخیرہ اس کا موجود ہے کہ اسکو علم کی ایک علحدہ شاخ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بیشمار علما اس فن تحریر کو حاصل کرنے اور زمانہ قدیم کے قلم کردہ خیالات کو پڑھنے کے لیے سالہا سال محنت و مشقت کرتے ہیں۔

باشندگان چین نے متذکرہ بالا خط تصویر کو بہت ترقی دی ہے۔ جاپان، کوریا، تبت وغیرہ مین بھی چین سے نزدیکی ہونے کے باعث یہ طرز تحریر موجود تھا۔ جاپان مین اسکے علاوہ اسی کے مشابہ ایک اور طرز تحریر بھی مروج تھا۔ اسکا نام "اردھر" تھا۔

امریکہ کے قدیم باشندے، جن کو غیر مہذب "انڈین" لکھتے ہین ابتک خط تصویر کا استعمال کرتے ہین۔ اینٹون اور پتھرون پر لکھی ہوئی کتابین زیادہ تر ملک مصر مین پائی جاتی ہین یہ سب خط تصویر مین ہین۔ کارنک مین بڑے ستونون پر بیشمار کتبے ابتک موجود ہین، جو حضرت مسیح سے چار سو برس قبل کے ہین۔ اس ملک کی قدیم تاریخ خط تصویر مین اینٹون پر قلمبند ہے۔ اس عجیب و غریب خزانہ کتب سے معلومات اخذ کرنے کی قابلیت کسی ملک مین نہین ہے۔ اہالیان مصر کو تحریر صحائف مین خوب مہارت حاصل تھی۔ ان لوگون کے شوق علم نے اس قدر روا نہ کر دیا تھا کہ درخت، پتھر، پہاڑ، دیوار، پیپرا، جو کچھ بھی ان کو میسر ہوا سب کو وہ بجائے کاغذ استعمال مین لائے۔ انہون نے پہلے تو جانورون اور پرندون وغیرہ کی تصویرین کندہ کرکے اپنے دلی منشا کو ظاہر کیا۔ مگر جب زیادہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ خط تصویر تکلیف دہ اور وقت طلب معلوم ہونے لگا۔ لہذا اس طرز تحریر مین اصلاح و ترمیم کرکے قدرے آسان نشان مقرر کئے۔ بعد ازان کچھ اور زمانہ گزرنے پر حروف قائم کیے۔ مصر والون کی زیادہ تحریرین انھین تین قسم کے خطوط مین پائی جاتی ہین۔

رفتہ رفتہ تحریر کی زیادتی ہونے سے علم ادب کی ضرورت محسوس ہوا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنون مین روم و یونان وغیرہ ممالک مین تلفظ کے مطابق طرز تحریر کا ظہور رہوا۔ اس زمانہ مین پتھرون اور اینٹون پر لکھنے سے لوگون کو تکلیف ہونے لگی۔ لہذا دیگر ذرائع کی تلاش و جستجو ہوئی نتیجہ ہوا کہ ابتداً لکڑیون کے نرم تختون پر کتابت شروع ہوئی۔ باشندگان چین نے بانس پر لکھنے مین بڑی مہارت پیدا کی تھی۔ ہندوستان مین بوجھ لوگوا

کی بہت سی تحریریں لکڑی کے تختوں پر لکھی ہوئی پائی گئی ہیں اور چین کا تو ذکر ہی کیا یہاں اسی قسم کی بیشمار تحریریں پائی جاتی ہیں۔

لکڑی پر لکھنے کا رواج اب سے کچھ قبل بھی ہندوستان میں تھا چھاپہ کی ایجاد سے پہلے جو دقتیں تحصیل علم کے راستہ میں لاحق ہوتی تھیں ان کا اندازہ صرف اسی سے ہوسکتا ہے کہ طلبا تختوں پر انیٹ کا برادہ ڈال کر یا نس کی قلم سے اپنا سبق لکھ کر یاد کرتے تھے۔ گویا سب سے بہترین ذریعہ تعلیم یہی تھا۔ مارواڑیوں کی دوکانوں میں رنگین تختوں پر رنگ سے لکھنے کا رواج اب تک بہت سے مقامات پر پایا جاتا ہے جبکہ دیگر ذرائع تحریر کی عدم موجودگی کے باعث اب تک یہ کیفیت تھی تو پرانے زمانہ کی دقتوں اور دقتوں کا کیا ذکر لہذا لائق صد آفریں ہیں ہندوستان کے وہ بزرگ علما جنہوں نے بھوج پتر وغیرہ پر بیش بہا کتابیں قلمبند کی تھیں لکڑی پر لکھے ہوئے صحائف روم و یونان وغیرہ ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔

لکڑی اور بھوج پتر کے بعد لوگوں نے درختوں کے پتوں پر بھی لکھنا شروع کیا تاڑ کے پتوں پر ہندوستان میں لاکھوں کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔

جس زمانہ میں دنیا کی تہذیب اس قدر معراج ترقی پر پہونچ گئی تب مضامین کا مجموعہ کتابی صورت اختیار کرنے لگا۔

ایک بات لکھنے سے نظر انداز ہوگئی وہ یہ کہ بھوج پتر وغیرہ سے بیشتر ہندوستان میں جملہ تحریریں تانبہ وغیرہ کے پتروں پر لکھی جاتی تھیں۔ سونے اور تانبہ کے پتروں (چادروں) کا رواج ہندوستان میں زمانہ قدیم سے تھا۔ چنانچہ ویدوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ بودھوں کے بھی بیشمار کتبے تانبہ اور لوہے کی چادر پر لکھے گئے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھات کے پتروں پر لکھنے کا طریقہ اہل ہند کا ایجاد ہے یعنی یہاں ہی سے یہ طریقہ دیگر ممالک میں پہونچا ہے چین جاپان وغیرہ ممالک میں بھی دھات کے پتروں پر تحریرات لکھنے کا طریقہ عام تھا اور اب بھی جاری ہے مصر آسٹریا یونان وغیرہ ممالک میں کسی زمانہ میں دھات کے پتروں پر کتابیں لکھی جاتی تھیں بعض علما کا خیال ہے کہ ہندوستان والوں نے یہ طریقہ بابل والوں سے مستعار لیا تھا لیکن کوئی تاریخی ثبوت اس خیال کی تائید میں پیش نہیں کیا جاتا۔

پتھروں، ہڈیوں اور تانبے اور لوہے کے پتروں پر لوگ آہنی سلائیوں اور دیگر اوزاروں سے حروف کھودتے تھے۔ یہ بڑی محنت کا کام تھا بعض لوگ یہی پیشہ کرتے تھے اس میں کافی مہارت ہونے کے باعث وہ لوگ بآسانی اور جلد اس کام کو انجام دیتے تھے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ ہندوستان میں دھات کے پتروں پر تحریرات کندہ کرنے والے کاریگر نمک شورہ اور گندھک وغیرہ اشیا کا بھی استعمال کرتے تھے۔ ان اشیا کی وجہ سے حروف کندہ کرنے میں بہت آسانی ہوتی تھی۔

ہندوستان میں زمانہ قدیم سے مصوری کا رواج ہے جسطرح مختلف رنگ کے استعمال سے خوبصورت اور عمدہ تصویریں بنائی جاتی ہیں اسی طرح حروف کندہ کرنے اور لکھنے میں بھی مختلف رنگ کام میں لائے جاتے تھے مصوری میں برش استعمال ہوتا ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ برش بنانا بھی قدیم باشندگان ہند جانتے تھے۔ رفتہ رفتہ لکھنے میں بھی برش کام آنے لگے لیکن برش سے لکھنے میں زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ بالآخر قلم ایجاد ہوا حقیقت میں قلم کی ابتدائی صورت برش ہی ہے۔ چین اور جاپان والے اب بھی برش سے لکھتے ہیں۔

جب لوگ بھوج پتر اور تاڑ کے پتوں پر لکھنے لگے تو فن تحریر کا خصوصیت کے ساتھ رواج ہوا۔ بہار کے قرب و جوار میں ہندوستان کے نہایت قدیم بودھوں کے بیشمار صحائف بھوج پتر پر لکھے ہوئے پائے گئے ہیں۔ ان کتابوں کے بعض بعض حصے پیرس اور سینٹ پیٹرسبرگ میں اب تک رکھے ہیں یہ کتابیں کم از کم پانچسو برس قبل مسیح لکھی گئی ہوں گی۔ یہ کتابیں ایسی عمدہ روشنائی سے لکھی گئی ہیں کہ اس قدر پرانی ہونے کے باوجود نہایت صاف ہیں۔ قدامت کے باعث بھوج پتر اور تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابیں ہندوستان میں مقدس اور لائق تعظیم سمجھی جاتی ہیں کہ وہ اب بھی اپنی مذہبی سو

اور تعویذوں میں ان کا استعمال کرتے ہیں اور جنتر (نقوش) اور منتر (افسون) اکثر انھیں پر لکھے جاتے ہیں۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ چمڑے پر بھی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ علما کی رائے ہو کہ کسی زمانہ میں دنیا کے جملہ قدیم ممالک میں چمڑے پر کتابت ہوتی تھی۔ ہندوستان میں بھی زمانۂ قدیم میں چمڑا ذریعۂ تحریر تھا لیکن "اہنسا پرمو دھرمہ" کی تعلیم شروع ہونے کے باعث چمڑے کا استعمال کم ہو گیا۔ تاہم شیر اور ہرن وغیرہ جانوروں کا چمڑا مقدس کاموں میں اب بھی استعمال کیا جاتا ہو۔ صرف تحریر کتب میں ناپاکی کے خیال سے چمڑے کا استعمال نا جائز سمجھا جاتا ہو۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اسناد (ڈپلوما) میں فی زمانہ ہماری گورنمنٹ بھی چمڑے کا استعمال کرتی ہو اور کتابوں کی جلد بندی میں تو چمڑے کا استعمال جملہ ممالک میں یکساں ہوتا ہو۔

مصر میں زمانۂ قدیم سے چمڑا لکھنے کے کام میں آتا تھا۔ چمڑے پر لکھنے کا طریقہ وہاں سب سے پہلے تھامس کے راجہ نے ایجاد کیا۔ اس راجہ کی یادگار میں اُسی زمانہ سے چمڑے کے کاغذ کو "پارچمنٹ" کہنے لگے۔ پارچمنٹ کا قصہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔

ملک شیریا کا بادشاہ سیلیوکس نکیٹر بہت مشہور ہو گذرا ہو۔ اُس کی وفات کے بعد مغربی ایشیا کا "پرگامم" نامی ایک مقام آزاد و خود مختار ہو گیا۔ اُس زمانہ میں وہاں ایک بہت بڑی لائبریری اور یونیورسٹی قائم تھی۔ اس لائبریری کو دنیا کی سب سے بڑی لائبریری بنانے کے لیے پرگامم کے راجہ نے بہت کوشش کی۔ لہٰذا اس نے مصر سے "پاپیرس" نامی کاغذ منگانا شروع کیا، لیکن حکام مصر نے کاغذ بھیجنا بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر پرگامم کے راجہ نے اپنی تمام کتابیں پارچمنٹ (چرمی کاغذ) پر لکھوائیں۔ یہ واقعہ حضرت مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کا ہو۔ پارچمنٹ، پرگامم ہی سے متعلق ہو۔

امریکہ کے سرخ رنگ والے غیر تہذیب یافتہ انڈین لکھنے میں زمانۂ قدیم سے چمڑے کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ دلچسپ تصاویر کے ذریعہ سے ان کا تحریر کرنا نہایت دلآویز ہو۔ چمڑے پر لکھی ہوئی کتابیں ان کی عجیب و غریب خط تصویر میں مرقوم ہیں۔ عبرانی زبان کی نہایت قدیم کتابیں بھی چمڑے ہی پر لکھی ہوئی ہیں۔

کاغذ سب سے پہلے اہل چین نے ایجاد کیا۔ سنہ ۱۰۵ء میں چین میں کاغذ سازی شروع ہو چکی تھی۔ علما کی رائے ہو کہ ہندوستان میں کاغذ چین ہی سے آیا ہو۔ یورپ میں کاغذ کا رواج مصر سے ہوا۔ جیسے گنگا کے کنارے ریاضت و عبادت کرنے والے مہرشیوں نے سطح ہندوستان میں تہذیب پھیلائی ویسے ہی دریائے نیل کے کنارے سے یورپ میں تہذیب پھیلی ہو۔ اس دریا کے پانی میں پاپیرس نامی ایک نباتات پیدا ہوتی تھی۔ اس سے اہالیان مصر نے کاغذ بنایا۔ مصر کی نہایت قدیم کتابیں اسی پاپیرس کاغذ پر ہیں۔ ان کی مشہور و معروف تاریخ "مردہ انسانوں کی کتاب" پاپیرس ہی پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کتاب کو مصریوں کی گرڑ پران سمجھنا چاہیے۔ پاپیرس کاغذ مصر ہی میں بنتا تھا۔ جملہ مغربی تجارت بھی انھیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہی باعث تھا کہ ان کی بلا منظوری پرگامم میں کاغذ نہ پہونچ سکا۔ اسی پاپیرس ہی سے انگریزی زبان کا لفظ "پیپر" بنا ہے۔

دنیا کی تہذیب میں کاغذ سیاہی اور قلم نے جس قدر حصہ لیا ہو کسی اور چیز نے نہیں لیا۔ اگر لکھنے کے یہ ذرائع نہ ہوتے تو نا معلوم دنیا کی تاریخ آج کیا ہوتی۔

[illegible] لکھنوی

تنقید کتب

چراغ سخن یہ رسالۂ عروض و قوافی مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی کی تالیف سے ہو جن کے دیوان "نشتر یاس" پر اس سے پیشتر تبصرہ کسی پرچہ میں ریویو ہو چکا ہو۔ مرزا واجد حسین صاحب ایک مشاق سخن گو ہیں اور ان کا یہ رسالہ باصل وقت کی چیز ہو۔ آج کل غزل گوئی کا میلان زیادہ ہونے کے
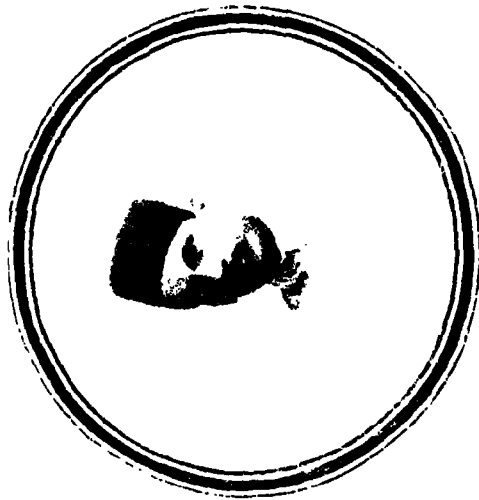
M. MOHD. HUSAIN SAHIB

KHAN BAHADUR MIRZA SULTAN AHMAD SAHIB

M. RASHID AHMAD SAHIB

[illegible] ہے کہ کسی کو خیال نہین پیدا ہوتا یاس
[illegible] کے متعلق "چراغ سخن" ایسا جامع و مفید رسالہ لکھ کر
[illegible] مین گویا ایک مشکل دیدی ہی۔ عروض و قوافی کے اصول
و قواعد اور بحرون کی تقسیم و تقطیع وغیرہ کے ضابطے جناب یاس نے سہل الفہم
[illegible] فن عروض کے متعلق فارسی و اردو مین پہلے کچھ کم کتابین
نہ تھین لیکن چراغ سخن زمانہ حال کے مطابق ہی۔ انصافاً کہنا چاہئیے کہ اس
قدر معلومات کسی اور کتاب مین یکجا ملنا مشکل ہی پھر طرز بیان و تقسیم مضامین
نے پیچیدہ سی پیچیدہ بات کو بھی جلد سے جلد سمجھنے مین آسانی پیدا کر دی ہی۔
[illegible] مین "شعر و سخن" کے عنوان سے شاعری پر ایک زبردست محاکمہ
کیا گیا ہی جو اصولی طور پر اس سے کسی کو تاب انکار نہین ہو سکتی۔ محاکات پر
تفصیلی بحث کی گئی ہی تخییل و محاکات کا نازک فرق خوبی سے بتایا گیا ہی یہ سب
کچھ درست ہی لیکن اثناء بحث مین جہان غالب کے کلام پر خردہ گیری کی گئی ہی
اس سے شاید ہی کسی کو اتفاق ہو۔

غالب ہندوستان مین اپنے رنگ کا بادشاہ تھا۔ وہ اپنے رنگ کا موجد
تھا۔ اسکے رنگ کے مقلد آج سیکڑون نظر آتے ہین لیکن اسکو پہونچنا کیا معنی کوئی اسکی
خاک پا کو نہین چھو سکا۔ اسکے مقابلے مین آتش کو لانا موزونیت سے قطعی خالی
ہی۔ آتش اپنی جگہ خود ایک باکمال شاعر ہونے مین کس کو شک ہو سکتا ہی۔
لیکن غالب سے فلسفی متفکر سے ان کا موازنہ کوئی معنی نہین رکھتا اس وجہ سے
کہ ان کے اور ان کے رنگ اور طرز کلام مین کوئی نسبت مشترک نہین۔

حضرت یاس نے غالب کے کلام پر جو نکتہ چینیان کی ہین وہ درست
ہون یا غیر درست لیکن انکی اسے زنی کی وقعت دل سے اس وقت بالکل محو
ہو جاتی ہی جب یہ کہا جاتا ہی کہ "معیار پارٹی" پر انھون نے اپنے دل کا بخار
اس پردے مین نکالا ہی۔ موازنہ نگار کی شان اس قسم کی کمزوری کی متحمل نہین
ہو سکتی لیکن افسوس ہی کہ وہ غالب کے کلام کو انصاف کی عینک سے دیکھنا
نہین چاہتے۔ "معیار پارٹی" پر بھی ان کے بعض ریمارک ذاتی حملے کی حد تک
پہونچے ہین کاش یہی باتین ٹھنڈے دل سے کہی گئی ہوتین کہ دیکھنے والون
کے قلوب پر کچھ اثر بھی ڈال سکتین حضرت عزیز کے بعض اشعار کی بھی بعجلت
شخصے چھاڑ کی گئی ہی لیکن اس سے بھی ایک قسم کی ذاتی کاوش ضد اور
ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا ہی خصوصاً اس شعر کے متعلق سے

دل یہ سمجھا تھا کہ خلوت مین وہ تنہا ہون گے
مین نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

جس انداز سے تنقید کی گئی ہی اس سے افسوس ہی کہ حضرت یاس کے
شستگی مذاق کا ثبوت نہین ملتا۔ اسی اعتراض کے متعلق حضرت اکبرآبادی
رقم فرماتے ہین کہ ..... "یہ خیال سامع کا میلان ہی کہ فوراً اسفل کی طرف رجوع
ہوا" (مرقع ادب مرتبہ صفدر مرزاپوری صفحہ ۴۴۴) اور اسی شعر کے متعلق حضرت
شوق قدوائی کا خیال ہی کہ "یہ نہایت عمدہ طریقے سے معشوق کی تعریف کیگئی
ہی گویا وہ مجسم حسن، مجسم شوخی اور مجسمہ آفت کا پرکالہ ہی" (ایضاً)

بہرکیف مقدمہ کے اس حصہ کے علاوہ اس مین اور جو کچھ ہی وہ درست
دیکھا ہی اور "چراغ سخن" کا تعلق جہان تک فن عروض و قوافی سے ہی، اس کے مفید
و نفع بخش ہونے مین کلام نہین۔ ملک کو قدردانی کرنا چاہئیے اور کم از کم ہر اردو
شاعر کو اسے ایک نظر ضرور دیکھنا چاہئیے قیمت ۸؍ ہی اور مرزا محمد بیضی صاحب
لکھنؤ جھوائی ٹولہ سے طلب کرنا چاہئیے۔

دیوان حسرت موہانی | مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی ایڈیٹر رسالہ اردوے معلی
زمانہ حال کے ان نامور شعرا مین مرتبہ امتیاز رکھتے ہین جن کے دم سے غالب و
مومن اور میر و سودا کی شاعری کا نام چل رہا ہی حسرت کا کلام ایک خاص
انداز کا ہوتا ہی اور اس مین کلام نہین کہ خانوادہ مومن کی شہرت و عظمت انکے
نام سے قائم ہی یہ ضروری نہین کہ پولیٹیکل یا سوشل عقائد مین لوگ ان سے
متفق ہون لیکن جہان تک شاعری کا تعلق ہی وہ ایک نغز گو اور شیرین گفتار
سخنگو ہین، اور ان کے کلام کا غالب حصہ تاثیر و درد کے اعتبار سے تغزل
ہی۔ خاندان مومن کی مخصوص دلفریب اضافی ترکیبین حسرت کے کلام مین بھی

افراط سے پائی جاتی ہین۔ زبان کی صفائی اور جذبات کی پاکیزگی بھی ہر نوع قابل ستایش ہی۔ گو حسرت کا دیوان زیر ریویو قریباً چار جزو کی ضخامت کے ساتھ نکلا ہو اور ایک معمولی پمفلٹ یا رسالہ سے زیادہ وقیع نہو لیکن معنوی طور پر اسکی عظمت بڑے بڑے دواوین سے ٹکر کھاتی ہی اور "ایشیائی شاعری" کا صحیح و حقیقی مرقع کہلانے کا اسکو استحقاق حاصل ہی۔

اس مختصر دیوان مین وہ غزلیات بطور انتخاب جمع کرکے شائع کی گئی ہین جو کلام حسرت مختلف ادبی رسایل مین نکل چکی ہین اور بلا تامل کہا جا سکتا ہی کہ اس مجموعہ کی ہر غزل بجاے خود لطافت شعری کی ایک دلربا تصویر ہی۔ پہلی غزل کے یہ دو تین شعر ملاحظہ ہون:-

عشق مین تیرے دل ہوا ایک جہان بے خودی
جان فسردہ بن گئی حیرت بے قیاس کا
رونق پیرہن ہوئی خوبی جسم نازنین
اور بھی شوخ ہو گیا رنگ ترے قیاس کا
لطف و عطاے یار کی نام ہین بسکہ شہرتین
قلب گناہگار مین نام نہین ہراس کا
دل کو ہو تجھ سے واسطہ لب پہ ہو نام مصطفےٰ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ ہو اس کا

دوسرے شعر مین غضب کی معنی آفرینی کی گئی ہی۔ پہلے مین دل کیلیے جہان بے خودی کسقدر دلچسپ ترکیب ہی اسیطرح جان کو حیرت بے قیاس کا فسردہ کہنا بہت لطف دیگیا ہی۔ یہ ترکیبین جو حسرت کو گویا میراث مین پہونچی ہین ذیل کے اشعار مین نمایان شان کے ساتھ استعمال کی گئی ہین۔ ان سے صرف زبان مین شیرینی پیدا ہو گئی ہی بلکہ اس کے ساتھ وسعت معنوی بھی کہین سے کہین پہونچ گئی ہی۔

پوشیدہ سکون یاس مین ہے | اک محشر اضطرار خاموش
جنون کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنون | جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کیسے فرصت تماشاے جستجوے شوق بیحد سے
ابھی ہم نے کہان ڈھونڈھا ابھی ہم نے کہان پایا

مایۂ عشرت بیحد ہی غم قید وفا | مین شناسا بھی نہین رنج گرفتاری کا
جور بیہم نہ کرے شان توجہ پیدا | دیکھ بدنام نہو نام ستمگاری کا

جاتے جاتے رہ گیا وہ ناز نین صبح وصال | ناز بردار اثر ہون گریۂ مجبور کا

اسی قسم کی اور صدہا مثالین مل سکتی ہین۔ ذیل کی غزلون مین مولانا کی نغزگوئی ملاحظہ ہو:-

دل کو خیال یار نے مخمور کر دیا | ساغر کو رنگ بادہ نے پر نور کر دیا
گستاخ دستیون کا نتھا مجھ مین حوصلا | لیکن ہجوم شوق نے مجبور کر دیا
بیتابیون سے چھپ نسکا ماجراے دل | آخر حضور یار بھی مذکور کر دیا

گر جوش آرزو کی ہین کیفیتین یہی | مین بھول جاؤنگا کہ مرا مدعا ہی کیا
آتے ہین وہ خیال مین کیون میرے بار بار | عشق خدا نما کی یہی ابتدا ہی کیا
میری خطا پہ آپکو لازم نہین نظر | یہ دیکھیے مناسب شان عطا ہی کیا
لاکھون کو جس نے صبر سے بیگانہ کر دیا | کیا کہئے آہ وہ نگہ آشنا ہی کیا

عشق کی روح پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر | اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر

مری بیتابیون کا قول ہے ہم جان تسکین ہین
مری افتادگی کہتی ہے تاج فرق عزت ہون
مرا شوق سخن پروردۂ آغوش حرمان ہے
مین خود شیداے غم ہون رفتۂ درد محبت ہون

ہم پر بھی مثل غیر ہین کیون مہربان | اے بدگمان یہ مجھے نہین بیگانیا

[illegible] الکی ترک النعت [illegible] یاد آتے ہین
[illegible] نہین آتی گرجب یاد آتے ہین تو اکثر یاد آتے ہین

[illegible] چند اشعار سے حسرت کے کلام کا اندازہ معلوم ہوسکتا ہو
لیکن [illegible] کسی خاص نقطۂ مذاق سے نہین کیا گیا حسرت کا ہر شعر دلکشی
[illegible] مین فرد ہو اور انھین انتخاب کرنا ایک ناممکن کام ہو مشتاقان
[illegible] دیوان کی ایک ایک کاپی ضرور طلب کرکے لطف اندوز ہون۔ آخر مین مگر
[illegible] کے شعر سے شعر نقل کرنے کو جی چاہتا ہو یہ رنگ بھی حسرت
کا خاص الخاص ہو کہ صاف اور سیدھی زبان مین دور دور کی باتین
کہ جاتے ہین :—

دشوار ہے پاسے ملامت سے بند ہون اہل جنون خرد کے پابند
زیبا ہے پیش فرق عاشقی ہے دستار جنون مین غم کا پیوند

صبر مشکل ہے ضبط ہو دشوار دل وحشی ہو اور جنون ہمار
کشمکش مین ہو کامرانی شوق مجکو ابرام ہے انھین انکار
دل [illegible] مین ہو نقش امید یا مسافر کوئی غریب دیار
یا

سب ہین تری انجمن مین بے ہوش نظارۂ حسن کا کسے ہوش
بیہوش کیا ہو سب کو تو نے اب جسکو خدا لے ہوش دے سو ہوش
ہو جاؤ نثار حیرت عشق اے دانش والے تعزار والے ہوش
تم آئے کہ ختم ہو گئے ہم باقی تھے مگر اسی لیے ہوش

ہم عرصۂ حشر مین بھی حسرت
پہچان گئے انھین نہ ہے ہوش

ہو مستی سے شراب کہان وہ رنگ ساغر بادہ ہے نہ کاسۂ رنگ
ہین طلب گار شوق گوناگون حسن جلوہ ہاے رنگا رنگ

آوارۂ دشت جستجو ہین ہم خانہ بدوش آرزو ہین
اس درجہ غرور نا روا ہے مانا کہ حضور خوبرو ہین

اس غزل کا رنگ دیکھنے کے قابل ہو :—

خوبرویون سے یاریان نہ گئین دل کی بے اختیاریان نہ گئین
دن کی صحرا نوردیان نہ چھٹین شب کی اختر شماریان نہ گئین
ہوش یان سد راہ علم رہا عقل کی ہرزہ کاریان نہ گئین
تھے جو ہر رنگ ناز اُن کے ستم دل کی امیدواریان نہ گئین

طرز مومن مین مرحبا حسرت
تیری رنگین نگاریان نہ گئین

یہ بھی ملاحظہ ہو :—

عشق مین جان سے گذر جائین اب یہی جی مین ہو کہ مر جائین
جامہ زیبی نہ پوچھیئے ان کی جو بگڑنے مین بھی سنور جائین
شب وہی شب ہو دن وہی دن ہو جو تری یاد مین گذر جائین
دوش تک بھی بلاے جان ہین وہ بال جانے کیا ہون جو تا کمر جائین

غزلیات کے سوا دیگر اصناف سخن کے نمونے اس دیوان مین موجود نہین ہین اور غالباً مولانا حسرت نے غزل کے سوا کسی اور طرف توجہ نہین کی ہو ایک مخمسہ سہرا غزلیات کے ذیل مین اس مجموعہ کی زینت ضرور رہی لیکن اس قسم کی طبع آزمائی النادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہو اس دیوان کی قیمت ۱۲ روپے جو حقیقت مین کچھ بھی نہین منیجر اردو پبلشنگ کمپنی نیز اردو پریس لکھنؤ سے طلب کیجیے۔

گردش قسمت اس اخلاقی قصہ کی مصنفہ زہرا بیگم صاحبہ اہلیہ محترم میر شجاعت علیخان صاحب مرحوم (سول سرجن) حیدرآباد دکن ہین مصنفہ نے اس کتاب مین جسکی ضخامت چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات کی ہو کہانی کی شکل مین تعلیم کی خوبیان ظاہر کی ہین۔ رشک قمر بیگم جو دولتمند ماں باپ کی لڑکی

اور تعلیم یافتہ تھی حسن اتفاق سے ایک ماں کی لڑکی سے اس صحبت مشکل واقع ہوئی
تھی کہ دونوں جب کسی طریقہ پر بدل گئیں تو دونوں کے گھروں میں اس واقعہ
کا علم نہیں ہوا نسیم بیگم صاحبہ نے بعد کے واقعات سے اس بات کا
ثبوت دیا ہے کہ رشک قمر چونکہ زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ تھی اس نے بہت
اس نے ماں کی لڑکی بنکر رہنے کیلیے بھی اپنے آپ کو قابل بنالیا لیکن
ماں کی لڑکی جو جاہل محض تھی ایک ولتمن گھر پہنچی جہاں ان کے آرام و
آسائش کے لیے ہر قسم کا سامان موجود تھا بناوٹ کا راستہ نکال سکی
پلاٹ میں ایک تم کی بات ضرور ہے اور مجموعی طور سے قصہ دلچسپ ہے۔
مصنفہ فرماتی ہیں

سب سے زیادہ کلام کا علم تو اپنے ملک اور اپنی مادری زبان کا سیکھنا
ہے ۔۔۔۔۔۔ اسی غرض سے میں نے یہ چھوٹا سا دلچسپ قصہ
نہایت سہل اردو میں تصنیف کیا ہے۔

زبان ضرور صحیح و صاف ہے لیکن پوربی لہجہ کی نقل اچھی طرح نہیں اتر سکی
لیکن یہ کوئی ایسا عیب نہیں جو دوسری خوبیوں کو خاک میں ملا سکے۔ ملک
کو ایک تعلیم یافتہ خاتون کی کوشش کی قدر کرنا چاہیے اس قصے کی قیمت صرور
ہے جو کسیقدر زیادہ ہے مصنفہ سے مندرجہ بالا پتہ پر درخواست خریداری کرنا چاہیے۔

قصائد عزیز مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی زمانہ حال کے ان سربرآوردہ
شعرا میں سے ہیں جنکی ذات اردو شاعری کیلیے موجب صد ناز و احترام
ہے آپ کا نام معرفی سے مستغنی ہے آپ کی نظمیں ملک کے رسالوں میں فخر
و امتیاز کے ساتھ چھاپی جاتی ہیں اور آپ کے کلام میں ایک خاص لطافت
ہوتی ہے نئے رنگ میں بھی آپ جب کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ آپ ہی کے
قصاید کا یہ مجموعہ ہے جو مندرجہ عنوان نام کے ساتھ معیار پریس رستم نگر لکھنؤ
سے شائع کیا گیا ہے قصاید بھی اس میں وہی ہیں جسمیں نعت رسول صلعم و منقبت
اہل بیت کی گئی ہے لیکن ایک محدود مضمون ہونے کے باوجود مدحین جا بقدر کا
روحانی فیض کہنا چاہیے کہ حضرت عزیز نے اس میدان میں کیا کیا جولانیاں

دکھائی ہیں قصیدے کے سارے لوازمات نظر میں رکھے گئے ہیں لیکن
آپ نے جو کچھ کہا ہے اسکا انداز نہایت لفریب ہے اور اس بات کی قطعی دلیل
ہے کہ آپ نے مبدا فیاض سے جودت و ذکاوت کا غیر معمولی حصہ پایا ہے پہلے
قصیدے کے یہ چند ابتدائی اشعار کس شان کے ہیں ؎

بہار آتے ہی ان کو ہوگیا ناز خود آرائی
لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانوں نے کھلوائی
حمل کے نقطۂ اول پہ آیا خسرو خاور
ربیع معتدل لے کر نوید نو بہار آئی
ہوئی باطل دے و بہمن کی وہ تقویم پارینہ
خزاں کے نام سے آتی ہے نوا رے کو ابکائی
چلی وہ باد نوروزی وہ تازہ کونپلیں پھوٹیں
گلوں کو دیکھکر صحن چمن نے گود پھیلائی

ایک دوسرے قصیدہ "نوید بعثت" کا رنگ ملاحظہ ہو:—

کسی دن رونے والے بھی کوئی تم کو دغا دیں گے
یہ کیا انداز ہے پہلو میں بیٹھیں گے رلا دیں گے
یہاں آئے تو خود آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے
جنھیں دعویٰ یہ تھا ہم رونے والوں کو ہنسا دیں گے
لکھے جانا مہ پر شوق کیوں مایوس ہوتا ہے
کسی اللہ کے بندے کو پیغمبر بنا دیں گے
جوانی کی ہے نیند اسے سونے والے چین سے سونا
رسول اللہ کہ کر خواب سے تجھکو جگا دیں گے
چلے مبعوث ہو کر تو نرالے ہو گئے تیور
نگاہیں بول اٹھیں ہم کفر کی ہستی مٹا دیں گے
پڑھے لکھے نہیں ہیں یہ مگر یہ یاد رکھنا تم
علوم انبیا کے سیکڑوں دریا بہا دیں گے

اس جگہ نا ممکن ہے کہ حضرت عزیز کے کلام پر کوئی تبصرہ کیا جا سکے یا ان کے کلام کا نمونہ کافی مقدار مین ناظرین کے سامنے لایا جا سکے۔ قریباً دو سو صفحے کی کتاب ہے جسکی ایک ایک سطر لطافت سخن کا دلپذیر نمونہ ہے۔ بعض مشہور غزلون کی زمین مین کہے گئے ہین اور نہایت کامیابی سے کہے گئے ہین۔ کل ۲۴ قصائد ہین جنکے جداگانہ موزون و بامعنی عنوان قائم کیے گئے ہین، اور ان مین سے زیادہ تر طول طویل ہین۔ دو چار قصیدے ایسے ہین جو بیس تیس اشعار پر ختم ہوے ہین اور ان مین بھی باوجود اختصار کے مضامین کی جامعیت مین فرق نہین آنے پایا۔ قدر دانون کو اس مجموعہ کا ایک نسخہ ضرور حاصل کرنا چاہیے جسکے ساتھ مصنف کی ایک عکسی تصویر بھی شامل ہے۔ قیمت بہ لحاظ محاسن صوری و معنوی کوئی چیز نہین۔ معیار پریس لکھنؤ سے ملنے کا پتہ ہے۔

الخط العثمانی | اردو رسم الخط کا مسئلہ بہت اہم ہے خصوصاً اردو ٹائپ کی ضرورت حد درجہ پر محسوس ہو رہی ہے۔ موجودہ ٹائپ کسی صورت سے پسندیدہ نہین کہا جا سکتا دیکھنا چاہیے کہ اس ضرورت کے رفع ہونے کی کیا سبیل ہوتی ہے تاہم شاید اس قسم کی کوششین جیسی کہ حال مین راجہ راجیشور راؤ بہادر اصغر سمعان دوم آصف جاہ کے جانب سے "الخط العثمانی" کی شکل مین ظاہر ہوئی ہے کوئی مستقل نتیجہ پیدا کر سکے۔ راجہ صاحب نے اس رسالہ مین موجودہ رسم الخط اور اسکے حسن و قبح پر بحث کرنے کے بعد پریس اور ٹائپ رائٹر کے لیے ایک جدید خط تجویز کیا ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق حیدرآباد ہی سے مولوی نظام الدین حسن عرصہ ہوا اپنے خیالات ظاہر فرما چکے ہین اور دہین سے راجہ صاحب نے بھی اس بحث پر یہ رسالہ شائع کیا ہے۔ اصولاً راجہ صاحب کے خیالات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے اور ان کا مجوزہ خط (بہ استثنا بعض حروف) بھی قابل عملدرآمد ہو سکتا ہے لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ موجودہ رسم الخط کے مقابلہ مین رہ جاوے اور کوئی جدید رسم الخط ہر دلعزیزی حاصل کر سکے گا۔ اگر حیدرآباد مین راجہ صاحب کے پیش کردہ اصولون کا تجربہ کیا جاے تو آئندہ کیلیے کوئی سلسلہ قائم ہو سکتی ہے ورنہ جب تک کہ ایک زبردست اور ہمہ گیر تحریک سے کام نہ لیا جاے کوئی عملی فائدہ مترتب نہین ہو سکتا۔ اسکے باوجود راجہ صاحب کی اس توجہ کا جو وہ علمی مسئلون سے رکھتے ہین سب کو شکرگذار ہونا چاہیے۔ کیا عجب ہے کہ آئندہ کسی زمانہ مین جب رسم الخط کی اصلاح ہو تو آپ ہی کا مجوزہ "خط عثمانی" موجودہ خط کا قائم مقام کیا جاے۔

فردوس گم شدہ | ملٹن کا نام غیر فانی شہرت کا مالک ہے اور اسی طرح اسکی مثنوی "فردوس گم شدہ" (پیراڈائز لاسٹ) انگریزی علم ادب مین نہایت ارفع درجہ رکھتی ہے اردو زبان جس مین آجکل انگریزی کتب کے تراجم کی بھرمار ہو رہی ہے اسوقت تک اس مثنوی کے ترجمہ سے محروم تھی لیکن یہ امر باعث حیرت ہے کہ اسے جب انسپکٹر صاحب گورکھپور کے حسن سعی سے بہت بڑی حد تک یہ کمی پوری ہو گئی ہے۔ اردو دان پبلک کو جناب صدا کا تہہ دل سے ممنون ہونا چاہیے کہ انکی دماغی محنت کی بدولت انھین ایک ایسی کتاب سے روشناس ہونے کا موقع ملا ہے جسکی شہرت و عظمت سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو۔ مترجم صاحب نے جو ایک خوش فکر شاعر ہین اصل مثنوی کو اردو نظم کا جامہ پہنایا ہے اور آغاز کتاب مین مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی کے معجز نگار قلم سے ایک مقدمہ درج کیا ہے جو بجاے خود جید دلچسپ ہے۔ مولانا شرر نے اپنے مقدمہ مین مثنوی کے تاریخی حالات کے ساتھ مثنوی کے زندہ جاوید مصنف کے سوانحی حالات بھی مختصراً درج کر دیے ہین۔ اس مقدمہ کے پڑھنے سے بعض دلچسپ باتون کا انکشاف ہوتا ہے مثلاً یہ کہ فردوس گم شدہ سی بے مثل تصنیف کا حق طبع ایک کتب فروش نے صرف پانچ پونڈ دیے تھے، اور اسکے شائع ہونے کے بعد پبلک مین اسکی کوئی قدر نہین ہوئی، اور غالباً ملٹن کی ساری عمر کی محنت ہمیشہ کے لیے خاک مین مل گئی ہوتی اگر ایڈیسن اسپر ریویو نگاری کرکے اسکے محاسن صوری و معنوی کا اصلی نقش لوگون کی نظر مین نہ لاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالہ اسپکٹیٹر کے تنقیدی مضامین نے نہ صرف اس مثنوی کو بلکہ ملٹن کے

سارے کلام کو زندگی جاوید بخشی ہو، ورنہ کوئی اس سے واقف تھا اور نہ اس کا قدرشناس۔

ترجمہ کے متعلق انصافاً اسقدر کہا جا سکتا ہی کہ اکثر مقامات عیوب شعری سے پاک نہیں رہ سکے لیکن اتنی بلند پایہ کتاب کا ترجمہ اسطرح کرنا کہ اردو مین بھی اصل زبان کا ساز و رس پیدا ہو جائے غالباً ناممکن تھا۔ حضرت شرر کا یہ خیال بہت درست ہی کہ

> نہ ابھی ایسے شعراے اردو ہی ہندوستان مین پیدا ہوے ہین جو اس انگریزی مثنویوں کی سی نظمون کا ترجمہ اردو نظم مین کر سکین اور نہ ابھی اردو زبان ہی انگریزی زبان سے اس قدر قریب اور مانوس ہوئی ہی کہ اس مین انگریزی کے شاعرانہ محاسن خوبی کے ساتھ ادا ہو سکین۔

تاہم مسٹر صدا نے جو کچھ کیا ہی اسکے لئے وہ ضرور مستحق تحسین ہین گو معمولی طور پر غور و خوض سے کام لینے کے بعد غالباً موجودہ نقائص ادبی مین سے اکثر کی تلافی ہو سکتی تھی۔ یہ ترجمہ کم از کم اصل مصنف کے خیالات و جذبات کا آئینہ ہی اور اردو خوان لوگ اسکو پڑھکر دنیا کے ایک مشہور شاعر کی ایک مشہور تصنیف سے بہت کچھ مستفید ہو سکتے ہین۔

"فردوس گم شدہ" دلگداز پریس لکھنؤ مین چھاپی گئی ہی شروع مین دو صفحہ کا غلطنامہ بھی چھپا ہی جسکے لیے مجبوراً اظہار تاسف کرنا پڑتا ہی۔ اردو مطابع کو اپنا یہ نقص جسقدر جلد ممکن ہو دور کرنا چاہیے۔ ترجمہ کی ضخامت تقریباً سوا چار سو صفحات کی ہی جسکی قیمت عمر کسیطرح زیادہ نہین کہی جا سکتی۔ جناب صدا گورکھپور سے فرمائشات کی تعمیل کرین گے۔

دیوان رضا اس کی تصنیف کا سہرا الشعرا حضرت مولانا حافظ محمد برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی عم فیضہ کے سر ہی جنکی اردو غزلیات کا یہ مجموعہ یوسفی پریس لکھنؤ سے چھپکر شائع ہوا ہی۔ حضرت رضا کی شہرت شاعری کے اعتبار سے غالباً لکھنؤ سے باہر نہین ہی یا وہ خلقی طور پر گوشہ نشین واقع ہوے ہین تاہم ان کے کلام سے پختگی اور مشاقی کا ثبوت ملتا ہی شروع دیوان مین کوئی دیباچہ وغیرہ نہین ہی جس سے مصنف کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی یا اس امر کا پتہ چلتا کہ حضرت رضا نے کس استاد کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا ہی۔ اصل یہ ہی کہ اس زمانہ مین اگر مطبوعات دیباچہ و مقدمہ سے خالی ہوتے ہین تو ان کو پڑھکر طبیعت شگفتہ نہین ہوتی ہی آجکل کا مذاق یہ ہی کہ آغاز کتاب مین ایک تنقیدی دیباچہ ضرور ہونا چاہیے۔ دیوان رضا کی یہ کمی اگر کسی وقت دور ہو سکے تو خوشی کی بات ہو گی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہی کہ حضرت رضا نے بعض مشہور طرحون مین بھی اچھی طبع آزمائی کی ہی۔ ان کی غزلیات اس بات کا ثبوت ہین کہ وہ شاعرانہ دل و دماغ رکھتے ہین۔ گو بعض اوقات وہ ایسے الفاظ بھی استعمال کر گئے ہین جو آجکل متفقہ طور پر متروک قرار دے دیے گئے ہین۔ غزلون مین اشعار کی تعداد زیادہ رکھنے کی خاطر شاید بعض معمولی شعرون کا رکھنا ضروری سمجھا گیا ہی ورنہ اگر انتخاب کسی قدر سختی سے کیا جاتا تو اس بھرتی کے لیے گنجایش نہ رہتی۔ ذیل مین چند منتخب اشعار بطور نمونہ کلام درج کئے جاتے ہین۔ ان سے حضرت رضا کا طبعی رنگ معلوم ہو سکتا ہی فرماتے ہین ؎

جگر تھرا گیا کانپا کیا دل میرے قاتل کا — تڑپنا تلملانا دیکھ کر مجھ نیم بسمل کا
جسے بھیجا ہی اہل شام نے تحفہ سلاسل کا — کہون کیا اے پریرویون مین دیوانہ گیسو
نظر آیا نہ کوئی اس کلیجے کا نہ اس دل کا — بچھے دیکھا جو مقتل مین تو وہ قاتل لگا کہنے

پھر یہ آپ کا اسوقت خفا ہو جانا — بوسہ دیکر مرے پہلو سے جدا ہو جانا
تو بھی اے وعدہ فراموش فدا ہو جانا — نزع مین غیر تک آنے ہین عیادت کیلیے

بھلا دینا سمجھے دشمن ..... سمجھکر — رقیبون مین نہ کرنا یاد جسکو

[illegible] بلبلون سے دل پر داغ کو گلشن سمجھکر

[illegible] تجھسے اے نگار چراغ تو ایک رات مین گل ہو ہزار بار چراغ

[illegible] کی آمد آمد کی پھر آنے جاتے ہین اے حضرت دل آپ تو گھبرائے جاتے ہین
[illegible] سے ایک حور خلد سے تربت مین ہم اکیلے ہین گھبرائے جاتے ہین
[illegible] غسل میت عاشق تو یہ کہا وہ خاک مین ملین گے جو نہلائے جاتے ہین

یہ حسین آئین گے جب حسن کے بازارون مین
چوٹ چل جائیگی یوسف کے خریدارون مین

دوپٹہ صندلی اوڑھا نہ تم نے دوا کی خوب میرے دردِ سر کی
وہ پچھلی شب لپٹ کر مجھسے سویا خوشامد کام آئی دوپہر کی
جسے کہتے ہین دنیا مین شرافت وہی باعث ہے آفت اور شر کی

اس دیوان کی قیمت عہ زیادہ ہے۔ شائقین مولوی محمد عزت اللہ صاحب فرنگی محل لکھنو کے پتہ سے طلب کرین۔

اردو مین عربی | اس رسالہ کے لیے جو چھوٹی تقطیع کے تقریباً پانچ جزد پر مشتمل ہے ملک کو مولوی محمد عصمت اللہ صاحب کا ممنون ہونا چاہیے جنھون عربی الفاظ مستعملہ اردو کے وزن اور مادے نکالنے اور صحیح تلفظ ادا کرنے اور عربی نامون کی جمع بنانے کے قاعدے وغیرہ اردو مین نہایت خوبی سے سمجھائے ہین۔ مولوی صاحب گورنمنٹ ہائی سکول میرٹھ مین مشرقی زبانون کے استاد ہین اور اس لحاظ سے انھون نے جس طریقے پر رسالہ کو ترتیب دیا ہے وہ عملاً مفید ہونا چاہیے۔

اردو زبان مین عربی الفاظ نہایت کثرت سے شامل ہین لیکن اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی ان کا تلفظ صحت کے ساتھ نہین جانتے اور ان کے صحیح املا پر بھی قادر نہین۔ اس عیب کو دور کرنے کے لیے مولوی محمد عصمت اللہ صاحب نے نہایت آسان طریقہ پر ضروری قاعدے بتائے ہین جنکی رہنمائی اور مدد سے یقیناً ایک طالب صادق اپنی منزل مقصود کو پہونچ سکتا ہے۔ رسالہ کے آخر مین مرکب نامون کی تشریح لفظی بھی کی گئی ہے جو نہایت مفید ہے۔ یہ رسالہ اردو مدارس مین شامل کورس کیے جانے کے قابل ہے۔ اسکی قیمت ۳؍ ان منافع کے لحاظ سے کم ہے جو اسکے پڑھنے سے حاصل ہونگے۔ منیجر اونیٹل بکڈپو مفتی اسٹریٹ میرٹھ سے طلب کرنا چاہیے۔

فریادِ یتیم | منشی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی کی وہ دردناک نظم جو انھون نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے اکتیسوین سالانہ جلسہ مین پڑھی اور عام طور پر مقبول ہوئی، مسلم بک ایجنسی لاہور نے چھوٹی تقطیع کی کتابی صورت پر چھپوا کر شائع کی ہے۔ منشی صاحب زمانہ حال کے ایک مقبول شاعر ہین اور انکے کلام کو بھی کافی مقبولیت حاصل ہے۔ ان کے اکثر مضامین نظم و نثر اردو رسائل مین نکلتے رہتے ہین جنکو لوگ دلچسپی سے دیکھتے ہین۔ یہ نظم بھی منشی صاحب کی دوسری نظمون کی طرح خوب ہے۔ ایسند ہے فریادِ یتیم ایک موثر عنوان ہے اور خلیق صاحب نے اسکے تحت مین جو کچھ کہا ہے وہ درد اور تاثیر سے مملو ہے۔ یہ نظم ایک مسدس کی شکل مین ہے۔ اور اکثر بند اس قابل ہین کہ آدمی بار بار پڑھے اور لطف اندوز ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

ٹھکانا مل گیا ہے مفلسی کو تنگدستی کو ازل سے تاک رکھا ہے فلک نے اپنی بستی کو
نہین اٹھتا کوئی ہمدرد ہنگر سرپرستی کو بڑا تا ہے زمین فاقہ کشون کی فاقہ مستی کو
وہ زہر بادہ کش ہین ہم کہ میخانہ نہین ملتا
جو میخانہ بھی مل جائے تو پیمانہ نہین ملتا

ایک بند کا یہ آخری شعر کس قدر حسرتناک ہے ؎

الٰہی کیا ہمین پیدا کیا تھا خاک ہونے کو
یونہی دلسوز رہنے کو یونہی غمناک ہونے کو

یتیم کے یاران دلی عقیدت سے کسقدر دست و گریبان ہین ؎

یہاں ہر اگر پڑھتے تو ہم بھی ڈاکٹر ہوتے — وکالت سیکھ لیتے گر یہیں پڑھ کر ہوتے
اگر ورڈ کی پہونچ جاتے تو ہم اہل ہنر ہوتے — کہیں اوورسیر ہوتے کہیں انجینئر ہوتے

بیتی کے سبب دنیا پڑا ہے تنگ ہستی کا
فقط اک عشق باقی ہے جو سامان ہے دل کی بستی کا

اس مطبوعہ نظم کی قیمت ۱/ ہے۔ مسلم بک ایجنسی لاہور سے طلب کرنا چاہیے۔

برکات سلطانی | اس نام سے منشی بیلنت لال صاحب شاکر میرٹھی نے علیا حضرت جناب بیگم صاحبہ بھوپال کے مختصر حالات دفتر رسالہ العصر لکھنؤ سے شائع کیے ہین جسکے آخر مین خود بیگم صاحبہ کی بیش قیمت تصانیف پر بھی ایک دلچسپ تبصرہ شامل ہے۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے حالات اس سے پیشتر اکثر رسائل مین طبع ہو چکے ہین لیکن شاید اس سے تفصیلی و تحقیقی ذکر کسی اور مضمون مین نہ مل سکے گا۔ کتاب کی چھپائی و کاغذ وغیرہ نفیس ہے اور شروع مین ممدوحہ کی ہاف ٹون تصویر ہے جس سے اسکی زینت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ عام طور پر ملک مین دیکھی جائے تاکہ حضور فرمان روائے بھوپال کے کارنامون سے واقفیت پیدا ہو اور خاص طبقہ مستورات مین اسکی اشاعت ہونا چاہیے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ نصاب تعلیم نسوان مین اسکو شریک کرکے لڑکیون کو سبقاً سبقاً پڑھنے کا موقع دیا جائے۔

چھوٹی تقطیع کے ۷۰ صفحات مین یہ کتاب ختم ہوئی ہے۔ ظاہری و باطنی خوبیون کے اعتبار سے ۸/ اس کی قیمت کچھ زیادہ نہین۔ ملنے کا پتہ یہ ہے: سکریٹری منروا پبلشنگ کمپنی۔ منروا پریس لکھنؤ۔

تاجدار کا سہرا | مشہور و معروف مصنف فرگس ہیوم کے ایک سبق آموز دلچسپ ناول کا یہ ترجمہ مسرس ہیلر اینڈ کو نے انڈین پریس الہ آباد سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس زمانہ مین جبکہ ہمارے یہان مخرب اخلاق قصون کی وبا عام زورون پر ہے اور اکثر کتب فروشون نے انھین تباہ کن کتابون کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اس قسم کے تراجم کی اشاعت یقیناً نفع بخش کہی جائے گی۔ قصہ کا پلاٹ دلچسپ ہے۔ ترجمہ بھی صاف ہے۔ قصہ کے اکثر نام کسی حد تک اجنبی اور ثقیل ہین لیکن اسکے لیے مترجم معذور تھا۔ اس کی وجہ سے کوئی اہم نقص ترجمہ مین بھی نہین آنے پایا۔ قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ: مسرس ایچ ویلر اینڈ کو الہ آباد نیز دفتر رسالہ العصر لکھنؤ

دیوان شگرفی | سید زین العابدین مرحوم شگرفی تخلص میر منشی ریاست ٹونک کے فارسی کلام کا مجموعہ اس نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت شگرفی مغفور غالباً محض فارسی گو شاعر تھے اور اس باب مین ان کی قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ غزلیات کے دیکھنے سے شاعر کی نسبت رائے قائم ہو سکتی ہے کہ انھین فارسی زبان پر کافی عبور حاصل تھا اور فارسی اشعار وہ بے تکلف کہہ سکتے تھے۔ شروع مین مصنف دیوان کے حالات بھی بطور دیباچہ شامل ہین۔ قیمت کتاب پر نہین لکھی لیکن غالباً اسکی خریداری کے لیے حکیم سید ظہیر الدین صاحب ناظم عدالت العالیہ شریعت خلف الرشید حضرت مصنف سے ٹونک کے پتہ پر درخواست کرنا چاہیے۔

تعلیمات حضرت بہاء اللہ | فرقہ بہائی کے مقتدر پیشوا حضرت بہاء اللہ کی چند علمی اور عملی تعلیمات کا یہ ترجمہ ایک مختصر رسالہ کی شکل مین منشی حشمت اللہ صاحب نے کیا اور عزیزی پریس آگرہ مین کسی حد تک عمدہ طور پر چھاپا گیا ہے۔ اس فرقہ کے عقائد پر کسی محاکمہ کی ضرورت نہین نہ ان کی تشریح و تفصیل کی حاجت ہے لیکن اس رسالہ کی اکثر تعلیمات ہر شخص کے لیے بلالحاظ مذہب مفید ہو سکتی ہین۔ کیونکہ ان کی اصلی غرض معاشرتی و اخلاقی اصلاح ہے۔ بعض تعلیمات کی نسبت خیال ہے یہ ہین: نشہ لانے والی چیزین منع ہین۔ اپنے خیال مین مصروف نہ رہو۔ دینی تعصب کو مٹا دو۔ آغاز رسالہ مین مترجم صاحب کی طرف سے نصف جزو کا ایک دیباچہ بھی شامل ہے جس مین اس فرقہ کے متعلق بعض معلومات درج ہین۔ غالباً عزیزی پریس آگرہ سے درخواست کرنا چاہیے۔ قیمت کتاب پر درج نہین۔

مرقع ادب | حضرت صفدر مرزا پوری نے ہندوستان کے مشہور

الفاظ پر نازدن اور محققین اساتذہ سخن کے نہایت دلچسپ اور پر از معلومات خطوط کا انتخاب مجموعہ "مرقع ادب" کے نام سے چھپوایا ہی۔ اس کے لئے یہ تامل کہنا پڑتا ہی کہ مجموعی طور پر اس کے دلچسپ و سبق آموز ہونے مین شک نہین اگرچہ بعض خطوط ایسے لوگون کے بھی ہین جنکا شمار ہندوستان کے انشا پردازون مین ابتک نہین ہوا نہ ان کی تحقیقات علمی کا ثبوت کوئی ملا ہو نہ خود خطوط انھین اس امتیاز کا مستحق ٹھہراتے ہین۔ اس مجموعہ مین حضرت امیر مینائی مرحوم لسان العصر اکبر الہ آبادی مولانا حالی مرحوم حضرت داغ مغفور حضرت یاس حضرت شوق قدوائی کے خطوط نمایان منزلت رکھتے ہین لیکن ان بزرگون کے علاوہ بعض دوسرے حضرات بھی قابل امتیاز ہین۔ حضرت مصنف نے ان خطوط کے جمع کرنے مین یقیناً کوشش سے کام لیا ہو جس سے ان کے شوق جستجو کا اندازہ ہوتا ہی۔ ادبی لحاظ سے بھی ان کا یہ کام ستایش کے لایق ہی کہ ملک کے نامور اہل قلم بزرگون کی بعض تحریرات کو انھون نے مستقل زندگی کا سامان بہم پہنچایا ہی۔ خدا کرے اس سلسلہ مین اور کتابین بھی ان کی حسن سعی سے ذخیرہ ادب اردو مین اضافہ ہون۔ عمہ ر اس کی قیمت ہی۔ منروا پبلشنگ کمپنی منروا پریس لکھنؤ سے طلب کرنا چاہیئے۔

چند جدید رسایل | بہی خواہان ادب اُردو کے لیے یہ امر موجب طمانیت ہو کہ جہان بعض وجوہ سے ہندوستان کے اکثر مشہور ماہانہ رسالون کے انتظام اشاعت مین خرابیان پیدا ہو رہی ہین اور ان مین سے بعض ایک مدت کے لیے بند ہوگئے وہان چند عمدہ رسائل نئے سر سے شائع ہونے لگے ہین۔ اردو پریس کی حالت جس قدر کمزور ہی وہ ظاہر ہی۔ پھر ملک کا مذاق علمی ابھی اس قدر پختہ نہین ہوا کہ اس کے بھروسے پر کوئی کام مستقل طور پر کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہی کہ اچھے اچھے پرچے نکل کر کتم عدم مین پوشیدہ ہو جاتے ہین۔ اس غیر متیقن حالت کے باوجود جو لوگ حوصلہ سے کام لیکر اپنے لٹریچر کی خدمت پر کمربستہ ہوتے ہین وہ حقیقی طور پر مستحق مبارکباد ہین۔ خداتعالیٰ ان کی ہمت مین برکت دے جس کی وجہ سے علمی تحریک کا سلسلہ قایم رہتا ہی۔

نئے رسالون مین **شعلہ** کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو محرم الحرام ۱۳۳۷ھ سے دہلی سے شائع ہوتا ہی۔ یہ پرچہ مولانا سید محمد ناصر صاحب دہلوی کی نگرانی وادارت مین نکلتا ہی۔ تقطیع تمدن کی سی ہے۔ کاغذ ایک حد تک عمدہ استعمال کیا جاتا ہی۔ پہلے نمبر مین حضرت سائل مولانا خواجہ حسن نظامی لسان العصر جناب اکبر الہ آبادی جناب خلیق دہلوی ایسے مشہور و معروف اہل قلم کے مضامین نظم و نثر ہین۔ تصوف کا رنگ "شعلہ" مین زیادہ ہی۔ دوسرے نمبر مین جناب فراق دہلوی کا مضمون بہ عنوان "مجاز کی طاقت" دلچسپ پیرایہ مین لکھا گیا ہی۔ "اخلاقی تصویر" جو پہلے نمبر سے شروع ہو کر دوسرے مین ختم ہوا ہی مولوی عبدالسلام صاحب آزاد دہلوی کے تراوش خامہ کا نتیجہ ہی جس مین ممدوح نے بعض معاشرتی نقایص کو عمدگی سے ظاہر کیا ہی۔ اس قسم کے مضامین کو جو عملاً مفید ہون جس قدر زیادہ گنجائش دی جاے بہتر ہوگا۔ اس رسالہ کی قیمت عوام سے عہ سالانہ مقرر ہے۔ دفتر شعلہ محلہ چوڑی گران۔ دہلی کے پتہ سے طلب کرنا چاہیئے۔ جنرل نیوز ایجنسی دہلی سے بھی مل سکتا ہی۔

دوسرا پرچہ قابل تذکرہ **ذخیرہ** ہی جو حیدرآباد سے سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کی ایڈیٹری مین اکتوبر ۱۹۱۸ء سے باتصویر شائع ہونے لگا ہی۔ اس کی تقطیع، کاغذ حتی کہ ٹائٹل پیج بعینہ العصر کی طرح کا ہی۔ اس کے اہل قلم حضرات مین نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ایسے فاضل وحید ادیب شامل ہین۔ نواب صاحب کی ذات مستجمع الصفات اہو وقت ملک کے لیے منتخب ہی اور ذخیرہ قابل ستایش ہی کہ اس کی بدولت ملک کو ایک دیرینہ سال محترم بزرگ کے بیش قیمت خیالات سے فیضیاب ہونے کا موقع ایک مرتبہ پھر مل گیا ہی۔ نومبر ۱۹۱۸ء کے پرچہ مین تذکرہ بلگرامی پر حضرت آغا عجاز لکھنوی نے معقول تبصرہ کیا ہی۔ ناظرین کے تفنن طبع کیلئے

چند اشعار اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں، کوئی شک نہیں کہ قدر مرحوم ایک
پختہ کار شاعر تھے ؎

منہ فق ہو سحر کا جس سے شب ہجران کا — وہ مہر قیامت ہو مطلع مرے دیوان کا
جو عمر مقرر ہے سانسوں سے ہوا پر ہے — وقعت ہے یہ سر جبر آکر خرمن مرے دہقان کا
گو ذرۂ عالم ہوں پامال ستم ہوں — میں قطرۂ شبنم ہوں اس مہر درخشاں کا

چھیڑا جب داغ دل کو
اک مطلع آفتاب نکلا

بھٹکتا پھرتا ہے مسجد کی راہ میں واعظ — بتا دے راستہ کوئی شراب خانے کا

جب ذرا ان سے بلبل گلستاں جائے گا — ٹوکری پھولوں کی سارا آشیاں ہو جائے گا
اسکی آہ نہ مہربانی پہ تو میں جیتا ہوں جان — کیا قیامت ہو گی جب وہ مہرباں ہو جائے گا

آئے لحد پر آج بڑا حوصلہ کیا — اللہ کب حضور نے خوف خدا کیا

گذر جائے گی شب پلک مارنے میں — پر اس وقت کی التجا یاد رکھنا

مولوی سید علی اصغر بلگرامی کے سفرنامہ کا ایک حصہ جو "طاق کسریٰ" سے متعلق ہے تاریخی معلومات سے لبریز ہے لیکن اس کے ساتھ جو قلمی تصویریں دی گئی ہیں وہ بدنما اور بھدی ہیں۔ "علم الابدان" پر مرحوم میجر سید حسن صاحب بلگرامی کی تحقیقات قابل داد اور نہایت دلچسپ ہے حصہ نظم میں مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی، حضرت شیفتہ کنتوری، جلیل القدر حضرت جلیل مانکپوری، حضرت اختر مینائی وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ثانی الذکر نے سرور رسول صلعم کی بعض اخلاقی خوبیاں نہایت عمدگی سے نظم کی ہیں۔

المختصر کی اکثر خصوصیات کی نقل اتارنے میں ذخیرہ نے جہاں بعد تمام سعی کی ہے وہاں تنقید نگاری کے لیے سلطان القلم کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، جن کو المختصر کے سید القلم کا برادر معنوی کہنا چاہیے، شوق کو خوش ہو گئے کہ ان کے قائم کردہ نقش و نگار ملک میں قابل ستایش سمجھے گئے ہیں اور انکی تقلید عملاً ہو رہی ہے جس کا ثبوت ذخیرہ کے طرز عمل سے ملتا ہے۔ اس بلقوہ پرچہ کی قیمت للعہ ہے۔ ملنے کا پتہ :- دفتر رسالہ ذخیرہ اندرون دروازہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن۔

تازہ پرچوں کے ذیل میں قابل ذکر رسالہ ترجمان ہے جو ماہ اکتوبر سنہ میں جاری ہوا ہے۔ اسکے ایڈیٹر منشی تیرتھ رام صاحب فیروزپوری ہیں۔ منشی صاحب کا نام بحیثیت ایک مضمون نگار و مصنف کے تعریف سے مستغنی ہے ان کی کتابیں اس سے پہلے چھپکر قبولیت حاصل کر چکی ہیں اب آپ نے اپنی دماغی و علمی مشاغل کا مسقط الراس رسالہ ترجمان کو قرار دیا ہے جو شکل و صورت و مضامین کے اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ البتہ انصافاً کہنا پڑتا ہے کہ جہاں بہت سے علمی مضامین ترجمان کے لیے باعث زینت ہیں وہاں دو ایک معمولی مضامین اس کی شان کو گھٹانے والے بھی ہیں مثلاً "لطائف شعری" جس میں سید انشا وغیرہ کے لطیفے غالباً آب حیات سے نقل کر دیے گئے ہیں کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں کہے جا سکتے، نہ اس سے ناظرین کی معلومات میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اسکے مقابلے میں مولانا عمادی کا مضمون "خواجہ حافظ کی شاعری" پر نہایت دلچسپ و معنی خیز ہے۔ بعض اور مضامین نثر و نظم بھی اپنی اپنی جگہ قابل دید ہیں۔ اس پرچہ کی سالانہ قیمت ہے و محصولڈاک ہے اور سر ورق پر چھپا ہوا ہے کہ یہ پرچہ ہر ماہ کی ۲۷ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ اردو پرچے اپنی بے قاعدہ اشاعت کے لیے بدنام ہیں خدا کرے ترجمان کے یہ الفاظ ترجمان حقیقت ہوں۔ اس کی خریداری کی درخواست لال برادرس۔ پارسنز روڈ۔ نولکھا۔ لاہور کے پتہ پر ہونا چاہیے۔

ایک اور قابل ذکر رسالہ نظارہ ہے جسکا قلمدان ادارت مولوی [illegible] صاحب

[illegible] کے نقوش ہیں اور جس کا مقام اشاعت میرٹھ ہے۔ یہ پرچہ نومبر ۱۹۱۹ء سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ پہلے نمبر میں مجدد الوقت حضرت شوکت خان بہادر، مرزا سلطان احمد، خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی کے مضامین نثر قابل دید ہیں۔ "مشو لیان علیگڑھ کالج" پر ایڈیٹر کے قلم سے ایک مبسوط مضمون ہے۔ حصہ نظم میں حضرت اکبر الہ آبادی، طالب دہلوی، سائل دہلوی، آوج لکھنوی وغیرہم قابل تذکرہ ہیں۔ دوسرے نمبر میں خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کا افتتاحیہ مضمون "کل امرئ بما کسبت رہین" نہایت دلچسپ و سبق آموز ہے۔ عمر کی درازی کے متعلق حضرت شوق قدوائی نے کسی قدر جدت کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے۔ "حضرت داغ و حضرت امیر" کا موازنہ مولانا شعیب احمد صاحب میرٹھی نے قلمبند کیا ہے لیکن اب اس قسم کے مضامین میں تازگی پیدا ہونا محال ہے۔ ہر پرچہ کے آخر میں غزلیات کا التزام رکھا گیا ہے اور ان میں بیشتر تازہ ہوتی ہیں۔ حضرت نوح ناروی کے یہ چند شعر قابل داد ہیں۔

ہر ملامت صاف کہتی ہے — بے کہے کب زبان رہتی ہے
وہ لڑکپن کچھ اور رکھتا تھا — یہ جوانی کچھ اور رکھتی ہے
اک طرف یاس اک طرف امید — کس کشاکش میں جان رہتی ہے
اس کو میں تم سے کہہ نہیں سکتا — ساری دنیا تمہیں جو کہتی ہے

نظارہ لاہور سے بھی ایک ماہوار پرچہ جنوری [illegible] سے نظارہ کے نام سے جاری ہوا ہے اس کے ایڈیٹر لالہ لال چند صاحب فلک ہیں۔

نظارہ کی تقطیع العصر کے مطابق ہے لیکن کاغذ اس سے کم درجہ کا ہے سالانہ قیمت تین روپیہ اور ملنے کا پتہ یہ ہے شہر پیر طوطا اندر کوٹ محلہ گنٹھہ۔

خوشی کی بات ہے کہ علمی رسالوں کے ساتھ دو ماہواری پرچے ایسے بھی موصول ہوئے ہیں جن کا منشا صحت عامہ کے متعلق مفید و ضروری مضامین شائع کرنا ہے۔ ان میں سے ایک دار الشفا ہے، جو فیض آباد سے نکلتا ہے۔ اس میں حفظان صحت کے علاوہ بعض سائنٹفک مضامین بھی ہوتے ہیں جن کو مجموعی حیثیت سے اور زیادہ مکمل ہونا چاہیئے۔ طبی مضامین زیادہ قابل قدر ہیں کیونکہ ہمارے ملک میں تعلیم کی کمی کے سبب انسان کو مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق کافی معلومات نہیں حاصل ہو سکتی۔ اسی خیال سے دار الشفا کے ساتھ نہایت مسرت کے ساتھ الحکیم کا بھی خیر مقدم کرنا چاہیئے جو رفیق الاطبا حکیم محمد فیروز الدین صاحب کے زیر نگرانی لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ مضامین کی نوعیت اور ترتیب کے اعتبار سے یہ ایک اچھا پرچہ ہے اور اس کے پڑھنے سے حفظ صحت کے متعلق اکثر اچھی اچھی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں بعض مضامین طبی تحقیقات پر مبنی ہیں جن کا مطالعہ اور بھی نفع بخش کہا جا سکتا ہے۔

دار الشفا کی سالانہ قیمت عہ ہے، اور ملنے کا پتہ منیجنگ پروپرائٹر دار الشفا فیض آباد ہے اور الحکیم کا سالانہ چندہ عہ ہے جو بہت کم ہے۔ درخواست بنام حکیم محمد فیروز الدین صاحب مطبع رفیق الاطبا لاہور کو بھیجنی چاہیئے۔

"سید القلم"

یادگار غالب اس نمبر میں جناب خلیق دہلوی کی ایک نظم درج کی جاتی ہے جس میں مرزا غالب کی حالت زار بیان کر کے پبلک سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اسکو گمنامی کے ہاتھوں سے بچائیں۔ دہلی کے چند خاص حضرات اس کے متعلق خاص کوشش فرما رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ معاونین العصر بھی اس کار خیر میں حصہ لیں۔ چار برس ہوئے کہ مسٹر محمد علی نے "ہمدرد" میں ایک اپیل شائع کی تھی اور پبلک نے اس تجویز کو نہایت پسند کیا تھا، چنانچہ ایک معقول رقم جمع بھی ہوئی تھی جس کی رسید "ہمدرد" میں چھپی تھی۔ خود ہم نے بھی ادیب مرحوم میں غالب میموریل فنڈ کھولا تھا اور ایک خاصی رقم اس سلسلہ میں وصول ہوئی تھی۔ جب ہم نے ادیب سے قطع تعلق کیا تو وہ رقم بھی انڈین پریس کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد ہم نے دو تین دفعہ مسٹر محمد علی کو تحریر کیا کہ اگر کام شروع کرنے کا ارادہ ہو تو یہ روپیہ منگا لیا جائے مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اب چونکہ حکیم محمد اجمل خان اور خواجہ حسن نظامی ایسے افراد اس تحریک میں شریک ہیں لہذا پبلک کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ ان کا عطیہ رائگان نہ جائے گا۔ ادیب کے ذریعہ سے جو رقم فراہم ہوئی تھی وہ اس کام کے لیے انڈین پریس سے منگوائی جا سکتی ہے۔ نہیں معلوم مسٹر محمد علی کے جمع کردہ چندہ کا کیا حشر ہوا!

جو حضرات اس کار خیر میں حصہ لینا چاہیں وہ اپنے عطیات حکیم محمد اجمل خان صاحب کے نام نامی پر دہلی کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ (ایڈیٹر)

تیرِ نگاہ

ہمارے فسانہ کے آغاز کا وہ زمانہ ہے جب یورپ میں روم کا بادشاہ قیصر جولیس تختِ حکومت پر جلوہ افروز تھا۔ اسی زمانہ میں بحرِ احمر کے کنارہ ایک ویران جزیرہ تھا جس میں کوئی متنفس سوائے ایک پیر مرد اور جوان لڑکی کے دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس بوڑھے شخص کا نام پراسپرو اور لڑکی کا نام مرنڈا تھا۔ دونوں ایک مکان میں جو پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا تھا رہتے تھے مکان میں بہت سے کمرے تھے جن میں سے ایک پراسپرو کا مطالعہ خانہ اور دوسرا کتب خانہ رہتا تھا۔ کتب خانہ میں سوائے علمِ سحر کے اور کسی قسم کی کوئی کتاب نہ تھی۔

مانی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کو جو شوق ہوتا ہے اس میں وہ ہمہ تن مستغرق رہتا ہے۔ چنانچہ ناول نویسوں کا، مورخ تاریخوں کا، مفسر تفسیروں کا، محدث احادیث کا شائق ہوتا ہے۔ چونکہ پراسپرو کو جادو کا شوق تھا اس لیے وہ دن رات اس کے پڑھنے اور عمل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ اس ویران مقام میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے دل بہلتا، سوائے پڑھنے لکھنے کے۔

جس وقت وہ اس جزیرہ میں آیا تھا تو ایک جادوگرنی سائی کوراکس نامی رہتی تھی جس کا انتقال پیر مرد کے آنے سے چند روز پیشتر ہو چکا تھا۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جادوگرنی نے جن ارواح کو درخت بنا کر کھڑا کر دیا تھا، رہائی دی۔ یہ تمام روحیں پراسپرو کی نہایت مشکور ہوئیں اور اسکی خدمت میں بطور زر خرید غلاموں کے رہنے لگیں۔ ان سب میں آیریل بہت نیک طینت فرمان بردار اور اپنے محسن کا سچا خیر خواہ تھا۔ اس کی طینت میں شرارت کے بدلے متانت بدی کے بجائے نیکی تھی اور وہ کسی کو تکلیف پہنچانا کیسا کبھی ایسا خیال بھی نہ کرتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی اپنے جانی دشمن سائی کوراکس کے بیٹے کالی بان کو سخت تکلیف پہنچایا کرتا تھا کیونکہ وہ بڑا ہی بد طینت تھا اور ہر ایک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ پراسپرو نے جب کالی بان کو بے یار و مددگار دیکھا اس کو اپنے مکان میں لایا، پڑھایا اور عمدہ ہنر سکھائے لیکن بد طینتی اور شرارت جو اس نے اپنی ماں سے وراثت میں پائی تھی اسے کوئی عمدہ چیز نہیں سیکھنے دیتی تھی۔ جب پراسپرو نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں آتا تو اس کو ذلیل خدمات سپرد کیں یعنی جنگل سے لکڑیاں لانا، پانی بھرنا اور اسی طرح کے دوسرے کام۔ کالی بان کی نگرانی ایریل کے ذمہ کر دی۔ جب وہ کام کرنے میں ذرا بھی سستی یا غفلت کرتا تو ایریل جو سوائے پراسپرو کے اور سب کی نظروں سے غائب رہتا تھا، چپکے سے آ کر اسے کیچڑ میں پھینک دیتا یا لنگور کی صورت بدل کر ڈراتا کبھی ساہی کی شکل بنا کر راستہ میں لیٹ جاتا۔ کالی بان ساہی کے کانٹوں سے ڈر کر خوب غل مچاتا۔ غرض جب وہ اپنے کام میں ذرا بھی غفلت کرتا تو ایریل یوں ہی دق کرتا تھا۔

اس قدر طاقتور روحیں پراسپرو کی مطیع تھیں کہ اگر وہ ہوا کو بند کرنا چاہتا تو ممکن تھا لیکن اس نے کبھی ایسے فضول کاموں کی طرف رغبت نہ کی۔ ایک دن صبح کے وقت مرنڈا اور پراسپرو سمندر کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے اور طوفان شروع ہو رہا تھا۔

پراسپرو:- "بیٹی دیکھو سمندر میں ایک جہاز آ رہا ہے اور قریب ہے کہ سب جانیں نہنگِ اجل کا شکار ہوں۔ ملک الموت استقبال کو بڑھ رہا ہے۔"

مرنڈا:- "پیارے ابا جان۔ ان بیچارے مصیبت زدوں پر رحم کیجیے۔ دیکھیے جہاز شدتِ طوفان سے ٹکڑے ہوا جاتا ہے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ آہ مجھے اتنی طاقت نہ ہوئی کہ ان خدا کے بندوں کو بچا لیتی اور سمندر کو ساکت ہونے کا حکم دیتی۔"

پراسپرو:- "میری پیاری بیٹی! ہراساں نہ ہو۔ میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ اس جہاز کے کسی متنفس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچے۔ بیٹی! ابھی تمہیں نہیں معلوم کہ تم اور میں کون ہیں۔ میں تم کو تین برس کی عمر میں لیکر یہاں آیا تھا۔ بھلا تمہیں

بچپن کی کوئی بات بھی یاد ہے؟"

مرنڈا: "ابا جان! تین برس کی عمر کی کیا بات یاد ہو سکتی ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس وقت میں ایک بڑے سے محل میں رہتی تھی، اور تین چار عورتیں ہر وقت میرے پاس بیٹھی رہتی تھیں اور طرح طرح سے مجھے خوش کیا کرتی تھیں۔"

پراسپرو: "جان پدر! ۱۲ برس کا زمانہ گذرا کہ میں سیلان[1] کا ڈیوک تھا اور تم شاہزادی اور میرے بعد تخت کی مالک تھیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی انٹونیو نام اور بھی تھا چونکہ مجھے ابتدا سے علم کی جانب توجہ تھی اس لیے تمام کاروبار سلطنت تمھارے چچا (انٹونیو) کے سپرد کرکے بفراغ خاطر تحصیل علم میں مشغول رہتا تھا۔ افسوس میں نے نشیب و فراز پر ذرا غور نہ کیا اور بے سوچے مجھے انٹونیو پر اعتبار کر لیا جس کا بعد کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ میں تو بدستور اپنی کتابوں میں مشغول تھا اور تمھارے بھائی صاحب کچھ اور فکریں کر رہے تھے وہ اپنے کو خود مختار حاکم سیلان سمجھنے لگے۔ انھوں نے شاہ نیپلس[2] کو جو میرا جانی دشمن تھا ملا لیا، اور میرے مروا ڈالنے کی فکریں ہونے لگیں۔"

مرنڈا: "جب وہ بادشاہ اور حاکم تھے تو انھیں فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی ایک دم کیوں نہ مروا ڈالا؟"

پراسپرو: "بیٹی! یہ سچ ہے۔ مگر تمام رعایا مجھ سے از حد محبت رکھتی اور میرے عدل و انصاف سے خوش تھی۔ غرض کہ ایک دن انٹونیو نے موقع پاکر مجھے اور تمھیں ایک جہاز میں بٹھا دیا اور اس کے بعد ایک کشتی میں سوار کرکے بیچ دریا میں ہم دونوں کو چھوڑ دیے گئے تاکہ ڈوب جائیں لیکن میرے دربار کا ایک امیر جس کا نام گنزلو تھا آیا اور چپکے سے بہت سا کھانا، کپڑے اور کتابیں رکھ گیا۔"

مرنڈا: "ابا جان! کس قدر تکلیف تھیں اپنے چھوٹے بھائی کے مظالم سے اٹھانی پڑی جس کو تم نے معتبر سمجھ کر سلطنت سونپ دی تھی۔"

پراسپرو: "مجھے یقین ہو گیا کہ زمانہ سے محبت کافور کی طرح اڑ گئی اور کسی پر اعتبار کرنا نادانی ہے۔ خیر میں بہتا بہتا اس جزیرہ میں آیا۔ تم اس وقت بہت چھوٹی تھیں اور میں نے اپنا وقت تمھیں پڑھانے لکھانے میں صرف کیا۔"

مرنڈا: "خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایسی آفتوں سے بچایا! ابا جان اس طوفان کی وجہ بتائیے"

پراسپرو: "میرے مخالفین شاہ نیپلس اور انٹونیو کہیں جاتے تھے ان کو طوفان برپا کرکے میں نے کھینچ بلایا۔"

یہ قصہ کہہ کر پراسپرو نے جادو کی چھڑی مرنڈا کے چھوائی جس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو گئی۔ اور فوراً اریل نے حاضر ہو کر طوفان کا حال بیان کیا کہ جس وقت دریا میں تلاطم ہوا اور جہاز ڈوبنے لگا تو شاہ نیپلس کا بیٹا فرڈینند یہ جان کر کہ موت قریب آگئی کود پڑا۔ بادشاہ نے خیال کرکے کہ شاہزادہ اب ہاتھ سے جاتا رہا خوب غل مچایا اور اب تک مچا رہا ہے لیکن حضور فرڈینند صحیح و سالم ہے۔ اس کا کوئی بال بیکا نہیں ہوا اور جزیرہ کے کنارہ رنج و الم میں بھرا ہوا بیٹھا ہے۔ روتے روتے رخسارے تر کر ڈالے ہیں کپڑے بھی پھٹ گئے ہیں۔"

پراسپرو: "پیارے اریل! شہزادہ کو یہاں لے آ۔ میں مرنڈا کو اُسے دکھاؤں گا۔ ہاں یہ تو بتا کہ بادشاہ اور میرا بھائی کہاں ہیں۔"

اریل: "جوں ہی میں نے جزیرہ میں صحیح و سالم انھیں اتارا وہ فوراً فرڈینند کی تلاش میں دیوانہ وار پھرنے لگے، اور جب تھک گئے تو ناچار ہو کر بیٹھ گئے۔ میرے آقا جہاز کے ملاحوں میں سے بھی کوئی نہیں مرا اور جہاز بھی ان کی نظر سے پوشیدہ بندرگاہ میں کھڑا ہوا ہے۔"

پراسپرو: "اریل! واقعی تو نے یہ سارا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔"

اریل: "(عاجزی سے) آپ نے کسی وقت مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کیا تھا؟"

---

[1] سیلان۔ اطالیہ کا ایک شہر ہے اور ڈیوک کا مرتبہ ہمارے ہندوستان کے ایک والی ریاست کا سا ہوتا ہے۔ مولف۔

[2] نیپلس بھی اطالیہ کا ایک شہر ہے ممکن ہے کہ پرانے زمانہ میں وہاں بادشاہت ہو۔ مولف۔

اور مین نے بھی قابل قدر خدمات کی ہین۔ اب حضور اس وعدہ کو وفا
فرمائین ؎ برکریمان کارہا دشوار نیست

پراسپرو:۔ بیشک مین نے وعدہ کیا تھا لیکن ابھی اس کے ایفا کا
وقت نہین آیا۔ ذرا اور صبر کرو۔ اچھا۔ اب جاؤ اور فرڈی ننڈ کو یہان لے آؤ
مین اُسے مرنڈا کو دکھاؤن گا۔"

اریل آداب بجالا کر فرڈی ننڈ کے پاس چلا گیا۔ دیکھا تو وہ اسی رنج و
غم کی حالت مین بیٹھا ہوا تھا اور رخسارون پر آنسو رواں تھے۔

اریل:۔ "نوجوان آدمی! تمھین لیڈی مرنڈا ایک نظر دیکھنا چاہتی ہے۔
میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ ورنہ مین تمھین زبردستی لیجاؤن گا۔ تمھارے باپ بھی خیریت
سے ہین۔"

شہزادہ اریل کو دیکھ کر تو متعجب ہوا ہی تھا لیکن باپ کی خیریت نے
البتہ اس کو مسرور کیا اور وہ کچھ پریشان سا ہو کر اریل کے ساتھ ہو لیا۔ مرنڈا
اور پراسپرو ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

مرنڈا نے اس سے پہلے کسی خوبصورت جوان کو نہین دیکھا تھا۔ شہزادہ
کی صورت دیکھ کر دل قابو مین نہ رہا اور شہزادہ بھی مرنڈا کی بھولی شکل دیکھکر
متوالا سا ہو گیا۔

پراسپرو:۔ "(مرنڈا سے) تم کیا دیکھ رہی ہو؟"

مرنڈا:۔ "(شہزادہ کی طرف اشارہ کر کے) کیا یہ انسان ہے یا روح؟ اللہ پاک
نے تمام حسن اسی کو عطا فرما دیا ہے۔"

پراسپرو:۔ "(مسکرا کر) یہ کوئی روح نہین ہے بلکہ ایسا ہی آدمی ہے،
جیسے ہم تم۔ یہ نوجوان جہاز مین تھا اور اپنے ہمراہیون کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا
مین نے یہان بلوا لیا۔"

مرنڈا خیال کیا کرتی تھی، کہ دنیا کے کل انسانون کی ڈاڑھیان سفید
اور سنجیدہ چہرے مثل پراسپرو کے ہون گے۔ شہزادہ کو دیکھ کر بہت خوش
ہوئی اور فرڈی ننڈ نے ایسے ویران مقام مین مرنڈا کو دیکھ کر خیال کیا کہ یہ
جادو کا جزیرہ ہے اور وہ یہان کی دیبی ہے۔

پراسپرو دونون کی محبت آمیز نظرین دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن اُسنے
بالمصلحت فرڈی ننڈ سے کہا:۔ "او نوجوان آدمی! مین تمھارے ہاتھون مین
ہتکڑیان اور پیرون مین بیڑیان ڈالون گا۔ تمھین سمندر کا پانی پینے کو
اور بھوسی کھانے کے واسطے ملے گی۔"

فرڈی ننڈ:۔ "کبھی نہین۔ تم مجھے ایسا حکم دینے والے کون ہوتے ہو۔"

یہ کہکر شہزادہ تلوار نکال کر دوڑا لیکن پراسپرو نے طلسمی چھڑی کو
جنبش دی، اور فرڈی ننڈ جہان کھڑا تھا وہین رہ گیا، مرنڈا نے جب یہ حال
دیکھا تو باپ کے گلے مین باہین ڈال کر کہنے لگی "ابا جان تم کیسے بے رحم
ہو گئے۔ مین نے کبھی نہ کبھی ایک شخص دیکھا ہے اور تم یہ بھی گوارا نہین کرتے"

پراسپرو:۔ "(ظاہرا غصہ سے) چپ رہ نالائق لڑکی۔"

مرنڈا:۔ "(رو کر) افسوس۔ میری قسمت مین سوائے تنہائی کے اور
کچھ نہین۔ خیر۔ جو آپ کے جی مین آئے کیجیے۔"

پراسپرو:۔ "(شہزادے سے) بندہ نواز! اب آپ مجھ سے نہین لڑ سکتے۔"

شاہزادہ نہایت متعجب ہوا کہ اس کی تمام طاقت ذرا سی چھڑی سے
سلب ہو گئی۔ پراسپرو نے شہزادے کے ہاتھ مین کلہاڑی دی اور لکڑیان
کاٹنے کے واسطے کہا۔ مرنڈا کو نگرانی کا حکم دیکر خود کتب خانہ مین چلا گیا۔

شہزادے نے ایسی سخت محنت کاہے کو کی تھی۔ تمام بدن پسینے پسینے
ہو گیا، اور مرنڈا نے جب آکر دیکھا تو وہ بہت ہی تھک گیا تھا۔

مرنڈا:۔ "پیارے شہزادے! ایسی سخت محنت نہ کرو۔ میرا باپ کتب خانہ مین
ہے اور کم از کم تین گھنٹے کے بعد نکلے گا۔ اس وقت تک تم کام چھوڑ دو
اس کے بعد پھر شروع کر دینا۔"

شاہزادہ:۔ "خاتون! مین ایسی جرأت نہین کر سکتا ممکن ہے کہ تمھارا
باپ اچانک چلا آئے اور مجھے غفلت کا الزام رکھ کر کوئی سخت سزا تجویز کرے سے
ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا   پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

جب تک کام ختم نہ کر لون آرام کرنا حرام سمجھتا ہون۔ ایمانداری کے یہی معنی ہین۔

مرنڈا: شاہزادہ! تم بیٹھ جاؤ مین لکڑیون کا بوجھ لے آؤن گی۔

فرڈی ننڈ: نیک اور پیاری خاتون! تمھارے نازک ہاتھ ایسے سخت کام کے واسطے موزون نہین ہین مین تمھین کسی قسم کی بھی تکلیف نہین دینا چاہتا۔

ان دونون مین اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی جس کو پراسپرو نے لفظاً لفظاً سنا اور شاہزادہ کے اظہار محبت پر بہت خوش ہوا۔

فرڈی ننڈ: پیاری خاتون! مین نے تم سے زیادہ اس وقت تک کوئی حسین اور نیک نہین دیکھی تمھارے دل مین رحم اور درد بہت ہے خدا اور زیادہ کرے۔

مرنڈا: شاہزادے! مین نے ابتک سوائے اپنے باپ کے کسی مرد کو نہین دیکھا اور مین خدا سے دعا کرتی ہون کہ مین اور تم کبھی جدا نہ ہون لیکن یہ مجھے معلوم نہین کہ ایسا ہو بلکہ خوف ہے کہ یہ آزادانہ گفتگو کچھ اور رنگ نہ لائے۔

پراسپرو مرنڈا کی بھولی باتین سنکر ہنسا۔ شاہزادہ نے اثنائے گفتگو مین یہ بھی کہہ دیا کہ مین تخت نیپلس کا وارث ہون اور تم ایک دن ملکہ ہوگی۔ مرنڈا نے جواب مین کہا کہ ملکہ نیپلس ہو جانے سے میری محبت مین نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی۔

پراسپرو نے زیادہ پوشیدگی مناسب نہ جانی اور کتب خانہ سے نکل کر کہنے لگا۔

"دوست میرے بچون! مین نے تمھاری سب گفتگو سن لی ہے۔ آپس کی محبت بڑی اچھی ہے مین دعا کرتا ہون کہ خدا تم مین نباہ دے۔ فرڈی ننڈ مین نے تم سے ناحق اس قدر محنت لی تھی اب مرنڈا کا ہاتھ پکڑو اور شادمان ہو۔"

یہ کہکر پراسپرو چلا گیا اور فرڈی ننڈ اور مرنڈا بیٹھ کر خوشی سے باتین کرنے لگے۔ ادھر پراسپرو نے ایریل کو بلا کر پوچھا کہ شاہ نیپلس اور انٹونیو کے ساتھ کیا کیا؟

ایریل: جب وہ گھومتے گھومتے تھک گئے اس وقت انھین شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی مین نے ایک دسترخوان عمدہ غذاؤن کا اُن کے سامنے چن دیا جب وہ کھانا کھا چکے تو مین ان کے سامنے ایک خوفناک گدھ بن کر آیا اور تمام مظالم جو آپ کے بھائی نے کئے تھے ان کے سامنے سنائے وہ بہت متعجب ہوئے اور آپ کی حالت یاد کرکے خوب روئے یقیناً ان کے دلون سے شقاوت جاتی رہی اب آپ کو بھی رحم کرنا چاہئے۔

پراسپرو: "ایریل! انھین یہان لے آؤ۔ مین ایسا سنگدل نہین جو رحم نہ کرون۔"

ایریل فوراً شاہ نیپلس اور انٹونیو کو لے آیا۔ ان کے پیچھے بوڑھا گونزالو بھی تھا جس نے مصیبت کے وقت پراسپرو کی مدد کی تھی۔ بادشاہ اور انٹونیو نے پراسپرو کو فوراً پہچان لیا اور جب اُس نے برسون کی پُرالم سرگذشت سنائی تو وہ شرم سے رونے لگے۔

دونون: (روتے ہوے) تمھاری جلاوطنی اور اُن مظالم کی جو ہم نے تمھارے ساتھ برتے یاد ہمین تڑپائے دیتی ہے۔ للہ ہمارا قصور معاف کرو۔

پراسپرو: "خیر گذشتہ را صلوٰۃ۔ مین نے کل خیالات بھلا دیے۔"

دونون: صرف تم اتنا کہہ دو "مین نے معاف کر دیا" تاکہ ہمارے مضطرب دلون کو تسکین ہو جاے۔

پراسپرو: "درحقیقت مجھے صدمہ بہت ہے لیکن جو گذر گیا گذر گیا۔ اب کیا ہوتا ہے خیر مین نے معاف کیا۔ (شاہ نیپلس سے) آئیے مین آپ کو ایک نظارہ دکھلاؤن۔"

یہ کہکر اُس نے دروازہ کھول دیا اور مرنڈا و فرڈی ننڈ باتین کرتے نظر آئے۔ اس خوشی کا کیا پوچھنا جو باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ سے مل کر ہوئی کیونکہ دونون اپنے خیال مین مایوس ہو چکے تھے۔ بادشاہ مرنڈا کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور اُسے گمان ہوا کہ شاید یہ حور ہے۔

فرڈی ننڈ: آپ اس خاتون کو دیکھکر متعجب نہ ہون۔ یہ نیک نفس پراسپرو کی بیٹی ہے جو میلان کا سچا مالک تخت ہے۔

بادشاہ:- "پراسپرو! ہم اور تم آج سے بھائی ہیں۔ تم نے میرے بیٹے کو جس کی جانب سے میں مایوس ہو چکا تھا حفاظت سے رکھا اور مجھے ایسی مسرت دی جسکا اظہار میری طاقت سے باہر ہے۔ افسوس میں نے کس قدر ظلم تمھارے اوپر کیا"

پراسپرو:- بادشاہ سلامت! گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی رحمت کاملہ سے بچھڑے ہوؤں کو ملایا آپ کا جہاز بھی صحیح وسالم ہے اور کل صبح اگر زندگی بخیر ہے تو ہم سب میلان کے جانب روانہ ہوں گے۔ اب شام ہو چکی ہے۔ جو کچھ میرے یہاں موجود ہے تناول فرمایئے اور بعد ازاں میں اپنی مفصل سرگذشت جب سے اس جزیرہ میں آیا ہوں سناؤں گا۔

صبح کے وقت جب کہ اسپرو میلان کو چلنے لگا تو اریل کو بلا کر کہا "عزیز اریل" تمھیں یاد ہوگا کہ میں نے تم سے آزادی کا وعدہ کیا تھا آج پورا کرتا ہوں تم نے میری خدمت وفاداری سے انجام دی اور میں نہایت خوش ہو کر دعا دیتا ہوں کہ ہمیشہ تم شادمان ہو۔ دیکھو بدی کو دل میں جگہ نہ دینا اور خدا سے ڈرتے رہنا" جہاز بخیر وعافیت میلان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سورج کچھ یوں ہی چمک رہا تھا۔ سبز پتیوں کے قطرے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے پرند خالق اکبر کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ غرض ہر ایک اپنے رنگ میں مست تھا اور صاف و ساکت پانی پر جہاز چلا جاتا تھا۔ میلان پہنچنے پر سیکڑوں خوشیاں ہوئیں فرڈنانڈ اور مرنڈا کی شادی ہوئی۔ شاہ نیپلس نے کاروبار سلطنت شہزادے کے سپرد کر دیا اور پراسپرو نے میلان کا تخت۔ اسی طرح سب کی مرادیں بر آئیں اور ہمارے قصہ کا اختتام ہوا۔

جس کا انجام ہو اچھا وہ مصیبت اچھی

محمد شفیع الدین خان (مراد آبادی)

تصحیح تصاویر (۱) اس ماہ کی رنگین تصویر راجہ روی ورما مرحوم کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اسمیں جو منظر دکھلایا گیا ہے اسکو ہمارے مہربان سید قیصر نے نہایت دلکش پیرایہ میں نظم کیا ہے (۲) خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب پنجاب کے نہایت نامور اہل قلم اور عالی مرتبت حضرات میں ہیں نثر اردو میں فلسفیانہ استدلال کی بنیاد آپ ہی کے قلم نے ڈالی ہے جسکا رنگ آپ کی ہر تحریر میں موجود ہوتا ہے۔ علاوہ ان بے انتہا مضامین کے جو آپ نے اردو کے تمام لٹریری پرچوں کے لیے لکھے ہیں آپ کی مستقل تصانیف بھی موجود ہیں جنمیں مقدمہ فلسفہ تاریخ اور اساس الاخلاق خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ العصر میں بھی آپکے مضامین کا سلسلہ شروع ہی جاری ہے (۳) منشی رشید احمد صاحب آشفتہ تھانوی فطری طور پر جدت پسند طبیعت اور اختراعیت آفریں دماغ لیکر دنیا میں آئے ہیں۔ آپ کی دلگداز نظمیں اپنے اندر ایک خاص اور بےچینی رکھتی ہیں۔ آپ نوعمر آدمی ہیں اور فن شعر میں کسی سے خصوصیت تلمذ حاصل نہیں لیکن استادان فن آپ کے کلام نظم و نثر کو قدر اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حضرت اکبر (الہ آبادی) نے آپ کی نسبت تحریر فرمایا ہے ؎

طرز و اسلوب ادا میں کتنی ہو یا لوی خوب فرماتے ہیں ہر مضمون کو آشفتہ تھانوی

آپ چونکہ سلسلہ ملازمت ریاست بھوپال میں مقیم ہیں جہاں آپ متعلقات سرکاری کی پیروی کرتے ہیں حضرت آشفتہ کو رسالہ العصر سے ایک خاص خصوصیت ہے اور یقین ہے کہ آئندہ بالالتزام آپکے بہترین مضامین نظم و نثر العصر میں شائع ہوا کریں گے (۴) مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی کی شیوا بیانیاں بھی عام شہرت رکھتی ہیں اور بہ شاعرانہ حیثیت سے آپکا درجہ بھی نہایت ممتاز ہے آپ سحر البیان حضرت شوق قدوائی کے باخبر شاگرد رشید ہیں۔ ڈیڑھ دو برس تک آپ رسالہ الناظر کے سب ایڈیٹر و مہتمم رہے اور اب بھوپال میں مترجم عربی ہیں۔ حال ہی میں آپ کو اپنی اہلیہ محترمہ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا ہے جس پر ہم دلی جذبات ہمدردی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ محوی صاحب کی ذات سے العصر کو بہت فائدہ پہنچا ہے اور یقین ہے کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ (۵) خواب گاہ۔ یہ تصویر ہمارے مکرم دوست منشی حکیم محمد خان لکھنوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے اسمیں لکھنؤ کے قدیم طرز معاشرت کا ایک سین دکھایا گیا ہے جو بیحد دلکش ہے العصر میں اس سے قبل بھی منشی صاحب موصوف کی بنائی ہوئی کئی تصویریں شائع ہو چکی ہیں جنمیں جان ایوا از خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے آپکے لیے ہماری دلی دعا ہے کہ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

شام جوانی

عالم عیش و کامرانی ہے   موسم آمد جوانی ہے
باغ اُمید کی کھلین کلیان   غنچۂ آرزو ہوا خندان
پھول سے گال بن گئے لالہ   سبزۂ خط ہے چاند کا ہالہ
سرمگین آنکھین نرگس فتان   خم ابرو کہ خنجرِ برّان
دانت موتی کی خوش نما لڑیان   حلقۂ زلف سنبل پیچان
مست آنکھون مین سرمے کی تحریر   یا چڑھائی ہے سان پر شمشیر
ماہ کامل ہے لوح پیشانی   منفعل جس سے ماہ کنعانی
دہن تنگ نقطۂ موہوم   ہے کمر کا نشان مگر معدوم
انگلیان رشک پنجۂ خورشید   قفل باب مراد کی ہین کلید
شکم صاف تختۂ قاقم   عقل و دانش ہین [illegible] گم
قد بالا ہے غیرت شمشاد   نوجوانی نے دی مبارکباد
زور پر ہے جمال و رعنائی   ایک عالم ہوا تماشائی
آئینہ دیکھکر ہوا سکتا   اپنی صورت پہ خود بنا شیدا
رات دن محو حسن و زیبائی   جوش پر طاقت و توانائی
کبر و نخوت کا ہر گھڑی نشا   نہین نظرون مین دوسرا جچتا
زعم یہ ہے کہ لاجواب ہین ہم   سب حسینون مین انتخاب ہین ہم
نہین اپنا نظیر عالم مین   کون ہے وصف جو نہین ہم مین
تھا مرے گرد مجمع احباب   جیسے تارون مین جلوہ گر مہتاب
طرز تقریر پر فدا کوئی   خوش نویسی پہ مبتلا کوئی
شاعری کے تھے مدح خوان کتنے   بذلہ سنجی کے قدردان کتنے
نغمہ خوانی پہ تھے نثار بہت   بنوٹون کے تھے دل فگار بہت
خوش خرامی پہ دل پھسلا لاکھون   بانکی سج دھج پہ مرٹے لاکھون
تاش پچیسی گنجفہ چوسر   کٹتے لہو و لعب مین آٹھ پہر

کبھی شوق ستار چنگ و رباب   کبھی ذوق شراب خانہ خراب
ناچ گانے کا مشغلہ دن رات   زر لٹانے کا حوصلہ دن رات
بدمعاشون کی رات دن صحبت   چرس افیون بھنگ کی عادت
نفس و شیطان نے کر دیا اندھا   نیک و بد کا نہ امتیاز رہا
نہ معاصی کا دلمین کچھ کھٹکا   نہین خوف سزائے روز جزا
ہیبت و قہر ذوالجلال نہین   فکر و اندیشۂ مآل نہین
جہل و غفلت کے عقل پر پردے   کفر و ظلمت کے ابر چھائے ہوئے
جز فسادات دل مین خاک نہین   لب پہ ذکر خدائے پاک نہین
یاد کافر بتون کی آٹھ پہر   گھر مین اللہ کے [illegible]
طاق ابرو بنا تھا سجدہ گاہ   عشق زلف سیہ مین حال تباہ
خانۂ چشم مین مکین آنکھین   مردم دیدہ بن گئین آنکھین
دل گرفتار حلقۂ گیسو   جان مجروح خنجر ابرو
وصف قد سے بپا قیامت تھی   یاد رفتار تازہ آفت تھی
ذکر خط و خال حشر ڈھاتا تھا   شور محشر تھا چار سو برپا
ہر گھڑی دھیان زیب و زینت کا   ناز و انداز کا کھنچا نقشا
جان ستان وہ ادائے مستانہ   گردش چشم مے کا پیمانہ
تیغ و خنجر وہ عشوہ و انداز   تیر و نیزہ ادا کرشمہ و ناز
لیلۃ القدر وصل کی راتین   شہد و شکر وہ رس بھری باتین
دن گزرتے تھے عیش و عشرت مین   راتین کٹتی تھین خواب غفلت مین
ہو گئے بند گوش حق شنوا   دیکھنے کے تھے دیدۂ بینا
عیب جوئی سے خلق ڈرتی تھی   بات سچی گران گزرتی تھی
چشم و دل پر تھے پردے غفلت کے   پھل ملے یہ خراب صحبت کے
دین و دنیا سے کھو دیا ہم کو   بحر غم مین ڈبو دیا ہم کو

اے خدا کوئی خضر راہ ملے   اس سمندر کی جلد تھاہ ملے

کاش پہنچا لین ساحلِ مقصود دیکھین آنکھونسے منزلِ مقصود
موج و طوفان سے ہم گزر جائین ناؤ ٹوٹی ہے پار اُتر جائین
خامہ حاسد کے حق مین بجا لا ہو
نظمِ کوثر کا بول بالا ہو

مزارِ غالب

ہین مہربان میرے خواجہ حسن نظامی جنکی ہے ذاتِ اقدس ہدایت کی حامی
مضمون نگار ایسے ہین دُور دُور نامی جھڑتے ہین پھول منھ سے صدہے خوش بیانی
درگاہ مین ہے رونق فیضِ قدم سے انکے
اوصاف کیا بیان ہون میرے قلم سے انکے

ملنے کا شوق اُنسے، دلمین ہوا زیادہ درگاہ آولیا کا مین نے کیا ارادہ
صحبت کا لطف آیا، پایا مزاج سادہ تعریف کر رہا تھا ہر ایک پیر زادہ
درگاہ دیکھنے کو بیتاب ہو رہے تھے
سیماب بھی وہین پہ سیماب ہو رہے تھے

جب سیر کرنے نکلے، دیکھا مزارِ غالب زیرِ زمین نہان تھی فصلِ بہارِ غالب
یاد آرہا تھا سب کو وہ افتخارِ غالب نظرونمین پھر رہا تھا عزّ و وقارِ غالب
حسرت برس رہی تھی، زندہ تھی خوش بیانی
اُردو، لحد کے اوپر کرتی تھی نوحہ خوانی

سنگِ مزار بالکل ٹوٹا ہوا پُرانا چھایا تھا آسمانی تربت پہ شامیانہ
غالب کی صحبتونکا یاد آگیا زمانہ وہ نظمِ عارفانہ، مضمون عاشقانہ
ہر بات مین ظرافت، ہر شعر مین لطافت
پابندِ وضعداری، دلدادۂ شرافت

غالب کی یاد دلمین ہر ہر کے آرہی تھی دُنیا کی بے ثباتی آنکھونمین چھا رہی تھی
حسرت نکل نکل کے آنسو بہا رہی تھی دورِ زمان کی گردش نقشہ مٹا رہی تھی
مٹی کا، میرزا کو گھر یاد کر رہا تھا
تربت کا ذرہ ذرہ فریاد کر رہا تھا

افسوس زندگی ہے بے اعتبار کیسی ہر چیز دنیوی ہے ناپائدار کیسی
جاتی رہی بوستان سے فصلِ بہار کیسی شکلین نہان ہوئی ہین زیرِ مزار کیسی
بزمِ سخن کی زینت، روحِ روانِ دہلی
مٹ جائے اِس طرح سے نام و نشانِ دہلی

کہتے تھے جس کو ساقی میخانۂ سخن کا ذرات پینے والا پیمانۂ سخن کا
انداز ہی نیا تھا مستانۂ سخن کا سو جان سے تھا فدائی جانانۂ سخن کا
ہر شعر شمعِ روشن کاشانۂ سخن مین
اُنکے ہی دم قدم سے رونق تھی انجمن مین

اللہ! کیا لبونمین اعجاز بھر رہا تھا نازک خیالیون کا انداز بھر رہا تھا
اُردو کے شاعرونمین آواز بھر رہا تھا سو لطف بھر رہا تھا سو ناز بھر رہا تھا
جذبات کی ہمیشہ تصویر کھینچتا تھا
قربان اِس ادا کے شمشیر کھینچتا تھا

تھی چلبلی طبیعت شوخی بھری ہوئی تھی طبعِ روان کی جدت اُڑ کر پری ہوئی تھی
شاخِ سخن چمن مین اُس سے ہری ہوئی تھی حسنِ بیان مین کیا کیا جلوہ گری ہوئی تھی
باغِ کلام مین تھین رنگینیان ہزارون
گلچین کر رہے تھے گلچینیان ہزارون

ارض و سما کے نقشے اُسکے خیال مین تھے حسنِ بیان و معنی نورِ جمال مین تھے
اوجِ فلک کے جلوے اوجِ کمال مین تھے سُن سُن کے ہر غزل کو صوفی بھی حال مین تھے
حُسنِ کلام اُسکا حُسنِ جبین سے بڑھکر
اشعار کی زمینین عرشِ برین سے بڑھکر

افسوس قبر اُسکی ٹوٹی ہوئی پڑی ہے بوسیدہ ہو گئی ہے، پھوٹی ہوئی پڑی ہے
دستِ فلک سے بالکل لوٹی ہوئی پڑی ہے بے غور ہے نظر سے چھوٹی ہوئی پڑی ہے
مٹنے کو ہو رہی ہے غالب کی یاد ساری
شعر و سخن لحد پر کرتے ہین آہ و زاری

غالب کے قدر دانو! اِس قبر کو بنا دو ٹوٹا ہوا پڑا ہے سنگِ لحد جما دو

رحم آتا ہے اک کو غم کھاتے ہیں سب بیار
سامان حکومت سے دریوزہ گری اچھی

اندھیر دکھائی دی آنکھیں ہون اگر روشن
دیکھینگے تو دیکھین گے یہ بے بصری اچھی

اے دل نہ لگائین گے آنکھ اپنے وہ بیٹھین گے
ہم جیسے فقیرون کو ہی دربدری اچھی

آنکھون ہی سے دنیا ہے دنیا ہے کہ بند غم
آنکھیں ہین تو ہوتا بس بے بصری اچھی

جلنا ہی مناسب ہے ہر نخل تمنا کا
حسرت کی ندامت کی اک شاخ ہری اچھی

نالو نہین اثر ہوگا تو ہنکا دکھے گا دل
کیون رنج اُسے دون مین ہے بے اثری اچھی

گلچین کی ستمگاری پھر جور کلوخ انگن
آلام فراوان سے ہے بے ثمری اچھی

ملبوس حیات اپنا دوروزہ وہ داعیت ہے
کیا عارضی آرایش ہے جامہ دری اچھی

تسکین سے الم کم ہو اور سبکا ہی یہ شیوہ
عالم کی مرے غم سے یہ بے خبری اچھی

شاید کہ رشید اُسکا رہن لئے ستم مجھکو
ہو اُسکی عنایت سے بیدادگری اچھی

خیر مقدم العصر

(اجرائے مدید پر)

دم بدم لطفِ سخن عیش فزا ہوتا ہے
خود بخود ولولۂ شوق سوا ہوتا ہے

دھوم تھی محفل ارباب سخن مین جسکی
وہی محبوب پھر اب جلوہ نما ہوتا ہے

پھر ہندھی گلشن ہستی مین ہوائے العصر
غنچہ پھر خاطرِ احباب کا وا ہوتا ہے

پھر عجب حسن قبول اسنے جہان مین پایا
دیکھیے جس کو وہ آنکھون سے فدا ہوتا ہے

ہر طرف ہے نظر افروزی العصر کی دھوم
ہر ورق نور کے سانچے مین ڈھلا ہوتا ہے

دیدہ زیبی و دل آویزی و رعنائی ہین
جیسے کوئی صنم حور لقا ہوتا ہے

بہت اُردو پہ ہے احسانِ جناب شاکر
کون ہوسکتا ہے ہمت مین جواب شاکر

التجا کرنے لگی شاعری و نثاری
کہ پھر العصر سے ہون فیض کے چشمے جاری

آجکل ملکِ سخن مین ہے بہت سناٹا
ساری دنیائے ادب پر ہوئی غفلت طاری

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہین سب اہل قلم
پیشتر علم سے ایسی تو نہ تھی بیزاری

کیجیے آپ پھر آمادہ تحریر انھین
دیکھنی ہے ہمین ہر رنگ کی پھر گلکاری

کیجئے خدمت علم ادب اُردو پھر
چاہیے آپ کو کچھ مشغلۂ بیکاری

قابل رحم ہے اُردو[۱] ادب کی حالت
آپکے ہاتھ ہو پھر اُس کی علم برداری

پھول ہر رنگ کا ہر لفظ سخن بن جائے
سرزمین سخن اک تازہ چمن بن جائے

غرض العصر کو پھر پیش نظر لائے وہ
ملک کی تھی یہ تمنا جسے بر لائے وہ

بحر تفتیش مین ہر سمت لگا کر غوطے
پھر لٹانے کو مضامین کے گہر لائے وہ

کشور علم مین پرچے کو بنا کر خورشید
یاس کی شب کیلئے نور سحر لائے وہ

روز و شب کو تولے شمس و قمر ایک ایک
سامنے صفحون سے سو شمس و قمر لائے وہ

مشکلین پڑھنے پہ بھی ہمت شاکر نہ گھٹی
آفرینش سے قیامت کا جگر لائے وہ

اب دعا یہ ہے کہ پھیلے جو نہال العصر
ملک مین خوبیٔ گل اور خوب ثمر لائے وہ

ہر دہان مین ہو زبان بن کے فسانہ اسکا
مثل محوی کے ثنا خوان ہو زمانہ اسکا

محویت

(رنگین تصویر ملاحظہ ہو)

کسی کی جستجو ہے اور مین ہون
کسی کی گفتگو ہے اور مین ہون

"ترے قربان" ادھر میرے تصور
"وہ" گویا روبرو ہے اور مین ہون

نہ جانے دو نگی دل سے تجھ کو ہرگز
خیال دوست تو ہے اور مین ہون

کسی کو ڈھونڈھتی پھرتی ہین نظرین
بلا کی جستجو ہے اور مین ہون

جدائی مین بہا کرتے ہین آنسو
یہ خون آرزو ہے اور مین ہون

پڑا ہے آسمان سے اب تو پالا
مقابل یہ عدو ہے اور مین ہون

دیار دوست سے آتی ہے شاید
نسیم مشکبو ہے اور مین ہون

پڑی چھپا کلی ہے بن کے پھانسی
غضب طوق گلو ہے اور مین ہون

ہزارون ولولے ہین دل مین اُٹھتے
خیال آبرو ہے اور مین ہون

---

[۱] یہان اُردو کے معنی لشکر کے ہین ۱۲

کلیجہ پک گیا سوزِ نہاں سے　　مرا دم گھٹ گیا ضبطِ فغاں سے
کوئی پردہ ہے جینے سے لپنے　　خبر کر دو یہ مرگِ ناگہاں سے
نہیں ہیں غنچہ کشتیں اب تو راتیں　　وہ حالت ہے جو خارج ہے بیاں سے
اسی حسرت میں ہوں خاموش رہتی　　نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے
وہ سب ہوتی ہیں نازل میرے سر پہ　　بلائیں آتی ہیں جو آسماں سے
لبوں پر ہیں تکلم سوز آہیں　　دھواں اٹھتا ہے میری داستاں سے
وہ گو مجھ سے ہیں کوسوں دور بیٹھے　　مگر نزدیک ہیں وہم و گماں سے
وہ ہیں اور ملکوں ملکوں کا تماشا　　یہاں محروم ہوں لطفِ جہاں سے

ذرا دیکھیں وہ آ کر میری حالت
مگر اُن کو میں لے آؤں کہاں سے

یہی بنیاد ہے اب زندگی کی　　بسی ہے آرزو دل میں کسی کی
کلیجہ ہو گیا ہے راکھ جل کر　　کہوں کیا میں کہ جو حالت ہے جی کی
شگفتہ بخت میرا بھی کبھی تھا　　کبھی میں بھی تھی صورت خرمی کی
مگر اب تو یہ حالت ہے کہ برسوں　　نہیں ہوں دیکھتی صورت ہنسی کی
اگر ہے اب تو سب ہے میری دنیا　　بروگن بن رہی ہوں اپنے پی کی
بنی ہوں میں سراپا عالمِ یاس　　بنی تصویر ہوں میں بیکسی کی
بچی کو میرے کوسوں دور کر کے　　فلک کو مجھ سے سوجھی دشمنی کی
کسی کی یاد نے زندہ رکھا ہے　　وگرنہ مر چکی ہوتی کبھی کی

تصور رات دن رہتا ہے اُن کا
یہی ہے اک دوا دل کی لگی کی

سناؤں کس کو میں اپنی کہانی　　دکھاؤں کس کو یہ آتش فشانی
ملی ہیں خاک میں کیا کیا امنگیں　　یونہیں تنہائی میں گزری جوانی
جوانی جب گئی ہاتھوں سے اپنے　　تو پھر کس کام کی ہے زندگانی
ہوئی ہمجولیوں سے دل کو نفرت　　نہیں بھاتی ہے اُن کی گلفشانی
ہوا جذبات کو روکوں میں کب تک　　کروں کب تک میں اُنکی پاسبانی

وہ آئیں اور آ کر میری سن لیں　　تب مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبانی
زباں پر آئیں گی سب دل کی باتیں　　ادائے خاص میں ہو گی کہانی
غرض اک چیز ہو گی دیکھنا تو　　کہانی میری اور میری زبانی

اُسی سے اپنا دل بہلا رہی ہوں
تصور اُن کا ہے اُن کی نشانی

کہوں میں کیا کہ میرے دل میں کیا ہے　　کسی کا دھیان اِس دل میں بسا ہے
لئے بیٹھی رہوں اُن کا تصور　　یہی اب زندگی کا مدعا ہے
جھجک جاتی ہوں اکثر دیکھ کر میں　　مقابل کوئی آنکھوں کے کھڑا ہے
کہا کرتی تھی جو ہمجولیوں سے　　وہی اب میرے آگے آ گیا ہے
انہیں کی جلی آفت کی ماری　　کہ دن جو کچھ میں خود کو سب بجا ہے
لگا رکھی ہیں آنکھیں دیکھنے کو　　نہیں اب مجھ میں باقی کچھ رہا ہے
نہیں معلوم وہ آئیں گے کب تک　　نہیں معلوم اُنکے جی میں کیا ہے
یہ ممکن ہی نہیں وہ مجھ کو بھولیں　　جب اُن کی یاد یاں صبح و مسا ہے

ہے جب تک سانس باقی آس باقی
یہی اک آس اپنا آسرا ہے

رباعیات اوج

در پر ترے اوج دل فگار آیا ہے　　جرم و عصیاں سے شرمسار آیا ہے
اے ابرِ کرم داغِ معاصی دھو دے　　بخشش کے لئے گناہگار آیا ہے

ویرانۂ دل کو باغِ امید بنا　　ہر داغِ جگر بہارِ جاوید بنا
اپنے لطف و کرم سے اے ربِّ قدیر　　اِس ذرۂ بے نور کو خورشید بنا

شاداب ریاضت کا شجر ہوتا ہے　　پیدا گُل محنت سے ثمر ہوتا ہے
تعلیم ہی سے عقل کو ہوتا ہے فروغ　　جوہری سے خوش آب گہر ہوتا ہے

نتیجہ فکر انجام

یہ حسن و شباب و کبر و نخوت کب تک
یہ شان و شکوہ و جاہ و ثروت کب تک

مانند حباب ہستی انسان ہو
ہشیار اوج خواب غفلت کب تک

گنجینۂ اسرار نہانی ہے علم
سرچشمۂ آب زندگانی ہے علم

بے علم نہیں ہوتی ہے کچھ قدر بشر
سرمایۂ عمر جاودانی ہے علم

آنکھوں سے وہ جشن خسروانہ دیکھا
اقبال و ادبار کا زمانہ دیکھا

شادی کو قرار ہے نہ غم ہی کو قیام
سب نقش بر آب کارخانہ دیکھا

اوج (گیاوی)

جگنو!

صبح کو جب یہ زمین و آسمان
شدت گرما سے تھے آتش بجان

تو کہیں آیا نہیں مجھکو نظر
اور نہ یہ تیرے پر آتش نشان

ہو مبدل اب جو یہ رنگ فلک
اور شعاعوں کا نہیں نام و نشان

دیکھتا ہوں تجھکو آتش زیر پا
اور ہوں تیرے لئے ہر دم تپان

آہ ! یہ میری حیات مستعار
اور میری الفت ناپائدار

جبکہ دونوں مجھ سے ہو جائیں دو
اور میں ہو جاؤں پریشاں روزگار

تب یہ ہلکی سی خوشی کی اک جھلک
ہو درخشاں تجھ میں جو برقی شرار

قلب محزون اور دل تاریک پر
روشنی ڈالے گا اپنی شمع وار

گو نہ دے گرمی وہ قلب سرد کو
دور کر دے گا مگر اس درد کو

(مسز ہینس) اختر (جوناگڑھی)

فکر انجام

یہ دنیا کا ہو چند روزہ قیام
بھلائی میں گزرے تو ہو خوب کام

نہیں اپنی ہستی کا کچھ اعتبار
کہ ہو عارضی اس چمن کی بہار

ہمیشہ یہاں ہمکو رہنا نہیں
ہیں دو دن کے مہمان کل و کہیں

کئی آئے بھی اور کئی جا چکے
خوشی عارضی اپنی دکھلا چکے

گئی فصل گل اور خزان آگئی
خوشی کی کلی جلد مرجھا گئی

نہیں کوئی عالم میں آخر رہا
یہی طور اس کا ہولا غررہا

یہ عالم سے جی کو لگا یا عبث
یہ کیوں داغ حسرت کا کھایا عبث

کیا ہمنے دنیائے فانی کو پیار
نہ سوچا کہ ہے چند روزہ بہار

نہ تخمینہ کوئی ہی بو یا یہاں
کہ وقت اپنا غفلت میں کھویا یہاں

ہے عبرت کی عالم پہ چشم نظر
کہ ہے سب کو اک روز کرنا سفر

عزیزوں کو میرے رہے یہ خیال
کریں وہ نہ میرے لئے کچھ ملال

نہ آنسو بہائیں مرے مرنے پر
گناہوں سے میری بچیں ہو کر

نہ ماتم کریں وہ مری موت پر
کریں اپنے چلنے کی فکریں مگر

رباعی صبر دہلوی

العصر رنگ شادمانی آیا
یعنی یہ لباس زعفرانی آیا

ارباب سخن کی بھر آئی امید
صد شکر کہ سوکھے دھانوں پانی آیا

معذرت ۔ تصویر خواب گاہ وقت پر چھپکر نہ آسکی ۔ زیادہ انتظار نامناسب سمجھا گیا لہذا پرچہ بلا تصویر روانہ ہوتا ہے ۔ تصویر آئندہ نمبر کے ساتھ بھیجدی جائیگی (ایڈیٹر)

تازہ غزلیں

۱۔ سید الشعراء حضرت ضمیم بلند شہری

لب ساحل ہوں میں شوخی موج تقدیر ہنستی ہے
حباب آبجو پیچ کی زنجیر ہنستی ہے

طلسم غم ہے یا رب کیا خیال آرزو میرا
میں روتا ہوں تو مجھ پر خواب کی تعبیر ہنستی ہے

الٰہی آبرو رہ جائے میرے ہاتھ اٹھانے کی
دعائیں مانگتا ہوں رو کے میں تاثیر ہنستی ہے

سلام اس عشق کے انجام کو بس ہم تو بھر پائے
مآل کار پر آغاز کی تقدیر ہنستی ہے

بلائے جان ہیں خلوت میں بھی غمزہ و ادائے شوخی
تصور میں بھی دل لیکر تری تصویر ہنستی ہے

صدا جھنکار کی آئی تو وحشت نے کہا مجھ سے
تری رفتار کی آواز پر زنجیر ہنستی ہے

تم اور آئینہ تم اور غیر صدقے ایسے نقشے کے
یہ صورت ہے کہ دنیا دیکھکر تصویر ہنستی ہے

پہن کر قول دو پھولوں میں دیوانو بہار آئی
رنگیلی رُت ہے زر سوں ہیں کے یہ تقریر ہنستی ہے

ادھر بھی دیکھ تیری ناوک اندوز کے صدقے
ادا کیونکر کلیجہ پر لگا کے تیر ہنستی ہے

یہ نازک ہاتھ اور یہ تیغ ہیں اور سخت جاں مجھ سا
تمھاری ہی ادا تم پر دم تکبیر ہنستی ہے

طلسم زعفران نکلا مری آنکھوں کے یرقاں میں
میں روتا ہوں بہار خطۂ کشمیر ہنستی ہے

صد دیوار گرتے ہیں صدائے قہقہہ سن کے
یہ ناز بے محل تھا لے کہیں تعمیر ہنستی ہے

ضمیم اس رنگ کی دنیا مجھی کو داد کیا دیگی
وہ سن سن کر کلام مصحفی و میر ہنستی ہے

۲۔ سید نظیر حسین صاحب نظیر لکھنوی

دکھلا دے جھلک نقاب والے
کب تک یہ حیا حجاب والے

ہو عشق میں صبر کی ضرورت
پچھتائیں گے اضطراب والے

بس ایسے ہیں وصل کے تصور
جیسے ہوں خیال خواب والے

وہ شوخ کرے گا سیر مدفن
کچھ سو رہیں اور خواب والے

بے فیض امیروں میں ناکام
جیسے آئینے آب والے

تھمتی ہوئی آہ اے دل زار
بے پردہ نہ ہوں حجاب والے

دنیا برباد ہو نہ جائے
غصہ کم کر عتاب والے

ملکوں میں چُن لیا مراد دل
صد آفرین انتخاب والے

کچھ اپنے مآل پر بھی کر غور
اے گرد سے اجتناب والے

بے مثل و نظیر ہے تری ذات
اے میرے احد خطاب والے

۳۔ بابو سوہن لال صاحب ایم اے المتخلص شفیقہ

دل کہاں سے کہاں کو جا نکلا
تم تو تم وہ بھی بے وفا نکلا

ہے اُس بت کی دیکھ لی تصویر
پردۂ حسن میں خدا نکلا

ہاتھ قاتل کا جب پڑا بھرپور
زخم کے منہ سے مرحبا نکلا

غیر کے ساتھ اور یہ رسوائی
نام یہ آپ کا بُرا نکلا

طول غم قصۂ شب تاریک
قید گیسو کا ماجرا نکلا

جس کو سمجھے تھے ہم تجلی طور
وہ ترا جلوۂ ادا نکلا

شرم کیا یا نہ تھی گناہوں سے
در توبہ مگر کھلا نکلا

دیکھے دل لے چلا حسینوں سے
شفیقہ تو بھی منچلا نکلا

۴۔ مولوی حسن عسکری صاحب عسکری ایم اے

کوئی ارمان مرے جی کا کب اے ہمدم نکلتا ہے
جو نکلا بھی تو دل سے نالۂ پُر غم نکلتا ہے

لئے اشکوں کو دل سے یوں کسی کا غم نکلتا ہے
کوئی بیتاب جیسے صاحب ماتم نکلتا ہے

مری آنکھوں سے یہ آنسو نہیں پیہم نکلتا ہے
تپ ہجراں میں گھل گھل کر دل پُر غم نکلتا ہے

جو لیکر ہاتھ میں خنجر بت ظالم نکلتا ہے
تو مشتاق شہادت ہو کے اک عالم نکلتا ہے

ذرا دیکھے ہم تو یہ کچھ ضبط گریہ کا نہیں باعث
سوا جب درد ہوتا ہے تو آنسو کم نکلتا ہے

میں اُن سے درد دل کہتا ہوں حیلوں سے بہانوں سے
محبت کا کبھی جو تذکرہ باہم نکلتا ہے

فلک تجھ پر پڑا ہے صبر جیسے غم رسیدہ کا
مگر کیا تاک سیدھی ہو کہیں یہ خم نکلتا ہے

میں سودائی ہوں اُن کے زلف کا مضمون سن کیونکر
الجھتی ہے طبیعت جب یہ پیچ و خم نکلتا ہے

جمال افروز ہے فضل الٰہی سے ہلال نکلا
حسینوں کے گروں میں بھی اک عالم نکلتا ہے

مری لاشہ پہ خود آئے ہیں وہ کھولے ہوئے گیسو
جنازہ عاشقوں کا کس طرح بھی کم نکلتا ہے

جو یقہ ہو مراد دل دیکھ لو تم ہر طرح اسکو صفائی پہلے ہو جائے تو جھگڑا کم نکلتا ہی

جہان مین عسکری رنج و الم سے چھوٹنا کیسا

کہ مر کر قید ہستی سے اسیر غم نکلتا ہی

۵۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری

باہر نظر آتا نہین گھر پر نہین ملتا مطلب ہے تمنا تو ستمگر نہین ملتا

کچھ چین ہمین قبر کے اندر نہین ملتا سچ ہے نہ ہو قسمت مین تو مر کر نہین ملتا

پر کیف ہی کیا نرگس مستانہ کی گردش سرشار ہین وہ بھی جنھین ساغر نہین ملتا

بس اُس نے یہ پوچھا تھا کہ کیا حال ہی تیرا اتنے پہ مزاج دل مضطر نہین ملتا

دل تجکو مبارک یہ خلش تیر مژہ کی رہتی تھی جو بے وجہ نشتر نہین ملتا

آتی نہین کیفیت سرمستی و رندی جب تک کہ ترے ہاتھ سے ساغر نہین ملتا

کیا لطف ہی ہون بیخودی شوق مین جو گم اور اُس سے یہ کہتا ہون ترا گھر نہین ملتا

کیا خوب ہوا حسرت دیدار کا انجام محشر مین بھی وہ فتنۂ محشر نہین ملتا

مین بوسۂ لب لیکے جو دشنام نہ پاؤن کچھ ذائقۂ قند مکرر نہین ملتا

کیون بیٹھ رہین توڑ کے یون پائے طلب ہم دیکھین گے ذرا ہم بھی وہ کیونکر نہین ملتا

فرمائین وہ کیا مشق ستم اور کسی پر مجھ سا کوئی آزار کا خوگر نہین ملتا

اسدرجہ ہوئی کاہش رنجوری الفت بستر پہ ہمارا تن لاغر نہین ملتا

کیا سوچ کے فاروق ہم اُن بزم مین جائین

اُسکو تو یہ نخوت ہی کہ اُٹھکر نہین ملتا

۶۔ سید علی رضا صاحب ماہر کنتوری

کیون نصیب دشمنان کیا طبع کچھ ناساز ہی درد اُٹھتا دل مین ہی یہ بھی ہوئی آواز ہی

آنکھ اوڑتی ہی تو یہ کہتی نگاہ ناز ہے پھر وہی ہین چھیڑ کی باتین وہی انداز ہی

دل الجھتے ہین انھو نسے شرماتے بھی ہین کچھ ادا کی ہمین سازش کچھ حیا کا ساز ہی

تیغ ابرو نے کیا بسمل دل بیتاب کو اور پھر چھریان لیئے اُس پر نگاہ ناز ہی

داستان سنکر مری ہنستے بھی ہین روتے بھی ہین درد ہی ہر بات مین کچھ سوز ہی کچھ ساز ہی

خیر مری اب نہین ہر بار کہتا ہی یہ دل دیکھتا ہون جسکو محفل مین شریک راز ہی

تیغ کیون کھینچے ہوئے ہر ہر ادا ہی بزم مین چٹکیان کیون لے رہی ہین نگاہ ناز ہی

میری مرنے کی خوشی بھی ہی انھین اور رنج بھی خندہ زیر لب بھی ہی اور غمزہ غماز ہی

فصل گل آئی مگر ہی پرشکستہ عندلیب چٹکیان لیتی جگر مین حسرت پرواز ہی

ہجر کی شب مین تری تصویر بلاتی ہی دل شعبدہ ہی یہ فسون پرواز یا اعجاز ہی

فتنے اُٹھین گے مری نقش قدم سے راہ مین حشر سے یہ کہہ رہی اُسکی خرام ناز ہی

ہیو فا کہتے ہین اُسکو آپ جو ہو سر بکف بھاگ جائے وقت پر جو وہ بڑا جانباز ہی

چھیڑ کی باتین ہین باہم کچھ گل و بلبل مین آج عاشق و معشوق مین گویا غضب کا راز ہی

چھیڑنے سے بھی نہین آتی ہی تیزی مین امنگ نغمے کیونکر ٹھیک ہون بگڑا ہوا سب ساز ہی

ایکدل ہی لوٹنے والے ہزارون کیا کرون ناز مین پنہان ادا ہر ہر ادا مین ناز ہی

آپنے ماہر دکھایا خوب ہی کامل کا رنگ

اس غزل کا شفق مین کچھ نیا انداز ہی

۷۔ پیارے لال شاکر (میرٹھی) ایڈیٹر العصر، لکھنؤ

آہ اے تیری یاد کو ہم کیا کرین دل ہی کھا بیٹھی ہمین ہم کیا کرین

آنے والے جا ہین گے اِک دن ضرور پھر کسی کی مرگ کا غم کیا کرین

مر رہے ہین آپ اپنے غم مین ہم غیر کے مرنے کا ماتم کیا کرین

پہلے غم کھایا کیے ہم رات دن اب ہمین کھانے لگا غم کیا کرین

ایک بھی آنسو نہ نکلا وقت پر اعتبار چشم پُر نم کیا کرین

دشمن جان بن گیا کمبخت دل رکھ کے پہلو مین اسے ہم کیا کرین

لکھ کے حال اپنی پریشانی کا ہم دل کی جمعیت کو برہم کیا کرین

غنچۂ اُمید کھلنے سے رہا اشکریزی مثل شبنم کیا کرین

لطف کچھ ملتا ہی اس کے درد مین رکھ کے زخم دل پہ مرہم کیا کرین

تو ہی اے اُفتادگی اب ساتھ دے قافلہ آگے گیا ہم کیا کرین

کامیابی کی اُمیدین مٹ گئین کوششین کہتی ہین اب ہم کیا کرین

جو یگانے تھے وہ بیگانے بنے کوئی مونس ہی نہ ہمدم کیا کرین

ساتھ جب شاکر نہ کچھ بھی جائیگا جمع پھر دینار و درہم کیا کرین

العصر

ہر ماہ کے اخیر میں دفتر العصر لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

قسم اول: سالانہ للعہ۔ ششماہی عہ۔ فی پرچہ ۷ر
قسم دوم: سالانہ ۓ۔ ششماہی عہ۔ فی پرچہ ۵ر
ممالک غیر سے چہ اور ۓ سالانہ علی الترتیب۔

(یہ شرح صرف عوام کے لیے ہے۔ جو حضرات بنظر ہمدردی جو کچھ عنایت فرمائیں)
چندہ بہ پیشگی ارسال کیا جائے، مابعد کا حساب نہیں۔
نمونہ کے لیے مقررہ قیمت بھیجنا چاہیے بمفت ارسال نہوگا۔
خط وکتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے۔
جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

قلمی معاونین سے التماس

(۱) کاغذ کے صرف ایک جانب لکھیں۔
(۲) مضامین صاف تحریر فرمائیں کہ پڑھنے میں دقت نہ ہو
(۳) مضمون تحریر فرماتے وقت نصف صفحہ سے کچھ کم حاشیہ چھوڑ دیا کریں
(۴) جو مضامین معاوضہ کی غرض سے ارسال کیے جائیں اُنکے متعلق صاف طور پر اطلاع دینا چاہیے ورنہ بعد اندراج معاوضہ کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہوگا۔
(۵) جس مضمون کے ساتھ تصویر وغیرہ کی ضرورت ہو اُسکا خود انتظام فرمائیں
(۶) معاوضہ صرف اعلیٰ علمی وادبی مضامین کے لیے دیا جائے گا۔ اسمیں بھی اورنجیل مضامین کی تخصیص ہے۔

اگر سب حضرات ان ہدایات کو ملحوظ رکھیں تو ایڈیٹر کا بہت سا وقت جو رائگان جاتا ہے بچ رہا کرے گا۔

جملہ خط وکتابت ذیل کے پتہ پر ہونا چاہیے
پیارے لال شاکر (میرٹھی) مالک وایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ

العصر جلد اول

جس میں ساٹھ سے زائد نامور اہل قلم کے تقریباً پچاسی مضامین نظم ونثر درج ہیں۔ اور تین نادر ونایاب تصاویر شامل ہیں۔ حجم علاوہ تصاویر پونے تین سو صفحات۔ بہت کم جلدیں باقی ہیں جلد طلب فرمائیے ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ قیمت مع محصول صرف عہ دو روپیہ
قسم دوم کی بھی کچھ مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت مع محصول ایک روپیہ بارہ آنہ۔
جلد اول کے مختلف پرچے بحساب ۶ر و ۴ر فی نمبر مل سکتے ہیں۔ ہر پرچہ بجائے خود مکمل ہے۔

المشتہر: منیجر "العصر" لکھنؤ

بڑے دعوے کا اعلان

مندرجۂ ذیل سنگلاخ کتابیں کوئی حل نہ کرسکا۔ میں نے پتھروں کو پانی کرکے بہا دیا سب حل ایسے ہیں شعر کے بعد لغت کا انکشاف ہے پھر شگفتہ وسلیس شرح ہے۔
حل قصائد خاقانی کورس منشی فاضل ۱مہ قیمت حصۂ اول ۱مہ حصۂ دوم عہ مگر دونوں حصوں کے خریدار سے مع محصول ہے۔ **حل قصائد خاقانی** کورس منشی عالم وبی اے ۱مہ **حل نکات** مولانا محمد عبد القادر بیدل مرحوم ۱مہ **حل کلیات اُردو** مرزا غالب دہلوی مرحوم ۱مہ **حل قصائد فارسی** کورس جدید بی اے الہ آباد یونیورسٹی۔ قصائد عرفی قصائد خاقانی غزلیات صائب قصائد حکیم سنائی کا حل زیر طبع ہے پیشگی قیمت عہ بعد طبع ۱مہ

شعرا کو اعلان عام جو صاحب فارسی عربی اُردو بھاشا میں کامل شاعر بننا چاہیں نیز کہ معمولی اور جو صاحب نادل دیوان وغیرہ نظم ونثر کو اغلاط سے پاک کرنا اور بامحاورہ بنانا چاہیں پہلے اپنا کلام نمونہ اصلاح کے لیے بھیجیں پھر داخلہ اور فیس کا فیصلہ کر لیا پست کلام کو بلند اور بلند کو بلند تر کردیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مجدد السنۂ مشرقیہ سید احمد حسن شوکت میرٹھ

امرت پروا۔ آب حیات یا کایا پلٹ

کے بارہ مین دُنیا کے حکیمون ڈاکٹرون اور مایوس مریضون کی کیا رائے ہے؟

اور کن کن امراض کو دور کرتا ہے۔ مریضون کے الفاظ مین معہ پتہ درج کرتا ہون۔ سو دو سو نہیں ہزار دو ہزار نہیں بلکہ لاکھون ہندو مسلمان عیسائی ڈاکٹر یورپین معترف ہین کہ علاج امراض کا اور اتفاقی حادثات کا قطعی اور شرطیہ علاج ہے۔

سل دق کھانسی سات ماہ کی صرف چند روز مین دور ہوا

عالیجناب ہز ہائنس نواب سر میر فیض محمد خانصاحب بہادر کے سی ایس آئی والی ریاست خیرپور سندھ، سرکے غلام رسول عرصہ سات ماہ سے بعارضہ بخار لازمی جو ۱۰۲ درجہ تھا ہمیشہ بستر پر رہتا تھا اور رات کے علاوہ کھانسی ایسی شدید تھی کہ سونا بیٹھنا حرام ہو گیا تھا چونکہ سرکے ممدوح اپنے آقائے نامدار میر احمد علیخان کی خدمت مین شب و روز رہتا تھا اور کھانا پینا ان کے ساتھ رکھتا تھا جن کے معالجہ کے لیے یورپین ڈاکٹر معالجہ کرتے رہے۔ میر ممدوح مدقوق تھا کوئی چارہ نہ چلا اور وہ فوت ہو گیا۔ تمام طبیبون اور ڈاکٹرون نے متفق ہو کر کہہ دیا تھا کہ سرکے غلام رسول بھی اسی مرض مین مبتلا ہو گیا ہے۔ آخر جب تمام معالجات سے تنگ آ کر حالت مایوسی سرکار اعلی بامدار والی ریاست نے

حکیم غلام نبی زبدۃ الحکما، لاہور

کو جو جامع علوم ڈاکٹری و یونانی اور ماہر فنون ہر دو طب ہین برائے معالجہ طلب فرمایا۔

آب حیات کرشمۂ قدرت

زبدۃ الحکما موصوف نے کہا کہ مقدمہ سل ہے اور جگر بھی بڑھ گیا ہے۔ صرف ۔ اقطرے آبحیات سو دفعہ دینے شروع کیے اور تمام ادویہ انگریزی و یونانی ترک کرا دین۔ سات ماہ کا بخار اور کھانسی سات ہی روز جاتی رہی +

العبد خان بہادر رسول بخش خان نائب وزیر ریاست خیرپور سندھ

الغرض آبحیات کی شیشی ہر گھر مین موجود ہونی ضروری ہے سفر و حضر مین کام آتی ہے ڈاکٹر کی ضرورت ہے نہ طبیب کی بیسیون امراض کی ایک ہی تیر بہدف دوا ہے جو بلا ضرر و تکلیف کے قطع دیتی ہے (مینیجر)

موسی خان جنرل مرچنٹ گنڈھ پوسٹ ریاست پٹیالہ دیکھئے آب حیات نے اس قدر فائدہ بخشا ہے کہ یا مردہ کو زندہ کر دیا ہے ایک آدمی دریا مین ڈوب گیا جب باہر لایا گیا تو لوگون نے کہا کہ مردہ ہے مین نے تین تین قطرے آبحیات دو دو دفعہ دیا جس سے وہ مردہ سے زندہ ہو گیا آب حیات واقعی لاجواب دوائی ہے۔

محمد فیاض الدین نائب ناظر حیدرآباد دکن۔ آبحیات کی بہت مریضون پر آزمائش کی گئی ہے اسنے اپنا جادو کا اثر دکھایا واقعی آپ کا بلا مبالغہ ہر ایک شیشی اور مجربات ہی

غلام احمد تاجر کتب بھوپال پیچش اور دستون کو جو ہر روز آتے تھے آپ کی دوا آب حیات کو فوراً آرام ہوا۔

فرخ حسین ڈپٹی انسپکٹر مجدانیا آب حیات عجیب چیز ہے جب نزلہ زور کرتا ہے تو کھا لیتا ہوں درد دانت مین بہت فائدہ کرتا ہے اور درد پسلی مین دو دفعہ کھایا اور لگایا۔ درد جاتا رہا واقعی عمدہ ہے۔

خواجہ ناظم لعت سید ناظم علما محبوب آباد دکن ضلع بیٹر ایک لڑکا دورہ سے درد سر قبض دستی مین مبتلا تھا پہلی خوراک مین درد سر اور بخار رفع ہوا اور دوسری تیسری خوراک مین بالکل آرام ہو گیا ایک شخص کو ۲ خوراک سے سرسام سے نجات ملی اسی طرح درد سر اور بچھو کاٹنے کے کئی مریض ہنستے ہنستے اور ہنستے چلے گئے واقعی آب حیات اکسیر اعظم ہے۔

اسقدر معزز و مستند اسناد کے بعد کیا مین دعوی کر سکتا ہون کہ یہ دوا مجرب و سریع الاثر ہے **قیمت** فی شیشی ۸ ع، آدھی درجن ۵ ع، ایک درجن ۹ ع ر سارٹیفکٹ و مفصل حال کے لیے کتاب آب حیات مفت۔

پتہ:۔ شاہی سند یافتہ زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی مصنف سلسلہ لطف زندگانی و ایڈیٹر رسالہ حفظ صحت۔ لاہور

شاکر بریلی نے منروا پریس لکھنؤ (دفتر العصر) سے شائع کیا

جلد ۴ نمبر ۴ و ۵

العصر

اپریل و مئی ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

تصاویر:- (۱) نواب عماد الملک بہادر (۲) سید الشعرا حضرت ضمیم (۳) سرسوتی ستیہ بالا دیوی (۴) خواب گاہ

۱- سائنٹفک اعداد اور راہنمائیاں (ترجمہ) زین العابدین صاحب بی اے ایم ایس سی ۱۷۳
۲- مبادی حیات - منشی تیرتھ رام صاحب فیروزپوری - ... ۱۸۹
۳- خاقانی ہند ذوق مغفور - مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہ پوری - ۱۹۴
۴- حرارت - پادری پی کیول سنگھ صاحب امرتسری ... ۲۰۲
۵- آنریبل نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی سی ایس آئی ۲۰۴
۶- جاپان میں بچوں کی تعلیم - منشی موہن لال صاحب فہم لکھنوی ۲۱۰
۷- فاتح بنگال - (قصیدہ) حکیم ظفر حسین صاحب اظہر دہلوی ... ۲۱۵
۸- تنقید کتب - "سید القلم" ... ۲۲۲
۹- سحر بنگالہ - قاضی احمد میاں صاحب اختر (جوناگڑھی) .. ۲۳۰
۱۰- رباعیات کوثر - حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر (نیر آبادی) - ۲۳۱
۱۱- اولاد - سید الشعرا حضرت ضمیم (ابند شہری) ... ۲۳۱
۱۲- کلام جاوید - مولانا سید محمد کاظم صاحب جاوید لکھنوی .. ۲۳۲
۱۳- نشاط و ارپسین - منشی صفدر علی صاحب صفدر (مرزاپوری) ۲۳۲
۱۴- گھولے کا راگ - سید محمد یوسف صاحب قیصر ... ۲۳۳
۱۵- آئینہ حیرت - سید علی رضا صاحب یاسر (کنتوری) ... ۲۳۳
۱۶- شام - قاضی احمد میاں صاحب اختر (جوناگڑھی) ... ۲۳۴
۱۷- رباعیات - سید علی رضا صاحب ماہر (کنتوری) ... ۶
۱۸- تازہ غزلیں ۲۳۴

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔
(۲) اسکی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے ۵ مع محصول۔
(۳) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے مابعد کا حساب نہیں۔
(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیئے۔
(۵) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدھ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
(۶) ترسیل زر درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔
(۷) مضامین بغرض اندراج رسالہ ریویو کے لیے کتابیں تبادلہ کے اخبارات و رسایل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیے جائیں۔
(۸) العصر میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا تاہم مضامین بھی نہ لیے جائیں گے۔
(۹) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا مگر اس میں ادبی تخیل مضامین کی تخصیص ہے۔

زبان اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ (حصہ اول) علوم طبعیہ کی ان تمام دریافتون اور ایجادون کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر اٹھاروین صدی تک وقتاً فوقتاً عمل مین آتی رہین۔ سیارون، ستارون، بجلی، کہربا، برق، ہوائی وزن، چشمون تشریح نباتات وحیوانات، کیمیاے عضوی، کیمیائی تجربات قطب نما، نظام شمسی حیوانات ونباتات کی درجہ بندی، مقناطیس، سیجک لالٹین، آفتاب کے داغ وغیرہ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا دریافتون مین قدیم وجدید حکما تالیس، فیثاغورث، بطلیموس، ارسطو، جابر ابن الحسن، موسیٰ شیکن، کوپرنیکس، واسکوڈیگاما، سر رابرٹ بوئل، جیمس واٹ، فرینکلن، گالیلو، لاپلیس، ڈریپر وغیرہ نے کیا کیا حصہ لیا تھا۔ مفید کتاب ہے (با تصویر) قیمت عہ،

علوم طبعیہ کی تاریخ (حصہ دوم) دریافت انیسوین صدی۔ اس مفید کتاب مین سیارون اور ستارون کے حالات، تعرض، نوج، انحلال النور، روشنی کا رنگ و رفتار، فوٹوگرافی، حرارت وقوت کے مسائل، علم مقناطیس وحرارت کا تعلق ومسائل، آفتاب کے داغ، گیس کے ذرات اور انکی تحلیل، تجربہ کہربائیہ کیمیاوی نسبت واجزاے مرکبات، تبدیل صورت وتولید علم ہیولیٰ، مسائل علم الارض وعلم ترکیب مجرئیات کے متعلق نہایت تفصیل اور تشریح کے ساتھ بحث کرکے تمام مسائل ذہن نشین کیے گئے ہین۔ علاوہ ازین انیسوین صدی کے تقریباً تمام سائنس دانون مثل سرجان ہرشل، سرولیم ہرشل، ایمپری، ڈریپر، سیمک، ہرشوابی، ہلیری، ڈارون وغیرہ کی مسائل مذکورہ ہین محققانہ کوششون کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیمت - ۱۲/

دونون حصے مجلد یک جائی، قیمت - ؎،

عجیب وغریب صدی۔ دی ونڈرفل سنچری ریڈر مصنفہ الفریڈ رسل والس کا اُردو ترجمہ۔ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیے۔ اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی مین حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہین۔ حرارت روشنی، اور برق نے جو عجیب کام برّی اور بحری دنیا مین کیے ہین وہ عام طور پر اس مین مندرج ہین۔ علاوہ برین آتش فشان پہاڑون، اجسام فلکی، علم الارض، اور مسئلہ ارتقا کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہونچائے گئے ہین۔ حجم ۳۰۰ صفحات۔ قیمت ۹/

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب جسمین چاند سورج، ستارون، سیارون، دمدار تارون ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری، انکی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین۔ زمین پر رہکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ملاحظہ فرمائین۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف ۸/

حیات شمع۔ جسمین شمع کی لو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہین، شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت، کوئلہ، کوئلہ کی گیس، کاربونک ایسڈ، ہیڈروجن، نائٹروجن آکسیجن وغیرہ کے افعال وخواص اور وزن وماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین۔ قیمت ۶/

پھولون کی کہانی۔ جسمین پھول کے اعضا افعال خواص بناوٹ، اصطلاحی نام، درجہ بندی تولید، شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے، رہنے سہنے وغیرہ کے مفصل اور دلچسپ باتصویر حالات قیمت ۸/

مشرق کی نابود شدہ تہذیب۔ کتاب کیا ہے، ایک عبرت کا دفتر ہے، یا یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہو بہو مرقع، جسمین یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج وزوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہے۔ نہایت قدیم اقوال مثلاً فینکی، حتی، بابلی، خالدی، اسوری عرب، ایرانی، مصری، یہودی، وغیرہ کے وہ تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب وشائستگی کا مسلمہ معیار سمجھے جاتے ہین قیمت ۶/

اصول پالیٹکس۔ تعریف نام سے ظاہر ہے، جو لوگ پالٹیکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین، مناسب ہے کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین۔ قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ:۔ سکریٹری منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ (اودھ)

تاریخ تمدن - مسٹر ہنری ٹامس بکل کی معرکۃ الآرا تصنیف "ہسٹری آف سولیزیشن" کا ترجمہ جسکو حسب فرمائش انجمن ترقی اردو منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم نے نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو میں کیا ہے۔ جابجا اپنی طرف سے کثرت سے نوٹ بھی دیے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک بسوط مقدمہ لکھکر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے جس سے مترجم کی خوش دماغی اور قابلیت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاتا قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

قدما کی حکمت - لارڈ ایولبری کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشینٹس" کا ترجمہ۔ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ قیمت ۶ر

رہنمائے تعلیم - یہ کتاب نوٹسن صاحب کی نہایت مفید و کارآمد کتاب سینچری آف ٹیکس گائیڈ سے تیار کی گئی ہے۔ اس میں تعلیم کے اصناف اور بہترین طریقوں پر بڑی خوبی اور وحدت سے بحث کی گئی ہے۔ معلمین و متعلمین دونوں کے کام کی چیز ہے۔ قیمت ۴ر

داستان مریخ - سیارہ مریخ کی جس قدر اسوقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰ر

مشاہیر عالم - دنیا میں جو مشہور اشخاص گذرے ہیں اس کتاب میں انھیں کا تذکرہ درج ہے۔ یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور دلچسپ ہے [illegible] کے مطالعہ سے نوجوانوں میں ہمت اور رفاہ عام کے کاموں کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی۔ قیمت ۸ر

طالبان حق - اس کتاب میں روم کے تین مشہور و معروف فلاسفروں یعنی (۱) سنیکا (۲) ایپک ٹیٹس اور (۳) مارکس اوریلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہیں۔ نہایت دلچسپ و سبق آموز کتاب ہے قیمت ۹ر

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر [illegible] کی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہو گیا۔ نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے۔
قیمت ہر دو جلد . . . . عہ

مصر کی کایا پلٹ - سر آکلنڈ کالون کی مشہور کتاب "میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ" کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہے۔ حجم ۴۲۲ صفحہ قیمت مجلد عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا۔ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جنکا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے۔ بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے قیمت عہ

تاریخ اودھ - مولفہ مولانا حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب ام پوری۔ یہ کتاب جو چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے اودھ کی مستند و مبسوط تاریخ ہے۔ اس سے بہتر اودھ کی کوئی تاریخ نہیں چھپی۔ قیمت ہر چہار جلد عہ مجلد کیلیے عہ لگا

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام - مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم جسمیں بعض یورپین علماء کے ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں جو انھوں نے اسلام پر کیے تھے ضمناً صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ مجتہدانہ بحث کی گئی ہے قیمت ہر دو جلد سے

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر - یہ مشہور سیاح بعہد شاہجہان و اورنگ زیب ہندوستان آیا تھا۔ اُسی کا یہ سفرنامہ ہے جسکو دو ضخیم جلدوں میں خلیفہ سید محمد حسین خان نے ترجمہ کیا ہے۔ نہایت دلچسپ کتاب ہے حجم ۵۴۰ صفحہ قیمت سے

نپولین اعظم - مترجمہ سید معین الدین صاحب۔ یہ کتاب بہتر کاغذ پر چھپی اور پانچ جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ اسکی عمدگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انجمن ترقی اردو نے اسکو چھپایا ہے۔ نپولین اعظم کے اوصاف مافوق العادت تھے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ پانچ جلدوں کا حجم ۲۲۰۰ صفحہ قیمت عہ مجلد عہ

شباب لکھنؤ - اس کتاب کے مولف و مترجم منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم ہیں۔ نہایت قابلیت کے ساتھ لکھنؤ کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیے دیکھنے کی چیز ہے قیمت عہ

مرقع ادب - ہندوستان کے مشہور انشاپردازوں اور محققین اساتذہ سخن کے نہایت دلچسپ و پر از معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ مع ان کے مختصر حالات کے۔ اس مرقع میں امیر، داغ، ریاض، جلیل، برہم، اکبر وغیرہ کے خطوط بڑی محنت سے تلاش کر کے یکجا کر دیے گئے ہیں قیمت عہ

زنونی - مصنفہ لارڈ لٹن۔ اس ناول کا نہ صرف ملک فرانس کے ملکی انقلابات سے خاص تعلق ہے بلکہ اس میں انسان کے اعلیٰ دماغی نشو و نما اور بالاستعداد طاقتوں کا ذکر کر کے بہت سے صوفیانہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ روحانی ناول ہے عہ

لعل حیلی - یہ کتاب میری کوریلی کی تصنیف ہی مصنفہ نے اسمین ایک روحانی مسئلے کو حل کرنیکی کوشش کی ہی۔ ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اُسکی وفات کے وقت ایسا محبوس کر لیتا ہی کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً اُسکو زندہ کرکے اُسکے ذریعے سے بہت سے کام نکالتا ہی۔ یہ ایک نہایت ہی عجیب قصہ ہی۔ عہ/

آنیوالی قوم - ایک دلچسپ اور علمی ناول جسمین زیرِ زمین دوزدنیا کی ایک قوم کے نہایت دلچسپ مفید اور سبق آموز حالات درج ہین قیمت ۶/

ڈاکٹر جیکشن اور میان جمید (یا دو جسم والا آدمی) یہ ایک ریا کار شخص کی زندگی کا عجیب و غریب مرقع، اور سبق آموز قصہ ہی۔ قیمت ۸/

نئے ملک کی تلاش چند نوجوانون کے انگلستان سے جنوبی امریکہ کے سفر و مصائب اور ممالک جنوبی امریکہ کے باشندون حیوانات نباتات اور دیگر عجائبات کے حالات نہایت دلچسپ طور سے ناول کے پیرایہ مین بیان کیے گئے ہین قیمت ۸/

ہند کی کایا پلٹ - لارڈ کلائو کے زمانہ کا ایک ناول جسمین انگریزون کے فرانسیسیون، نظام، سراج الدولہ، مرہٹون اور دیگر دیسی فرمانرواؤن کے ساتھ معرکہ آرائیان، فتح کے حالات، اور ہندوستان مین انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے مفصل حالات درج ہین قیمت ۸/

مونگے کا جزیرہ - دریائی سفر کا نہایت مفید اور دلچسپ بیان قیمت ۸/

روما الکبریٰ کی آتش زدگی - قیصر نیرو کے زمانہ یعنی پہلی صدی مسیحی کا ایک دلچسپ تاریخی ناول حجم ۱۸۴ صفحات قیمت مجلد ۱۰/ [illegible] ۱/

آدلیس - روما الکبریٰ کا ایک خالص واقعہ ناول کے پیرایہ مین بیان کیا گیا ہی نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہی قیمت ۸/

اوٹوپیا - اس ناول مین سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہلِ انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۱۴/

علمی کہانیان - اردو زبان مین اپنی طرز کی پہلی کتاب ہی کہانیون یا مکالمون مین بہت سی ایجادون اور علوم و فنون کے اصول بیان کر دیئے گئے ہین۔ یہ کتاب خورد و کلان سب کے مطالعہ کے قابل ہی۔ دماغ کو روشن اور ایجاد و اختراع کی طرف مائل کرتی ہی۔ قیمت ۸/

طلسمِ انگلستان - انگلستان کے مشہور ناولسٹ سر والٹر اسکاٹ کے مشہورِ عالم ناول ٹلسمان، کا ترجمہ جسمین مجاہدین صلیب اور سرفروشانِ اسلام کی معرکہ آرائیون کے مفصل اور نہایت دلچسپ تاریخی حالات درج ہین قیمت ۸/

جولیس کی کشمکش - نہایت دلچسپ اور پرتاثیر ناول ہی قیمت ۶/

سوانح عمری پیغمبرِ عالم - حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اسوقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین۔ اردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن پیغمبرِ عالم اس لحاظ سے خاص تعریف و قدردانی کی مستحق ہی کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمر نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طور سے درج کئے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ ضخامت ۲۵۰ صفحہ قیمت صرف عہ/

السنہ مشرقیہ - عربی فارسی اور سنسکرت کی جامع تاریخ از منشی محمد شفیع الدین خان مراد آبادی۔ قیمت ۶/

اکسیرِ سخن - مہاکوی کالیداس کی موسمی نظمون (رتو سنگھار) کا اردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور فسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہم کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہی اور آپکی تصویر بھی شامل ہی، نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہی۔ یہ کتاب اس قابل ہی کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے قیمت صرف ۶/

مکتوبات امیر - منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے خطوط کا مجموعہ مع حالات و تنقید کلام۔ قیمت عہ/

تحقیق سخن - مولفہ مولانا شفق عماد پوری۔ عیوب سخن، قیود سخن، اور اصلاح سخن پر ایسا جامع اور مختصر رسالہ پہلے نہین لکھا گیا نہایت مفید و کار آمد کتاب ہی مبتدیون کو ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ قیمت ۸/

کفایت شعاری - سموایل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب تھرفٹ کا خلاصہ۔ قیمت ۸/

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نند لال صاحب ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والون کیلئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہی قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲/

جذبات نادر - منشی نادر علیخان صاحب نادر کاکوروی (مرحوم) کی دلکش نظمون کا

ملنے کا پتہ: سکریٹری منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ (۱۰۰۰)

مجموعہ حصہ اول۔ قیمت ۸؍

شونبرگ کوٹا۔ یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہی جسکا تعلق نیدرھوین صدی عیسوی سے ہی۔ اس زمانہ کے جرمنی کے تمدنی و دینی ہلکی اور تاریکی حالات جاننے کا شوق ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئیے حجم ۲۰۸ صفحہ قیمت ۱؍۲

قاسم و زہرہ۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہین۔ شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہی فقرے چست لطیفے برجستہ بایں ہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہین معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سرتاپا یہ ڈرامہ ڈوبا ہوا ہی قیمت ۸؍

عالم خیال۔ حضرت شوق قدوائی کی ایک بے انصافت بے بدل اردو نظم جو پبلک سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہی۔ چاروں خوبی کے ساتھ چار عالمانہ ریویو بھی شامل ہین نیز منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہی شروع مین ایک خوش خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کیگئی ہی جو اسی کیلئے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہی قیمت ۱؍

عطر سخن۔ قومی منظومات کا ایک دلکش مجموعہ اس مجموعہ مین چھوٹی بڑی ۵۰ منظومات شامل ہین۔ اور بعض ان مین سے آٹھ آٹھ صفحہ کی ہین لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ۔ سرورق رنگین۔ حجم ۱۵۰ صفحہ الغرض یہ کتاب محاسن ظاہری و باطنی کا بے نظیر مرقع ہی اس قسم کی کتاب آجتک شائع نہین ہوئی قیمت صرف عمہ

مضمونہائے دلکش۔ حضرت جلال لکھنوی کا تیسرا دیوان جو کمیاب ہی بمشکل چند نسخے دستیاب ہوے ہین۔ جلد طلب فرمائیے قیمت عہ

ہاکی۔ ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمین نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہین۔ جابجا ہاٹ ٹون تصاویر چسپان کیگئی ہین۔ جن کی تعداد ۲۰ ہی کھلاڑیوں کے لیے عمدہ کتاب ہی۔ قیمت ۱؍۲

برکات سلطانی۔ یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرۂ تصانیف۔ شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہی۔ لڑکیوں اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہی قیمت ۲؍

مکتوبات امام ربانی۔ حضرت مجدد الف ثانی کی مکمل سوانح عمری مع مکتوبات قیمت ۱؍۲

دنیائے اسلام و عیسائیت۔ تعریف نام سے ظاہر ہے ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت ۱؍

سلطنت برطانیہ کا مستقبل۔ اسم بامسمیٰ اور قابل دید قیمت ۱؍۲

اسرار ادویہ۔ اس کتاب مین انگریزی پیٹینٹ ادویات کی قلعی کھولی گئی ہی ضرور دیکھیے قیمت ۸؍

مسدس حالی مع ضمیمہ۔ لکھائی چھپائی بہت عمدہ صحت و صفائی اعلیٰ۔ اخیر مین مولانا حالی کی مختصر لائف بھی درج ہی قیمت ۸؍

جذبات بھاشا۔ (مؤلفہ حضرت نیاز فتحپوری) اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ شاعری درحقیقت کس چیز کا نام ہی اور سحر کس قدر پرآشوب ہی تو آپ اس کتاب کو ضرور دیکھیے۔ قابل دید کتاب ہی۔ قیمت ۱؍

ایک شاعر کا انجام۔ (مصنفہ حضرت نیاز فتحپوری) یہ نہایت دلچسپ ناول ہی جو اپنی نوعیت مین آجکل کے ناولوں مین فرد ہی ضرور دیکھیے۔ قیمت ۸؍

انتخاب عروج۔ دہلی کی ایک مشہور انشا پرداز خاتون کے قلم کا تازہ کارنامہ قابل مصنفہ نے اپنے طبقے کی جانب سے مردوں کی خدمت مین اپیل کی ہی کہ شوہر کے انتخاب مین اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جایا کرے۔ جسکے واسطے شوہر کا انتخاب عمل پذیر ہو۔ قابل مطالعہ چیز ہی قیمت ۱؍۳

لوری نامہ۔ تازہ دلچسپ اور معنی خیز لوریوں کا مجموعہ۔ اگر مائین اپنے بچوں کو یہ لوریان سنائین تو وہ نہایت خوش ہونگے۔ اور ان مین جرأت ہمدردی اور قومی محبت کا جذبہ ابتدا ہی سے پیدا ہو جائے گا قیمت صرف ۱؍

پہیلی نامہ۔ مہذب اور دلچسپ اور معنی خیز پہیلیوں کا مجموعہ یہ پہیلیان بچون کی ذہانت اور دماغی قوت کو ترقی دینے کے واسطے نہایت کارآمد ہین طلبا کے لیئے تو نہایت مفید ہین قیمت ۱؍

تاریخی جواہر۔ مولانا شبلی، ڈاکٹر اقبال اور جناب اظہر دہلوی کی تاریخی نظمون کا ایک مختصر مگر معنی خیز و دلکش مجموعہ قیمت ۳؍

ملنے کا پتہ:۔ سکریٹری منروا پبلشنگ کمپنی، لکھنؤ (اودھ)

سائنٹفک اعداد اور اکائیان

از شیخ فیروز الدین مراد صاحب بی اے، ایم ایس سی، پروفیسر علوم طبیعات، ایم اے او کالج، علیگڈھ

(۱)

تمہید | انسانی علم کی وسعت اور ترقی کے لوازمات مین سے ایک ضروری شرط مختلف چیزون کی مقدار کی صحیح پیمائش ہی جب تک کسی چیز یا مقدار کے متعلق ہمین کامل طور پر اسکی کمی کا علم نہو، ہمارا علم اس چیز یا مقدار کے متعلق ناقص اور ادھورا ہوتا ہی لیکن کسی چیز یا مقدار کے اندازہ یا پیمائش کے لئے ضروری ہی کہ ہمارے ذہن مین اندازہ یا پیمائش کرنے کے لئے اکائی کا مفہوم واضح ہو۔

پیمائش کی تشریح | ہر چیز کے تعینِ مقدار کے لئے دو امور کا ذکر ضروری ہوتا ہی ان کے بغیر تعین مقدار ناممکن ہے، ان دو اجزا مین ایک تو اسی قسم کی ایک خاص مقدار کا نام ہوتا ہی کہ جس قسم کی مقدار کا تعین مقصود ہوتا ہی اس خاص مقدار کو حوالہ دینے کے لیے اصل مانا جاتا ہی۔ دوسرا جزو اس بات کا اظہار ہوتا ہی کہ وہ خاص مقدار کتنی دفعہ پیمائش کردہ مقدار کے برابر ہوتی ہی پہلے جزو کا اصطلاحی نام اکائی ہی اور دوسرے جزو کو اُس مقدار کی عددی قیمت کہتے ہین۔

اندازہ صفتی اور اندازہ پیمائشی | سائنس کی ترقی کے دو مدارج ہین پہلے حصہ مین جو وقت کے لحاظ سے انسانی تاریخ مین پہلے آتا ہی ہم صرف مظاہر قدرت کے مطالعہ مین یا دیگر مشاہدات مین صرف اس منظر یا مشاہدہ کی نوعیت کی تعیین کافی سمجھتے ہین۔ دوسرے حصہ مین نہ صرف نوعیت کے سطحی اور ادھورے مطالعہ پر اکتفا کیا جاتا ہی بلکہ مقدار کی صحیح پیمائش کی جاتی ہی پہلے درجہ کو "اندازہ صفتی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہی اور دوسرے ترقی یافتہ حصہ کا نام "اندازہ پیمائشی" ہی۔

تمثیلات | ان تمہیدی کلیات کی تفہیم کے لیے علمی مثالون اور روزمرہ کی زندگی کے واقعات سے بہت مدد ملتی ہی۔

تعمیرات کی مثال | ایک کمسن بچے یا قاصر العقل شخص کے ذہن مین تعمیر کے اخراجات کا کوئی صحیح اندازہ نہین ہوتا۔ اس حالت مین یہ کہا جائے گا کہ بچے کی

حقیقی کا وہ جو سن شعور سے سن تمیز تک نہیں پہنچا۔ لیکن جب بچہ کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے کہ ایک ہی قسم کے دو مکانات بنانے میں ایک مکان کی تعمیر سے دوگنا خرچ ہوتا ہے تو اس کا علم اندازۂ صفتی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے آگے جب بڑے ہو کر اسی بچہ کو خود مکان بنوانا پڑتا ہے تو اسے مکان کی تعمیر کی اصلی لاگت کے صحیح اعداد و شمار میں اندازۂ پیمائشی حاصل ہوتا ہے۔

علم ہیئت کی مثال | علی ہذا القیاس قدیم ہیئت دان سیارگان نظام شمسی کے متعلق یہ امر دریافت کر چکے تھے کہ سورج سے زہرہ اور عطارد وغیرہ کا فاصلہ زمین کے بُعد سے کم ہے اور مشتری مریخ زحل وغیرہ کا بُعد زمین سے زیادہ ہے۔ لیکن اُنھوں نے اعداد و شمار میں تفاوت بُعد کا اندازہ نہیں کیا تھا۔ زمانۂ حال میں علم ہیئت کی ترقی کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ بھی طے ہو چکا ہے۔

حرارت کی مثال | یہ امر عام طور پر معلوم ہے کہ حرارت کی کمی یا بیشی سے مختلف اجسام سکڑتے یا پھیلتے ہیں۔ اس سے زیادہ بعض یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف اجسام کم و بیش سکڑتے اور پھیلتے ہیں لیکن صرف سائنس دان یہ ضروری علم رکھتے ہیں کہ ایک درجہ حرارت کی کمی بیشی سے اجسام کے طول، رقبہ یا حجم میں کس قدر فرق واقع ہوتا ہے۔

برقی رَو کی مثال | اگر ایک زبردست برقی رَو انسانی جسم میں سے گذرے تو اس بات کا عام طور پر عوام الناس کو بھی علم حاصل ہے کہ انسان مر جاتا ہے یا کم از کم اس کو صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن ایک برقی انجینیر صحیح طور پر جانتا ہے کہ برقی رَو کی طاقت کا مقابلہ کس حد تک کیا جانا ممکن ہے اور کن ذرائع سے؟

اگر آپ تھوڑی دیر بھی غور کریں گے تو آپ کو خود اسی قسم کی بہت سی مثالیں ملیں گی جن سے یہ امر صاف طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ کسی چیز[1] یا مقدار[2] کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں نہ صرف تعداد کا علم بلکہ اندازۂ پیمائشی کی بھی اطلاع ہونی چاہیے۔ اور یہ سب تفصیلات اس امر کی غماز ہیں کہ علم انسانی کی انتہائی منزل اندازۂ پیمائشی پر منتہی ہوتی ہے۔ ہم اس سادہ مسئلہ کی مزید تشریح کو بخیال طوالت ترک کر کے نظر انداز کرتے ہیں۔

اکائی کا مفہوم | شروع مضمون میں ہم نے کہا تھا کہ پیمائش کے لیے اکائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ بازار سے کپڑا خریدنے جاتے ہیں بزاز تین روپیہ فی گز نرخ بتاتا ہے۔ گویا کپڑے کی پیمائش کی اکائی گز ہے اور کپڑے کی قیمت کی اکائی روپیہ ہے۔ عام طور پر کپڑا صرف طول سے ناپا جاتا ہے، عرض کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آپ کہیں گے کہ گز طول کی اکائی ہے۔ فرشی کپڑا مثلاً دری جاجم مربع گز کے حساب سے بکتا ہے جسے دوکاندار یوں بتاتے ہیں ایک گز اس طرف سے اور ایک گز اس طرف سے یہاں کپڑے کے طول کا خیال اس کے رقبہ سے کم کیا جاتا ہے۔ شیشم کی لکڑی کے تختے بھی بکتے ہیں لیکن زیادہ مقدار کے خریدار تختوں کے بجائے شہتیر اور شہتیریاں خریدتے ہیں اور نرخ فی مکعب فٹ کہا جاتا ہے یعنی لکڑی کا ٹکڑا جس کا طول، عرض، اونچائی سب ایک ایک فٹ ہوں (اصطلاح میں اُسے ایک مکعب کہتے ہیں) حجم کی اکائی ہے۔ علی ہذا القیاس ہماری زندگی میں بے شمار مثالیں آپ کے پیش نظر ہوں گی جن سے پیمائش کے اصول واضح کئے جا سکتے ہیں۔

تین اصلی اکائیان | امثلۂ بالا سے علاوہ اور ضروری نتائج کے ایک اہم نتیجہ یہ

چیز و مقدار کی تشریح [1] چیز سے مراد تمام وہ خارجی ہستیاں ہیں جو عالم میں قائم بالذات تسلیم کی جاتی ہیں یعنی جنکا وجود یا عدم وجود ہمارے حواس خمسہ کی شہادت، کیفیات نفسی یا قوائے عقلیہ پر منحصر نہیں ہے۔ مثلاً مادہ اور تمام مادی اجسام اشیا ہیں۔ علی ہذا القیاس قوت اور اسکے مختلف مظاہر چیز کی تعریف میں شامل ہیں۔ یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ ہم ایک علاحدہ مضمون "مادہ کی اصلیت" میں اس کے متعلق مختلف آرا اور مذاہب پر روشنی ڈالیں گے۔

[2] "مقدار" کو دراصل "کسی چیز کی مقدار" کا اختصار سمجھنا چاہیے لیکن سہولت کے لیے علمی دنیا میں اسی لفظ واحد (مقدار) کو چیز کا مرادف قرار دیا جاتا ہے اور صیغہ واحد کی طرح جمع "مقادیر" بالعموم "مختلف چیزوں کی مقدار" کے لیے استعمال کرنا جائز سمجھا جاتا ہے مزید تشریح متن سے ہو جائے گی۔

[illegible] چیزوں کی پیائش یعنی ان کی مقدار کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے چند ایک اساسی اشیا کی ضرورت ہو۔ سائنس دانانِ عالم کے اتفاق رائے سے تین مستقل اساسی چیزیں چن لی گئی ہیں اور اگر آپ غور کریں گے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ تمام چیزوں کا تعین صرف تین چیزوں کے ذریعے ہو سکتا ہو۔ یہ تین اساسی چیزیں حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) طول (۲) مقدار مادہ جسے انگریزی میں ماس کہتے ہیں اور (۳) وقت۔

تین اشیا اساسی | گویا کہ وقت مادہ اور فضا اساسی مقداریں ہیں اور باقی تمام مقداریں ان کی وساطت سے پیمائش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کپڑے کی خرید میں صرف دو چیزوں کی ضرورت ہو طول اور مقدار مادہ کی یعنی چاندی یا سونے کے تبادلے سے اتنا کپڑا خریدا جا سکتا ہو۔ رقبہ کی پیمائش کے لیے صرف طول کی ضرورت ہو حجم کے لیے بھی علیٰ ہذا القیاس صرف ایک قسم کی پیمائش کی ضرورت ہو۔ رفتار کے لیے وقت اور فضا کی پیمائش درکار ہو آپ کہتے ہیں کہ ریل گاڑی ایک گھنٹہ میں تیس میل چلتی ہو جسے تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اسی طرح جیسا کہ بقیہ مضمون میں دکھایا جائے گا، دنیا میں علمی کام چلانے کے لیے تین چیزوں کی پیمائش کی حقیقی طور پر ضرورت ہو۔ ان تین چیزوں کو ہم آئندہ "اشیا اساسی" کے نام سے یاد کریں گے۔ لہٰذا اشیا اساسی یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) طول یعنی مقدار فضا (۲) ماس یعنی مقدار مادہ (۳) وقت یعنی مقدار وقفہ شعوری۔

اکائی کی تعریف | پیمائش کا طریقہ اس قدر آسان ہو کہ ہمیں تشریح کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کسی چیز کی ایک خاص مقدار کو ایک مستقل حیثیت دی جاتی ہو اور بعد ازاں اس چیز کی پیمائش اس خاص اندازے سے کی جاتی ہو۔ اس خاص مقدار کو اس چیز کی "اکائی" کہتے ہیں بالفاظ دیگر کسی چیز کی اکائی اس چیز کی ایک خاص مستقل مقدار کا نام ہو جس کی وساطت سے بعد ازاں اس چیز کی مختلف مقداروں کا تعین کیا جاتا ہو یا اسے یوں خیال فرما لیجیے کہ کسی چیز کی مقدار کا اندازہ وہ ہندسی تناسب ہو جو اس چیز کی مجموعی مقدار اور اکائی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

پیمائش کا مفہوم | مثلاً آپ ایک سڑک کی لمبائی ناپنا چاہتے ہیں۔ لوہے کی ایک زنجیر لیتے ہیں اور اسے سڑک کے اوپر پھیلا کر دیکھتے ہیں کہ کتنی دفعہ وہ زنجیر سڑک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلائی جا سکتی ہو اور پھر کہتے ہیں کہ فلاں سڑک سو جریب لمبی ہو۔ زنجیر کی لمبائی لفظ "جریب" سے تعبیر کیا گیا ہو۔ اسی طرح ایک کپڑے کا ٹکڑا لوہے کے ایک گز یا فیتہ سے ناپا جاتا ہو۔ اگر لوہے کے ٹکڑے یا فیتہ کی لمبائی آپ کی اکائی ہو جس کا نام گز ہے تو آپ کہتے ہیں کہ کپڑا چھ گز یا نصف گز لمبا ہو جیسی بھی حالت ہو۔

ہندسی قیمت | یہ امر صاف ظاہر ہو کہ اکائی کی تبدیلی سے مجموعی مقدار کی ہندسی قیمت بدلتی ہو مثلاً کپڑے کا ایک ہی ٹکڑا آدھ گز، ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ لمبا ہوتا ہو لیکن چونکہ ان سب کا مطلب ایک ہی ٹکڑے کی لمبائی کا تعین ہو اس لیے ظاہر ہو کہ باوجود اختلاف کے یہ سب اندازے بالکل ایک دوسرے کے برابر ہیں گو اٹھارہ آدھ سے اور آدھ ڈیڑھ سے بہت مختلف ہو[1]۔ حاصل یہ کہ کسی مقدار کے تعین کے لیے کم از کم دو چیزوں کی ضرورت ہو اول اکائی اور دوم

---

[1] اکائی اور مقدار [illegible] اکائی کا اختلاف ایک دلچسپ پیرایہ میں یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہو کہ ایک ہی چیز مختلف اشخاص کے نزدیک مختلف اہمیت رکھتا ہو جس کی صورت یہ ہوتی ہو کہ اہمیت کی اکائی مختلف [illegible] ایک فلاسفر آدمی کے تعریف جو مقدار ذلی [illegible] کا عادی ہوتا ہو یا بے عزتی کی اہمیت بہ نسبت ایک شریف آدمی کے بہت کم ہوتی ہے شریف کے نزدیک ایک سخت سست [illegible] ایک بڑی بات ہوتی ہو مگر رذیل کے لیے معمولی اور خفیف بات ہوتی ہو۔ فقیر کی نازِ خواب غفلت کے متوالوں پر گراں گذرتی ہو لیکن ایک خدا ترس فرض شناس کیلئے باعث لذت و خوشی ہو حقیقت یہ ہو کہ دنیا میں انسان ہر ایک معاملہ کو اپنے گز سے ناپتا ہے اور بعض کا گز بڑا ہوتا ہے بعض کا چھوٹا۔ اگر کپڑے کے ناپنے والے گز کی طرح سب کا نقطہ نظر ایک ہو تو آرا کا اختلاف کم از کم معاملات ضروریہ میں بہت کم ہو۔ اللہ تعالےٰ کے کلام پاک میں آیا ہو۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اس کی صحیح تفسیر مشفت یا نصف کے وہ مختلف مدارج ہیں جو انسان ایک بڑی حد تک خود وضع کرتا ہے۔ چھوٹی اکائی رکھنے سے چھوٹی چیز بھی بڑی معلوم ہوتی ہیں اور بڑی اکائی رکھنے سے بڑی چیز بھی ہیچ معلوم ہوتی ہو۔

تناسب ہندسی اگر دنیا کے کاروبار میں بسااوقات اکائی حذف کر دی جاتی ہو بریں خیال کہ متکلم اور سننے والا دونوں کے ذہن میں ایک ہی خاص اکائی ہوتی ہو اور بطور اختصار صرف تناسب ہندسی کے ذکر پر کفایت کیجاتی ہو۔

(۴)

ایک مشترک یا یکسان پیمانہ احاد اساسی | علمی کام کے لیے اب یہ ضروری ہو کہ تمام کام کرنے والے کے نتائج میں یکسانیت ہو۔ یہ غرض اس وقت تک حاصل ہونی ناممکن ہو جب تک کہ ایک مشترک پیمانہ احاد اساسی کے متعلق قرار نہ دیا جائے۔ اگر آپ کی ہملی اکائیان یعنی وقت مادہ اور طول کی اکائیان ایسی ہین جو دوسرے سائنس دانون کے نزدیک مسلمہ ہین تو آپ کے نتائج انکے نتائج سے براہ راست منطبق ہو جائین گے، ورنہ باہمی تطبیق کے لیے دونون کی اکائیون کا تناسب معلوم ہونا چاہیے۔ مثلاً آپ دریافت کرتے ہین کہ ایک گز لمبی لوہے کی سلاخ ایک درجہ حرارت سنٹی گریڈ کے اختلاف سے ا گز کا اتنا حصہ بڑھتی یا گھٹتی ہو اور ایک دوسرا آدمی اسی تجربے کے نتائج ان الفاظ میں دیتا ہو کہ ایک فٹ لمبی لوہے کی سلاخ ایک درجہ حرارت فارن ہائیٹ (ہم ان ہر دو نظامون کی تشریح درجہ حرارت کی پیمائش کے بیان میں کرینگے) کے اختلاف سے انچ کا اتنا حصہ بڑھتی گھٹتی ہو اب اگرچہ دونون کے نتائج بالکل صحیح ہون گے لیکن بظاہر فرق معلوم ہوگا اس آسان حالت میں تطبیق آسانی کے ساتھ مستعمل اکائیون کے باہمی تناسب ہندسی جاننے سے ہوسکتی ہو لیکن مشکل واقع یہ ہوتی ہو کہ زیادہ پیچیدہ اور اَدق مسائل میں اس سطحی اختلاف سے بہت گڑبڑ لاحق ہوتی ہو بالخصوص اس وقت جب کہ کثرت استعمال کے سبب سے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہو اکائیان صحیح طور پر بیان نہین کی جاتین۔ مثال بالا میں اگر طول کے پیمانے سب یکسان مان کر ہر دو بیانات میں صرف ایک درجہ حرارت مذکور ہوا اور سنٹی گریڈ فارن ہائیٹ نہ لکھا جائے تو آخری نتیجہ پہلی حالت میں بہ نسبت دوسرے نتیجے کے ۹/۵ گنا بڑا ہوگا۔

جس اشکال کا نہایت دھورا بیان ہم نے کیا ہو احاد تبعی کی صورت میں نہایت اہم ہو جاتی ہو۔

احاد تبعی | احاد تبعی سے مراد اُن مقدارون کی اکائیان ہین جو تین اساسی مقدارون کے اوپر مبنی ہوتی ہین۔ مثلاً رفتار کی مقدار کے لیے کوئی خاص اکائی مقرر نہین ہو۔ اس اکائی کا انحصار وقت اور طول کی اکائی پہ ہوگا۔ اور ایک ہی رفتار کا ہندسی اندازہ مختلف ہوسکتا ہو۔ اگر احاد اساسی کا تعین ٹھیک طور پر نہ کیا جائے۔ رفتار کی اکائی میل فی گھنٹہ منزل فی یوم میل فی منٹ میل فی ثانیہ، فٹ فی ثانیہ سنٹی میٹر فی ثانیہ وغیرہ وغیرہ کئی مختلف طریقون سے ظاہر کی جاسکتی ہو۔ لیکن اگر احاد اساسی مقرر ہون تو پھر رفتار کی اکائی صرف ایک ہی ہوسکے گی۔ علم البرق اور مقناطیس کی اکائیون میں شروع شروع میں احاد اساسی کے تعین نہ ہونے سے بہت ہی زیادہ گڑبڑ تھی اور کئی نظام مروج تھے۔ سادگی کا اقتضا یہی ہو کہ یکانگت پیدا ہو جائے۔ آپ ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں چلے جائین یا ایک مہذب ملک سے دوسرے ملک میں چلے جائین بے قاعدہ طور پر احاد کے اختلاف سے ضروری مقدارون کے اندازہ میں وقت ضائع نہ ہو۔ جیسے جسطرح تمام ملک میں ایک ملکی زبان یعنی اردو یا اسپرانٹو وغیرہ کی ضرورت ہے اسیطرح یہ بھی ضروری ہو کہ مختلف حصص ملک اور اس سے بڑھ کر مختلف تہذیب یافتہ ممالک علمی حیثیت سے ایک مشترک نظام احاد کے سلسلہ میں منسلک ہو جائین تاکہ ایک جگہ کا سائنٹفک یا تجارتی کام دوسری جگہ کے سائنٹفک یا تجارتی کام سے خواہ مخواہ نہ ٹکرا لے۔

صرف ہندوستان میں یہ کمی باقی ہو باقی تمام مہذب ممالک نے کم وبیش اس یکسانیت کو محسوس کر لیا ہو اور موجودہ تہذیب کے کرشمون میں ایک نمایان بات ساری دنیا کے علما فضلا کا علمی کامون کے لیے اعداد و شمار اور اکائیون پر اتفاق رائے کرنا ہو گویا کہ مساعی پراگندہ کی بجائے اب مختلف ممالک کے سائنٹفک تحقیقات کرنے والے عالم اس طرح سے کام کرتے ہین کہ گویا

یکساں ... نظریں یا نظری قیاسات دوسرے کی سمجھ میں آسکتے ہیں دیکھا اگر ... کو بے عمل نہ ہو تو ہم بتائیں گے کہ یورپ میں تمام سلطنتوں ... کی تعلیم بیرونی شکل اور حجم یکساں کرنے کی تجاویز ... کر موجودہ خونریزی نے تمام کوششوں کو شل کر دیا۔

فرانسیسی نظام اعداد سائنٹفک اکائیوں کا نظام جو کہ تمام علمی دنیا میں مروج ہے وہ مجوزہ انقلاب فرانسیسی کی ایک نادر یادگار ہے اور اگرچہ علمی دنیا میں اس کا نام کچھ اور ہے لیکن بعض اوقات اسے اکائیوں کا نظام فرانسیسی بھی کہتے ہیں۔

سنٹی میٹر یعنی طول کی اکائی اس نظام کے مطابق طول کی اکائی کو سنٹی میٹر کہتے ہیں ایک انچ میں تقریباً ۲½ سنٹی میٹر ہوتے ہیں سنٹی میٹر کے معنی میٹر کا ایک سوواں حصہ ہے گویا کہ ایک سو سنٹی میٹر ایک میٹر کے برابر ہوتے ہیں۔

میٹر کی تعریف ایک میٹر کی لمبائی فی الاصل کرۂ زمین کے اس ربع محیط کے (جس میں پیرس واقع ہے) قطب سے لیکر خط استوا تک چھوٹی سے چھوٹی لمبائی کے ایک کروڑویں حصہ کے برابر مقصود کی گئی تھی اور کوشش اس امر کی گئی تھی کہ انسانی پیمائش میں طول کی اکائی کو مستقل طور پر زمین کی نہ بدلنے والی پیمائش سے وابستہ کر دیا جائے اور اس طرح سے میٹر کو ایک ارفع و اعلیٰ حیثیت کے ساتھ ممتاز کر دیا جائے لیکن محیط زمین کی بعد ازاں کی پیمائش نے ثابت کر دیا ہے کہ فرانسیسی علماء کا یہ خیال خام ہے کیونکہ اب میٹر کی لمبائی اس کی اصلی تعریف سے ذرا مختلف ہے۔ یہ ہو سکتا تھا کہ میٹر کی لمبائی کو بعد کی زیادہ صحیح پیمائش کے مطابق قرار دیا جاتا لیکن اس سے سابقہ نتائج میں ایک وسیع تبدیلی کرنی پڑتی تھی۔ پھر یہ امر بھی ملحوظ خاطر ہونا چاہیے کہ یہ تعریف ایک حد تک سائنٹفک تعریف نہیں ہے۔ موجودہ میٹر کی تعریف یہ ہے کہ میٹر پلاٹینم کی اُس سلاخ کے اوپر (جب اُس سلاخ کا درجہ حرارت صفر ہو جاتا ہے) دو خطوں کے درمیانی فاصلہ کا نام ہے جو پیرس میں بیورو ڈے آرچیے (BUREAU DES ARCHI) ایک عمارت اور محکمہ کا نام ہے اس میں محفوظ ہے۔

حرارت کا اثر میٹر کی اس تعریف میں دو باتیں قابل غور ہیں چونکہ حرارت سے اجسام پھیلتے ہیں اس لیے طول کے تعیین کے لیے درجہ حرارت کی تخصیص اشد ضروری ہے۔ اگر سیون میں تمام گز اصلی گز سے لمبے ہو جاتے ہیں اور سردیوں میں بھی چونکہ درجہ حرارت صفر سے اوپر ہی رہتا ہے تھوڑے سے لمبے ہوتے ہیں لیکن یہ تبدیلی اتنی خفیف ہوتی ہے کہ تجارتی کاروبار میں اسے نظر انداز کیا جاتا ہے اور گز کی سرکاری سند میں بھی اس امر کا خیال نہیں کیا جاتا۔

مستقل پیمانوں کی دو قسمیں البتہ علمی کاموں میں یہ خفیف تبدیلی بھی نہایت اہم ہے۔ دوم فاصلہ کے تعیین کے دو طریقے ہیں ایک تو رائج معمولی طریقہ جس کی بنا صحت کی بہ نسبت سہولت پر زیادہ ہے۔ اس کے مطابق گز کی سلاخ کی لمبائی ایک سرے سے دوسرے سرے تک پوری ایک گز ہوتی ہے۔ اس طریقہ میں نقص یہ ہے کہ کثرت استعمال سے گھس کر لمبائی میں فرق آ جاتا ہے لیکن معمولی کاروبار میں یہ فرق سالہا سال تک غیر محسوس رہتا ہے اس لیے طول کے پیمانے اس قاعدہ کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ البتہ علمی کاموں کے لیے اس نقص کا دفعیہ یوں کیا جاتا ہے کہ سلاخ کے سروں کے قریب دونوں طرف دو خط کھینچ دیے جاتے ہیں اور ان کے مابین فاصلہ ناپا جاتا ہے۔ تاکہ یہ خطوط گھسنے سے ناقص نہ ہو جائیں احتیاط یہ کی جاتی ہے کہ ان خطوں کو چھوٹے چھوٹے سوراخوں کے وسط میں سطح سے نیچے کندہ کیا جاتا ہے۔ اصلی میٹر اور اس کی مستند نقلوں میں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ عام کاموں کے لیے یہ طریقہ عمل باعث تکلیف ہے اس لیے معمولی علمی کاموں کے لیے ایسا نہیں کیا جاتا۔

اب آپ نے سمجھ لیا کہ طول کی اکائی کس طرح محفوظ ہے اور کس طرح تمام دنیا میں ایک ہی اکائی کا رواج ہے۔ میٹر کے جتنے بھی پیمانے مروج ہیں ان کا اصلی میٹر کی مستند نقلوں کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاتا ہے اور ہر ایک علمی کام میں لمبائی کا اندازہ سنٹی میٹروں میں کیا جاتا ہے۔

گرام یعنی مقدار مادہ کی اکائی | علی ہذا القیاس مقدار مادہ کی اکائی کو گرام کہتے ہیں اور گرام کی تعریف یوں ہے کہ دستے ٹکڑے کے مقدار مادہ کا ہزارواں حصہ (دیکھو) ہے جس کو مستند کلوگرام (یعنی ہزار گرام) کہتے ہیں اور جو پیرس کے نگاہ دار ان پیمائش میں محفوظ ہے اور جس کا وزن ۴ درجہ حرارت سنٹی گریڈ والے ایک لیٹر پانی (یعنی ہزار مکعب سنٹی میٹر پانی) کے وزن کے برابر ہے۔ عملی دنیا میں وزن کے جتنے پیمانے استعمال ہوتے ہیں وہ گرام سے مشتق ہوتے ہیں اور جس طرح میٹر کی مستند نقلیں تمام ممالک میں استعمال کی جاتی ہیں اسی طرح گرام اور کلوگرام کی مستند نقلیں مستعمل ہیں۔

پانی کے حجم پر حرارت کا اثر | پانی اپنے درجہ انجماد کے قریب بے قاعدہ طور پر اپنا حجم بدلتا ہے برف پانی سے ہلکی ہوتی ہے اور پانی پر تیرتی ہے جب برف پگھلتی ہے تو پانی کا حجم برف کے حجم سے کم ہوتا ہے پھر جب صفر درجہ حرارت سے اوپر یہ پانی گرم کیا جاتا ہے تو عام قاعدہ کے خلاف پھیلنے کی بجائے سکڑتا ہے یعنی اس کا حجم کم ہو جاتا ہے حجم کی یہ کمی ۴ درجہ حرارت سنٹی گریڈ تک بڑھتی جاتی ہے اور اس کے بعد پانی عام قاعدہ کے مطابق پھیلتا ہے بالفاظ دیگر پانی کی ایک خاص مقدار (مثلاً ایک سیر) کا حجم ۴ درجہ حرارت سی پر کم سے کم ہوتا ہے اور چونکہ کسی چیز کی کثافت وزن کو حجم سے تقسیم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے باقی تمام درجہ حرارت کی نسبت ۴ درجہ سی پر پانی کی کثافت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس درجہ حرارت کو پانی کے لیے مستند قرار دیا جاتا ہے ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک مکعب سنٹی میٹر پانی کا وزن اس کے زیادہ سے زیادہ کثافت والے درجہ حرارت پر ایک گرام ہوتا ہے جس سے تمام حسابی اندازوں میں پانی کی کثافت ایک ہونے سے ایک عمدہ سہولت اور سادگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ثانیہ کی تعریف | تیسری اساسی اکائی کا نام سیکنڈ (ثانیہ) ہے جس کی تعریف یہ ہے: دو پہر سے دوسری دوپہر تک کے وقفہ کا ۸۶۴۰۰ واں حصہ ہے جب سورج کسی مقام پر سب سے اونچا نظر آتا ہے یا بالفاظ دیگر وہاں کی اشیاء کا سایہ چھوٹے سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے تو اس وقت اس مقام کی دوپہر ہوتی ہے ایک شبانہ روز میں ۸۶۴۰۰ ثانیے ہوتے ہیں۔

(۴)

اشیاء اساسی کے انتخاب کی پانچ شرائط | اب ہم بالتفصیل یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تین اشیاء اساسی کے انتخاب میں بالخصوص وقت، مقدار مادہ اور طول کو کیوں چنا گیا ہے اور ان کے علاوہ اور تین چیزوں کو بطور اساسی اشیاء کے کیوں نہیں تسلیم کیا گیا۔

اکائیوں اساسی کے انتخاب میں مفصلہ ذیل باتیں بالخصوص ملحوظ ہونی چاہئیں:—

(۱) یہ ایسی مقداریں ہونی چاہئیں کہ اسی قسم کی دیگر مقداروں کے ساتھ ان کا مقابلہ نہایت درجہ کی صحت کے ساتھ ہو سکے۔

(۲) ایسا مقابلہ ہمیشہ ممکن ہونا چاہیئے اس لیے اصلی پیمانوں کو دیرپا ہونا چاہیئے جو کہ مرور وقت کے ساتھ نہ تو اپنی وسعت کو بدلیں اور نہ تلف ہو جائیں۔

(۳) ایسا مقابلہ ہر جگہ ممکن ہونا چاہیئے اس لیے اصلی پیمانے ایسے ہوں کہ جگہ بجگہ لیجانے سے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔

(۴) ایسا مقابلہ آسان اور براہ راست ہونا چاہیئے۔

مقدار مادہ اور وزن | کسی جسم کے مقدار مادہ اور وزن میں عام طور پر کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا کیونکہ مقدار مادہ براہ راست وزن کے متناسب ہوتا ہے بالفاظ دیگر اگر دو چیزوں کا وزن برابر ہے تو ان میں مادہ کی مقدار بھی برابر ہے۔ ایک سیر روئی اور ایک سیر لوہا وزن اور مادہ کے لحاظ سے برابر ہیں اختلاف صرف ان کی کثافت اضافی یا وزن مخصوص (وزن اور حجم کے تناسب کو کثافت کہتے ہیں) میں ہوتا ہے۔ اس بحث کے متعلق مزید معلومات ذیل کے وزن والے مضمون میں ملیں گی۔

اور رفتار اساسی ہونے چاہئیں کہ اکائیوں کی وسعت نہ بہت بڑی
ہو اور نہ بہت چھوٹی اور علاوہ اس کے اکائیوں کی تعریف اکائی اساسی کی
آسانی ہو سکے۔

اگر ہم سنٹی میٹر گرام اور ثانیہ کی تعریفوں کو اس محک پر پرکھیں
اور ساتھ ہی دیگر چیزوں کی اکائیوں کو بھی اس محک پر پرکھیں تو مقابلتاً
معلوم ہو گا کہ طول، مقدار مادہ اور وقت سے بہتر اور زیادہ موزوں اور
کوئی چیز اساسی مقدار کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔

علمی نظام اکائی یا س گ ث نظام اکائی فرانسیسی نظام اکائی جس کو علمی دنیا سی جی ایس
نظام اکائی کہتی ہے اردو میں "علمی نظام اکائی" کے
نام سے مشہور ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ گو انگلستان اور ریاست ہائے متحدہ
امریکہ میں اکائیوں کا ایک اور نظام مروج ہے جسے انگریزی نظام اکائی بھی
کہتے ہیں لیکن عام طور پر علمی دنیا میں اب ایک ہی نظام مانا گیا ہے جس
نظام کی ہم ابھی تشریح کر رہے تھے اس کو سی جی ایس نظام اکائی مختلف
اکائیوں کے پہلے حروف تہجی کی مناسبت سے کہا گیا ہے اردو میں اس کا
مرادف س۔ گ۔ ث نظام اکائی ہو گا یعنی اکائیوں کا وہ نظام
جس میں سنٹی میٹر گرام اور ثانیہ طول، مقدار مادہ اور وقت کی اکائیاں
ہیں۔ اور گو انگریزی قاعدہ کے تتبع سے بعض اصحاب اردو زبان کے لیے
علمی نظام اکائی کی نسبت س۔ گ۔ ث۔ نظام اکائی کو مرجح سمجھیں لیکن
ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تقلید قابل تحسین نہیں ہے۔ انگریزی زبان میں چونکہ
ایک دوسرا نظام بھی مروج ہے اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے
تمیز کرنے کی خاطر سی۔ جی۔ ایس۔ نام رکھ لیا گیا تھا ہمارے ہاں چونکہ سوا اس کے
کوئی نظام مروج نہیں اس لیے ہم جب ایک باقاعدہ علمی نظام اختیار
کر سکتے ہیں تو کیوں نہ اس کا تشریحی نام اختیار کریں۔

علمی نظام اکائی کی خصوصیات علمی نظام اکائی کی ممتاز خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) فی زمانہ یہ نظام تمام علمی دنیا میں رائج ہے اور کوئی دوسرا نظام اسکی
عالمگیر مقبولیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) اس نظام کے مطابق اجسام کے اوزان مخصوصہ اور کثافت اضافی
دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

کسی چیز کی کثافت ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ اس چیز کے وزن اور حجم
کی حاصل تقسیم ہوتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر ایک مکعب سنٹی میٹر چیز کا وزن اس چیز
کی کثافت یا وزن مخصوص کہلاتا ہے۔

کثافت یا وزن مخصوص کی تعریف اسے اور زیادہ عمومیت کے ساتھ کہنے کا ایک طریقہ یہ ہے
کہ کثافت وزن حجم یا اکائی حجم کے وزن کو کہتے ہیں۔

کثافت اضافی کسی چیز کی کثافت اور پانی کی کثافت کے تناسب کو
اس چیز کی کثافت اضافی کہتے ہیں۔

علمی نظام اکائی کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے مطابق چیزوں کی
کثافت اور کثافت اضافی دونوں کا اندازہ ایک ہی ہندسے سے ہو جاتا ہے
اس لیے کہ اس نظام کے مطابق چار درجہ حرارت میں کیونکہ ایک مکعب سنٹی میٹر
پانی کا وزن ایک گرام ہوتا ہے اس لیے پانی کی کثافت بھی ایک ہوئی اور
باقی چیزوں کی کثافت ان کی کثافت اضافی کے برابر ہو گئی۔ کثافت
اضافی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز پانی سے کس قدر بھاری ہے لفظ بھاری

بھاری اور ہلکے اجسام کا صحیح مفہوم اور ہلکا روزمرہ کی زبان میں غلط معانی میں استعمال
ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ریت کے ذرے ہلکے ہیں
اس لیے وہ ہوا میں اڑتے ہیں۔ اور بمقابلہ ان کے لکڑی کو بھاری کہا جاتا
ہے۔ اس قسم کا مقابلہ چونکہ کسی خاص شرط کا پابند نہیں ہوتا اس لیے اسے
غیر علمی قرار دیا جاتا ہے۔ علمی نقطۂ خیال سے جو کہ فی الاصل حقیقت حال کے
مطابق ہے ریت لکڑی سے بھاری ہے کیونکہ ریت کا وزن مخصوص لکڑی کے
وزن مخصوص سے زیادہ ہے یا دوسرے لفظوں میں اگر دونوں چیزوں
کے برابر حجم لیکر ان کا وزن نکالا جائے تو ریت کا وزن لکڑی کے
وزن سے زیادہ ہو گا۔

نکتہ۔ ایک مبتدی کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ سنٹی میٹر کو میٹر کے بجائے کیوں طول کی اکائی مانا گیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ انتخاب کی پانچ شرائط کے لحاظ سے گرام کلوگرام سے مرجح ہے، اس لیے کہ کلوگرام ایک بہت بھاری وزن ہے اور علمی عمل میں جو نازک اور صحیح (کیمیائی) ترازو استعمال کیے جاتے ہیں ان کے لیے کلوگرام فی الحقیقت بہت زیادہ وزن ہے۔ زیادہ وزن تولنے کے لیے صحیح ترازو بنائے جا سکتے ہیں لیکن ان کی قیمت بہت

ترازو کی حسیت کی تعریف | زیادہ ہو جائے گی۔ اور دوسرے ترازو کی حسیت وزن کی زیادتی سے کم ہوتی جاتی ہے۔ حسیت کا مفہوم یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ بازاری ترازو کے ایک پلڑے میں اگر ایک رتی ڈال دی جائے تو ڈنڈی بمشکل ٹیڑھی ہوگی لیکن کیمیائی ترازو یا جوہری کے ترازو میں ایک رتی سے بہت فرق ہوتا ہے۔ ترازو کی حسیت سے مراد وہ کم از کم وزن ہے جسے ہم صحت کے ساتھ تول سکتے ہیں۔ بایں وجہ کلوگرام بحیثیت اکائی کے ناکارہ ہے اور گرام عین مناسب ہے۔ اب اگر گرام کے ساتھ طول کی اکائی میٹر ہوتی تو میٹر کے خلاف علاوہ اور اعتراضات کے یہ اعتراض آتا ہے کہ گرام اور میٹر کو اکائیاں ماننے سے پانی کی کثافت دس لاکھ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک مکعب میٹر میں ۱۰۰ × ۱۰۰ × ۱۰۰ یعنی دس لاکھ مکعب سنٹی میٹر ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قباحت پیدا ہوتی ہے کہ چیزوں کی کثافت ان کی کثافت اضافی سے دس لاکھ گنا ہو جاتی ہے۔ گرام اور سنٹی میٹر کو اکائیاں ماننے سے یہ نقص بالکل رفع ہو جاتا ہے۔

(۳) علمی نظام اعداد کی ایک بڑی ممتاز خصوصیت ان کے ذریعے حسابی اندازہ کی سہولت ہے۔ تمام اکائیوں (اساسی اور تبعی دونوں) کے حصے بڑے یا چھوٹے سب کے سب صحیح طور پر دس سے منقسم ہو جاتے ہیں۔

(۴)

دس کی خصوصیت | حضرت انسان نے ایک بڑی حد تک علوم کی ترقی میں بھی اپنا جسمانی عنصر نہیں بھلایا۔ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی دس انگلیاں ہونے سے دس کے عدد کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور حساب میں اگر کوئی عدد مقدس یا متبرک کہا جا سکتا ہے تو فی الحقیقت دس ہے۔

کسروں کی تحریر کا ایک بہتر طریقہ | عام طور پر کسریں ½، ⅓، ¼ یا ⅕ لکھی جاتی ہیں۔ ا ۔ ا وے کے لیے تو کسور اعشاریہ جن کا مختصر ذکر ہم ابھی کریں گے بالکل کافی ہیں، اس لیے ہندسی کسریں علمی کاموں میں مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن تناسب کے نشان یعنی ـــ کی اہمیت ہمیں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ یہ نشان ایک طرح کی اعلیٰ مختصر نویسی ہے لیکن بجائے اس کے کہ ہم وزن/حجم لکھیں جو چھپائی میں سطروں کی یکسانیت کے منافی ہے اور جو ایسی مثالوں میں جہاں ایک سے زیادہ تناسب ہوتے ہیں چھپائی میں بالکل نہیں آ سکتا۔ (مثلاً اسراع کی تعریف رفتار/وقت ہے اور رفتار کی تعریف فاصلہ/وقت اس لیے اسراع کو یوں لکھنا ہوگا فاصلہ/وقت/وقت جو کہ صاف طور پر بھدا معلوم ہوتا ہے) ہمیں تناسب کے نشان کو متوازی لکھنے کے بجائے آڑا لکھنا چاہیے یعنی وزن/حجم یا اسراع = فاصلہ/وقت/وقت۔ اس طرز تحریر کے فوائد اور سہولت عیاں ہیں۔

کسور اعشاریہ | ہندسی کسروں کے لیے کسور اعشاریہ جس کا مجموعی نام نظام اعشاریہ ہے زیادہ مناسب ہیں۔ مثلاً ۲/۵ = ۴/۱۰ = ۰.۴ اور ۹/۶ = ۱.۵ وغیرہ۔ کسور اعشاریہ نہ صرف چھپائی کے لیے زیادہ موزوں ہیں بلکہ تمام ہندسی عمل ان کے ذریعے زیادہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتے ہیں۔

اعداد اساسی کے علمی نظام اعداد اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ اس کے بڑے چھوٹے حصے میں اکائیوں کے حصے سب دس کی ضرب یا تقسیم سے حاصل ہوتے ہیں، نظام اعشاریہ کے بالکل مطابق ہے اور اسی لیے سائنٹفک شمارات میں بہت سہولت رہتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سنٹی میٹر میٹر کا ۱/۱۰۰ حصہ ہے اگر ہم اس قاعدہ کو اختیار کر لیں کہ اختصار کے لیے کسی اکائی کا پورا نام لکھنے کے بجائے اس کا پہلا حرف ہی لکھ دیا جائے تو سم = ۰.۰۱ م۔

[illegible] سب اسی قاعدہ کے ماتحت ہین۔ میٹر کے دس سو اور ہزار گنے حصون کے مختص نام ڈیکا میٹر ہیکٹو میٹر اور کلو میٹر ہین ان مین سے صرف کلو میٹر مروج ہو باقی دونون شاذ و نادر استعمال مین آتے ہین اسی طرح گرام کے دس سو اور ہزار گنے حصون کے مختص نام ڈیکا گرام ہیکٹو گرام اور کلو گرام ہین جن مین سے صرف کلو گرام مروج ہو باقی شاذ و نادر ہی استعمال مین آتے ہین۔ میٹر اور گرام کے چھوٹے حصے دسوان اور سوان اور ہزاروان حصے ہین جن کے لیے یہ اصطلاحات مستعمل ہین۔ ڈیسی، سنٹی اور ملی۔

ہم ان نامون کو ایک جدول مین درج کرتے ہین:—

(۱) طول کا پیمانہ

ملی میٹر = ۱/۱۰۰۰ م = ۰۰۱ء۰ م
سنٹی میٹر = ۱/۱۰۰ م = ۰۱ء۰ م
میٹر = ۱/۱ م = ۱ م
کلو میٹر = ۱۰۰۰/۱ م = ۱۰۰۰ م

(۲) وزن کا پیمانہ

ملی گرام = ۱/۱۰۰۰ گ = ۰۰۱ء۰ گ
گرام = ۱ گ = ۱ گ
کلو گرام = ۱۰۰۰ گ = ۱۰۰۰ گ

کسی چیز کی لمبائی یون ظاہر کی جاتی ہو ۵ء۴۰ سنٹی میٹر اور اسکا وزن اسطرح ۴۵ء۰ گرام یعنی ۰ گرام اور ۴۵ء۰ ملی گرام۔

اردو کی مرادف اصطلاحات بطور جملہ معترضہ کے ہم یہان اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہین کہ زبان اردو مین بھی کم از کم ملی سنٹی اور کلو یعنی ہزارواین اور سوین حصہ اور ہزار گنے حصہ کے لیے مرادف الفاظ وضع کئے جانے چاہئین ہم خود علمی اصطلاحات کے متعلق ایک جداگانہ مضمون مین اپنے خیالات ظاہر کرینگے علاوہ ان تین ضروری اسماء کے لاکھ گنا اور لاکھوین حصہ کے لیے انگریزی مین دو نہایت مختصر نام مروج ہین میگا اور مائکرو جنکا ترجمہ بھی ہوی

معلوم ہوتا ہو۔ مثلاً برقی رَو کو کسی جسم مین سے گذرتے ہوے جو مزاحمت پیش آتی ہو اس مزاحمت کی علمی اکائی کو "اوہم" کہتے ہین اور چونکہ بعض اجسام کی جن مین سے عام طور پر بجلی گذرنے نہین پاتی، اور جو عرف عام مین غیر موصل اجسام کہلاتے ہین برقی مزاحمت بہت زیادہ ہوتی ہو اس لیے ایک خاص اکائی جسکا معیار دس لاکھ اوہم ہو میگا اوہم کے نام سے مروج ہو علی ہذا القیاس اگر ایک چیز ملی میٹر کا ایک ہزاروان حصہ لمبی ہو تو اس کی لمبائی کو ایک مائکران کہتے ہین۔ مائکران میٹر کا دس لاکھوان حصہ ہوتا ہو۔ روشنی کی لہرون کی لمبائی مائکران سے بھی کم ہوتی ہو بعض اوقات مائکرو غلطی سے ہزاروین حصہ کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہو لیکن ایسا استعمال حکم شاذ رکھتا ہو اور قابل تقلید نہین ہو۔

انسانی اور قدرتی پیمانے ایک اور ضروری بات قابل غور یہ ہو کہ ہمارے اوزان اور پیمانے سب کے سب انسان کے وضع کردہ ہین اور اس لیے کسی قدرتی اٹل قانون کے تابع نہین ہین۔ مثلاً طول کے پیمانہ مین سنٹی میٹر کو اکائی قرار دیا گیا ہو حالانکہ پلاٹینم کی اصلی سلاخ کی لمبائی ایک میٹر ہے۔ سوال یہ ہو کہ جس چیز کو ہم میٹر کہتے ہین اسے سنٹی میٹر کیون نہین کہتے؟ اسکا جواب نہایت آسان اور سادہ ہو اور وہی ہو جو عام طور پر دنیا کے نامون کے متعلق دیا جا سکتا ہو اور جس کا فلسفہ قرآن شریف مین بھی یون بیان کیا گیا ہو کہ نامون کی علت غائی یہ ہو کہ تم آپس مین ایک دوسرے کو (اور علی ہذا القیاس گرد و پیش کی چیزون کو) پہچان سکو۔ بیشک ہم سنٹی میٹر کو جو دراصل میٹر کے برابر لمبا بناتے ہین اور میٹر کو اس سے سوگنا بڑا لیکن ایسا کرنے کے بعد بھی شکل ویسی کی ویسی رہتی ہو یعنی کیا وجہ ہو کہ ایک خاص لمبائی کو سنٹی میٹر کا نام دیا گیا ہو اور کسی دوسری لمبائی کو یہ نام نہین دیا گیا؟ خلاصہ مطلب یہ ہو کہ آخر کسی نہ کسی لمبائی کو کوئی ایک نام دینا ضروری تھا اس لیے کسی ایک لمبائی کو ایک خاص نام دیدیا گیا اور بعد ازان تمام آدمیون نے باہم گر اتفاق رائے کر لیا کہ آئندہ ہمیشہ اس خاص لمبائی کو اس خاص

نام سے پکارتے ہیں اور اصطلاح سے ایک آدمی کا مطلب ڈیڑھ آدمی سمجھا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر نام ایک طرح کا معاہدہ مخفی یا علی الاعلان ہے اس سے بحث نہیں ہے ہوتے ہیں مابین متفرق اشخاص کے اس امر کے متعلق کہ ہر چیز کو ایک خاص طریقہ سے ادا کیا جائے گا، اور جب تک اسکی حیثیت نہ بدلے یہ طریقہ یعنی اسکا نام نہ بدلا جائے گا۔ دوسرا سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ میٹر کے سوین حصہ کو سوین حصے سے ترجیح دیکر کیوں طول کی اکائی قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب بھی سہولت اور انسانی اختیار ہے لیکن ایک دفعہ اختیار کر لینے کے بعد، وہ بدل شیوۂ عقل نہیں سمجھا جاتا۔

علمی اکائیاں معینہ زندگی میں | علمی پیمائش اور روزمرہ کی زندگی کے کاموں میں ایک فرق یہ ہے کہ سائنٹفک اندازوں میں خواہ کوئی لمبائی بڑی ہو یا چھوٹی اس کو ہم سنٹی میٹر ہی سے ظاہر کرتے ہیں گو ناپتے وقت پیمائش سنٹی میٹر سے نہیں کیجاتی لیکن نتیجہ ہمیشہ اتنے سنٹی میٹر کہا جاتا ہے خواہ وہ نتیجہ سنٹی میٹر سے کتنا ہی بڑا یا کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ مثلاً روشنی کی رفتار فی ثانیہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا فی دقیقہ (منٹ) ایک کروڑ میل ہے۔ علمی اصطلاح میں روشنی کی رفتار ۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ تیس ارب سنٹی میٹر ہے۔ اتنی بڑی رقوم کے اظہار کا ایک مختصر طریقہ اسی مضمون کے آخر میں تشریح کیا گیا ہے۔ اگر میٹر کو اکائی مانا جائے تو روشنی کی رفتار ۳۰ کروڑ فی ثانیہ ہوتی ہے اور اگر کلو میٹر کو اکائی مانا جائے تو وہی رفتار ۳ لاکھ کلو میٹر فی ثانیہ رہجاتی ہے۔

جس سمجھوتے اور باہمی اتفاق رائے کا ہم نے ذکر کیا ہے اسکی مثال نہ صرف علمی دنیا میں پائی جاتی ہے بلکہ تجارتی دنیا بھی ایسے ہی سمجھوتوں پر چلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ علمی دنیا کی اکائیاں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اب مسلمہ طور پر تمام مہذب ممالک میں رائج ہیں تجارتی دنیا کی اکائیاں ملک بہ ملک مختلف ہوتی ہیں۔ انگلستان کا سکہ اور ہے جرمنی کا اور ہے اور فرانس کا ان دونوں سے مختلف ہے لیکن ان سب کے علمی سکے یعنی سائنٹفک اکائیاں اب ایک ہی ہیں۔

(۵)

انگلستان کی سائنٹفک کمیٹی علمی اکائیوں کے وضع کرنے کیلئے | ۱۸۷۳ء سے پہلے بالعموم انگلستان میں سی جی ایس نظام اعداد مروج نہیں تھا لیکن اسی سال انگلستان کے سربرآوردہ علمائے سائنس کی ایک کمیٹی نے اپنے متعدد اجلاس میں غور و خوض کے بعد ملک سے سفارش کی کہ سنٹی میٹر گرام اور ثانیہ کو اختیار کر لیا جائے۔ اس کمیٹی میں لارڈ کیلون، کلارک میکسویل وغیرہم بڑے بڑے جلیل القدر سائنس دان شامل تھے، اور ہم اس تذکرہ سے اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ مناسب اکائیوں کے انتخاب کا مسئلہ بالخصوص علمی کاموں کے لیے کوئی معمولی یا غیر ضروری فضول کام نہیں ہے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کا ترجمہ اگر اردو خوان اصحاب کے سامنے پیش کیا جائے تو ان کو معلوم ہوگا کہ س۔گ۔ث۔ نظام اعداد ان تمام خوبیوں سے متصف ہے جو کہ ایک علمی نظام اعداد میں موجود ہونی چاہیئیں اس رپورٹ میں قابل شمار کمیٹی نے شرح و بسط کے ساتھ تمام میکانیکی اور برقی تبعی اکائیوں کے متعلق بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے اور ان کے مخصوص ناموں سے بحث کی ہے۔ چونکہ ابھی تک اردو زبان میں کوئی مستند کتاب علوم طبیعات کے متعلق موجود نہیں ہے اور بالعموم اردو دان اصحاب علوم طبیعات سے ناواقف ہیں اسلیے اس رپورٹ کا ترجمہ یا اس پر تبصرہ لکھنا سردست فضول ہوگا۔ علمی ترقی کے ساتھ آئندہ خود بخود اس کمی کے پورا کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی اور یہ کام ہو جائے گا۔

س گ ث تبعی اکائیاں | تمام تبعی اکائیاں جن کا ماخذ علمی نظام اعداد کی تین اساسی اکائیاں ہیں س گ ث اکائیاں کہلاتی ہیں ہم یہاں ان تبعی اکائیوں میں سے چند کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں تبعی اکائیوں میں سے بعض ایسی ہیں جن کا انحصار صرف ایک ہی اساسی اکائی پر ہے۔ مثلاً رقبہ کی اکائی کہ یہ سنٹی میٹر ضرب سنٹی میٹر کے برابر ہوتی ہے اس لیے رقبہ کی اکائی ایک مربع سنٹی میٹر ہوگی۔ علی ہذا القیاس حجم کی اکائی مکعب سنٹی میٹر ہوگی دوسری

تصریحی علمی اکائیاں جن کا ذکر کیا گیا ہے زیادہ تر اساسی اکائیوں پر منحصر ہیں مثلاً رفتار کی اکائی کا تعلق طول میں طے شدہ مسافت اور وقت دونوں سے ہے۔ اس لیے رفتار کا تعین ایک سنٹی میٹر فی ثانیہ سے ہوگا۔ پھر بعض تبعی اکائیاں ایسی ہیں کہ ان کے لیے کوئی خاص نام نہیں وضع کیا گیا۔ مثلاً کثافت فی مکعب یا اسراع۔ اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے لیے بوجہ کثرت استعمال یا یوں ہی مختصر نام وضع کیے گئے ہیں۔ مثلاً طاقت کی اکائی کو اسے علمی نظام اعداد کے مطابق ڈائن کہتے ہیں یا کام کی اکائی کو اسے ارگ کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

طاقت اور کام کی علمی اکائیاں ڈائن اور ارگ کے متعلق ان کی علمی اہمیت کے لحاظ سے چند سطریں بے محل نہ ہوں گی۔ مادی اجسام نہ خود بخود حرکت کرنے لگتے ہیں اور نہ خود بخود ساکن ہو جاتے ہیں اور نہ اپنی حرکت کی رفتار بغیر کسی بیرونی اثر کے بدلتے ہیں۔ یہ صفت مادی اجسام کی ممتاز خصوصیت مانی جاتی ہے اسے مختصر علمی اصطلاح میں انرشیا یا جمود کہتے ہیں **انرشیا یا جمود** اور یہ جمود مادہ کی مادیت کا معیار سمجھا جاتا ہے یعنی جس چیز میں یہ صفت ہو اسے مادی چیز کہیں گے۔ ہم اس مضمون پر مفصل بحث اپنے ایک عام فہم مضمون "حرکت کا پہلا قانون" مطبوعہ العصر جون ۱۹۱۳ء میں کر چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ طاقت کی تعریف اسی جمود پر مبنی ہے طاقت وہ ہے جو کسی جسم کی حالت متحرکہ یا حالت سکون کو بدل سکتی ہے۔ جو طاقت ایک ثانیہ عمل کرنے کے بعد ایک گرام میں ایک سنٹی میٹر فی ثانیہ کی رفتار پیدا کر دے اس کو طاقت کی اکائی یا ڈائن کہتے ہیں۔ جب کسی طاقت کا نقطۂ عمل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے تو وہ طاقت کچھ نہ کچھ کام کرتی ہے اور کام کا معیار طاقت اور فاصلہ کا حاصل ضرب ہے۔ اس لیے ارگ یعنی کام کی اکائی کام کی وہ مقدار ہے جو ایک ڈائن طاقت کے ایک سنٹی میٹر حرکت کرنے سے نتیج ہوتا ہے۔ کام کر سکنے کی قابلیت کا نام اصطلاح میں قوت ہے اور اس لحاظ سے علمی طور پر قوت **قوت اور طاقت** اور طاقت ممتاز اور جداگانہ ہستیاں ہیں گو معمولی محاورہ میں ان کو سہولت کے لیے ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔

زمین کی کشش کی طاقت بہت زبردست ہے۔ ایک گرام میں حقیقۃً مقدار مادہ ہوتی ہے اسکو زمین کی کشش تقریباً ۹۸۱ ڈائن کی طاقت سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس لیے اگر آپ ایک گرام کو ایک سنٹی میٹر عمودی فاصلہ اوپر اٹھائیں تو آپ ۹۸۱ ڈائن کی طاقت کا مقابلہ ایک سنٹی میٹر کے فاصلہ میں کرتے ہیں۔ لہذا آپ ایک گرام کے اٹھانے میں ۹۸۱ ارگ کام کرتے ہیں اور دو گرام کے اٹھانے میں ۲ × ۹۸۱ یعنی ۱۹۶۲ ارگ۔ اسی طرح ایک گرام کو ۲ سنٹی میٹر اٹھانے میں بھی ۲ × ۹۸۱ ارگ کام کیا جائے گا۔ ارگوں میں فاصلہ عمودی اور ۹۸۱ کی حاصل ضرب ہوتا ہے جبکہ وزن اور فاصلہ کا اظہار گرام اور سنٹی میٹر کے ذریعے کیا گیا ہو۔

طاقت اور کام کی یہ علمی تشریح بظاہر دق معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم اپنی روزانہ زندگی میں اپنے خیال کی تحلیل کیے بغیر اجمالی طور پر ان امور کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

کام کی ایک عام فہم مثال مثلاً جس آدمی نے کنوئیں میں سے کبھی پانی بذریعہ ڈول نکالا ہوگا وہ جانتا ہے کہ کام پانی کی مقدار کے متناسب ہوتا ہے پانی کے دو ڈول نکالنے میں دوگنا کام کرنا پڑتا ہے یا یوں بھی کہا جاتا ہے کہ دوگنا پانی نکالنے میں دوگنی طاقت صرف کرنی پڑتی ہے۔ اسطرح یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایک کنواں دوسرے سے دوگنا گہرا ہو تو دوگنا کام کرنا پڑتا ہے اور اس حالت میں دو ڈول کھینچنے کے لیے پہلے کی بہ نسبت چار گنی طاقت صرف کرنی پڑتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی عام طور پر معلوم ہے کہ اگر پانی کے بجائے کنوئیں میں سے ریت کے ڈول بھر بھر کر نکالے جائیں تو کام کی مقدار پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور زیادہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اب اگر ان سب خیالات کو یکجا جمع کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ کام کی مقدار متناسب ہے وزن کے اور اس بلندی کے جس میں سے وہ وزن اٹھایا جاتا ہے۔ یہاں انسانی عنصر نمایاں طور پر دکھلاتا ہے اور عضلات کی طاقت کی مناسبت سے کام کی تعریف بالعموم طاقت اور فاصلہ کی حاصل ضرب قرار دی گئی ہے اگر ایک پونڈ وزن کو ایک فٹ

اوپر اٹھایا جائے تو کام کی مقدار کو ایک فٹ پونڈ کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک سیر کو ایک فٹ اوپر اٹھانے میں ایک فٹ سیر کام کیا جائے گا۔ کام کی ایک بڑی اکائی جسے اصطلاح میں ایک گھوڑے کی طاقت کہتے ہیں عملی اکائیوں کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے اور تقریباً تینتیس ہزار فٹ پونڈ فی منٹ کے برابر ہوتی ہے آج کل اس اصطلاح کا استعمال زیادہ تر متروک ہے۔ ایک فٹ پونڈ = ۱۰ × ۱٫۳۵۶ ارگ۔

مقدار حرارت کی اکائی | ایک مشترک تجربی اکائی علم الحرارت میں مقدار حرارت کی اکائی ہے۔ جتنی حرارت ایک گرام پانی کے درجہ حرارت کو ایک درجہ سنٹی گریڈ بلند کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے اسے مقدار حرارت کی اکائی یا کیلوری کہتے ہیں۔ حرارت پیمائی کے لیے مختلف پیمانے مقرر ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔

مقیاس الحرارت | سنٹی گریڈ پیمانہ جس کے مطابق پگھلتی ہوئی برف کا درجہ حرارت صفر کہلاتا ہے اور کھولتے ہوئے پانی کا ایک سو۔ درمیانی درجہ ہا حرارت اس وقفہ کو برابر کے سو حصوں میں تقسیم کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ بالعموم یہی پیمانہ مقیاس الحرارت علمی دنیا میں مروج ہے اس لیے کہ یہ کسر اعشاریہ کے تابع ہے۔ دوسرا پیمانہ فارن ہائیٹ کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق برف کے درجہ حرارت کو ۳۲ اور کھولتے ہوئے پانی کے درجہ حرارت کو ۲۱۲ کہتے ہیں یہ پیمانہ عام طور پر ڈاکٹر اور معالج استعمال کرتے ہیں۔ صحیح جسم انسانی کا درجہ حرارت اس کے مطابق ۹۸٫۴ ہے[1] سنٹی گریڈ پیمانہ میں یہ درجہ حرارت ۳۶٫۹ یا تقریباً ۳۷ کے برابر ہوتے ہیں۔ مقدار حرارت کی اکائی مقرر کرنے میں سنٹی گریڈ پیمانہ استعمال کیا جاتا ہے۔ فارن ہائیٹ کے مطابق کیلوری ۵۵/۱۰۰ یعنی ۰٫۵۵ حصہ چھوٹی ہو جائے گی۔

اسی طرح روشنی برق اور علم الصوت میں ضروری اکائیاں مقرر کی جا سکتی ہیں جن کا استقصا کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔

وقت کی تقسیم | ہم نے اعداد اساسی کا ذکر کرتے ہوئے ارادۃً وقت کی اکائی کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ تمام مختلف نظام صرف وقت کی اکائی کے متعلق متفق ہیں بلکہ وقت کی تقسیم کے مطابق بھی کوئی اختلاف اب نہیں ہے ساٹھ ثانیہ کا ایک دقیقہ (منٹ) ہوتا ہے ساٹھ دقیقہ کا ایک گھنٹہ اور چوبیس گھنٹہ کا ایک دن رات اور سات دن رات کا ایک ہفتہ۔ یہاں تک کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے بعد مہینہ اور سال میں کسی قدر اختلاف ہے مگر علمی اور عملی کاموں کے لیے شمسی سال اور ماہ اب عام طور پر تمام دنیا میں مروج ہیں۔

ثانیہ اور دقیقہ | ثانیہ اور دقیقہ سیکنڈ اور منٹ کا صحیح لغوی ترجمہ ہیں اگر انگریزی الفاظ کو خواہ مخواہ استعمال کرنے کی عادت نہ ہو تو ثانیہ اور دقیقہ صحیح ہیں۔ ہاں اس خیال سے کہ سیکنڈ اور منٹ نہایت مختصر اور آسان الفاظ ہیں ان کے

چند مشہور درجات حرارت [1]۔ چونکہ عام طور پر عوام الناس درجہ حرارت سے ناواقف ہوتے ہیں اسلیے سنٹی گریڈ پیمانہ کے مطابق چند مشہور اور مفید درجات حرارت عام آگاہی کے لیے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

	درجہ سنٹی گریڈ		درجہ سنٹی گریڈ
سورج	تقریباً ۷۰۰۰	کوئلہ جلتا ہے۔	۴۰۰
بجلی کی آرک۔	۳۵۰۰	پارہ کھولتا ہے۔	۳۵۷
لوہا پگھلتا ہے	۱۵۰۰	سیسہ پگھلتا ہے	۳۲۷
حرارت کا درجہ ابیاض	۱۴۰۰	قلعی پگھلتی ہے۔	۲۳۲
چاندی پگھلتی ہے	۹۶۰	گندھک پگھلتی ہے۔	۱۱۵
حرارت کا درجہ احمرار	۷۰۰	نمک اور برف کے ملانے سے کم از کم خنکی	۱۰۷ [illegible] درجہ
		ہوا مائع ہو جاتی ہے۔	۱۸۰

... کے علاوہ زبان کی گندگی کے اور کوئی خاص اعتراض نقل غیر ... نہیں کیا جاسکتا۔

قمری مہینے | مسلمانون کے ہان قمری مہینہ با وجہ مروج نہین ہوسکا و بار گئے ہیں ضروری طور پر شمسی ماہ اور سال مسلمانون کو بھی اختیار کر لینا چاہیے اسکے ... اس مین قمری ہجری ہوسکتا ہو لیکن اگر شروع شروع مین اسکے

شمسی ہجری ۱۲۹۷ | ساتھ ساتھ شمسی ہجری کا سال استعمال کیا جائے جیسا کہ مصر یا بعض دیگر ممالک اسلامیہ مین ہوتا ہو تو بتدریج شمسی سال مسلمانون کے درمیان بھی مروج ہوسکتا ہو۔ تاریخ قدیم مین البتہ اس تبدیلی سے دقت واقع ہوسکتی ہو لیکن وہ دقت اس نوع کی ہوگی جیسی کہ آجکل انگریزی خوان مسلمانون کو بالخصوص میلادی (ع) اور ہجری سال کی تطبیق مین واقع ہوتی ہو۔ قمری مہینون کا بڑا فائدہ رمضان اور حج کی عالمگیری پر غور کرنے سے سمجھ مین آسکتا ہو اور یہ ایسا فائدہ ہو کہ اس کا نعم البدل اور کسی طریقہ سے حاصل نہین ہوسکتا۔ اگر رمضان کا کوئی خاص وقت مقرر کر دیا جائے تو نصف کرۂ شمالی کے لیے اگر سہولت ہو تو نصف کرۂ جنوبی کے لیے مشکل پڑے گی کیونکہ ان دونون مین موسم بالکل متضاد ہوتے ہین۔ ہماری سردی کا موسم وہان کی گرمی ہوتی ہو۔ اور اگر اس کا کوئی ناقص حل کیا جائے تو ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی وقت روزہ دار نہ ہون گے۔ علی ہذا القیاس حج کے متعلق کہا جاسکتا ہو اس خالص اسلامی مسئلہ کے متعلق تفصیل سے لکھنا موجودہ علمی مضمون کے منافی ہوگا۔ ہم اپنے مفصل خیالات کسی دوسرے موقع پر ظاہر کرین گے۔

دوپہر اور سہ پہر | وقت کی تقسیم کے متعلق صرف یہ لکھنا باقی ہو کہ ہندوستان مین گھڑیون کی ایجاد سے پیشتر دن رات کے آٹھ پہر ہوتے تھے اور اگرچہ ہر پہر کی وسعت برابر نہ ہوتی تھی لیکن پھر بھی کام چلایا جاتا تھا اس تقسیم کی یادگار یا الفاظ دوپہر اور سہ پہر ابھی تک باقی ہو۔

(۵)

دوسرا نظام اعداد | سی۔ جی۔ ایس۔ نظام اعداد کے علاوہ دوسرا نظام جس سے انگریزون کے ذریعے سے ہم بھی واقف ہین۔ ف۔ پ۔ س نظام اعداد کہلاتا ہو۔ اس مین طول کی اکائی فٹ ہو اور یہ ایک خاص سلاخ کا جو لندن مین محفوظ ہو تیسرا حصہ ہوتا ہو۔ مقدار مادہ کے لیے پونڈ ہو جسکی تعریف بھی کلوگرام کی طرح دہات کے ایک ٹکڑے سے کی جاتی ہو جو لندن مین محفوظ ہو۔ وقت کی اکائی ثانیہ یعنی ایک دوپہر سے دوسری دوپہر تک کے وقفہ کا ۱/۸۶۴۰۰ وان حصہ ہو۔ اس نظام کی اعداد بھی بدستور سابق حاصل کی جاتی ہو۔ طاقت کی اکائی کو ایک پونڈل کہتے ہین اور کام کی اکائی کو ایک فٹ پونڈ۔ ہم نے دیکھا ہو کہ زمین کی کشش کا اسراع علمی نظام اعداد کے مطابق ۹۸۱ ہو اور یہی اس طاقت کا ہندسی معیار ہو جو زمین کی کشش ایک گرام کے اوپر

طاقت اسراع کی تشریح | لگاتی ہو۔ طاقت اسراع اور مقدار مادہ کا تعلق اس مساوات سے ظاہر ہو۔ طاقت = مقدار مادہ × اسراع۔ اب اگر مقدار مادہ کو اکائی رکھا جائے تو طاقت = اسراع = ۹۸۱ کو سمجھنے کے لیے آپ یہ خیال فرمائین کہ ایک ساکن جسم اگر زمین کی طرف گرا دیا جائے تو شروع ثانیہ مین اسکی رفتار صفر ہوتی ہو اور اخیر ثانیہ مین ۹۸۱ سنٹی میٹر (۳۲ فٹ) فی ثانیہ بالفاظ دیگر ایک ثانیہ مین کسی ساکن جسم کی رفتار مین جب وہ زمین کی طرف گرتا ہو ۹۸۱ سنٹی میٹر فی ثانیہ (۳۲ فٹ فی ثانیہ) کی تبدیلی واقع ہوتی ہو۔ اوسط رفتار ظاہر ہو کہ پہلے ثانیہ مین ۹۸۱/۲ یعنی تقریباً ۴۹۰ سنٹی میٹر فی ثانیہ ہوگی۔ اس لیے پہلے ثانیہ مین ساکن جسم ۴۹۰ سنٹی میٹر (یعنی ۱۶ فٹ) فاصلہ زمین کی طرف گرتا ہو دوسرے مین ۱۴۷۱ سنٹی میٹر (۴۸ فٹ) یعنی پہلے دو ثانیہ مین ۱۹۶۲ سنٹی میٹر (۶۴ فٹ) گرتا ہو۔

مختلف درجہ کے پیمانون کے باہمی تعلقات | اب صرف ہندوستانی اوزان اور پیمانون کے علمی اوزان اور پیمانون کے ساتھ باہمی تعلقات بتلا دینے باقی ہین۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ ایک انچ تقریباً ۲½ سنٹی میٹر جس سے ایک فٹ مین تقریباً ۳۰ اور ایک گز مین ۹۱ سنٹی میٹر نکلتے ہین۔ ایک میٹر ۳۹ انچ یا ۳۹.۳۷ انچ۔ ایک ملی میٹر انچ کا ۱/۲۵ حصہ ہوتا ہو۔ ایک کلو میٹر تقریباً ۵ فرلانگ کے برابر ہوتا ہو اور سولہ سو میٹر تقریباً ایک میل ہوتے ہین ہندوستانی گرہ

ہیں۔ اور مقدم چونکہ علی الترتیب کپڑے اور زمین کی پیمائش میں کام آتے ہیں، مفصلہ بالا مساوات سے علمی اعداد کے ساتھ ملائے جا سکتے ہیں۔ پریشانی اور بیگانگی اعداد کا ایک مجسم نمونہ ہندوستانی کوس ہے جس کی ملک کے مختلف حصص میں مختلف قیمتیں ہیں۔

رقبہ اور حجم کے پیمانے استعمال میں کم آتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو یک لخت سنٹی میٹر کو اپنی اکائی مقرر کر لینا چاہیئے بلکہ یہ کام بتدریج ہونا چاہیئے جوں جوں ملک میں علمی تعلیم کا چرچا ہوگا سائنس دانوں کی تعداد بڑھے گی، اور آہستہ آہستہ سنٹی میٹر اور علمی نظام اعداد کی خوبیاں دلپذیر ہوتی جائینگی۔ اور پھر گو ایک حد تک اس امر سے بڑی سہولت ہوتی ہے کہ تجارتی کاروبار اور علمی تحقیقات کے ایک جیسے پیمانے ہوں لیکن ضرورت زیادہ تر صرف اس بات کی ہے کہ علمی کاموں کے لیے ہمارے ہاں وہی اکائیاں مروج ہو جائیں جو باقی مہذب ممالک میں رائج ہیں۔ تجارتی کاروبار بھی آہستہ آہستہ تغیر پذیر ہوتے جائیں گے لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ جہاں خالص ہندوستانی پیمانوں کو چھوڑا جائے اور ان کی جگہ کوئی غیر ہندوستانی پیمانہ اختیار کیا جائے وہاں بہتر ہوگا کہ ہم سائنٹفک نظام اعداد کو اپنا رہبر بنائیں۔ مثلاً اگر گرہ کو کسی زمانہ میں متروک کیا جائے تو انچوں کی بجائے سنٹی میٹر زیادہ موزوں ہوں گے۔

وزن اور حجم کے تناسب کو ہم پہلے بھی کثافت کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ امر واضح کرنا ہے کہ اگر دودھ کو بجائے تولنے کے ناپا جائے تو کثافت کا علم ہونا ضروری ہے اور حجم کے حساب سے دودھ یا کسی اور مائع کی خرید میں اس کی کثافت اضافی کا جاننا لازمی ہے۔

اوزان کے متعلق صرف یہ کہنا باقی ہے کہ ہمارے ہاں وزن کا تعلق شاذ ہی حجم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پونڈ اور سیر کا تعلق مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے ۸۰ تولہ یا ۱۶ چھٹانک کا سیر ۲ء۰۶ پونڈ کے برابر ہوتا ہے بالفاظ دیگر ایک پونڈ میں تقریباً ۸ چھٹانک ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی ایک پونڈ ۳۹ تولہ کا بھی ہوتا ہے اب چونکہ ایک پونڈ میں ۴۵۳ گرام ہوتے ہیں اور ۲ء۲ پونڈ ایک کلوگرام کے برابر ہوتے ہیں اس لیے ایک سیر ایک کلوگرام سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔ صحیح طور پر ایک سیر تقریباً ۹۳۳ گرام کے برابر ہوتا ہے اس لیے ایک چھٹانک میں تقریباً ۵۸ گرام ہوئے اور ایک تولہ میں تقریباً ۱۱ گرام ہوتے ہیں چونکہ ۱۲ ماشہ کا تولہ ہوتا ہے اس لیے ایک ماشہ تقریباً ایک گرام وزنی ہوتا ہے علمی کاموں کے لئے گرام کے ایک ہزارویں حصہ کو ملی گرام کہتے ہیں۔ اس لیے ایک رتی میں تقریباً سوا سو ملی گرام ہوتے ہیں (علمی عملوں میں جو کیمیائی ترازو ہوتے ہیں ان کی مدد سے بآسانی ایک ملی گرام کا دسواں بلکہ سواں حصہ صحت کے ساتھ تولا جا سکتا ہے بالفاظ دیگر رتی کا دس ہزارواں حصہ بھی صحیح طور پر تولا جا سکتا ہے

رتی کے دس ہزارویں حصہ تولنے کی مثال

اس چھوٹے سے وزن کا صحیح مفہوم سمجھ میں یوں آ جائے گا کہ آپ ایک ترازو کے دونوں پلڑوں میں کاغذ کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈال کر ڈنڈی کو سیدھا کر لیں اور پھر ایک ٹکڑے کے اوپر پنسل سے رتی لکھ کر ترازو میں رکھیں تو جس قدر اختلاف وزن میں اس تحریر سے پیدا ہوگا، وہ سہولت کے ساتھ ہم اپنے ترازو کی مدد سے معلوم کر لیں گے۔)

ایک گرام تقریباً ۱۵ء۴ گرین کے برابر ہوتا ہے اس لیے ایک گرین میں تقریباً ۶۵ ملی گرام ہوتے ہیں ہزار مکعب سنٹی میٹر پانی کا وزن ایک کلوگرام ہوتا ہے اس لیے ایک سیر پانی کا حجم تقریباً ایک ہزار پینتالیس مکعب سنٹی میٹر ہوا چونکہ ہزار مکعب سنٹی میٹر کو ایک لیٹر بھی کہتے ہیں اس لیے ایک سیر پانی ۱ء۰۴ لیٹر کے۔ اسی طرح ایک لیٹر پانی کا وزن ۲ء۲ پونڈ ہوتا ہے (جو ۲ء۲ پونڈ اور ڈبلے کے برابر ہوتے ہیں) دس پونڈ پانی تقریباً ایک گیلن کے برابر ہوتا ہے اس لیے ایک گیلن میں ۴ء۵ لیٹر ہوتے ہیں چونکہ ایک گیلن میں چار کوارٹ ہوتے ہیں اس لیے ایک کوارٹ = ۱ء۱۲۵ لیٹر اور ایک پائنٹ = ۵۶۲ مکعب سنٹی میٹر۔

(۷)

مساوات وسعتی

علی ہذا القیاس سمتی اکائیوں کے لیے تحویل کے جدول تیار کیے جا سکتے ہیں جو کہ سر دست مطلوب نہیں ہیں لیکن اکائیوں کے ایک نظام

اس لیے ۳۰ کروڑ = 3×10^{8} اسی طرح کی لکھی ہوئی رقوم کی ضرب تقسیم دس کی طاقتوں کو جمع یا تفریق کرنے اور باقی اجزا کی معمولی ضرب سے حاصل ہوتی ہے مثلاً ہمیں ۳۶ کروڑ کو ۱۲ ہزار سے تقسیم کرنا ہو تو $3.6 \times 10^{8} \div 1.2 \times 10^{4} = 3 \times 10^{4}$ اور اگر ان کو ضرب دینا ہو تو حاصل ضرب $3.6 \times 1.2 \times 10^{12} = 4.32 \times 10^{12}$ ہوتا۔ اسی طرح منفی طاقتوں کے متعلق کرنا چاہیئے۔ البتہ اس حالت میں الجبری جمع کی ضرورت ہوتی ہے۔ الجبری کی مثال یہ ہے $10^{-3} \times 10^{5} = 10^{2}$ ۔ بالفاظ دیگر الجبری جمع میں معمولی جمع تفریق دونوں شامل ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک لاکھویں حصہ کو ۵ ہزار سے ضرب دینا ہو تو $10^{-5} \times 5 \times 10^{3} = 5 \times 10^{-2}$ اور اگر انہیں اعداد کو تقسیم کرنا ہوتا تو $10^{-5} \div 5 \times 10^{3} = 10^{-8} \div 5 = 0.2 \times 10^{-8}$ ۔ غرضکہ اس مختصر طریق نوشت کی مدد سے بڑی سے بڑی رقم بآسانی لکھی جا سکتی ہے۔

(۹)

سائنٹفک اعداد

اب ہم اس مضمون کو علوم طبیعیات میں سے علمی اعداد کی چند موٹی موٹی مثالیں بیان کرنے کے بعد ختم کرتے ہیں۔ علوم طبیعیات میں انسانی دماغ ایک طرف کروڑہا اور کروڑہا گرام اور اس سے بھی سنٹی میٹر اوزان اور فاصلوں کو دریافت کرتا ہے، دوسری طرف ایک سنٹی میٹر اور گرام کے کروڑویں حصے کو بھی اپنی دسترس سے باہر نہیں سمجھتا۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ روشنی کی رفتار فی ثانیہ 3×10^{10} سنٹی میٹر ہے۔ بعض ستاروں کا بُعد اس قدر زیادہ ہے کہ ان کی روشنی کو ہمارے پاس پہنچنے کے لیے ہزارہا سال درکار ہیں۔ ایسے بڑے فاصلوں کے لیے روشنی کی رفتار فی ثانیہ یعنی 3×10^{10} سنٹی میٹر کو اکائی قرار دینا بھی چنداں مفید نہیں پڑتا۔ سورج ہم سے ۹ کروڑ میل دور ہے اور سورج کی روشنی ہمارے پاس ۸ یا ۹ دقیقہ میں پہنچتی ہے۔ صرف اسی ایک مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ستاروں کا

سب سے قریب ستارے الفا سنٹاری کا بُعد

بُعد کیا ہوگا۔ سب سے قریب ترین ستارے کی روشنی تقریباً ۴ سال میں ہمارے پاس پہنچتی ہے اور اس کا فاصلہ تقریباً 4.3×10^{18} سنٹی میٹر ہے یعنی ایک کے بعد اٹھارہ صفر (میلوں میں یہ فاصلہ 2×10^{13})۔ اگر آپ اس رقم کو شمار کرنے کی کوشش کریں تو بلا مبالغہ تین لاکھ سال درکار ہوں گے۔ ہم عنقریب روشنی کی رفتار کے متعلق ایک دلچسپ بحث کے عنوان سے ایک جداگانہ مضمون شائع کریں گے۔ ستاروں کے علاوہ ان کا وزن اور حجم بھی جن کے صحیح اندازہ کرنے کے طریقے آج کل بخوبی معلوم ہیں اسی نسبت کے ساتھ بڑا ہے۔ اس کے بعد ہم نظام شمسی میں آتے ہیں جہاں مختلف سیاروں کا فاصلہ سورج اور زمین سے ناپا گیا ہے۔ سورج سے زمین کا بُعد 1.5×10^{13} سنٹی میٹر ہے۔ عطارد جو کہ سورج سے قریب ترین سیارہ ہے سورج سے 5.8×10^{12} سنٹی میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اجرام فلکی میں ہمارا سب سے قریب ترین پڑوسی چاند ہے جس کا بُعد زمین سے 3.85×10^{10} سنٹی میٹر ہے۔ زمین کا محیط 4×10^{9} سنٹی میٹر ہے اور کوہ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی 8×10^{5} سنٹی میٹر بلند ہے۔ آدمی کی اوسط لمبائی 1.8×10^{2} سنٹی میٹر ہے۔ اگر ان رقوم میں سنٹی میٹروں کی بجائے میٹر، کلومیٹر یا میل لکھنے ہوں تو علی الترتیب 10^{2}، 10^{5} اور ۱۶۰۹۰۰ سے تقسیم کرنا ہوگا۔

چھوٹے اعداد

یہ تو دوربین کے کرشموں کا اجمالی ذکر ہے۔ خوردبین کی مدد سے ہم بہت چھوٹے فاصلے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کسی آلہ کی امداد کے بغیر ان کو آسانی انچ کے تین سویں بلکہ حصہ سے پانچ سویں بلکہ حصہ تک تمیز کر سکتی ہے یا بالفاظ دیگر اگر ایک انچ میں ۵۰۰ خط کھینچے جائیں تو آنکھ ان کو علیحدہ علیحدہ دیکھ سکتی ہے۔ انچ کا پانچ سواں حصہ سنٹی میٹر کا دوسوواں یا ملی میٹر کا بیسواں حصہ بنتا ہے۔ خوردبین کی مدد سے ہم ملی میٹر کا ہزارواں حصہ (جسے مائکران بھی کہتے ہیں) دیکھ سکتے ہیں۔ روشنی کی بڑی سے بڑی لہروں کی لمبائی اس کے نصف سے شروع ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر روشنی کی ۳۴ ہزار لہریں ایک انچ میں تیرہ ہزار دو سو لہریں ایک سنٹی میٹر میں آجاتی ہیں۔ سب سے چھوٹی رقم جس سے انسان واقف ہے برقیہ یعنی برق سالبہ کا ذرہ ہے جس کی مدد سے

برقیے

نہ صرف علم البرق کے تمام عقدے حل ہو جاتے ہیں بلکہ روشنی حرارت

[illegible] غریب خواص اور خود مادہ کی ماہیت کے متعلق ان کی [illegible] بہت مکمل معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔

خاتمے پر رہا اس حیرت انگیز وسعت کے انسانی علم نہ صرف محدود بلکہ مسلم طور پر بے حد حساب ناقص ہے۔

فیروزالدین مراد

مبادی حیات

از منشی تیرتھ رام صاحب فیروزپوری۔ ایڈیٹر رسالہ ترجمان۔ لاہور

گویا بازار حیات میں جہاں کہیں ہم گرد نظر ڈالتے ہیں اس قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جنہیں دو خاص اقسام پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک بے جان مثلاً گھر، چٹانیں، پتھر وغیرہ اور دوسرے جاندار جیسے آدمی چڑیاں وعلیٰ ہذا القیاس۔ آخر الذکر میں جیسا ظاہری خود روی اور بطاقت حرکت پائی جاتی ہے وہی انکی نمایاں صفت ہے جو ان کو بے جان نوعی اشیا سے ممیز کرتی ہے لیکن اگر ہم اس بارے میں زیادہ غور سے کام لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قسم میں بعض ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جو ہر چند کہ گھروں یا پتھروں کی طرح ایک ہی جگہ کھڑی رہتی ہیں اور بظاہر بے حس ہیں تاہم جاندار ضرور ہیں۔ میری مراد درختوں گھاس پودوں اور جھاڑیوں سے ہے ان میں بھی پرندوں اور حیوانوں کی طرح جان ہے گو طاقت حرکت موجود نہیں۔ پرندے کی گردن مروڑ دو تو مر جائے گا پودہ کی جڑ اکھاڑ ڈالو مرجھا جائے گا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاندار دونوں ہیں گو ان کی زیست کا معیار جدا جدا ہے۔

پس مختصر لفظوں میں ہمارے گرد دو قسم کی موجودات ہیں:۔

(۱) بے جان اشیاء (INORGANIC)

(۲) جاندار وجود (ORGANIC)

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں کی تاریخ کا سراغ لگانا کہاں تک ممکن العمل ہے۔ میرے ہاتھ میں ایک شیشہ کا ٹکڑا یا اینٹ ہے میں جانتا ہوں کہ دونوں کی ترکیب ان نہایت چھوٹے چھوٹے ذرات کی بدولت ہے جو کم و بیش ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تحقیقات کرتے وقت سوال مطلق پیدا نہیں ہوتا کہ یہ اینٹ سے پیدا ہوئی یا شیشہ شیشے سے لیکن اگر

بخلاف ازیں میں کسی شیشم کے درخت یا گھوڑے کے قریب کھڑا ہو کر اس پر غور کروں تو فوراً خیال ہوتا ہے کہ اسکی ابتدا نہایت چھوٹے درجے سے ہوئی تھی اور یہ کہ انھوں نے بتدریج اس حد تک ترقی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی ہاتھوں میں انہیں تیار کرنے کی قدرت نہیں اور یہ کہ گھوڑا گھوڑی سے اور شیشم کا درخت بیج سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح ہمیں اپنے ارد گرد جس قدر آدمی نظر آتے ہیں ان سب کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ اُن کی ابتدا اُن کے والدین سے ہوئی۔ وہ براہ راست مٹی یا گوشت پوست سے تیار نہیں ہوئے۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ ایک باریک جرم کا کسی موجود جرم سے پیدا ہونا یا کوکر موتے کا کوکر موتے کے بیج سے پیدا ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جراثیم اور کوکر موتے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر پنیر کو کسی نمدار جگہ پر پڑا رہنے دیا جائے تو اس کے اندر خود بخود کیڑے پیدا ہونے لگتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ علماء نے اس بارے میں جو تحقیقات کی ہے اس سے وہ بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو بات حضرت انسان کی پیدایش پر صادق آتی ہے وہی ادنے درجہ کی حیوانی اور نباتاتی ہستیوں پر عاید ہوتی ہے۔ سائنس الحال کا قول یہ ہے کہ پنیر کے کیڑے خود بخود پنیر کے اندر سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ انکی پیدایش بھی اُن کے والدین ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس بارے میں علمائے یورپ نے وقتاً فوقتاً مختلف اصول قائم کیے ہیں۔ یہ اصول بجائے خود بہت بڑی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں اور جیسا کہ تاریخ علوم میں لازمی ہے ان میں وقتاً فوقتاً جدید تحقیقات کی بنا پر ترمیم و اصلاح ہوتی رہی ہے۔ ہمارے جس زمانے میں خون کا مسئلہ دریافت کیا تھا اور جدید العصر سائنسدان تسلیم کیا جاتا ہے مگر ہر ایک [illegible]

جب ابھی تمام علما اس فیصلے پر پہنچا تھا کہ ہر قسم کی ہستی کی ابتدا بیضہ سے ہوتی ہے۔ لیکن اسکے بعد انیسویں صدی میں علمی ترقیات کی بدولت اور خوردبین کی مدد سے اس نظریہ میں بہت کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔

شلڈاور شوان نے تحقیقات مابعد کی بنا پر یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ بدنی کوٹھریوں کی ابتدا بدنی کوٹھریوں سے ہوتی ہے۔ اس امر کا بیان یہ تھا کہ ہر جاندار شے بدنی کوٹھریوں یا خانوں سے مرکب ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی چونکہ اغلب ہے کہ ادنیٰ درجہ کی ہستیاں ابھی اسقدر ارتقا حاصل نہیں کر چکیں کہ ان کے بدن کوٹھریوں کی صورت میں آ گئے ہوں اس لیے اس نظریہ کی ترمیم شدہ اور صحیح صورت یہ ہے کہ ہر قسم کی ہستی ہستی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہے کہ اگر مہیا نہ ہوں حیاتی عناصر جبتک نہوں تو نواحی حالات خواہ کیسے ہی موں اس میں سے ایک بھی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ عقیدہ زمانہ حال کے قریب قریب تمام ماہران علم الحیوٰۃ کا ہے۔

روئے زمین پر ہستی کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی

آگے چل کر میں اس عالمگیر عقیدہ کی وجوہ پر تفصیلی بحث کرونگا مگر سردست یہ فرض کر لینے کے بعد کہ علما آغاز حیات کے بارے میں کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچے میں ان مختلف خیالات کا سرسری طور پر ذکر کرونگا جو لوگوں میں روئے زمین پر ہستی کی ابتدا کے بارے میں قدیم سے چلے آتے ہیں اس کے متعلق چار مختلف عقیدے ہیں بلکہ شاید انھیں ساڑھے تین کہنا زیادہ موزوں ہوگا کیونکہ ایک عقیدہ سی زیادہ تر مذاقیہ ہی ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ جب سے سطح زمین اسقدر سرد ہو گئی کہ اس پر پانی اپنی مائع صورت میں موجود رہنے لگا اسی وقت سے لیکر دنیا میں جاندار مادہ کی نہایت باریک اور سادہ صورتیں تیار ہو رہی ہیں اور یہ کہ جہاں کہیں کیفیات مناسب حال ہیں اب بھی ایسی ہی صورتیں تیار ہوتی رہتی ہیں۔ اس خیال کی مسئلہ بقا اور ارتقا سے مطابقت ہے جو زمانہ حال سا ایک عالمگیر اور نہایت قیمتی نظریہ ہے۔ اسکی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سمندروں میں ہر جگہ ادنیٰ ترین قسم کی ہستیاں موجود پائی جاتی ہیں لیکن

میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ علمائے حال اس امکان کے خلاف ہیں۔

اس کے ساتھ ہی جب ہم زمانہ حال کے عقیدہ "ہر قسم کی ہستی ہستی سے پیدا ہوتی ہے" پر غور کریں تو خواہ مخواہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتدا میں جو ہستی یہاں موجود تھی اور جو بعد کی تمام ہستیوں کی ماں تھی وہ کہاں سے آئی تھی؟ اس کا ماہران علم الحیوٰۃ کے پاس کوئی جواب نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اصول ہمیشہ اسیطرح نہ تھا۔ اُن کا قول ہے کہ گو آج بے جان مادے جاندار چیز تیار نہیں ہو سکتی تاہم ماضی بعید میں حالات اس قسم کے تھے کہ روئے زمین پر ہستی کا آغاز قدرتی طور پر بذریعہ ارتقا ہو گیا تھا۔ ٹنڈل کہتا ہے:—

"اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک سیارہ سورج سے جدا ہو کر اس سے اسقدر فاصلہ پر گھومتا رہے جسقدر کہ ہماری زمین ہے تو کیا اس کا ایک نتیجہ جاندار ہستیوں (آرگینک) کا ظہور نہ ہوگا؟ مجھ سے پوچھو تو جواب مثبت میں ہے"

اور اس بارے میں زمانہ حال کے باقی ماندہ علما بھی ٹنڈل ہی کے ہمخیال ہیں۔

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں وہ کون سے حالات تھے جن کی بدولت کرۂ زمین پر ہستی کا ارتقا عمل میں آیا؟ یہ تو یقیناً ممکن ہوگا کہ اسکے لیے نسبتاً تیز حرارت کی ضرورت ہو کیونکہ اس زمانہ میں کرۂ زمین کی حرارت اس درجہ کم ہو گی جس پر کہ پانی اُبلنے لگتا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ شاید اس قدیم زمانہ میں جسے گذرے ہوئے بقول لارڈ کیلون دس کروڑ سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے زمانہ موجودہ کی نسبت کرۂ ارض پر اس ارتقا کے لیے زیادہ موزوں اسباب کیمیائی موجود ہونگے۔ لیکن ماہران علم کیمیا اس خیال کی تکذیب کرتے اور کہتے ہیں کہ بجائے اس کے زمانہ موجودہ میں زمین بے شمار اقسام کے پیچیدہ کیمیائی مرکبات سے بھری ہوئی ہے جن کا جاندار مادہ کی صورت اختیار کر لینا ہر طرح قرین قیاس ہے مگر حقیقتاً ایسا آجتک کبھی نہیں ہوا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمانہ ماضی میں جبکہ یہ اشیا بھی اس کثرت سے موجود نہ تھیں جاندار مادہ جس میں اس قسم کے مرکبات پائے جاتے ہیں خود بخود پیدا ہو گیا۔ بڑی مشکل اور ناقابل یقین دلیل ہے۔

تیسرا عقیدہ وہ ہے جسکے بانی لارڈ کیلون ہیں۔ لارڈ کیلون گو مسلم الحیوٰۃ

[illegible] ایک ستیارہ اور [illegible] عالم موجود ہیں۔ انکی سلسلے مین نئے ترین
[illegible] مسئلہ اول مرتبہ ظہور پذیر ہونے کی دلیل سوائے اسکے اور کوئی نہین
[illegible] ایک خاص قول ہے ان کے الفاظ یہ ہین کہ سائنس بتاتی ہے کہ وہ
[illegible] کی محتاج ہے۔ جب لارڈ کیلون نے یہ ظاہر کی تھی تو اکثر علمائ
[illegible] نے اعتراضات اور نکتہ چینی کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔

ہم اوپر بیان کر چکا ہوں کہ کرۂ ارض پر ابتدائے حیات کے بارے
میں جو مختلف عقیدہ رائج ہیں۔ تین کا ذکر ہو چکا ہے چوتھی جو زیادہ تر [illegible]
خیال ہوا۔ اور جس کے بانی خود لارڈ کیلون ہی ہین۔ یہ ہے کہ آج سے قریبا قرن
پہلے جب کسی دوسری دنیا مین قیامت برپا ہوئی ہوگی جراثیم حیات اس
دنیا کی تباہی سے ڈھیتے ہوے کھنڈرون مین مل کر اس دنیا پر آ پہنچے ہونگے
تخییل بڑا زبردست ہے مگر امید نہین کہ تحقیقات مابعد کو پیش نظر رکھتے ہوے
خود لارڈ کیلون بھی اس خیال کو صحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوے ہون۔ اگر ہم
فرض کر لین کہ شہاب ثاقب در اصل دمدار تارون کے ٹکڑے نہین بلکہ دوسری
دنیاؤن کے ٹکڑے ہوتے ہین اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی مان لین کہ ایسے شہاب
اس دنیا تک پہنچتے ہوے راستہ مین اس قدر گرم نہین ہو جاتے کہ ان پر جسقدر
جراثیم حیات موجود ہون وہ تلف ہو سکین تو پھر سوال بدستور وہی قائم
رہتا ہے کیونکہ اسکی توضیح کس طرح کی جا سکتی ہے کہ اس دوسری دنیا مین ابتدائے
حیات کیونکر ہوئی؟

پس معاملہ صرف پہلی دو دلائل ہی مین اٹک رہتا ہے یعنی یہ کہ یا تو قول
سپنسر اس وقت بھی سطح زمین پر جاندار مادہ کی تیاری کا عمل ظہور مین
آ رہا ہے اور ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے یا یہ کہ قدیم زمانہ ماضی مین ایک قدرتی
انقلاب کے ذریعہ سے اس قسم کا صرف ایک بار ظہور پذیر ہوا تھا اور اسکے بعد
ایسا ہونا بند ہو گیا ہے۔

کیا بے جان مادہ سے جاندار مادہ تیار ہو سکتا ہے

ان خیالات مین سے بھی گذشتہ سال کی سرگرم بحث کے بعد اب
جس دلیل کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے یہی ہے کہ ہر قسم کی ہستی ہستی سے پیدا ہوتی
ہے۔ ٹنڈل نے پہلے، پاسٹیور اور ڈاکٹر بیسٹین مین متعلق اس بارے مین
بحث چھڑی رہی تھی اور اس بحث کا عملی تجربی نقطۂ نظر سے فیصلہ تسلیم
کیے ہین کہ خود بخود آغاز حیات کے فرضی خیال کی کامل طور پر تردید ہو چکی
ہے اور اب مسئلہ یہی ہے کہ ہر قسم کی ہستی ہستی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو
آجکل کے طلبائے علم حیوانات و علم النباتات کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔
لیکن زیادہ عرصہ نہین گذرا جبکہ زمانہ حال کے بعض مشہور سائنس دانون مین اس
سوال پر بحث چھڑ گئی تھی۔ سر آلیور لاج اور پروفیسر [illegible] نے اس بارے
مین اخبار ٹائمز مین متعدد مضامین شائع کرائے تھے اور ڈاکٹر بیسٹین نے
اسپر ایک کتاب لکھنے کے علاوہ ہفتہ وار اخبار نیچر مین بعض نہایت اہم
آرٹیکل شائع کئے تھے۔ اس بحث کے دوران مین یہ امر بطریق احسن واضح کر دیا
گیا تھا کہ اگر اس قسم کے مادون کو جنہین عام طور پر اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو ان مین
لاانتہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہین اگر کافی طور سے ابالا جائے اور اس کے بعد ایسے
طریق پر محفوظ رکھا جاوے کہ وہ ہر قسم کی خارجی چیز سے بچے رہین تو پھر ان مین
نہ کیڑے نہ جراثیم غرض کچھ بھی نہین پیدا ہوتا۔ دلیل یہ ہے کہ اس مادہ مین جراثیم حیات
پہلے سے موجود تھے جب اسے ابالا گیا تو وہ تلف ہو گئے اور اب اس وقت تک یہ
مادہ بے جان پڑا رہے گا جب تک کہ خارجی طور پر اس مین جاندار مادہ کہین سے
نہ پہنچایا جائے۔ پس ثابت ہوا کہ ہستی کا خود بخود ظہور مین آنا محض غلط خیال ہے
ہستی کی ابتدا کسی موجودہ ہستی ہی سے ہو سکتی ہے۔

ان مباحثات کو یہین چھوڑ کر آؤ اب ہم ذرا یہ دیکھین کہ علمائے قدیم کی
اس بارے مین کیا رائے تھی؟ آج تقریباً ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ اپنے
زمانہ کے مشہور سائنس دان عمانوئیل کینٹ نے نظریۂ سحاب کو دنیا کے روبرو پیش
کیا تھا۔ اس نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ نظام شمسی کا آغاز گیس کے ایک بادل سے ہوا تھا۔
جب اس دھندلے بادل مین سے زمین اپنی ابتدائی حالت مین نکل کر اپنے موجودہ
مقام پر مستقر ہونے لگی تو اسکے بھبکے ٹھنڈے ہو کر ایک پانی جو اس وقت کھولتا ہوا تھا

مین جمادات کی صورت مین موجود تھا اس نے یہ صورت اختیار کرکے آگرا اور وہی سمندر بنا۔ اس نظریہ کو پیش خیال سمجھتے ہوے مشہور و معروف کونٹ بلیفن نے خیال ظاہر کی تھی کہ ہستی کی ابتدا شاید سمندرون بلکہ قطبی سمندرون مین ہوئی تھی کیونکہ سب سے پہلے وہی سرد ہوے ہون گے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ ایک نکتہ اس فرانسیسی نے کہا تھا کہ بدن انسانی مین نمک کا جو جز پایا جاتا ہے وہ دراصل اسی بات کی یادگار ہے کہ اسکے اسلاف کی پیدائش سمندر سے ہوئی تھی جسکا پانی کھاری ہوتا ہے۔

کینٹ کے بعد ہربرٹ اسپنسر نے ارتقاے عالمگیر کا نظریہ قائم کیا جو تمام حال کے تمام سائنٹیفک عقائد کی کنجی ہے۔ مگر اس نے بھی ابتداے حیات کے بارے مین یہی راے ظاہر کی کہ ہستی کا آغاز جاندار مادہ ہی سے ہو سکتا ہے بے جان مادہ کبھی ارتقا حاصل کرکے جاندار نہین بنتا۔

چارلس ڈارون نے جب قدرتی انتخاب کے ذریعہ سے پودون اور حیوانات کی اقسام کی ابتدا کا امکان ثابت کیا تو اس نے یہی فرض کر لیا تھا کہ شروع مین جاندار مادہ کی بعض سادہ صورتین موجود تھین۔ ان کی ابتدا کا مسئلہ چونکہ اسکے دائرہ بحث سے خارج تھا اس لیے اس نے اس پر کبھی راے زنی نہین کی۔

پروفیسر ہکسل نے ابتداے حیات کے متعلق کاربن کا نظریہ قائم کیا تھا مگر اسکے بعض ایسے ماہرون کے سوا جو علمی معاملات مین کوئی مستقل راے نہین رکھتے کبھی کسی شخص نے اسکے خیالات کی تائید نہین کی اور آخرکار اس کو یہی ماننا پڑا کہ بحالات موجودہ بے جان مادہ سے جاندار کی ابتدا نہین ہو سکتی۔

سوال کا دوسرا رُخ

سطور بالا مین جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے دو باتین واضح ہوتی ہین۔ ایک تو یہ کہ اگر کسی رقیق مادہ کو ابالا جائے تو اس کے اندر غیر معین عرصہ تک جراثیم پیدا نہین ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ آجتک کوئی بڑے سے بڑا سائنسدان بھی آلات و مرکبات کی مدد سے ادنےٰ سے ادنےٰ قسم کا جاندار مادہ تیار نہین کر سکا علم کیمیا کے بانی ہوسیو برتھلوٹ کے سب کامیاب مقلد بھی صرف اتنا کر سکے ہین کہ لاکھون جتن کرکے یہ سادہ قسم کا پروٹیڈ یا البومن وا مادہ تیار کر لین اور وہ بھی اس قسم کی متنوع حرارتون کی مدد سے جن کا نظام فطرت مین ظہور پذیر ہونا غیر ضروری ہے یہ بھی صحیح ہے کہ اگر کسی ایسے مرکب کو جس مین بالعموم بڑا ہنے سے کیڑے نظر آنے لگتے ہون پاسٹیور یا برکفیلڈ کے طریقون پر فلٹر کیا جاے اور اس طرح اسکے اندر سے باریک ترین قسم کے جاندار مادے جدا کر دیے جائین تو اسمین اسوقت تک کسی قسم کے جراثیم پیدا نہین ہوتے جب تک کہ فضا ہی تو عامل نہ ہو اس حد تک اس نظریہ کی پورے طور سے تصدیق ہوتی ہے کہ ہر قسم کی ہستی ہستی سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر انصاف چاہتا ہے کہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی واضح طور پر دکھایا جائے اور اس کے بعد اس بارے مین کوئی خاص راے قائم کرنے کی کوشش کیجائے۔

چالیس سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ ڈاکٹر چارلٹن بیسٹین (ایف۔ آر۔ ایس) جو ہستی کے خود بخود ظہور پذیر ہونے کے قائل ہین اس بحث مین بظاہر مغلوب ہو گئے تھے لیکن حقیقت مین اُنھون نے اپنی بہت سی مصروفیتون کے باعث اس بحث مین حصہ لینا چھوڑ دیا تھا اور لوگ اُن کی خاموشی کو رضامندی پر محمول کرنے لگے تھے۔ انھون نے کئی اہم کتابین شائع کین جن مین بدست خود پنسل سے تصویرین کھینچکر دکھایا تھا کہ خوردبین کے ذریعہ سے مجھے بہت سی ایسی باتین معلوم ہوئی ہین جو مقبول عام نظریہ کے خلاف ہین۔ لوگ ان کی تحقیقات پر ہنسی اُڑاتے اور ان تمام معلومات کو اُنکے تخئیل کی بلند پروازی سے منسوب کرتے تھے۔ اس وقت تو ڈاکٹر بیسٹین خاموش ہو رہے لیکن آخرکار میعاد مقررہ سے پانچ سال پہلے یونیورسٹی کالج ہسپتال کے عہدۂ پروفیسری سے مستعفی ہو کر انھون نے خوردبینی فوٹوگرافی کا مشکل کام سیکھا اور اس کے بعد کم و بیش پانچ ہزار اس قسم کی فوٹو کی تصاویر تیار کین جنکا تعلق کسی نہ کسی طرح آغاز حیات کے مسئلہ سے تھا۔ اس اثنا مین انھون نے جو عجیب و غریب مشاہدات کیے، ان کا حیرت خیز حصہ اس مضمون کی صورت مین قلمبند کیا گیا تھا جو انھون نے رایل سوسائٹی کے روبرو پیش کیا۔ لیکن انسان کی فطری کمزوریان اسے بیحد متعصب بنا دیتی ہین۔ نہ صرف سوسائٹی نے اس مضمون کو سننے سے انکار کر دیا بلکہ اس کے ایک مشہور و معروف ممبر نے تو تحلیل بھی گوارا نہ کی کہ رایل

ستانی کی لائبریری میں دو قدم چل کر ڈاکٹر سیٹلین کے تیار کردہ نمونے دیکھیے۔

اس سوال کے جواب میں کہ اُبلے ہوئے یا فلٹر کیے ہوئے رقیق مادوں میں حیات سے خالی رہنے کی تاثیر کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ ڈاکٹر سیٹلین کہتے ہیں کہ جاندار مادہ کی پیدائش کے لیے بعض مخصوص کیمیائی مرکبات کی موجودگی لازمی امر ہے۔ پھر اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ اُبالنے کے عمل سے یہ مرکبات ختم ہو جاتے ہیں تو یہ امر صحیح نہیں سمجھا جا سکتا کہ جاندار مادہ بیجان عرق سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب حقیقت میں یہ امر مسلمہ ہے کہ اُبالنے کے عمل سے ان بعض مادوں کے کیمیائی مرکبات میں جسے اُبالا گیا ہو تبدیلی یا انحطاط واقع ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص اعتراض کرے کہ فلٹر کرنے سے تو ایسی تبدیلی یا انحطاط ظہور پذیر نہیں ہو سکتا لیکن تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فلٹر کرنے کا عمل بھی فلٹر شدہ عرق کے اندر کیمیائی تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔ پس ان تجربات سے ہستی کے خود بخود پیدا ہونے کے خیال کی مطلق تردید نہیں ہوتی۔ یہ ڈاکٹر سیٹلین کی رائے ہے۔

یہاں تک تو منفی ثبوت تھا۔ اپنی تحقیقات کے مثبت نتائج کے بارے میں صاحب موصوف کا بیان ہے کہ بغور مشاہدہ کرنے سے دیکھا گیا ہے کہ ایک بالکل شفاف عرق میں کچھ عرصہ بعد ذرا ذرا سے سیاہی کے داغ نظر آنے لگتے ہیں جو تدریجاً بڑھ کر بیکٹیریا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس تبدیلی کے مختلف مدارج کو پورے طور سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر خوردبین کے ساتھ سنیماٹوگراف کی تصاویر اتارنے کا آلہ لگا دیا جائے تو ایسا کرنا ناممکن نہیں ہے اور اس کے بعد کسی شخص کو ڈاکٹر سیٹلین کی تحقیقات پر حرف گیری کا موقع نہ ملے گا۔

اس جگہ ڈاکٹر سیٹلین کی ایک عجیب و غریب عکسی تصویر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس میں ایک نہایت چھوٹے آبی جانور (ذ. CYCLOP) کے مخارج کو سات سو گنا بڑا کر کے دکھایا گیا ہے۔ اس مخارج کے اندر جس میں چھوٹے سے چھوٹا جاندار بھی داخل نہیں ہو سکتا تدریجاً اس قسم کے داغ نمودار ہونے لگتے ہیں جو انجام کار بیکٹیریا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مخارج کے اندر ان کی موجودگی کی صورتیں صرف دو ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ اس عملی ریشہ میں بالکل ہی نئے پیدا ہوئے ہیں یا وہ ان بیکٹیریا کی نمودار صورتیں ہیں جو ایسی باریک ہوتی ہیں کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتیں اور کسی طرح پر مخارج کے سخت پردوں سے ہو کر اندر داخل ہو جاتی ہیں لیکن جواب کی آخری صورت محض ایک امر مفروضہ ہے جس کی تصدیق کے لیے ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور کسی خالص ثبوت کی عدم موجودگی میں اپنی بات پر اڑے رہنا سائنس نہیں بلکہ ایک ضد ہے۔ جو لوگ اس نظریہ کی تردید کر سکتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ایسے جراثیم کی ہستی ثابت کریں جو خوردبین کے ذریعہ سے نظر نہیں آتے اور یہ بھی واضح طور پر دکھائیں کہ وہ CYCLOPS مخارج میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سیٹلین کی ایک اور تیار کردہ عکسی تصویر میں آلو کی کوٹھڑیوں میں ایسے بیکٹیریا کے ارتقا کی صورتیں دکھائی گئی ہیں جن کے اجداد کے آلو میں پہلے سے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں صورتوں میں بیکٹیریا ایک ایسے ریشہ کے اندر پیدا ہوتے ہیں جو پہلے ہی "آرگینک" ہے لیکن اس سے کم از کم یہ تو ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ آج جو بیکٹیریا سطح زمین پر موجود ہیں وہ سب انھیں بیکٹیریا کی نسل ہیں جو کروڑوں سال پہلے یہاں موجود تھے اور یہ کہ قدرتی عمل ارتقا کے ذریعہ سے آج بھی یہاں اسی طرح جاندار مادہ پیدا ہو رہا ہے جیسے کسی زمانہ میں ہوا تھا۔

نتیجہ کیا نکلتا ہے

ڈاکٹر سیٹلین کی اس تحقیقات سے کسی قدر مشابہ اور لارڈ کیلون کے نظریہ کے خلاف پروفیسر پکرنگ کی تحقیقات ہے جنھوں نے معلوم کیا ہے کہ چاند پر سبزی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اب یہ امر مسلمہ ہے کہ چاند زمین سے اُس وقت جدا ہوا تھا جب زمین اس قدر سرگرم تھی کہ اس پر کسی قسم کے جاندار مادہ کا قائم رہنا ناممکن تھا اس لیے بقول پروفیسر پکرنگ چاند کی سطح پر یہ روئیدگی خود بخود پیدا ہو گئی ہے چونکہ

میں اس قسم کی نباتات کی موجودگی محض بے مطلب ہے اس لیے یہ قیاس
کرنا کہ وہ خالق کوئی نعوذ باللہ کامل نہیں ہے یقیناً غلطی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ڈاکٹر سیٹیلن کہتے ہیں وہ خالص دہریت
ہے کیونکہ اس سے اس ذات مطلق کے اختیارات میں فرق آتا ہے جو تمام اشیا کو
بنانے یا بگاڑنے کی طاقت رکھتی ہے مگر ان فریقین کے دلائل زبردست ہیں
اور ایک ثالث شخص کو سوائے سننے اور خاموش رہنے کے کچھ بن نہیں آتا۔ وہ
جس کا کھوج لگانے میں شیون مینیون نے عمریں صرف کر دیں اور جس کے لیے
بانیان مذاہب نے سوائے اسکے چارہ نہ دیکھا کہ اپنے پیروؤں کی تسکین خاطر کیلئے
چند غیر مصدقہ اصول قائم کر دیں اندھی سائنس اسکا حقیقی سراغ چلانے سے عاجز
ہے اور علوم کے دریائے میں صرف ایک پیرا دیکھ سے جانے کی قدرت رکھتے ہیں
جہاں پہنچ کر بے اختیار نظیر کا یہ شعر منہ سے نکل جاتا ہے ؎

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(ترجمہ) تیرتھ رام

خاقانی ہند ذوق مغفور (۲)

(از مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری۔ مقیم اندور)

ذوق کی تمام زندگی کا سرمایہ اُن کا ایک دیوان ہے جو پہلے تو بالکل غیر مکمل
حالت میں تھا لیکن دنیائے ادب کو مولانا آزاد کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت
ہونا چاہیئے جن کی بدولت اب وہ کسی قدر بہتر حالت میں آگیا ہے بعض متشککین
کو جو مولانا آزاد غلام کو ذوق کی طباعی کا نمونہ سمجھتے ہیں یہ گمان ہے کہ شاگرد نے استاد
کا نام قائم رکھنے کے لیے اپنی طرف سے غزلیں کہہ کر شامل کر دی ہیں لیکن ہم اس کے
قائل نہیں اول تو اس لیے کہ جب مولانا آزاد کو دیوان کی تکمیل اسطرح کرنی تھی
تو پھر بعض چیزیں یا دھوری کیوں چھوڑ دیں مثلاً مثنوی وغیرہ اور بعض غیر مکمل غزلیات
کیا وہ ان میں جوڑ لگانے سے قاصر تھے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جو کلام اضافہ کیا
گیا ہے اسکا رنگ ذوق کے قدیم رنگ سے کچھ بھی متناقض و متبائن نہیں ہے حقیقت یہ ہے
کہ دیوان ذوق کی اشاعت و تکمیل سے مولانائے مرحوم نے اردو ادب پر غیر معمولی احسان
کیا ہے ورنہ ان جواہر بے بہا کی طرح جن کی آزاد نے نہایت قیمتی لڑی تیار کی ہے
ملک ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس خزانے کا ایک بیش بہا حصہ اب بھی ہاتھ
نہیں لگا لیکن جو کچھ بھی ہے اسکے لیے ہمیں دل سے شکرگزار ہونا چاہیئے۔

ذوق کا یہ دیوان جو مولانا آزاد دہلوی کے ہاتھوں ہم تک پہنچا ہے مصنف کی
عالی دماغی اور طباعی کا مکمل ترین نمونہ ہے اسکے مطالعہ سے شاعر کی خداداد قابلیت
اور فطری قوت سخن کا اندازہ ہوتا ہے اور اسکی لافانی عظمت کا گہرا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے
پہلے نمبر پر غزلیات ہیں جنکا عالم کچھ اور ہی ہے۔ زبان کی شستگی محاورات کی لطافت
خیال کی نزاکت جذبات کی بلندی اسلوب بیان کی خوبی غرضکہ ہر پہلو سے وہ
قابل تعریف ہیں۔

متاخرین میں جن شعرا نے زبان اردو کی صفائی میں نام پیدا کیا ہے اُن میں
ذوق کا رتبہ سب سے افضل ہے ان کے کلام میں کسی حد تک ایسے الفاظ ضرور ملتے ہیں جو
فی زمانہ متروک سمجھے جاتے ہیں مثلاً آئے ہے چلے ہے یا صیغہ جمع کا استعمال بجائے مفرد
کے لیکن یہ مثالیں شاذ و نادر ہیں اور اسوقت ان کا رواج اسی طرح تھا ایسے ہی تعقید
لفظی کی بہتات معنوی لطافتوں میں اسطرح چھپ گئی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی بلکہ یہی خوبی ہے
وہ اپنے تمام ہمعصر پیشرو شعرا سے اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے ہیں۔

سب سے بڑی خوبی ذوق میں یہ ہے کہ ان کا کلام اخلاقی نکات سے لبریز ہے جن کے
مطالعہ سے دلمیں جذبات عالیہ کی تحریک ہوتی ہے کوئی غزل مشکل ایسی ہوگی جسمیں
ایک آدھ اخلاقی نکتہ بیان نہ کیا گیا ہو مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

دکھا نہ جوش و خروش اپنا زور پر چڑھ کر — گئے جہان میں صد ہا بہت اُتر چڑھ کر
ہنر شناس کو دکھلا ہنر کہ خوبی زر — اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر

سریمتی ستیہ بالا دیوی دیسائی

[illegible] بہ فرط احترام   خاک [illegible] تیر ادھر آسمان میں

حکم [illegible] جو گم ہونے والے   مثل ابراہیم ادہم ایک سلطان آسمان میں

پچھلا اٹھا نہیں لکھا۔ اسی گھوڑا اسپ کی تعریف کی ہے۔ بادپا کی تعریف کرتے ہیں ؎

بادپا ایسا ہو یوں آتش قدم ہے تیز خاک   ہوئے جوں برق درخشاں پا لگن آسمان میں

عکس اس کا ہوا میں ہو کے ہے گزرجاتا ہے یوں   رہ گیا گویا اڑ گئی اور رہ گیا تن آپ میں

ذوق کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ اسکا مطالعہ عوام و خواص دونوں میں یکساں دلچسپ و مفید ہے اسی وجہ سے آجتک انکے کثیر التعداد اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اور یہ بھی مقبولیت کا قابل قبول ثبوت ہے کہ استاد ذوق کے باوجود انکی غزلیات و رباعیات موجودہ ادبی کتب میں منتخب کر کے شامل کی جاتی ہیں اور عام گفتگو میں حسب موقع پیش کی جاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار انکے بہت مشہور ہیں ؎

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو   زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈال کر   ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھیں نکال کر

رکا نہ خوب نہیں طبع کی روانی میں   کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے   حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے جی   اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے   اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا   پر میرا جگر دیکھ کہ میں اف نہیں کرتا

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر   آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

الفت کا مزا جب کوئی مر جائے تو جانے   یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

یوں تو ذوق دلی کے مطالب کے ہر ایک پہلو سے واقف ہیں لیکن بڑی خوبی یہ ہے کہ جیسا مضمون ہوتا ہے ویسی ہی زبان میں وہ ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً دقیق مسائل دقیق زبان اور معمولی باتیں روزمرہ میں بیان کی ہیں۔ دقیق زبان سے ہمارا مطلب وہ طرز بیان ہے جو خاص طبقوں کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے ورنہ ان کی زبان یوں تو اس قدر صاف شستہ اور فصیح ہے کہ بادشاہ بحر خفیف میں شاعر عصر اپنی زبان کا نمونہ دکھا سکتا ہے۔ ذوق نے بھی بعض بعض چھوٹی بحروں میں نہایت سادگی کے ساتھ مطلب کو ادا کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں ؎

لحد میں بھی ترے مضطر نے آرام   خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا

فلک کے گنبد بے در سے ہم تو   نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا

جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا   کہیں ہم نے تجھے تنہا نہ پایا

وہ بولے دیکھ کر تصویر یوسف   سنا جیسا اسے ویسا نہ پایا

خوب روکا شکایتوں سے مجھے   تو نے مارا عنایتوں سے مجھے

بات قسمت کی ہے کہ لکھتے ہیں   خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے

جینا ہمیں اپنا نظر اصلا نہیں آتا   گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا   پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہا دیں   شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

وقت پیری شباب کی باتیں   ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

پھر مجھے لے چلا ادھر دیکھو   دل خانہ خراب کی باتیں

دوسری بحروں میں بھی زبان کی شستگی کا انداز یہی ہے البتہ نزاکت و جدت کا حصہ زیادہ ہے جس سے کلام کی دلفریبی کچھ اور ہو گئی ہے کہتے ہیں ؎

ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارتگر کے جھگڑے ہیں   دل سے دل کے جھگڑے ہیں نظروں سے نظر کے جھگڑے ہیں

غم کھاتا ہے دل میں رہوں میں جلوۂ جانان کرتا ہے چمن
کس کو نکالوں کس کو رکھوں یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں

حضرت دل کا دیکھنا عالم! ہاتھ اُٹھائے دنیا سے
پاؤں پسارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

دانۂ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو　　آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو
آن پہنچی سر گرداب فنا کشتیٔ عمر　　ہر نفس باد مخالف کا ہے جھونکا ہم کو
کرتے جوں کو وہ نہیں ہم تو سخن میں مقبول　　پردہ کچھ ہم سے نہ تھا جو کہے گا ہم کو
ایک دم عمر طبیعی ہے یہاں مثل حباب　　فکر امروز ہے نے ہے غم فردا ہم کو
دیکھا آخر نہ کہ پھوڑے کیطرح پھوٹ بہے　　ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو
ہم تبرک ہیں بس اب کرلے زیارت مجنوں　　سر پہ پھرتا ہے لیئے آبلہ پا ہم کو
واہ قسام ازل دیتے ہم اس قسمت کے　　جام عشرت اُسے اور داغ تمنا ہم کو

ذوق بازیگہ طفلان ہے سراسر یہ زمین
ساتھ لڑکون کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

یہ غزل بھی شاہ نصیر کے شاعرے کی ہے۔ دو غزلہ کہا تھا تیسرے، پانچوین اور چھٹوین شعر میں شاہ نصیر کا ور انکے ہمخیال لوگون کی تعریض ہے مقطع میں مخالف سے کہتے ہیں کہ جس زمین کو تو نے مشکل سمجھا ہے وہ یہان ایک کھیل ہے۔

اس غزل کا عالم دیکھیئے ؎

تیرے کوچے کو وہ بیمار غم دار الشفا سمجھے　　اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے
شہیدان محبت خوب آئین وفا سمجھے　　بہا خون کو تیغ قاتل میں اسیکو خونبہا سمجھے
ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے　　اور اسپر بھی نہ سمجھے وہ تو اُس بت سے خدا سمجھے
حکایت دل کی کہتا ہوں سمجھتے ہو شکایت سے　　تمھیں سمجھو ذرا دل میں کہ مجھے بھی تو کیا سمجھے
مجھے آتا ہے رشک اس مرنے آشنا محبت کی　　نہ جو دو کا کہ جانے نہ جو خدا کا صفا سمجھے

یہ اشعار دیکھیئے ؎

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے　　زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

تیرہ بختی مری کرتی ہے پریشان مجکو　　تہمت اس زلف سیہ فام پہ دھرنی ناحق
دیتی شربت ہے کسے زہر بھری آنکھ تری　　میں احسان ہے مجھے زہر بھی گر دیتی ہو

زبان کی شستگی اور صفائی کی جب یہ حالت ہوا ور اسی کے ساتھ روز مرہ اور محاورات کی چاشنی بھی موجود ہو تو اس سے جو کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اسکا اندازہ ذوق سلیم پر منحصر ہے۔ ذوق کے کلام میں یہ چاشنی بہت اعتدال کے ساتھ ملتی ہے۔ محاورے اور روز مرہ کی خوبی سب سے بڑی یہ ہے کہ اس سے ایک پھیکا افتادہ مضمون میں بھی لطافت آجاتی ہے مندرجۂ ذیل اشعار قریب قریب اسی قبیل کے ہیں ؎

جنوں کے جیب بسی پیرہن چاک ہے جلتے ہاتھ　　سلوک سینے سے بھی کچھ تو کرتے چلتے ہاتھ

تو کہے غنچہ کہ اس لب پہ ٹھہری خوب نہیں　　جب کے منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

اے ذوق تپ غم نالے کو رکھے لگا ہو ہاتھ　　ورنہ جگر کو پھٹے گا تو دھر کے سر پہ ہاتھ

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اُٹھے ہیں　　آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اُٹھے ہیں

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو　　تجکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

دل کو اس کا کل پیچاں سے نہ بل کرنا تھا　　یہ سیہ بخت گیا اپنے ہی بل میں مارا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا　　کمی جو مجھسے کرے تو پیئے لہو میرا

گل اُس نگہ کے زخم رسیدون میں مل گیا　　یہ بھی لہو لگا کے شہیدون میں مل گیا

اس میں شک نہیں کہ پسندیدہ محاورے اور ضرب الامثال کا استعمال زبان کی امتیازی خوبی ہے لیکن اسکا انہماک بہت برا ہے اول تو اس کی دھن میں شاعر کو مضمون کا کچھ خیال نہیں رہتا دوسرے بسا اوقات ایسا دیکھا جاتا ہے کہ کوئی ایسا مضمون

شبیہوں [illegible] پر قلمبند ہو جاتا ہے جس سے قبیح معنی بھی نکلتے ہیں۔ مثلاً ذوق کا
یہ شعر ہے

تم سی لاکھ نہ غرّہ سے نکالا منہ کرو
اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو

سچ ہے کہ شاعر نے صرف لفظی مناسبت کے لیے سی کے ساتھ اس کا استعمال
کیا ہے لیکن منہ کالا کرنا کے ایک اور فحش معنی بھی ہوتے ہیں بشکر ہے کہ ذوق
کے تمام دیوان میں غالباً یہی ایک شعر تھا جس میں اخلاقی پہلو سے گرفت کا
موقع ملا ہے

ذوق کا طرز بیان بالعموم سنجیدہ اور متین ہے۔ ہاں کہیں کہیں شوخ کلامی
کے نمونے بھی موجود ہیں بعض اشعار میں بے ساختگی کا عالم بالکل نیا ہے۔ مثلاً ان
اشعار میں ؎

جب تم اپنی عادت سے منہ بناتے ہو   وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

تو ہماری زندگی پر زندگی کی کیا امید   تو ہماری جان لیکن کیا بھروسہ جان کا

ذوق سے کوئی سنکر پہلے تو کچھ رک گئے   پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر اچھا ہوا

دل لگا مفت لئے پھرا اسپہ تقاضا   کچھ قرض تو بندے پہ تمہارا نہیں آتا

رقعہ جو کسی کا وہ بھیجا ہے انجان کے ہاتھ   یا الٰہی کہیں پڑ جائے نہ دربان کے ہاتھ

پہلے آنے سے ہمارے تقاضا وہ دن کیسے   جو تو مانگے گا وہی دن کا خدا وہ دن کیسے

بعض اشعار میں قافیہ یا ردیف اس ڈھب سے آ گئے ہیں کہ شعر میں مزہ
پیدا ہو گیا ہے ؎

بجا ہو اس کے نہ آنے کی شکایت   کیا کہیے کہ فرماتے ہیں اچھا نہیں آتا

مت ہجر سے مرنے کے قرین ہو ہی چکا تھا   تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا
آنے سے مرے ٹھہر گئے آپ وگرنہ   جانے کا ارادہ تو کہیں ہو ہی چکا تھا

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض   ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض
کب زباں چلتی ہے اس بزم میں بدگوئی کی   اسکے منہ میں یہ زباں ہے کہ الٰہی مقراض

ایک مطلع ہے ؎

ترے ہاتھوں کوئی آوارۂ گردوں ٹھہریگا
ولیکن تو بھی گر چاہے کہ میں ٹھہروں نہ ٹھہریگا

جب سے لکھنؤ میں حضرت انیس مرحوم نے مولانا آزاد کی زبانی سنا تو پھڑک گئے۔ قافیہ
کچھ اس انداز سے آ گیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

تشبیہات و استعارے میں علو کا کام نہیں لیا اور عموماً یہ خیال بہت صحیح ہے۔
لیکن بعض تشبیہیں کچھ ایسی نیچرل اور موثر واقع ہوئی ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی
مثلاً ؎

گذرتی عمر ہی یوں دور آسمانی میں   کہ جیسے جائے کوئی کشتی طغیانی میں

بتاتے ہو علاج ہجر اس خال کا بوسہ   طبیبو آپ نزلہ ہے کہ بے افیون ٹھہریگا

یہ شعر بھی ؎

خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

باعتبار تشبیہ کے اگرچہ کوئی جدت نہیں رکھتا کیونکہ ہندوے زلف ایک عام بات ہے
لیکن طرز ادا اور نشست الفاظ کی خوبی نے پامال تشبیہ میں بھی جان ڈالدی ہے۔

ذوق شاعر تھے اور بلند خیال شاعر۔ نئے نئے خیالات کے ساتھ بعض نئی
بحریں بھی انکی نکالی ہوئی ہیں مثلاً یہ دو مطلعے دو مختلف غزلوں کے ہیں ؎

تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مرد قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلا دے یہ بسمل ترے پاؤں پر جان بحق ہو

جب ماہِ نو میں تم تمثل کی ہو گر اس مین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جس مین اخگر آتش ہو

اس ایجاد پر لوگون نے بہت شور مچایا اور مسلک قدیم کے خلاف چلنے کو غلط ٹھہرایا لیکن یہ مخالفت الفہ عربیہ کے ابتدا ہو اور اسی پابندی نے اردو شاعری کو ایک محدود دائرہ مین ابتک مقید کیا ہو۔ حالانکہ یہ جدت صرف شاعری میں خوش سلیقگی اور قابلیت کا ثبوت ہو سکتی ہو بلکہ اردو فن عروض مین بھی گوناگون دلچسپیان پیدا ہو سکتی ہین۔

غزلیات کے بعد جو چیز دیوان ذوق مین نمایان بلکہ افضل ترین منزلت کی مستحق سمجھی جاسکتی ہو وہ قصاید ہین۔ اصناف سخن مین اس سے زیادہ مشکل گذار گھاٹی اور کوئی نہین اور یہین اگر اچھے اچھے سخن گویون کا ناطقہ بند ہو جاتا ہو۔ شعراء اردو مین سب سے پہلے قصیدے کے میدان مین سودا آتے ہین اور اسمین شک نہین کہ اس فن مین آجتک ان کی عظمت مسلم ہو۔ سودا کے بعد لیکن ان سے کم سید انشا کا درجہ ہو اور پھر قصیدہ نگاری کا پورا حق ذوق نے ادا کیا ہو۔ مولانا آزاد مرحوم کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہو کہ

"نظم اردو کی نقاشی مین مرزائے موصوف (سودا) نے قصیدے پر دستکاری کا حق ادا کر دیا ہو۔ ان کے بعد شیخ مرحوم (ذوق) کے سوا اور کسی نے اسپر قلم نہین اٹھایا۔ اور انھون نے مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہان کسی کا ہاتھ نہین پہنچا۔"

غدر کے ہنگامہ مین ذوق کے کلام کے جہان اور حصے ضائع ہوے وہان قصاید کی بھی ایک معتدبہ تعداد جاتی رہی۔ اسکے باوجود ہم قصیدے چھوٹے بڑے موجود ہین۔ چھوٹے سے چھوٹا قصیدہ بھی پچاس ساٹھ اشعار سے کم کا نہین اور یہ مختصر قصیدے بیشتر ان سنگلاخ زمینون مین کہے گئے ہین جنمین عام طور سے دو چار اچھے شعر نکالنا بھی مشکل ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ ان کی طبیعت مین بدو فطرت سے وہ اوصاف عطا ہوے تھے جو قصیدہ نگار شاعر کے لیے لازمی ہین۔ علمیت، وسیع النظری، واقفیت یہ سب باتین ان مین بدرجۂ اتم موجود تھین، اور اسی لیے نکتہ چین نگاہین بہت مشکل سے ان مین کوئی ایسا عیب نکال سکین گی جو اہل نظر کے سامنے وزندار سمجھا جاسکے۔ ان کے ہر ایک قصیدے مین تمہید، تشبیب، گریز، مدح اور دعا کے فرایض شعری اس خوبی اور جامعیت کے ساتھ ادا کئے گئے ہین کہ باید و شاید۔

عاشقانہ شاعری کے ساتھ قصیدہ گوئی کی مشق بھی نوعمری سے جاری تھی۔ بہادر شاہ کی خدمت مین پہنچنے کے بعد انھین ہر تقریب پر قصیدہ پیش کرنا پڑتا تھا۔ اسوقت اکبر شاہ حکمران تھے چنانچہ متعدد قصیدے انھین کی مدح مین لکھا جاتا اور کہ یہ خود تو ولیعہد کی تعریف مین قصیدے لکھا کرتے تھے لیکن سنانے کے بعد ولیعہد کی سلے سے انمین اکبر شاہ کا نام ڈالدیا جاتا تھا اور وہ بادشاہ کے حضور مین پیش کئے جاتے تھے۔ انکی ۱۹ برس کی عمر تھی کہ ایک قصیدہ کہا تھا ؎

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ایلولہ ہوے نشو و نمائے گلشن

جو اکبر شاہ کی شان مین تھا۔ افسوس ہو کہ اب یہ بالکل موجود نہین لیکن جیسا کچھ زور طبیعت اس مین صرف کیا گیا ہوگا اس امر سے ظاہر ہو سکتا ہو کہ بادشاہ نے خوش ہو کر انھین خاقانی ہند کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ ایک شاعر کے لیے جو خود بھی نوعمر ہو اور اسکی شاعری بھی نئی ہو یہ امتیاز کوئی معمولی بات نہین اور اسی ایک بات سے پتہ چلتا ہو کہ قصیدہ لکھنے مین انھین قدرتی طور پر کس قدر لگاؤ تھا۔

موجودہ قصاید مین بہت سے ایسے ہین جو زمانہ طالب علمی و شباب کے لکھے ہوے ہین اور ان پر نظر ثانی تک کی نوبت نہین آئی لیکن علمی و ادبی پایہ سے عجیب چیز ہین۔ طالب علمی کے عہد کا ایک قصیدہ ہو جس کا "التیام" نام قافیہ ہو۔ اسکی تمہید مین علم طبیعات، طب اور نجوم وغیرہ کے مسایل بڑی نفاست سے نظم کیے ہین کہتے ہین ؎

تا زبان زد دہر مین ہو فلسفی کا یہ کلام	ہے بنے افلاک لازم نفی خرق و التیام
تا خطِ محور پہ ہوے گرم گردش آفتاب	تا نہ قطبین فلک تک پہنچے ورنج و شام
منجمد ہو کر میان طبقہ ہاے زمہریر	قطرہ افشان تا بخار ابر ہو بن کر غمام
آب باران سے گذر کر منتشر تا ہو شعاع	انعکاس رنگ سے قوس قزح پاے نظام

اسی طرح اور تمام علمی مسئلے لکھے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی قابلیت
ہر علم میں تھی۔ ایک اور مشہور طویل قصیدہ ہے ؏

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت　　نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت

حقیقت یہ ہے کہ اگر ذوق نے صرف یہی ایک قصیدہ کہا ہوتا تب بھی انکی
علمی قابلیت منوانے میں ایسی ہی ہوتی۔ اسکے آغاز میں منطق و فلسفہ ہیئت و نجوم
عروض غرضکہ ہر صنف علم کی اصطلاحیں درج کی ہیں۔ معمولی اشخاص کے لیے تو
ان کے معانی کا ذہن نشین کرنا بھی ایک مشکل کام ہوگا۔ اسکے صلے میں خلعت اور
جاگیر میں ایک گاؤں مرحمت ہوا تھا۔ چند اشعار دیکھنے کے قابل ہیں جسمیں یہ بتایا ہے
کہ جوہر قابلیت مقدر کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ؏

گر نہ ہے صاحب جوہر کو مقدر سے عزت　　جوہر فرد ہی بالفرض تو کیا بے قسمت
[illegible] گردوں و موافق ہو سہو اور خفیف　　جز اثقال میں تو جتنی اٹھائے محنت
گو فصاحت میں ہو سحبان ہی پر ہے بے تقدیر　　حرف مطلب پہ زبان کو ہو تری ہو لکنت
کام تقویم سے آئے نہ تری اصطرلاب　　طالع بد سے اگر نیک نہ آئے ساعت
علم ہیئت سے گو بڑھے تو نخل نارنج　　بے مقدر نہ ہو حاصل ثمر خوش لذت

بہادر شاہ بزمانۂ ولیعہدی بیمار ہو کر اچھے ہوئے تو انھوں نے ایک قصیدہ گزرانا
مندرجہ ذیل اشعار اسی سے منتخب کئے گئے ہیں۔ تمہید کتنی برمحل اور موزوں ہے۔
اس میں بھی اصطلاحات علمیہ کا صحیح استعمال انکی واقفیت کی دلیل ہے ؏

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم میں ہوا　　مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا
جو گلوں کے حق میں ہے شبنم مرہم زخم جگر　　شاخ بشکستہ کو ہے باران کا قطرہ مومیا
ہر مزاج طبعی میں ہوتی ہے تولید خون　　چاندنی کا پھول ہو گر اغوائی ہے بجا
کیا عجب جدول اسکی تاثیر سے گر زقوم　　کیا عجب گر آب حنظل دے شربت کا مزا
نسخہ بہ لکھنے نہیں پاتا ہو اسقاتی طبیب　　کہتا ہے بیمار بس کر مجکو ہے بالکل شفا

قاعدہ ہے کہ صحت میں اشتہا زیادہ ہوتی ہے۔ اسی خیال کو کس جدت سے
باندھا ہے ؏

بہت [illegible] کیا انجم سے کہ دانے چرخ پیر　　پھر جو دیکھا صبح کو اہل [illegible] میں کچھ نہ تھا

اس خیال کو کہ دور صحت سے اب کسی دوا تعویذ کی ضرورت نہیں ہے یوں
ادا کیا ہے ؏

رکھیگا تعویذ اور گنڈا کوئی کیوں اپنے پاس　　باغ عالم میں ہے عالم جو صحت کا رہا
دیکھا طاؤس اپنے بال و پر سے سارے نقش دور　　پھینکدیں گی توڑ کر گنڈا گلے سے فاختا

یہ دو مدح کے شعر دیکھیے تخیل کی جدت کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے ؏

قطرہ افشانی سے آب غسل صحت کے ترے　　ہوں نہ خوش آب پیدا اسقدر قوت فزا
ہو نہیں استعمال یاقوتی میں وہ موتی اگر　　بخشتے پیران کہن کو نوجوانوں کے قوا

بہادر شاہ آخری زمانے میں علیل ہو کر اچھے ہوئے تو یہ قصیدہ پیش کیا ؏

ہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر　　عیاں ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے صریر

یہ بھی بڑا معرکۃ الآرا قصیدہ ہے۔ بادشاہ کے جانب سے ہاتھی مع نقرئی حوضہ خلعت
اور خطاب خاقانی ہند عطا ہوا تھا۔ اسمیں "نشاط" کا جو لفظ ہر مصرع میں کھینچا ہے وہ دیکھنے
سے تعلق رکھتا ہے اور حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔

ایک قصیدہ ہے ؏

ہے آج جو یوں خوشنما نور سحر رنگ شفق　　یہ تو ہے کس خورشید کا نور سحر رنگ شفق

یہ بہادر شاہ کے پہلے سال جلوس کی تقریب میں منظوم ہوا تھا۔ فکر کی بلندی
اور طبع کی جودت ایسی ہی زمینوں میں معلوم ہوتی ہے۔ مدح کے یہ شعر دیکھیے ؏

دلکش ہوا تیرے رخ سے کیا نور سحر رنگ شفق　　ذرہ ہے تیرے فیض کا نور سحر رنگ شفق
اے آفتاب عز و شان تیری جبیں سے ہے عیاں　　نور یقین رنگ جیسا نور سحر رنگ شفق
روشن بیانی سے ترے رنگین کلامی سے تری　　شرمندہ ہوتا ہے سدا نور سحر رنگ شفق

ممدوح کی تعریف ایک پامال مضمون ہے لیکن بسا اوقات ذوق نے ایسی نئی
تشبیہات سے کام لیا ہے کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔ مثلاً ؏

بعد شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل　　جیسے قرآن پس توریت و زبور و انجیل
تو ہے اس طرح سے عزت دہ اولاد تمر　　جیسے موسیٰ شرعا فزائے بنی اسرائیل

بعض قصائد میں زبان کی سلاست بجائے خود اس کی دلفریبی کا ذریعہ ہے
جیسے ؏

شاہ اختر کرم کی جب زسے پر ذرہ سی ہو — وہ آسمان پہ جاکر خود سفید خاوری ہو
پاپوس نقش پاسے تیرے جو کنکری ہو — جاکر فلک پہ انکو تارون سے برتری ہو
ابر کرم سے تیرے کیا دور ہو کر سنا ہی — وہ کشت فلک مین پیدا سرسبزی تری ہو
سونچ کی ہاتھ کرن ہو گر دوڑ سے نہ زمین تک — ہاتھ عشق چہان پھر سر سماری ہو

گھوڑے کی تعریف ہے کہ سے

زین پہ سواری توسن کو جب سجاکر — صورت مین ہوئے تیلی پر تار زین پری ہو
تو اسپہ بر سر زین جون نعل پا در کاب — ام الکتاب لیکر جبریل نے دہری ہو

ذوق کا یہ دعائیہ مسدس بھی بہت مشہور ہے اور شاید اپنے طرز کی پہلی چیز ہے سے

سر پہ آسمان گردون جبتک خم رفیدہ ہو — قمر دستور اعظم صدر اسے سعد اکبر ہو
عطارد میر منشی زہرہ ناظر آسمان پر ہو — زحل میر عمارت ترک گردون میر لشکر ہو
سر ہفت آسمان جبتک کے دور ہفت کشور ہو
الٰہی یہ بہادر شاہ شاہ ہفت کشور ہو

اصل یہ ہے کہ انکی شاعری اور انکی زندگی دونون بہادر شاہ کی نذر ہوئین اور ان کی قناعت کا انھین اسدرجہ خیال تھا کہ جب دکن کے مشہور علم پرست وزیر سلطنت مہاراجہ چندو لال نے انھین بخیال قدردانی حیدرآباد طلب کیا اور ایک معقول رقم زادراہ کے طور پر بھیجی تب بھی اپنے آقا کو نہ چھوڑا اور مہاراجہ کا روپیہ اس طرح یہ دو غزلہ لکھکر بھیجدیا اور روپیہ شکریہ کے ساتھ واپس کردیا سے

کل گئے تھے تم جسے بیمار ہجران چھوڑکر — چل بسا وہ آج سب ہستی کا سامان چھوڑکر
دیکھیے کیا ہو کہ ہو اب جان سے پیچھے پڑی — دل کو لے کافر تری زلف پریشان چھوڑکر
سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے — سانپ سا پانی مین لے سرو خیابان چھوڑکر
اہل جوہر کو وطن مین رہنے دیتا گر فلک — لعل کیون اس رنگ سے آتا بدخشان چھوڑکر
گر خدا دیوے قناعت ماہ نو کی طرح — دوڑے ساری کو کبھی آدمی نہ انسان چھوڑکر

گرچہ ہے ملک دکن مین ان دنون قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیان چھوڑکر

پاس نمک اور حب وطن کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ کا قدم اور دلّی کی گلیان چھوڑنا تھین نہ چھوٹین اور بالآخر جس خاک سے اٹھے تھے اسی مین جا ملے سے

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

سید محمد فاروق

حرارت

(از پادری پی کیبل سنگھ صاحب ایم اے سعود ایڈیٹر اخبار نور افشان لدھیانہ)

حرارت عالمگیر ہے| حرارت یعنی گرمی ایک ایسی شے ہے کہ ہم سب اس سے واقف ہین اور اسکی ہر جگہ اور ہر شے مین موجودگی اور اسکے احساس سے کوئی بری نہین ہے اور نہ اسکی تاثیرات سے کوئی چیز محفوظ ہے یہان تک کہ سائنسدان کہتے ہین کہ برف مین بھی یہ وجہ حرارت موجود ہے۔ سائنسدان یہان ہی نہین ٹھہر گئے بلکہ اور آگے بڑھ گئے ہین اور گمان کرتے ہین کہ کسی شے کو سیال حالت مین رکھنے کے لیے بھی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جب کوئی شے ٹھوس حالت سے سیال حالت مین آتی ہے تو اسمین تاوقتیکہ وہ شے پہلے پورے طور پر پگھل جائے اس کا ٹمپریچر برابر رہتا ہے اور کبھی زائل نہین ہوتا اور حرارت کے مصدر کی حیثیت خواہ کچھ ہی کیون نہو بالضرور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جسوقت اجسام اپنی حالت بدلتے ہین تو حرارت کی بڑی بھاری مقدار اپنے مین جذب کر لیتے ہین اور اس کا اثر صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ وہ حرارت ان کو سیال حالت مین قائم رکھتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ برف کو پانی کی حالت مین قائم رکھنے کے لیے خواہ وہ کیسا ہی سرد کیون نہو حرارت کی ضرورت ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر ٹھنڈے سے ٹھنڈے پانی مین بھی حرارت موجود ہے اس حرارت کو جو تھرمامیٹر سے بھی معلوم نہین ہوسکتی حرارت مخفی کہتے ہین اور یہ امر اس حقیقت کا موید ہے کہ حرارت عالمگیر ہے [illegible]

[illegible] مخفی حرارت کی صحت کا واقعہ ذیل کے تجربہ سے بخوبی طور پر ہوسکتا ہو اگر آدھ سیر ایسی [illegible] حرارت کا لیں اور اسکو آدھ سیر ایسے سرد پانی میں ملا دیں جس کی [illegible] درجہ کی ہو تو اس آمیزش یا مرکب پانی کی حرارت ۴۰ درجہ ہوگی لیکن اگر ہم آدھ سیر برف ایسی جس کی حرارت صفر درجہ کی ہو اور اسکو ۸۰ درجہ حرارت کے پانی میں آمیز کریں تو برف پگھل جائے گی اور اس مرکب سیر بھر پانی کی حرارت صفر [illegible] حرارت والی برف یعنی آدھ سیر بھی ایسا پانی بن گئی جس کی حرارت صفر ہو لیکن چونکہ گرم پانی بھی صفر درجہ کی حرارت کو پہنچ گیا تو اس صورت میں سوال لازم آتا ہو کہ گرم پانی کی ۸۰ درجہ کی حرارت کہاں گئی ہ جواب اسکا یہ ہو کہ وہ اس پانی میں موجود ہو وہ حرارت مخفی نہیں ہوگئی۔ اس حرارت سے نہ تو پانی کی حرارت میں اور نہ اسکے حجم میں اضافہ ہوا بلکہ صرف اس سے برف کی حالت تبدیل ہوگئی۔ نتیجہ اسکا یہ ہے کہ آدھ سیر برف کا اسی درجہ پر آدھ سیر پانی میں منتقل ہو جانے کے لیے اسی قدر حرارت کی ضرورت ہوتی ہو جسقدر کہ ۸۰ درجہ کی حرارت کے پانی سے حاصل ہوتی ہو حرارت کی یہ مقدار پانی کی وہی مخفی حرارت ہو۔

حرارت کے اسباب کی بابت قیاسات

حرارت کے اسباب کی بابت دو قسم کے قیاسات مروج ہیں ایک قیاس اشاعۃ حرارت کا ہو اور دوسرا تموج حرارت کا۔ پہلے قیاس کے مطابق حرارت ایک لطیف اور ناقابل الوزن سیال مادہ سے پیدا ہوتی ہو جو اجسام کے ذرات کو بھی گھیرے ہوئے ہو۔ وہ سیال مادہ ایک جسم سے دوسرے جسم پر منتقل ہو سکتا ہو حرارت کے بیشمار چھوٹے چھوٹے ذرے جو اجسام کے ذرات کو گھیرے رہتے ہیں ایک دوسرے پر مدافعانہ زور ڈالتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ حرارت ان ذرات کی قوت اتصالیہ پر بالمقابل عمل کرتی ہو جب یہ شے ہمارے اجسام میں داخل ہوتی ہو تو ہمارے اندر گرمی کا احساس پیدا ہوتا ہو اسکا اخراج ہی سردی کا احساس ہو۔ دوسرے قیاس کی رو سے کسی جسم کی حرارت اسکے ذرات کی ایک کانپنے والی یا تھرتھرانے والی حرکت سے پیدا ہوتی ہو اور کسی جسم کو ہم اسوقت نہایت ہی گرم کہتے ہیں جبکہ اس کی تھرتھرانے والی حرکت میں اعلیٰ درجہ کی سرعت اور وسعت ہوتی ہو پس اس قیاس کے مطابق حرارت کوئی شے نہیں ہو بلکہ شے کی حالت کا نام ہو اور وہ ایسی حالت ہو جو ایک جسم سے دوسرے جسم تک جا سکتی ہو اور یہ بھی مانا گیا ہو کہ ایک ایسا لچکدار بخار یا ایتھر ہو جو تمام اجسام پر حاوی ہو خواہ وہ کثیف ترین ہو خواہ نہایت ہی شفاف مثل شمسی سیال ہو، خواہ نہایت پھیلی ہوئی حالت (گیس) میں ہوں خواہ دبیز ترین خلا ہو اور جو تھرتھرانے والی حرکت بڑی عجلت کے ساتھ پہنچاتی ہو۔ اس ایتھر کی تیز تھرتھرانے والی حرکت حرارت پیدا کرتی ہو جیسے ہوا کی تھرتھرانے والی حرکت سے آواز پیدا ہوتی ہو اور حرارت کا ایک جسم سے دوسرے جسم تک پہنچنا اس ایتھر کے سبب سے ہوتا ہو جو اس میں اجسام کے ہو۔

یہ دوسرا قیاس آجکل کے علماء طبیعات کے درمیان مسلم ہو اور بڑے بڑے علماء اس کی حمایت کرتے ہیں ایک قیاس کے ذریعہ سے حرارت کے ظہورات کی ایسی عمدہ تشریح ہو جاتی ہو کہ کسی اور قیاس سے ایسی تشریح نہیں ہو سکتی اور اسی قیاس کے ذریعہ سے وہ نہایت قریبی تعلق دریافت اور واضح ہو جاتا ہو جو حرارت اور روشنی کے درمیان ہو۔ اس قیاس کی رو سے حرارت حرکت کی ایک صورت ہو اور یہ بیان ہو کہ حرارت حرکت میں اور حرکت حرارت میں تبدیل ہو سکتی ہو۔ اور اگرچہ قیاس تموج حرارت عام مسلم اور مروج ہو اور اس سے بہت سے حقائق حل اور عقدے کھل جاتے ہیں تو بھی ایسی طرز اور عبارت استعمال کرنی بعض اوقات مناسب معلوم ہوتا ہو جسکی بنیاد قیاس اشاعۃ حرارت پر ہوتی ہو۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شے گرم یا سرد ہو گئی ہو تو اسکی یہ مراد ہوتی ہو کہ اسمیں حرارت آگئی ہو یا وہ حرارت اس میں سے نکل گئی ہو۔ مگر دراصل مطلب یہ ہوتا ہو کہ اس شے کے ذرات کی تھرتھرانے والی حرکت میں زیادتی یا کمی واقع ہو جاتی ہو۔

حرارت کے مصادر اور منابع

حرارت کے عالمگیر ہونے اور اسکی ماہیت کے بارے میں مختلف قیاسات کے بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہو کہ تھوڑا سا ذکر اسکے مصادر و منابع کا کر دیا جائے۔ تجربہ و مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہو کہ حرارت کے مخرج تین قسم کے ہیں یعنی اول طبعی مخرجات مثلاً آفتاب، زمین، جسم کے ذرات کے عمل یعنی ان کے تبدلات اور برق یا بجلی۔ دوم مصنوعی مخرجات جیسے رگڑ، ٹکر اور دباؤ۔ سوم کیمیاوی مخرجات یعنی ذروں کی ترکیب اور بالخصوص کسی شے کی سوختگی یا جلنا۔

یہ تو ایک مسلمہ امر ہے کہ سورج حرارت کا منبع ہے اور اسکے مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ ان مراتب کی البتہ بڑی کوشش کی گئی ہے کہ اندازہ لگایا جائے کہ کسقدر حرارت سورج میں سے نکلتی ہے اور اسکے لیے متفرق قسم کی مشینیں اور اوزار بھی ایجاد اور تیار کیے ہیں۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ اگر اس کل مقدار حرارت کو جو ایک سال کے اندر آفتاب سے نکلکر زمین پر آتی ہے برف پگھلانے کے کام میں لایا جائے تو اس سے برف کی ایسی بڑی اور موٹی تہ پگھل سکتی ہے جو ۵۳ گز موٹی اور زمین کے ہر چہار طرف چڑھائی جا سکے۔ ایک عالم نے تجربہ سے اندازہ لگایا ہے کہ لندن کے عرض بلد میں ایک ایکڑ زمین پر اوسطاً اسقدر حرارت ایک دن میں آفتاب سے خارج ہو کر آتی ہے جس سے ساٹھ بوریاں کوئلوں کی جلائی جا سکتی ہیں۔ اسکے علاوہ ہماری زمین کے اندر خاص قسم کی حرارت موجود ہے جو سورج کی گرمی سے متفرق ہے اور تجربہ کیا گیا ہے کہ جوں جوں زمین کے نیچے اترتے ہیں ووں ووں حرارت کم ہوتی جاتی ہے اور پھر ایک ایسا طبقہ آجاتا ہے کہ جہاں حرارت سب موسموں میں یکساں رہتی ہے اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس طبقہ سے آگے سورج کی گرمی نہیں جاتی۔ یہ طبقہ مختلف مقامات میں متفرق و بارتفاع ہوتا ہے مثلاً پیرس میں اسکی بارتفاع ۳۰ گز اور حرارت ۱۱۰۶ درجہ سنٹی میٹر کی ہے۔ مونٹ کینس شہر میں ۸۰۰۵ فٹ موٹائی کا ایک طبقہ ہے ہاں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ۱۰۴ فٹ پر ایک درجہ کی حرارت بڑھ جاتی ہے عام حرارت کے طبقے کے نیچے ہر ۹۰ فٹ پر ایک درجہ سنٹی میٹر زیادہ ہو جاتی ہے پس اس حساب سے ۳۰۰۰ گز کی گہرائی میں ۱۰۰ درجہ کی اور ۲۰ میل کی گہرائی میں اسقدر گرمی ہے کہ جو سطح زمین کی تمام اشیا کو بھسم کر دینے کے لیے کافی ہے پانی کے گرم چشموں اور آتش فشاں پہاڑوں وغیرہ سے ہم جان سکتے ہیں کہ زمین کے اندر کسقدر حرارت ہو گی۔

سورج اور زمین کی حرارت کے علاوہ رگڑ ٹکر اور دباؤ سے بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مشاہدہ عام طور پر کسی سے مخفی نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے میں خواہ وہ کسی قدر سرد کیوں نہ ہو حرارت مخفی طور پر بالضرور موجود ہے جب دو چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھاتی ہیں تو ان سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جسقدر زیادہ دباؤ اور حرکت کی تیزی یا سرعت ہو گی اسی قدر زیادہ حرارت پیدا ہو گی جیسے گاڑی کے پہئے جب دھرے کے ساتھ رگڑتے ہیں تو گرم ہو جاتے ہیں اور بعض ایسی سرعت سے رگڑتے ہیں کہ ان میں آگ لگ جاتی ہے تجربہ کیا گیا ہے کہ اگر ایسے خلا میں جہاں کی حرارت کا درجہ صفر سے بھی نیچے ہو برف کے دو ٹکڑے آپس میں رگڑے جائیں تو ان کا ایک خاص حصہ پگھل جاتا ہے۔ ایک سائنسدان کا تجربہ ہے کہ پیتل کی بندوق کی نالی میں چھید کرنے سے جو رگڑ پیدا ہوتی ہے اس سے ڈھائی گھنٹے کے عرصہ میں اسقدر حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ۲۶½ پونڈ پانی درجہ صفر کی حرارت سے کھولنے لگ جاتا ہے اسی طرح برمے سے کسی لکڑی یا لوہے میں سوراخ کرنے آری سے لکڑی چیرنے اور دیا سلائی کو رگڑنے سے بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ شہاب ثاقب جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے سیارے یا دمدار ستاروں کی دموں کے ٹکڑے ہیں جب اپنے جرم سے منقطع ہو کر زمین کی جانب دوڑتے گرتے ہیں تو کرہ ہوائیہ کی ہوا کے ساتھ تیزی سے رگڑ کر اسقدر حرارت پیدا کرتے ہیں کہ نہ صرف گرم ہی ہو جاتے ہیں بلکہ جلکر خاک ہو جاتے اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔ ایک چیز کے دوسری چیز پر دباؤ ڈالنے سے بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو دبایا جائے تو جسقدر کہ اسکا حجم کم ہوتا جائے گا اسی قدر اسکی حرارت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ گو ٹھوس اور سیال اجسام میں جو دباؤ کم برداشت کرتے ہیں حرارت کم ہوتی ہے پھر اگر دھات کے ستونوں پر بار ڈالا جائے تو حرارت منکشف ہو جاتی ہے اور جب بوجھ اٹھا دیا جائے تو وہ حرارت جذب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ٹکر لگنے یا تصادم سے بھی حرارت نمایاں ہو جاتی ہے مثال کیلئے کسی پتھر پر لوہے سے ضرب لگا کر دیکھ لو۔ ایسا کرنے سے نہ صرف حرارت ہی محسوس ہو جائے گی بلکہ آگ کی چنگاریاں اور شعلے بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ گھوڑے جنکے پیروں میں نعلیں جڑی ہوتی ہیں جب پختہ سڑک یا چٹانوں پر چلتے یا دوڑتے ہیں تو چٹانوں پر نعلوں کی ضرب سے چنگاریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر رات کے وقت اندھیرے میں بالوں میں ہاتھی دانت کی یا ہڈی کی کنگھی پھیری جائے تو بھی چنگاریاں اور مدھم شعلے رونما ہوتے ہیں اور اگر سندان پر ہتھوڑے سے ضرب لگائی جائے تو وہ گرم ہو جاتے ہیں۔

علاوہ برین کیمیائی ترکیب سے بھی حرارت ظہور مین آتی ہے۔ مثلاً جب کبھی کیمیائی ترکیب یا باہمی آمیزش بڑی آہستگی سے عمل مین آتی ہے جیسے کہ چونا مین پانی پڑکر بجھائی پیدا کرتا ہی تو اس سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ واقعی غیر محسوس سی ہوتی ہے مگر جب یہ عمل سرعت کے ساتھ ہو تو حرارت کا اخراج تیزی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان دونون صورتون مین حرارت کی ایک ہی مقدار پیدا ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جب یہ عمل آمیزش قابل الحرکت ہوتا ہے تو جون جون حرارت پیدا ہوتی جاتی ہے ساتھ ہی ساتھ منتشر بھی ہو جاتی ہے اور یون وہ حرارت محسوس نہین ہوتی مگر بصورت دیگر نتیجہ بالعکس ہوتا ہے؛

جلنا بھی ایک کیمیائی ترکیب ہے مگر اسکے ساتھ نور اور حرارت دونون کا ارتقا ہوتا ہے جیسے چراغون یا آگ کے جلنے مین تیل یا کوئلہ وغیرہ کی کاربن اور ہائیڈروجن گاسین ہوا کی آکسیجن کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہین اور اس سے آبی ابخری گاسین پیدا ہوتی ہین اور دیگر کافور ہو جانے والی چیزین بھی جو دھوئین مین ہوکر نکل جاتی ہین۔ پس عام مقولہ کہ آگ ساری چیزون کو بھسم کر دیتی ہے بالکل غلط ہے صرف بعض چیزون کو انمین سے خارج کرکے دوسری چیزین ملا دیتی ہے۔

علمی نتیجہ مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ہر شے مین حرارت موجود ہے حتی کہ برف کے ٹکڑون میں بھی اور لوہا یا پتھر کے نہایت ہی سرد ٹکڑون مین بھی ایک خاص مقدار حرارت کی موجود رہتی ہے۔ اور اگرچہ وہ نظر نہین آتی اور نہ محسوس ہوتی ہے تاہم رگڑ اور دبانے سے پردۂ عدم سے ظہور مین آجاتی ہے۔ اگر انمین حرارت نہ ہو تو اسکا ظہور یا عمل کسطرح ہو سکتا ہے؟ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہان کوئی چیز نہین ہے وہان سے وہ چیز حاصل نہین کی جا سکتی۔ ہر شے کے اندر مخفی حرارت موجود ہے اور ہر شے مین اُس شے کی ترکیب کے مناسب حال مقدار کی حرارت اس صانع بیچون نے رکھ چھوڑی ہے اسکے محسوس نہ ہونے سے اسکے عدم کا استدلال کرنا معقول نہین۔ حق تعالی نے انسان کو عقل دی ہے کہ وہ اس مخفی حرارت کو اپنی دانائی اور علمی قابلیت سے منصۂ ظہور پر لا کر اپنی مرضی کے مطابق اسکو استعمال کرے؛

(۱) مذکورۃ الصدر تفصیل سے یہ بھی مبرہن ہے کہ حرارت اور حرکت کے درمیان نہایت قریبی تعلق ہے جون ہی کہ کسی جسم کی حرکت مسدود کر دی جاتی ہے خواہ دفعتاً یا تدریجاً وون ہی بہرصورت حرارت کا اخراج ہو جاتا ہے جیسے ٹکر یا رگڑنے سے اسوقت اس شے کی حرکت شے کے جسم کے اجزا صغری کی حرکت مین منتقل ہو جاتی ہے۔ یہی حرارت ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہین۔ اسی نہج پر ہر کام کے وقت حرارت کی ایک مقدار پیدا ہوا کرتی ہے۔ نہایت واضح اور دلکش مثال اس اصول کی اسٹیم انجنون مین ملتی ہے۔ انمین کوئلون کے جلنے سے جو گرمی پیدا ہوتی ہے وہ انجن ہی کی حرکت مین مبدل ہو جاتی ہے اور وہ حرکت انجنون مین سے ملکر ان کلون کی حرکت مین منتقل ہوتی ہے جو ان کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہین علی ہذ القیاس ان کلون کے ایک ایک پرزہ مین پہنچتی اور انمین حرکت اور حرارت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ تبدیلی نہ صرف تجربہ ہی سے پایہ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے بلکہ بلا کسی شک و شبہ کے یہ مسئلہ ہے کہ حرارت اور حرکت کے درمیان ایک خاص تعدادی تعلق موجود ہے اور اس سے بڑے بڑے کار ہائے نمایان عمل مین آچکے ہین۔ ایک نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ کام کی مقدار جو ایک پونڈ وزنی شے کے ۱۳۹۰ فٹ بلندی مین یا کسی شے کو جو ۱۳۹۰ پونڈ وزنی ہو ایک فٹ مین اٹھانے مین نمایان ہوتی ہے مساوی ہے حرارت کی اُس مقدار کے جو ایک پونڈ وزنی پانی کو ایک درجہ سنٹی گریڈ مین سے اٹھانے کیلئے کافی ہوگی؛

پی کیول سنگھ امرسدھو

آنریبل نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی سی ایس آئی

تمہید ہندوستان کے مسلمانون مین کسی کا نام اس قدر مانوس و مشہور نہین ہو جیسا نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی کا ہو۔ آپکی عالمانہ قابلیت اور قوت فیصلہ کے سبب یورپ والے اور ہندی سب آپکو واجب التعظیم سمجھتے ہین۔ ملک ہند کی سب سے بڑی ریاست مین ذمہ داری کی کتنی ہی اعلیٰ خدمتون پر ان کا رہنا اس بات کا شاہد ہو کہ وہ اعلیٰ ترین عہدہ جو گورنمنٹ نے ان کو عطا کیا تھا انکے لیے کتنا مناسب و موزون تھا۔ لوگون کو عموماً یہ بات شاید معلوم ہوگی کہ حیدرآباد کوئی چالیس برس سے مسلمانون کے جوہر قابلیت کے دکھانے اور ناموری حاصل کرنے کا میدان بنا ہوا ہو اور اس پاس کے لیے یہ امتیاز نواب مختار الملک مرحوم کے طفیل سے حاصل ہوا ہو۔ وہ ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ لائق سے لائق لوگون کو ڈھونڈھ کر سرکار نظام مین جگہ دیجائے۔ اس مضمون کا زیر بحث بھی وہ شخص ہو جو شمالی ہند کے مسلمانون مین سب سے پہلے حیدرآباد کے عہدہ دارون مین داخل ہوا اور زیادہ تر اسی کی محنت کشی اور انتہائی راست بازی کا نواب مختار الملک پر یہ اثر پڑا کہ انھون نے ہندوستان سے بھی عہدہ داران ریاست کے تقرر کا ارادہ کر لیا اور پھر اسی ارادے نے بتدریج یہ عملی صورت اختیار کی کہ حیدرآباد کے حال اور آئندہ طبقہ کے واسطے ایک قابل قدر اور گران بہا نظیر قائم ہو گئی۔

خاندان آپکے آباو اجداد ساتوین صدی ہجری (تیرھوین صدی عیسوی) مین ہندوستان آئے اور ہردوئی علاقہ اودھ مین جہان ہنوز ایک چھوٹے سے راجہ کا عمل تھا، اقامت اختیار کی۔ آپکے دادا اس خاندان کے پہلے شخص ہین جو گورنمنٹ کی اعلیٰ خدمت پر سرفراز ہوے اور اپنی آخر عمر مین بادشاہ اودھ کی طرف سے گورنر جنرل کے دربار مین سفیر مقرر ہوکر آئے۔ یہ وہی زمانہ ہو جب سرکار نظام کی طرف سے میر عالم سفیر ہوکر کلکتہ مین آئے ہین۔ انکی عمر زیادہ تر کلکتہ ہی مین گزری، ان کے سب لڑکے وہین پیدا ہوے اور وہین سب نے تعلیم پائی۔ آپ کے والد اور چچا نے نصاب علوم مغربیہ کی تکمیل مدرسہ کالج مین کی جسے لارڈ وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا تھا، اور غالباً مسلمانون مین سب سے پہلے یہی لوگ ہین جنھون نے اس مدرسہ مین انگریزی زبان حاصل کی۔ سنہ ۱۸۳۵ء مین آپکے والد ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور ۱۸۵۸ء تک بنگال و بہار کے مختلف اضلاع مین نہایت قابلیت و امتیاز کے ساتھ سرکاری خدمتون کو انجام دیکر وظیفہ یاب ہوے۔ آپکے چچا آنریبل سید اعظم الدین حسین خان جب ملکی خدمتون کی طرف متوجہ ہوے تو پہلے لارڈ ڈلہوزی کے ایڈی کانگ اور ترجمان مقرر ہوے پھر پولیٹکل ایجنٹ کے عہدہ پر مامور ہوکر امرائے سندھ کی ریاستون مین بھیجے گئے کیونکہ وہ لوگ اپنے ملک مین کسی یورپین کے آنے کے روادار نہ تھے۔ اسی زمانہ مین سرحدی ملک کی نگرانی و صدارت کا عہدہ بھی انھین کے سپرد تھا۔ اسکے بعد صوبہ بہار مین یہ ڈپٹی کلکٹر اور ناظم محکمہ بندوبست مقرر ہوے اور آخر عمر تک اسی عہدہ کے ساتھ رہے۔ ہندوستان کے لوگون مین یہ پہلے شخص تھے جنکو گورنمنٹ نے طبقہ ستارہ ہند مین شامل ہونے کا اعزاز عطا کیا جس زمانہ مین ان کا تقرر چھپرہ مین پرگنہ مین تھا، گورنمنٹ نے ان کو دو مرتبہ مجلس وضع قوانین بنگال کا رکن بھی مقرر کیا تھا۔ آپکے خاندان کے لوگون مین یہ بزرگ نہایت ہی ممتاز تھے۔ ان کا گھر اور مال و متاع باغیون نے لوٹ لیا تھا۔

ابتدائی حالات مولوی سید حسین بلگرامی سنہ ۱۸۴۲ء مین بمقام گیا پیدا ہوے اور چودہ برس کی عمر تک عربی فارسی کی تحصیل طالب علمانہ حیثیت سے کرتے رہے۔ انگریزی کی تحصیل آپنے بھاگلپور مین شروع کی، وہان سے پٹنہ کے اسکول مین بھیجے گئے۔ سنہ ۱۸۵۸ء مین پٹنہ اکیڈمی سے انٹرنس اور سنہ ۱۸۶۲ء مین درجہ اول کے اعلیٰ طبقہ مین گریجوایٹ ہوے۔ آپ کے والد مرحوم چاہتے تھے کہ جن ملکی خدمتون پر وہ خود مامور تھے اسی محکمہ مین یہ بھی داخل ہون لیکن بمقتضائے مذاق علمی آپنے صیغہ تعلیمات مین ملازمت پسند کی اور صوبجات متحدہ کے ایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹ مین ملازم اور لکھنؤ کے کیننگ کالج مین عربی زبان کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپنے اوقات فرصت کو ایک ماہانہ انگریزی میگزین کے تالیف کرنے اور ترتیب دینے مین

سوسائٹی پیش کیا اور علاج گویا اس میں طرز بیان اور شستگی زبان کی بنا
ڈالی وہ آپ کی ہر انگریزی تحریر کی خصوصیات میں سمجھی جاتی ہے۔

۱۸۷۳ء میں سر سالار جنگ اعظم لکھنؤ تشریف لائے اور جنرل بیرو کی وساطت سے آپ کو ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ سر سالار جنگ بہادر کی نگاہ دوربین مردم شناس نے صحبت میں آپ کی خدا داد لیاقت کا اندازہ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد میں ایک خدمت قبول کرنے کی آپ سے خواہش کی گئی۔ سر سالار جنگ بہادر نظام ملکی کے جو منصوبے پیش نظر رکھتے تھے اور جنہوں نے حیدرآباد کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا ہے ان کی تکمیل کے لیے اپنے ہم خیال لوگوں سے کام لینا زیادہ پسند کرتے تھے، اور ریاست میں ملکی مواد چونکہ اس زمانہ میں چنداں بکار آمد نہ تھا اس سبب سے انہوں نے چند سال کے لیے بیرونی اعانت کا مادہ سے کام لیا۔ آپ کے اثر سے جو لوگ دکن میں دور دور سے کھنچ آئے انہیں مولوی چراغ علی، مولوی نذیر احمد، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک (جو آپ سے کچھ پیشتر علی گڈھ کالج کی مجلس امنا و ٹرسٹیان کے سکریٹری تھے) قابل ذکر ہیں۔

ملازمت حیدرآباد حیدرآباد میں مراجعت کرنے کے بعد سر سالار جنگ بہادر نے پرائیویٹ سکریٹری کی خدمت پر آپ کو مقرر کرنا چاہا، مگر مولوی سید حسین بلگرامی جون ۱۸۷۳ء تک حیدرآباد نہیں آئے۔ آنے کے بعد وزیر اعظم کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے آپ ہمیشہ اس محسن قدر شناس وزیر کے شکر گذار فرمانبردار رہے۔ سرکار نظام سے وظیفہ یاب ہونے کے بعد آپ نے اپنے تعلقات کا اظہار اس اعلیٰ مدبر ملک دکن کے ساتھ ان پُر اثر الفاظ میں کیا تھا:—

> اب سے چالیس برس پہلے میرے قدردان آقا سر سالار جنگ نے مجھے
> بلایا۔ ان کا کریمانہ انداز اور مردم شناسی و معاملہ فہمی کا وسیع تجربہ یہ اثر رکھتا
> تھا کہ جس شخص کو ایک دفعہ ان سے سابقہ پڑا وہ ہمیشہ ان کا دم بھرا کرتا تھا
> ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ یکساں وزیر اعظم کے جان نثاروں میں تھے۔

۱۸۷۶ء میں سر سالار جنگ نے یورپ کا سفر کیا اور ان کے ساتھ میں وہ سکریٹری اور اسسٹنٹ بھی تھے۔ نواب صاحب کے ساتھ آپ نے روم پیرس وغیرہ کی سیر کی اور جہاں جہاں وزیر اعظم دکن کے استقبال کے جلسے ہوئے ان سب میں آپ بھی شریک رہے۔

یورپ سے واپس آنے کے بعد امور عامہ کی معتمدی پر آپ کا تقرر ہوا جس محکمہ میں اور شعبوں کے علاوہ تعلیمات عامہ پر بڑا اختیار حاصل تھا۔ آٹھ برس تک اس خدمت پر آپ ایک معتمد کی حیثیت سے رہے اور بہت کچھ مفید اصلاحیں کیں۔ ۱۸۸۴ء میں اعلیٰ حضرت غفران مکان کی تخت نشینی ہوئی اور مولوی سید حسین بلگرامی ان کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ہوئے اور "علی یار خان بہادر مؤتمن جنگ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ کئی برس کے بعد "عماد الدولہ" پھر "عماد الملک" کا خطاب ملکی خدمتوں کے حسن کارگذاری کے صلہ میں اعلیٰ حضرت مرحوم نے مرحمت فرمایا۔ گو چند سال کے لیے آپ کے ذمہ جو خدمتیں تھیں وہ معتمدیوں کے صیغہ میں منضم ہو گئی تھیں لیکن بحکم اعلیٰ حضرت مرحوم آپ کو اس خدمت کی پوری تنخواہ اور اعزاز اور تمام منافع وظیفہ یاب ہونے کے زمانہ تک ملا کیے۔

انڈیا کونسل کی ممبری سے قبل از وقت مستعفی ہو کر جب آپ ولایت سے واپس تشریف لائے تو اس کے کچھ عرصہ بعد جب کہ نواب میر یوسف علی خان بہادر سالار جنگ ثالث کو قلمدان وزارت تفویض ہوا، ہز اکسلنسی گورنمنٹ نظام نے آپ کی سالہا سال کی تجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپ کو مشیر وزارت مقرر فرمایا، اور بے شک نہیں کہ آپ نے نہایت ہی عمدگی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا۔ اب آپ سرکاری خدمات سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

حیدرآباد کا صیغہ تعلیمات بڑے بڑے مدارج پر ترقی اور اعزاز حاصل کرنے کے بعد نواب عماد الملک بہادر نے اپنے جوہر قابل اور وسعت معلومات کو صیغہ تعلیمات میں صرف کرنے کی ہمت کی۔ صدارت تعلیمات عامہ ملک دکن جو اس زمانہ میں کسمپرسی کی حالت میں تھی آپ نے پسند کی اور ۱۸۸۷ء سے اپنے وظیفہ یاب ہونے کے زمانہ یعنی ۱۹۰۷ء تک آپ صیغہ تعلیمات ممالک محروسہ دکن کے ڈائرکٹر رہے اور باوجود بیجا مشکلوں کے آپ نے اس صیغہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ لندن ٹائمز لکھتا ہے کہ آپ کی بعض پالیسیوں سے ظاہر تھا کہ چند در چند اہم مشکلیں آپ کو پیش آئیں لیکن

کے سمجھانے کے لیے ایسی کامل استعداد پیدا ہوگئی ہیں جن کا خیال میں آنا تھی ناظر کی وسعت دماغ کی بیّن دلیل، بلاشبہ محبت ہے جو علم کو علم سمجھ کر کی جائے اور ہر ایک چیز کی تحقیق کا شوق دلاتی ہے اور جسکے آپ کا روشن خیال ہونا اور جامع ہونا ثابت علم ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ آپکے زمانۂ نظامت میں ملک کی تعلیمی حالت میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ ذیل کے شمار و اعداد سے اس بات کا بیّن ثبوت ملتا ہے کہ صیغۂ تعلیم میں آپکے کارنامے کس درجہ قابل ستایش ہیں:۔

طلبہ	مدارس	سنین
۲۰۶۶۴	۲۵۴	۱۸۸۶-۸۷
۴۰۹۷۵	۵۸۰	۱۸۹۱-۹۲
۵۵۲۴۲	۸۱۲	۱۸۹۶-۹۷
۵۷۹۷۲	۸۴۷	۱۹۰۱-۰۲

مگر بمقتضای راستی جو آپکا امر عادی ہے نظام کلب کے مجمع میں ۱۰ اگست ۱۹۰۸ء کو آپ نے یہی کہا کہ تعلیمات میں جیسی ترقی چاہیئے تھی میسر نہ ہو سکی اور جو کچھ ہوئی وہ نہایت محدود ہے اور یہ بات آپنے اس بنا پر کہی تھی کہ بہ نسبت اور مقاموں کے حیدرآباد کے طبقۂ عوام میں بیدار مغزی کے آثار زیادہ تر ظاہر نہیں ہوئے۔ آپنے یہ بھی بیان کیا کہ برٹش انڈیا کے مقابلہ میں حیدرآباد کی رفتار تعلیم میں بہت سست ہے اور حیدرآباد کو اسکے قدم بقدم رہنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔

تعلیم کے باب میں آپ کی قطعی رائے یہ ہے کہ تعلیم کی غایت درستی اخلاق کو سمجھنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

> میں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ تعلیم تربیت سے علحدہ نہونے پائے مغربی تعلیم بغیر اس تربیت کے جو یورپ میں تعلیم کی جزو اعظم ہے مشرق کے ناتربیت یافتہ لوگوں کو ضرور مضر ہوگی۔

آپ اس بات کو مسلم اور متعلم دونوں کی سخت غلطی سمجھتے ہیں کہ چند کتابیں رٹ کر فقط امتحان میں کامیاب ہو جانے کو مد نظر رکھیں آپ گنڈر گارٹن طریقہ تعلیم کے بڑے طرفدار اور سرگرمی سے ساعی ہیں۔ اسباب پر آپ بہت زور دیتے ہیں کہ کنڈر گارٹن میں لیڈی معلمہ رکھی جائیں تاکہ اپنا اثر بچوں پر ڈالیں کمسنی کے زمانہ میں خیالات کیسی جلد طبایع بہت آسانی سے اثر پذیر ہو سکتی ہیں۔ اس طرز تعلیم کے لیے آپنے ایک کمیٹی قایم فرمایا جسکے الفاظ یہ ہیں "محبت داری اور تربیت"

آپ ہی کے ساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے کہ بچوں کی تعلیم کے لیے حیدرآباد میں عموماً لیڈی معلمہ مقرر کرنے کا رواج ہے۔

عام کارگزاریاں نواب عماد الملک بہادر کا موجودہ امتیاز فقط عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے اور محض حسن کارگزاری کے سبب سے نہیں ہے بلکہ آپکا ایک قدیم معزز خاندان سے ہونا عربی و فارسی کے علم ادب میں عالمانہ استغراق رکھنا حقیقۃً اسلام کا فدائیوں کی طرح وثوق بالجزم کرنا، وہ صفات ہیں جن کا اثر آپکے ہم مشرب لوگوں کے دل پر بہت پڑا ہے۔ حیدرآباد کی ذمہ دارانہ اور محنت طلب خدمات پر فایز رہنے کے باوجود بھی آپ فرصت کا تھوڑا بہت وقت نکال لیا کرتے تھے اور وہ بالعموم مفید ترین کاموں پر صرف ہوتا تھا۔ سرسید احمد خان مرحوم نے اپنے ہم خیال احباب میں آپکو شمار کیا ہے۔ چنانچہ مولانا حالی "حیات جاوید" کے حصۂ دوم صفحہ (۵۰۱) میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> "نواب عماد الملک کو ان کی نیکی اور راستبازی اور علم و فضل اور دوستی اسلام کی حقیقی خیر خواہی اور خیر اندیشی کی وجہ سے وہ ایسا ہی عزیز رکھتے تھے جیسے سید محمود کو اور انکی نسبت یہ کہتے تھے کہ وہ انسان نہیں بلکہ ایک نور مجسم ہے"

کتنے ہی سال تک آپ علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی رہے اور اب بھی ہیں۔ جو لوگ اس مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کالج ان قابل قدر اور بے ریا کوششوں کے لیے جو آپنے اس کے لیے کی ہیں کس قدر زیر بار احسان ہے۔ ۱۹۰۸ء میں جو ایجوکیشنل کانفرنس امرتسر میں ہوئی اس میں صدرنشین آپ تھے۔ وہاں جو تقریر آپنے کی ہے وہ علمی لحاظ سے اہل اسلام کے لیے مفید مشوروں سے پُر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب سے سرسید نے کانفرنس منعقد کی مسلمانوں میں تعلیم و اتفاق کی خوبیوں کا احساس پیدا ہوگیا ہے لیکن اسکے علاوہ جو فائدے اس سالانہ مجلس سے

آنریبل نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی سی ایس آئی دام اقبالہ

چند علمی مقالات میں جو تحقیق کی ہتی ہے مرتب ہوئے ہیں اور جس میں قطع
جلسے کے مختلف شہرون سے مسلمان اکٹھا ہوا کرتے ہیں انہیں نواب عماد الملک
نے بوقت تنقیح سے اسی جلسہ میں جس کے وہ صدر نشین تھے بیان فرمائے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:—

اس کانفرنس کے سالانہ مجمع تین غایتون پر متضمن ہیں۔

اول یہ کہ مختلف بلاد کے سربرآوردہ مسلمانون میں باہمی ارتباط بڑھانے
کا باعث ہیں۔ بہت لوگ انہیں ایسے یکجا ہو جاتے ہیں جنہیں یون کبھی
ملنے کا اتفاق نہ ہوتا۔ دوسرے یہ کہ لوگون کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ
مسئلہ تعلیم میں ایک دوسرے کی رائے سے اور اپنے اُن دوستون اور
ہم مذہبون کے تجربے سے مستفید ہون جو ہندوستان کے بلاد مختلفہ کے
رہنے والے ہیں۔ آخری اور سب سے بڑھ کر اہم یہ غایت ہے کہ ہمارے فرقہ کے
سربرآوردہ لوگ باہم ملیں اور جن قومی منافع میں مشارکت ہے اُن کے
ترقی دینے میں مشورہ کریں اور ان کے حاصل کرنے کی باتفاق فکر کریں
اسکے علاوہ کانفرنس سے یہ بھی مقصود ہے کہ ہم ایسے ذرائع سوچ کر پیدا
کریں جن سے اہل مغرب کی سی شائستگی کا ہم میں رواج ترقی پذیر ہو
اور علیگڈھ کے اینگلو اورینٹل کالج کو اس مقصد کے حاصل ہونے کا ذریعہ
سمجھ کر جہانتک ہم سے ہو سکے اسکی اعانت کریں۔ یہ ایک ایسی تعلیم گاہ
ہمارے پاس موجود ہے جو ایسے اصول پر قائم ہوئی ہے جس کی خوبی کا
دوسری قوم نے اعتراف کر لیا ہے اور جس میں بہت کچھ ابتک کامیابی
حاصل بھی ہو چکی ہے۔

باب تعلیم میں تجربہ کار و یگانۂ روزگار سمجھ کر گورنمنٹ نے آپ کو یونیورسٹی
کمیشن کا رکن مقرر کیا جسکے صدر سر تھامس ریلے تھے۔ اس کمیشن کا مقصد تھا کہ بعض
مشرقی اقوام پر مغربی تعلیم کا جو برا اثر پڑا ہے اُسکے انسداد کے وسائل دریافت کرین
آپ نے کمیشن کے ساتھ تمام ملک ہند کا دورہ کیا جس سے آپ کو اس بات سے
مطلع ہونے کا بہت اچھا موقع ملا کہ اہل ہند کو تعلیم کے متعلق کیا کیا ضرورتین
لاحق ہین۔

وایسرائے کی کونسل

آپ کے وسیع تجربے سے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے
لارڈ کرزن نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں آپ کو شریک کیا جس میں وہ اہم
مسئلہ زیر بحث و مطمح نظر تھا کہ ملک ہند کی یونیورسٹیون میں کیا کیا اصلاح ہونا
چاہیئے۔ سنہ ۱۹۰۳ء کا بجٹ جس میں ابتدائی تعلیم اور اسکے بڑھانے کے وجوہ کے
واسطے زیادتی مصارف کی منظوری زیر بحث تھی اس پر آپ نے جو اسپیچ کی ہے
وہ نہایت مہتم بالشان ہے۔ یہ ثابت کیا تھا کہ آپ کتنے اُمور مناسب تھے اور مناسب
مقام پر ملک کے لاکھوں کروڑون ناتعلیم یافتہ لوگون کی طرف سے بحث کی ہے۔

ہندوؤن اور مسلمانون کا مسئلہ

کانگرس والون میں بعض لوگون نے یہ عقیدہ قائم
کر رکھا تھا کہ پولٹیکل و سیاسی امور میں ملک کے ترقی
کرنے کو مسٹر بلگرامی سد راہ ہین۔ مگر جو لوگ آپ کو جانتے ہیں ان سے پوچھیے کہ
یہ اعتراض ان پر وارد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کانگرس کو آپ ناپسند
کرتے تھے۔ ہان اس حیثیت سے ناپسند کرتے تھے جن حیثیت سے کہ کانگرس قائم
ہوئی تھی نہ یہ کہ اسکے نفس مطلب کے مخالف ہون۔ یہی وجہ تھی کہ مرحوم سر سید احمد خان
نے جب انٹی کانگرس کی تحریک کی تو اس کی طرفداری کرنے پر کمر باندھ کر آپ
اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لارڈ منٹو بالقابہ کی خدمت میں تمام مسلمانان ہند کی طرف سے
جو ڈیپوٹیشن اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کی پہلی تاریخ کو حاضر ہوا اور اس وفد نے جو جو رعایتین
آپسے حاصل کین اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور اہل اسلام کے دل میں آپ کی کسقدر
عظمت ہے۔ اور اس وفد نے جو ایڈریس پیش کیا تھا وہ اسی قادر الکلام ادیب کے
رشحات قلم کا نمونہ تھا جسکے احتجاج میں ادب شائستگی اور طرز بیان میں قادر معانی
قابل ستائش تھی۔ خود وایسرائے نے فرمایا کہ یہ درخواست بہت پر مغز ہے۔ اس سے
گویا مسلمانان ہند کی سیاسی ترقی کا راستہ پڑا اور وایسرائے نے امید دلائی
کہ طبقہ اہل اسلام کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ اگر ملک میں اڈمنسٹریٹو ریفارم جاری
ہوگا تو اس طبقہ کے سیاسی حقوق و منافع کا ضرور لحاظ کیا جائے گا۔ اس اقرار کا
جسقدر لحاظ کیا گیا عموماً لوگ اس سے واقف ہین۔

مگر یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو وصف جس کا مسلم ہو آپ اس کے مرتبہ سے چشم پوشی کرتے ہیں آپ کو مرحوم مسٹر آنند موہن بوس کے ساتھ بے انتہا محبت و تعلق خاطر تھا اکثر گرکٹ کلب کے ممتاز افراد کے آپ ہمیشہ مداح رہے اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ جس زمانہ میں آپ تعلیمات حیدرآباد کے صدر تھے مختلف مذہب اور فرقے کے لوگوں کے ساتھ آپکا سلوک یکساں تھا جو بین ثبوت اس بات کا ہے کہ آپ کو کسی مذہب کی طرفداری کا خیال نہ تھا۔ آپ کے ماتحت دو انسپکٹر تھے ہندو دو مسلمان ایک یوریشین۔ پانچ چھ ہائی اسکولوں کی ہیڈ ماسٹری بھی اسی طرح ہندو مسلمان اور یوریشین اصحاب میں تقسیم تھی۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں انتخاب جداگانہ کے مسئلہ میں جسے لارڈ مارلے کے ریفارم اسکیم سے تعلق تھا آپنے صاف صاف کہدیا کہ یہ امر نہایت ہی ضروری ہے اور یہی ایک صورت ہے جس سے فریقین میں کبھی نزاع واقع نہ ہو گی آپنے فرمایا

"ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان تھوڑے سے ہیں۔ انکے منافع کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔ ابھی تک انکے حقوق بہت اچھی طرح محفوظ ہے۔ ہر قسم کے نظام جمہوریت میں جماعت قلیل کے حقوق منشاء نزاع ہوا کرتے ہیں ایسے حقوق کی حفاظت خود انگلنڈ میں بھی نہیں ہو سکتی جہاں سب لوگ یکساں ہیں اور کسی قسم کا مذہبی یا قومی اختلاف واقع نہیں ہوا ہے۔ علیحدہ علیحدہ انتخاب ہونا فریقین کے لیے متحد ہو کر کسی شخص واحد کے حکم میں ہو جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس قسم کے اتحاد کا مؤید ہے۔ اگر انتخابی مجلس میں دونوں فرقوں کے لوگ شریک ہوے اور دونوں سے باہم ووٹ لیا گیا تو ہمیشہ دونوں فرقوں میں نزاع ہوا کرے گی۔ ہندو محض کثرت عدد کے سبب سے بآسانی مسلمانوں کو شکست دیا کریں گے۔ اور اس وجہ سے کہ ہندوستان کے اکثر مقامات میں دونوں فرقوں کے درمیان تعصب پھیلا ہوا ہے ہندو ہمیشہ یہ چاہیں گے کہ ہندو ہی کو انتخاب کریں اور اس سے باہمی رنجشیں اور کدورتیں بڑھتی رہیں گی۔"

انڈیا کونسل قانون مجریہ سنہ ۱۸۵۸ع کی رو سے لارڈ مارلے کو جو اختیارات کونسل کے ملے انھوں نے فوراً اس سے فائدہ اٹھایا اور مسٹر گپتا اور مولوی سید حسین بلگرامی کو انڈیا کونسل کا رکن مقرر کیا آپنے نومبر سنہ ۱۹۰۷ع کی [illegible] تاریخ کو رکنیت کی کرسی کو مزین کیا اور لنڈن ٹائمز نے اس خبر کو اس طرح شائع کیا:—

"ایک واقعہ جو تاریخ کی رو سے مہتم بالشان و قابل توجہ ہے انڈیا آفس میں سکرٹری آف اسٹیٹ کی کونسل سے باضابطہ منظوری صادر ہونے کے بعد اسی ہفتہ کے اندر واقع ہوا۔ اس دفتر کے قائم ہونے سے پچاس برس بعد وقوع میں آیا کہ ایک ہندوستانی شخص پہلے پہل اسکا رکن مجلس مقرر ہوا۔"

پھر اسی مضمون کا ایک شذرہ لارڈ مارلے کی اس آخری اسپیچ میں تھا جو مجلس عامہ میں انھوں نے کی۔ انھوں نے اپنی کونسل کے ہندوستانی ممبروں کے تقرر کے نتائج بواسطہ و بلا واسطہ کا ذکر کرکے فرمایا کہ "بہرطور یہ تحریک ہندوستان سے بہت ہی مہتم بالشان ہوئی ہے جو ہندوستان اور انگلنڈ کے درمیان زمانہ دراز تک تعلقات رکھنے کے باب میں ہے۔"

آپ اس آفس کی تین کمیٹیوں میں کام کرتے رہے جو کونسل کے ماتحت تھیں یعنی مالگذاری اور عدالت، امور عامہ اور اسٹور۔ جس زمانہ میں ریفارم اسکیم تیار ہو رہی تھی آپنے مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید کام اس آفس میں کیے۔ لارڈ مارلے نے کئی دفعہ اپنے دونوں ہندوستانی ممبروں کی حسن کارگزاری کا اعتراف کیا۔ اسمیں شک نہیں کہ انھوں نے ان دونوں ممبروں سے اہل ہند کے حال زار کی حالت کا صحیح اندازہ کیا۔ حسب معمول آپ کی اختتام خدمت کا زمانہ ۱۰ نومبر سنہ [illegible] ہوتا مگر سوء اتفاق سے انگلستان کی سخت سردی سے آپکی طبیعت بے مزہ رہنے لگی۔ اس سبب سے نومبر سنہ ۱۹۰۹ع میں آپ مستعفی ہوے۔ بزمانہ قیام انگلستان آپنے مسلمانوں اور ہندوستان کے دوسرے فرقوں میں بڑا اصلح پیدا کیا اور ان فرقوں میں باہم ارتباط پیدا کرنے کے لیے جتنی تحریکیں کی گئیں ان سب میں آپ شریک ہو گئے۔ جنوری سنہ ۱۹۱۰ع کی پہلی تاریخ کو طبقہ ستارۂ ہند میں شامل ہونے کا

[illegible] حاصل کیا

تصنیف و تالیفات آپ تمام عمر طالب علم رہے عربی و انگریزی کے علم ادب پر جو قدرت آپ کو حاصل ہو اسکے لحاظ سے ہندوستان کے ادیبون کے طبقہ اول مین آپ کا شمار کیا جاتا ہو آپ کا تاریخ دکن کا مجموعہ یعنی

Historical aud descriptive sketch of His Highness the Nizam's dominions,

اور سوانح عمری سر سالار جنگ اول مرحوم بہت مستند کتابین سمجھی گئی ہین پہلی کتاب ممالک محروسہ سرکار نظام کی مفصل تاریخ ہو جس مین ملک کی زراعت و صنعت کا بھی مفصل حال درج ہو۔ آپکو نظم کی طرف بھی توجہ ہو۔ اپنی انگریزی نظمین جو آپنے احباب مین شائع کرنے کی غرض سے طبع کرائی ہین وہ مشرقی جذبات کا نمونہ ہین اور ایک ہندوستانی شاعر کا قابل قدر کلام خیال کی جاتی ہین، ترجمہ قرآن مجید اسلامی نقطۂ خیال سے قطع نظر اپنے جداگانہ فوائد کے لحاظ سے بھی ایک گران قدر علمی خدمت سمجھے جانے کے قابل ہو۔ ان چیزون کے علاوہ آپکے قلم سے آجتک بیشمار علمی ادبی و تاریخی مضامین ایسے نکلکر مقبول ہو چکے ہین جنکے اندر مستقل دلچسپی اور دائمی انتفاع کا سامان موجود ہو۔

خاتمہ | نواب عماد الملک بہادر اگرچہ کوئی مشہور مقرر نہین ہین لیکن انکی سیدھی سیدھی اور پرزور دلائل کے سننے مین ایک خاص لطف آتا ہو۔ وہ گفتگو مین تکلفات کو راہ نہین دیتے مقصود اصلی بغیر کسی ہیر پھیر کے بیان کرتے ہین اور جو کچھ کہتے ہین وہ موثر اور دلنشین ہوتا ہو بہت سی علمی مجالس جو حیدرآباد مین قائم ہین انکی مدد اور رہنمائی سے قائم ہوئی ہین۔ انھین حیدرآباد سے نہایت محبت ہو بلکہ فی الحقیقت انھون نے یہان توطن اختیار کر لیا ہو۔ ان کی پرائیوٹ زندگی بہت ہی سادہ طور پر بسر ہوتی ہو ان کی فرصت کا بڑا حصہ لائبریری مین صرف ہوتا ہو جہانکہ خود نایاب و بیش قیمت کتابون کا ایک قابل تعریف ذخیرہ ہو۔ انکے شوق کتب بینی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہو کہ جب کبھی وقار آباد کو جاتے ہین جو شہر سے فاصلہ پر ہو اور جہان آپ کا باغ واقع ہو تو سامان ہمراہی مین زیادہ تر وہ تصنیفات ہوتی ہین جو اکثر انکے زیر مطالعہ رہتی ہین تصانیف بلند بالا حیدرآبادی سپید دستار زیب سر شاندار چہرہ پر کتری ہوئی داڑھی سیاہ آنکھین جن سے خلوص مذاق اور بردباری ٹپکتی ہو خوش مزاج و خوش خلق۔ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی بہادر دکن کے مشہور فاضل اور صاحب تصانیف کی ظاہری و باطنی خوبیون کا یہ ایک مجمل گر دلکش خاکہ ہو۔ خدا انھین عرصہ دراز تک زندہ و قائم رکھے اور آپکے فیوض سے خاص و عام کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین!

جاپان مین بچون کی تعلیم

(از منشی موہن لال صاحب فہستم لکھنوی)

جاپان مین بچے کی پیدائش سے قبل ہی والدین اور دیگر رشتہ دارون کے فرائض مین بہت کچھ اضافہ ہو جاتا ہو۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی جس رنگ ڈھنگ سے اسکی پرورش کی جاتی ہو وہ ہمارے لیے نہایت حیرت انگیز ہو۔

بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی والدین اس کے لیے پوشاک تیار رکھتے ہین۔ صاف اور خوبصورت زرد رنگ کا ایک کرتا اور ایک سرخ کوٹ۔ یہ دو کپڑے اسکے لیے قبل ہی سے تیار کرالئے جاتے ہین انکے خیال سے زرد رنگ صحت اور قوت کا قایم رکھنے والا ہو اور لال رنگ خوشی کی علامت ہو یہی وجہ ہو کہ جاپانی ان دونون کو نہایت اعلیٰ رنگ خیال کرتے ہین۔ اگر لڑکا پیدا ہوتا ہو تو اسکے لیے نیلے رنگ کا اور لڑکی ہوتی ہو تو گلابی یا لال رنگ کا کپڑا دیا جاتا ہو خاندان کا ہر شخص میل بوٹے دار کپڑون کو نئی نئی کتر بیونت کے ساتھ تیار کرنے مین بڑی دلچسپی لیتا ہو۔

اسکے بعد اس بچے کے لیے ایک بڑا جلسہ کیا جاتا ہو اور اسوقت گھر مین

ہر طرف مسرتوں کا دور دورہ ہوتا ہی۔ بچہ پیدا ہوتے ہی تمام مکان صاف کر کے نہایت عمدہ طور سے فرش و فروش سے آراستہ کیا جاتا ہی۔ وہ وقت بڑی خوشی کا وقت ہوتا ہی۔ کہین خواتین چا کے پیالے لیے ہوے ادہر اُدہر دوڑتی نظر آتی ہین کہین کھانا پکنے کے لیے چاول دھوے جاتے ہین کہین پانی بھرا جاتا ہی۔ جاپانی بالعموم موٹا چاول کھاتے ہین لیکن اس تقریب مین وہ باریک سے باریک چاول استعمال کرتے ہین۔ لڑکا پیدا ہونے کے بعد ہی اُسکے والدین سے لیکر معمولی جلیتی تک کے چہرون پر آثار مسرت پائے جاتے ہین اور ہر خاص و عام ایسے مبارک موقع پر اظہار مسرت کیلیے کچھ نہ کچھ وسیلہ تلاش کرتا ہی۔ اپنے مرحوم بزرگون اور خاندانی دیوتاؤن کے نام پر بچہ کی سلامتی کی غرض سے طرح طرح کا پکا ہوا کھانا رکھتے ہین اور جشن متواتر کئی روز تک منایا جاتا ہی۔ نئے بچون کے سامنے طرح طرح کے پکوان رکھے جاتے ہین۔ خاندانی لوگ اور پاس پڑوس والے اسوقت بچہ کے لیے طرح طرح کے تحفے بھیجتے ہین اور بچے کے والدین ان تحائف کو قبول فرما کر ان کے معاوضہ مین دیگر عمدہ تحائف نذر کرتے ہین۔

پیدائش کے تیسرے روز لڑکے کا مونڈن ہوتا ہی۔ لڑکے کے سر کے پچھلے حصہ اور اسکے گرد کے بال نہایت چھوٹے کر کے بیچ مین ایک چوٹی رکھ دی جاتی ہی۔ مونڈن کے وقت بہت سی مذہبی رسوم ادا کیجاتی ہین جن کو بچہ کے ماں باپ اسکی سلامتی جان کا ایک ذریعہ سمجھتے ہین۔

لڑکے کا نام رکھے جانے کے وقت بھی ایک عجیب و غریب سین نظر آتا ہی۔ گھر کے سن رسیدہ افراد عورتین اور مرد اُس وقت آپس مین بصلاح و مشورہ کرتے ہین کہ لڑکے کا کیا نام رکھا جاے۔ باپ یا بابا اس مجمع مین موجود ہونے والے اعزہ و احباب کے سامنے لڑکے کا نام کسی مشہور و معروف بہادر شخص کے نام پر رکھتا ہی اور لڑکی کا نام کسی خوشنما پھول پر رکھا جاتا ہی۔ نام رکھنے مین جاپانی اپنی سخن سنجی اور نکتہ سرائی کی استعداد کا پورا ثبوت دیتے ہین۔ ہانا (پھول) یوکی (برف) اور سائی (بہار) عموماً نام لڑکیون کے لیے انتخاب کئے جاتے ہین اور دیہاتی لوگ جو عام طور پر شاعری سے بے بہرہ ہوتے ہین لڑکیون کے لیے مشو (دیودار) اتاکی (بانس کی جھاڑی) اور تامی (دیہر) اور لڑکون کے لیے اچیرو (پہلا لڑکا) توشیو (عقلمند) اللہ دانو (بہادر) نام بہت پسند کرتے ہین۔

بہت سے مقامات پر نام رکھنے مین اکثر توہمات باطلہ سے بھی کام لیا جاتا ہی۔ مقررہ تاریخ کو بچہ سے لیکر بوڑھے تک خاندان کا ہر فرد بشمول عطر لباس پہنکر ایک جگہ جا بیٹھتا ہی اور ہر شخص ایک چھوٹے سے کاغذ پر اپنی مرضی کے موافق بچہ کا نام لکھ کر اپنے خاندانی دیوتا کے سامنے رکھ دیتا ہی اور کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بعد ازان ایک معصوم بچہ سے اُن پرچون مین سے صرف ایک پرچہ اٹھالانے کیلیے کہا جاتا ہی وہ لڑکا جس شخص کا کاغذ اٹھالاتا ہی وہی بچہ کی آئندہ زندگی کا ذمہ دار و محافظ اور سرپرست قرار دیا جاتا ہی اور اُس پرچہ مین جو نام تحریر ہوتا ہو وہی اس بچہ کا نام رکھا جاتا ہی اور ہر خاص و عام اسی نام سے بچے کو مخاطب کرتے ہین۔

بعدہٗ ایک ماہ گزر جانے پر اس نونہال کو اپنے گاؤن کے دیوتا کے پاس اسکی والدہ یا دایہ صاف و خوشنما کپڑے پہنا کر اور پیٹھ پر سوار کر کے لے جاتی ہی۔ لڑکے کا سر کبھی ادہر کبھی ادہر ہلتا اور لچکتا رہتا ہی۔ آنکھین سورج کی گرمی سے جھلسی جاتی ہین اور کپڑون مین بعض اوقات بچہ کا دم بھی گھٹنے لگتا ہی مگر افسوس کہ اسوقت جاپانی ماں یا دایہ اپنے بچے کی اس بے بسی اور حالت زار پر رحم نہین کھاتی اور نہ غور کرتی ہی۔ شاید لڑکپن مین اس مصیبت کے برداشت کرنے سے نہین ہمت سے لڑنے کا سبب مین ہر طرح کی تکلیف و کلفت برداشت کرنے اور بے انتہا محنت و کوشش کا عادی ہو جاتا ہو۔ جاپانی پروہت کا سر منڈا ہوا اور بدن پر گیروی رنگ کا چغہ ہوتا ہی۔ وہ اس بچے کو اپنے قابل پرستش دیوتا کے سامنے لٹا کر کچھ منتر پڑہتا ہی اور ایک مقدس کاغذ ہاتھ مین لیکر لڑکے کے اوپری حصہ کو سہلاتا ہی۔ جاپانیوں کا اعتقاد ہی کہ اس سے لڑکے کے دل مین خدا کی ہستی کا خیال جاگزین ہو جاتا ہی۔

بعد ازان پروہت کو کچھ نذر دینے سے وہ دیوتا کو نذر دیتا ہی اور بچے کے مونڈن کے وقت سر کے بالون کے ساتھ ایک اور کاغذ پر اس کا نام لکھ کر ایک ذرہ رکھ دیتا ہی اور یہ ذرہ اپنے خاندان کے دیوتا کے مکان مین رکھی جاتی ہی اور دوسری ذرہ ایک چھوٹے سے بیگ مین ڈال کر بچہ کے سامنے لٹکا دیجاتی ہی۔ جاپانیون کا

ہو کہ اس عمل سے بچہ جملہ آفات ارضی و سماوی اور مصائب دنیاوی
سے بچا رہتا ہو۔

جہان یہ تمام رسمین پوری ہوجاتی ہین اس کے بعد گھر کا ہر آدمی لڑکے
کی سلامتی کے لیے پوری توجہ کرتا ہو۔ لڑکے کے نہلانے اور رکھانے سے لیکر بچھونے بچھانے
اور کھلانے تک ہر کوشش کی جاتی ہو جسکو دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہو۔ جاپانی لوگ
بچے پر دیوانون کا سا اعتقاد اور محبت رکھتے ہین۔

شام کے وقت اپنے تمام دنیاوی دھندون سے فراغت پاکر جب اپنے گھر
کے لوگ بچہ کو محبت بھری نگاہون سے دیکھ کر ذرا مسرت سے پھولے نہین
سماتے۔ اسوقت کے عجیب و غریب دلکش نظارے کو دیکھ کر سکتہ کا عالم ہوجاتا ہو۔

جاپانی بچون کی تعلیم کا طریقہ بھی عجیب و غریب ہو۔ وہان لڑکے کو والدین
اور اپنے خاندانی بزرگون کے احکام کی تعمیل کرنا مقدم نہین سمجھا جاتا بلکہ خود
لڑکے کے منشا و اشارے کا خیال رکھتے ہین۔ بکمسن بچے کے دلمین اسی وقت روحانی
طاقت کا زبردست اثر اور خیال پیدا ہوجاتا ہو جو اسکی آیندہ زندگی کے لیے
نہایت فائدہ بخش ہو۔ اکثر مقامات مین دیکھا جاتا ہو کہ بچہ کی خواہش اور رغبت
حتی کہ اسکے سامون کو بھی روک کر اسکو ایک ٹھہراو پر لانے کی کوشش کیجاتی ہو۔
لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ بچہ کا نیچر بگڑ کر یکبارگی نئے راستے پر لگ جانے سے اسکی
آیندہ زندگی مین ہونے والے باعظمت کارنامے نمایان کی بنیاد ہی کالعدم ہوجاتی
ہو اور اسکے جوہر آزادی کا نتیجہ ہوتا ہو کیونکہ اس عارضی سعی و کوشش سے اسکے
آزاد خیالات یکقلم خاک مین ملجاتے ہین۔ جاپان مین ان باتون پر بالکل ہی
دھیان نہین دیا جاتا کہ بچہ کہان ہو؟ کیا کرتا ہو؟ کیا کھاتا ہو؟ اور نہ اسپر دھیان
دینے کی ضرورت ہی سمجھی جاتی ہو۔ یہ دیکھکر کوئی شخص یہ خیال نہین کرسکتا کہ جاپانی
بچون کی زندگی کسی خاص طریقہ کی ہوتی ہو۔ بچہ بچھونے سے اٹھکر گھٹنون کے
بل چلکر جدھر طبیعت آیا چلاگیا۔ جو چیز اچھی معلوم ہوئی کھینچ لایا۔ جاپانی مان یا دایہ
اس مین ہرگز رخنہ انداز نہین ہوتی البتہ لڑکے پر ایک غائبانہ نظر رکھتی ہو۔ اس
طریقے سے بچے کے دل مین اپنی روحانی طاقتون کا پورا پورا علم اور اعتماد جاگزین
ہوجاتا ہو۔

بعضون کا خیال ہو کہ جاپانی بچے رونا نہین جانتے حقیقت یہ ہو کہ وہان
لڑکے کی اتنی خاطر و تواضع کی جاتی ہو کہ اسکو رونے کا موقع خواب مین بھی نہین
ملتا۔ پیدائش کے دوسرے ہی روز بچہ کی مان اسکو پیٹھ پر ایک تھیلے مین سلاکر
گھر کے کام دھندون مین لگ جاتی ہو۔ بچہ کو تمام مقوی غذائین کھلائی جاتی ہین اور اسکے
تفریح طبع کی غرض سے طرح طرح کے کھلونون سے گھر بھرا رہتا ہو پھر بھلا بچہ کیون رونے لگا

گھر مین خواہ کیسا ہی جلسہ یا تقریب ہو سب مین لڑکا شامل کیا جاتا ہو۔ کوئی بھی
اسکو نظر انداز کرنا پسند نہین کرتا۔ لڑکے کا نازک اور نرم دل ان جلسون مین جو تعلیم
پاتا ہو وہ نہایت بیش قیمت ہو۔

ابھی تک کسی کے دل مین بچہ کو کسی قسم کی تعلیم دینے کا خیال پیدا نہین ہوتا۔
جاپانی لڑکا جب پہلے روز اسکول جاتا ہو تو اس کا گھر کا ہوا ابھی کانپتے ہوے پیرون
کے سہارے کھڑا ابھی نہین ہوسکتا۔ کیونکہ بچہ کی مان یا دایہ اسکی پیدائش کے دن سے
اسکو ایک تھیلے مین ڈال کر پیٹھ پر سنبھالے رہتی ہین جسکے باعث اسکا بدن سکڑ جاتا ہو
اور پیر اٹھنے نہین پاتے بلکہ چلنے مین تھرتھراتے ہین۔ لیکن بے خوف اور آزاد روحانی
طاقتون سے بھرا ہوا دماغ دنیا کے نظارے سے ایسا روشن ہوجاتا ہو کہ پہلے ہی روز اسکی
حیرت انگیز تجلی نظر آتی ہو

جاپانی بچہ لڑکپن ہی سے انواع و اقسام کی رنگین اور خوشنما چیزین لیکر کھیلتا
رہتا ہو جس سے اسکی دلچسپی تمام رنگون مین ہوجاتی ہو۔ معمولی کھلونون سے اس کا
دل بہلاؤ نہ ہونے سے خود بھی طرح طرح کے کھیلنے کے گھر کشتیان جہاز وغیرہ بناتا ہو۔
جن سے خاص طور پر اسکی دانشمندی و ہوشیاری کا اظہار ہوتا ہو۔

جاپانی لڑکے کھیل کو زیادہ پسند کرتے ہین۔ وہ اپنے دونون پاؤن ذرا مضبوط اور
چلنے کے قابل ہوتے ہی کھیل مین محو ہوجاتے ہین۔ اس وقت ان کے دل مین
ایک نیا خیال پیدا ہوتا ہو۔ وہ سمجھنے لگتے ہین کہ ہم کو بھی ایک قاعدہ کا پابند ہوکر چلنا
پڑتا ہو۔ ہم کو بھی شکست کھانا پڑتی ہو۔ بچہ پہلی مرتبہ اپنے مقصد مین ناکامیاب ہونے
سے نہایت آزردہ خاطر ہوتا ہو۔ اسکی آنکھین ڈبڈبا آتی ہین لیکن یہ ہوجاتا ہو کہ

اس طرح ناکامیاب ہونے پر بھی وہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو اصول کے ساتھ عمل کرنے پر کامیابی حاصل ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کیلئے زیر دل و جان سے کوشش کرتا ہے۔ بالآخر کامیابی حاصل ہونے پر با اصول کام کرنے کا راز اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔

جاپان میں مدرس ہی حقیقت میں بچہ کی ہر قسم کی تعلیم کا بار اپنے سر پر لیتا ہے اور بچہ کے ماں باپ اسکے استاد کی جیسی عزت و تعظیم کرتے ہیں محتاج بیان نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ استاد کا حکم ہمیشہ بسر و چشم بجا لانا چاہیے پھر اس کو استاد کے احکام میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازین اکثر مدرسین اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھ کر مصاحب برتاؤ کرنے لگتے ہیں اور لڑکے کے ہر قسم کے خیالات اور کاموں پر اسکی پوری توجہ رہتی ہے۔ ایسے استادوں کے فیض صحبت سے لڑکے کا دل اعلی خیالات و تاثرات سے معمور ہو جاتا ہے۔

وہاں لڑکوں کو کنڈرگارٹن کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم دیجاتی ہے۔ لڑکے طرح طرح کے دل بہلانے کے کھلونے اور چیزیں لیکر کھیلتے اور گاتے ہیں اور مدرسین ان کو موقع بہ موقع امداد دیتے رہتے ہیں۔ اسی زمانہ سے لڑکوں کے دل و دماغ میں ملکی محبت اور راج بھگتی کے خیالات جاگزین ہو جاتے ہیں۔ ان کا دل ہر قسم کے صدمات اور تکلیفوں کے برداشت کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ لڑکوں کو کچھ کرنا نہیں پڑتا صرف زمانہ قدیم کے بڑے بڑے بہادروں اور حوصلہ مند مردوں اور عورتوں کی مشہور کہانیاں سنائی جاتی ہیں یا بچوں کے پڑھنے کے قابل آسان عبارت کے ناٹکوں میں قلمبند کی جاتی ہیں اور لڑکے ان ناٹکوں کو کھیلتے ہیں جس سے ان کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے اعلی زندگی بسر کرنے کا راز اور بلند خیالات کی برکت سے لڑکوں کے دلوں میں لڑکپن ہی سے رفاہ عام کے لئے قربانی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد لڑکوں کو بذریعہ باہمی سلوک کے مفتوح دشمنوں پر رحم اور ہمدردی ظاہر کرنا بتلایا جاتا ہے۔ لڑکوں کو یہ خیال لڑکپن ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اکثر چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے غول کے غول زخمیوں اور غمزدوں کی خدمت کے لیے جاتے ہیں۔ وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی میدان جنگ میں زخمی ہو گیا ہے یا کوئی تاریکی میں راستہ بھول گیا ہے کوئی خاتون سے جان طلب کر رہا ہے کوئی بحالت امراض جسمانی سے زار و قطار رو رہا ہے اس طرح ناٹک کے ذریعہ سے ان فرضی مصیبت زدوں کی خدمت گزاری سے انکے دلوں میں جس لازوال طاقت کا ظہور ہوتا ہے وہی انکی آئندہ زندگی میں جوہر انسانیت عطا کرتی ہے بچپن ہی سے لڑکوں کو شہنشاہ کی عظمت کے مطابق دلچسپ قصے سنائے جاتے ہیں اور عملی طور پر بھی راج بھگتی کا سبق سیکھتے ہیں۔

کسی خاص دن نئی نئی پوشاکیں پہن پہن کر شاداں و فرحاں اسکول کے کمرے میں جمع ہوتے ہیں۔ گو ان نونہالوں کو ابھی چلنے پھرنے کی طاقت نصیب نہیں ہوتی لیکن جس وقت بچوں کے سامنے شہنشاہ اعظم کی مقدس تصویر رکھی جاتی ہے وہ خلوص دل سے بغرض اظہار وفاداری تصویر کے آگے سر جھکاتے ہیں اور اس طرح جاپانی بچے راج بھگتی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

جسوقت لڑکا کنڈرگارٹن کی تعلیم ختم کر کے متعلم ہو اسکول میں داخل ہوتا ہے اسوقت اسکا دل فرط مسرت سے پھولا نہیں سماتا۔ تاریخ مقررہ کے ایک دن قبل لڑکا اس جلسے کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ وہ اس روز ایک چھوٹے (کمسن) سپاہی کی شکل میں اپنے استاد کے سامنے حاضر ہوتا ہے استاد اسکی اس اعلی کارگزاری پر ایک طغرے کاغذ پر مہر لگا کر سند اعزازی (سارٹیفکیٹ) عطا کرتا ہے۔ بچہ خرم و شاد اسکول میں جاتا ہے۔ اسی روز سے اسکی طفلانہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

فہم لکھنوی

(فاتح بنگال)

از حکیم مظفر حسین صاحب ظفر دہلوی - موجد تعلیم تاش شلاہو

(۱)

آج ہندوستان کے دارالسلطنت "دہلی" میں غیر معمولی رونق اور چہل پہل ہے۔ شہر کی آئینہ بندی کی جا رہی ہے لب سڑک کے مکان اور دوکانیں جھنڈیوں سے آراستہ ہیں۔ چراغاں کا اہتمام ہو رہا ہے۔ بازاروں میں رونق ہے۔ ہر قسم کی اجناس کی فراوانی ہے۔ جوہریوں کی دوکانیں جگمگا رہی ہیں۔ سونے چاندی کے ظروف اپنی چمک دمک سے جانے والوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ تماشائیوں کے غول کے غول ہر طرف پھر رہے ہیں اور در و دیوار سے صدا آ رہی ہے کہ:-

"آمد ہے کس گلبدن کی چمن میں کہ پھرتے ہیں یوں باغبان پیچھے پیچھے"

شام ہو گئی۔ شمع ہائے کافوری روشن ہونے لگیں۔ اور شہر کا ہر کونہ بقعۂ نور بن گیا۔ آج دہلی کیا ہے؟ گویا عروس نو ہے۔ اور سلطان قطب الدین گویا دولہا۔

شاہی پیادے شہر بازار میں ہر طرف گھوم رہے ہیں اور آرائش و آئینہ بندی کے اہتمام میں خاص دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں اور اہل شہر کو ہر قسم کی امداد دے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی اس آئینہ بندی میں شاہی مرضی کو ضرور کچھ نہ کچھ دخل ہے بلکہ قیاس غالب یہ ہے کہ یہ سب کچھ سلطانی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

بات یہ ہے کہ آج قلعہ معلی میں ایک خاص رسم ایک غیر معمولی جشن اور دربار منعقد ہونے والا ہے۔ مشہور و اولو العزم جنرل محمد بختیار خلجی کی عروس البلاد دہلی میں آمد ہے اور سلطان قطب الدین شاہ دہلی اس کا خاص طور سے اعزاز کرنا چاہتا ہے۔

آئیے ناظرین کرام! ہم شاہی پیادوں اور پہرہ داروں سے نظر بچا کر دربار میں چلیں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! یہ تو گویا دنیا ہی دوسری ہے۔ دیکھیے رؤسا و امرا اور اراکین دولت زرین اور زرق برق ملبوسات سے آراستہ و پیراستہ اور افسران فوج زرق برق وردیاں زیب تن کیے حسب مراتب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ اور گرداگرد نوجوان سپاہی پرے کے پرے جمے ہیں۔ شاہی تخت کے سامنے ایک ہزار غلام زرین لباس پہنے، کمر میں مرصع کمر بند باندھے اور سر پر مرصع بجواہر تاج پہنے، کمر میں نیمچہ لگائے قطار در قطار زمین پر نگاہیں گاڑے کھڑے ہیں۔ چوبدار اور نقیب سونے اور چاندی کے چمکدار عَلَم ہاتھوں میں لیے جا بجا استادہ ہیں۔ باوجود اس قدر مجمع کثیر اور ہجوم غفیر کے غضب کا سکوت ہے گویا یہ کچھ عالم تصویر ہے۔

یک بیک سین بدلا۔ سکوت و خاموشی شور و غل سے بدل گئی۔ نقارہ پر چوب پڑی۔ شادیانے بجنے لگے۔ سلامی کی توپیں دنادن دنادن سر ہونے لگیں۔ نقیب اور چوبدار للکارنے لگے:- "دور باش! خبردار! ہوشیار! حضرت سلطان ظل اللہ رونق افروز ہوتے ہیں!"

یہ سنکر گویا تمام دربار خواب خرگوش سے چونک پڑا۔ تمام درباری لوگ سر و قد استادہ ہو گئے۔ اتنے میں جہاں پناہ تشریف لے آئے اور تخت مرصع پر جلوہ افروز ہوئے۔ بائیں جانب زرین کرسی پر جواں بخت جنرل محمد بختیار متمکن تھا۔

بختیار نے اٹھ کر شہنشاہ کے تخت کو بوسہ دیا اور نذر گزرانی۔ سلطان نے اس پر دست مبارک رکھ کر شرف قبولیت بخشا اور خلعت فاخرہ و شمشیر مرصع عنایت کی۔ علاوہ ازیں بتعداد کثیر زر نقد و سفید محمد بختیار نے

نے نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ شاہی خلعت زیب تن کیا اور شمشیر کمر سے باندھی۔

اسکے بعد حضرت جہاں پناہ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں جنرل محمد بختیار کی شجاعانہ اسلامی خدمات کا اعتراف فرمایا۔ نیز اُسکی اولوالعزمی فیاضی طبعی شجاعت اور اسلامی جوش کو سراہا۔ بعد ازان تسخیر بہار و بنگال کی سند عطا کی۔

اِسی اثنا میں دربار کے شرقی حصہ میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی پھر شور و غل سنائی دیا اور کشمکش سی نظر آنے لگی صفیں درہم برہم ہوئیں حاضرین میں اضطراب سا پھیلنے لگا۔ آخر معلوم ہوا کہ ایک سفید ہاتھی بگڑ گیا ہے۔ اور وہ دیوانہ وار دربار کے اندر گھسا چلا آتا ہے بہادرونکے پرے کے پرے کھڑے تھے لیکن کچھ عجیب بات تھی کہ کوئی شجاع نا مال ہاتھی کے مقابلہ کو آگے نہ بڑھتا تھا۔

عین اس وقت شہنشاہ کی نظر اوپر کو اُٹھی اور دفعتاً محمد بختیار کے چہرہ پر جا ٹھہری۔ کہنے والے نے کہہ دیا اور سننے والے نے سن لیا۔ تامل کیا تھا۔ بختیار فوراً اپنا گرز گران ہاتھ میں لیکر خونی ہاتھی کے مقابل ہوا اور جاتے ہی اُس کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ ہاتھی بدحواس ہو کر پیچھا ہٹنے لگا اور وہان سے بھاگ جانا چاہا۔ مگر بختیار اُسے فراری کا موقع کب دینے والا تھا وہین مارے گرزون کے بیدم کر دیا۔

اسطرح سراسیمگی اور خوف و اضطراب کا سین اطمینان و شادمانی سے بدل گیا۔ ایک غلغلۂ تحسین و آفرین اور شور مرحبا دربار سے اُٹھا اور اس سے آسمان گونج اُٹھا ہر طرف سے محمد بختیار کی شجاعت جرأت کی تعریف ہونے لگی۔ دوست اور دشمن سب اس کا لوہا مان گئے۔ وہ کینہ در سینہ اور کمینہ مزاج اُمرا بھی جو بختیار سے اس وجہ سے رشک و حسد کرتے تھے کہ وہ کیون الطاف و عنایات خسروانہ کا مستوجب ہوا اسکی شجاعت اور سلطان کی مردم شناسی کے قائل ہو گئے۔ اور ان کی زبان سے بھی بے اختیار مرحبا جزاک اللہ ہی نکلا۔

خاص عطیہ کے علاوہ دربار کے اکثر امرا و رؤسا اور اراکین دولت نے بھی بختیار کو بہت سے تحفے تحائف اور نقد و جنس پیش کی لیکن اس بہادر نے یہ سب کچھ کوڑے کوڑے غربا مساکین اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔

بختیار کے اس فیاضانہ طرز عمل کا اثر تمام حاضرین خصوصاً سلطان کے قلب پر نہایت گہرا ہوا۔ اس لیئے کہ یہی واقعہ خود سلطان قطب الدین کو جبکہ غزنین میں پیش آیا تھا جب محمد غوری کے دربار میں اسکی عزت افزائی کی گئی تھی اور اس نے سلطانی خلعت کے علاوہ تمام زر و نقد کوڑے کوڑے غربا میں تقسیم کر دیا تھا۔

(۲)

قدرت نے ہندوستان کی قسمت کو شاید روز ازل ہی سے غیر ملکیوں اور اجنبیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ سبکتگین اور محمود غزنوی ہی پہلے حملہ آور ہند نہیں۔ بلکہ ان سے بہت مدت پیشتر یعنی تقریباً دو ہزار سال (قبل مسیح) ملک اسوریہ کی حکمران ملکہ سمی رامس نے پہلے پہل ہند پر حملہ کیا مگر ناکام پسپا ہوئی اٹھارہ سو سال (قبل مسیح) مصر کے فرمانروا سیسوسٹرس اور رامسیس اعظم ہند پر حملہ آور ہوئے علے ہذا دوسری صدی عیسوی میں سیتھین قوم تسخیر ہند کے لیے آئی رومیون آریون (نا مسلم نسلون) اور غزنویوں کے ترک وتاز کے افسانے پرانے ہو چکے سلطان محمد غوری ایک ملحد ائی لمحہ کے ہاتھ سے ۱۲۰۶ء میں شہید ہو چکا اب اُسی کا قائم مقام اور جنرل سلطان محمد قطب الدین تخت دہلی پر فرمان فرما ہے

یہی سب سے پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے دہلی کو فتح کر کے ہندوستان میں مستقل حکومت کی طرح ڈالی۔ اسی عہد سے دہلی کو چار چاند لگنے شروع ہوئے اس سے پیشتر عربون کی سندھ میں اور غزنویوں کی پنجاب میں مستقل حکومت رہی مگر قائم نہ رہ سکی سلطان محمد غوری نے اپنے بہادر جنرلوں کو جو پہلے زر خرید غلام تھے اور محض تعلیم اسلام اور سلطانی تربیت و شفقت کی بدولت اس رتبہ کو پہنچے تھے ہندوستان کے مختلف حصص پر گورنر مقرر کیا چنانچہ علاوہ دیگر گورنروں کے قطب الدین ایبک کو سہرام کی تسخیر پر مامور کیا جو دہلی کے قریب ایک ریاست تھی قطب الدین جو اس وقت دہلی کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کر رہا [illegible]

غلامی ہمیشہ سے انسانی تاریخ کا رواج رہا ہے اور یہ برکات اسلام سے منسوب کرنا مبالغہ نہیں کیونکہ شاید اسکی نظیر تاریخ اسلام کے سوا اور کہیں نہیں ملیگی۔ رومی، ایرانی بلکہ مشرق و مغرب کی اقوام غلاموں سے جس قسم کا سلوک کرتی تھیں، اسکی تفصیل تاریخ میں موجود ہے جسے بغیر آنسو بہائے پڑھا نہیں جاسکتا۔ ہندوستان میں شودروں کے ساتھ جیسا سلوک کیا جاتا تھا وہ محتاج تشریح نہیں۔ لیکن داعی اسلام نے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ کا عقد زید غلام کے ساتھ کرکے انسانی مساوات کی بے نظیر نظیر قایم کردی، اور محض اسی کی برکت تھی کہ ان لوگوں کو جنھیں زمانہ اور قسمت نے گویا غلام بنا دیا تھا تخت حکومت نصیب ہوا۔ تاریخ اسلام میں ایسے اشخاص کی تعداد کثیر ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ محمد بختیار خلجی تسخیر بہار و بنگال کے لئے اٹھا ہے۔ بختیار کی ابتدائی سرگذشت بھی دلچسپی اور سبق سے خالی نہیں۔ یہ غور کا رہنے والا تھا۔ عنفوان شباب میں بغرض ملازمت سلطان محمد غوری کے دربار میں حاضر ہوا اور فوج میں رنگروٹ بھرتی کئے جانے کی درخوست کی۔ لیکن سلطانی دیوان عرض (بھرتی کرنے والے افسر) نے اسے فوجی ملازمت کے ناقابل سمجھکر ملازم نہ رکھا۔ بختیار مایوس ہوکر دہلی آیا۔ مگر یہاں بھی وہی معاملہ پیش آیا اور وہ فوجی خدمت کے ناقابل سمجھا گیا۔ لیکن اسوقت اُس کے مستقبل اور مشیت ایزدی کو کون جانتا تھا؟!

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فوجی قابلیت کا معیار نہایت ہی بلند کردیا گیا تھا۔ بختیار جیسا بہادر بھی ابتداءً اسکے ناقابل سمجھا گیا۔

بختیار دہلی سے بدایون گیا۔ یہاں کے مسلمان حاکم نے اسے معمولی تنخواہ پر ملازم رکھ لیا۔ لیکن وہ چند ہی روز میں برداشتہ خاطر ہوکر بدایون سے چل دیا اور کوچ کرتا ہوا اودھ جا پہنچا اور وہاں ملازم ہوگیا۔

اس نے اودھ میں معقول ترقی کی اور چند ہی روز میں خاصی حیثیت پیدا کرلی۔ حتی کہ مشرق کی سمت ایک مختصر سی جاگیر حاصل کی۔ اس سے متعلق مونگیر اور بہار کی بعض بستیاں تھیں۔ رفتہ رفتہ بختیار ان کے علاقوں میں دخیل ہونے لگا معقول فوجی جمعیت فراہم کرلی۔ اب بختیار کی قسمت بختیاری کرنے لگی۔ وہ اپنے رفقاء اور ماتحتوں سے نہایت مشفقانہ اور فیاضانہ سلوک کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے ہم قوم خلجی نوجوان اسکے گرد اسطرح آآکر جمع ہوگئے جسطرح شمع کے گرد پروانے اور بختیار نے ان کے نیز عام مسلمانوں کے اجتماع سے غیر معمولی پولیٹیکل طاقت اور فوجی قوت پیدا کرلی، اور مشرقی علاقوں کو اپنی فتوحات کی جولانگاہ اور اشاعت اسلام کا میدان بنایا۔

اس وقت سلطان محمد غوری کا نائب (سلطان) قطب الدین ایبک تخت دہلی پر جلوہ افروز تھا۔ قطب الدین بھی اپنے آقا کے شجاع، عالی ہمت اور اس لیے بہادروں کا قدردان تھا۔ جب اس نے محمد بختیار کے شجاعانہ کارناموں اور فتوحات کی داستان سُنی تو نہایت مسرور ہوا اور اُسے دارالسلطنت دہلی میں طلب کرکے اور خلعت فاخرہ دیکر مشرقی علاقہ خصوصاً بہار و بنگال کی تسخیر پر مامور کیا۔

(۴۲)

شاہ خاور قلعہ مشرق سے برآمد ہوکر فضائے فلک کی سیر کا عازم ہے اور اپنی سُنہری کرنوں سے موجودات عالم پر زر افشانی کرکے اپنی عالمگیر فیاضی کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے۔ طیور آشیانوں سے، اور حشرات الارض، درندے بلوں اور غاروں سے نکل نکل کر دانے پانی کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ کاشتکار ہل بیل لئے تاروں کی چھاؤں اپنے کھیتوں میں پہنچ گئے ہیں، اور ہل کندھوں سے اُتارکر قلبہ رانی شروع کردی ہے۔

الغرض یہ وہ وقت ہے جب تقریباً ہر جاندار اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوجاتا ہے لیکن عین اس وقت بنگال کی قدیم دارالحکومت ندیا میں عالمگیر سناٹا اور غضب کا سکوت ہے، تقریباً تمام بازار بند ہیں گویا ہڑتال ہو رہی ہے۔ کہیں کہیں کوئی اکا دکا آدمی نظر آتا ہے لیکن متفکر اور غمگین۔

واقعہ یہ ہے کہ راجہ بنگال کی عزیز اور نازنین رانی کی اچانک موت نے جو جذبہ حب الوطنی سے خاص تعلق رکھتی ہے اس عظیم الشان اور خوبصورت شہر کی آبادی کو غمگین اور افسردہ خاطر بنا دیا ہے چنانچہ اسی ماتم کے سبب شہر کے ہر [illegible] سے

لیکن اس سے یکلخت ایک پُر اسرار خاموشی چھائی ہوئی ہے اور ایک ہو کا عالم ہے۔

گذشتہ شب رانی کے ایک بچہ پیدا ہوا، مگر اسکی ولادت کی کیفیت عجیب و غریب سننے میں آئی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب رانی شدتِ دردِ زہ سے مچھلی بے آب تڑپ رہی تھی اور بہ اسبابِ ظاہری وقتِ ولادت تولد قریب تھا تو اُس نے نجومی پنڈتوں کو طلب کیا اور جب وہ آگئے تو ان سے اس بچہ کی قسمت اور مستقبل کی نسبت سوال کیا۔

نجومیوں نے اپنے شاستر کو دیکھ کر کہا کہ اگر بچہ اس ساعت میں پیدا ہوگا تو اس میں شک نہیں کہ وہ ملک و قوم اور راجہ کے خاندان کے لئے منحوس ہوگا۔ اس سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچیں گے، حتیٰ کہ سلطنت برباد ہو جائے گی! بیرونی دشمن بنگال پر قابض ہو جائے گا لیکن اگر یہ گھڑی ٹل جائے اور بچہ دو تین ساعت بعد پیدا ہو تو اُسکے باقبال اور صاحبِ بخت ہونے میں کلام نہیں، اور وہ ہمارے شاستر کی رو سے تقریباً نوّے سال تک نہایت جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کرے۔ ملک میں عالمگیر امن و امان رہے۔

رانی نے نجومیوں کی یہ باتیں سنیں تو گویا اُسکے جسم میں برق دوڑ گئی۔ جوشِ حب الوطنی سے اسکے جسم میں خون گردش کرنے لگا، وہ بحرِ فکر میں غوطے کھانے لگی۔ رانی بار بار اپنے دل سے سوال کرتی تھی کہ "کیا کوئی ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ ملک و قوم اور سلطنت آنے والی مصیبت سے بچ جائے؟ اور حکومت کا بال بیکا نہ ہو؟!"

آخر بہت کچھ غور و خوض کرنے کے بعد اس نے دل میں کچھ طے کر کے حکم دیا کہ "مجھے اس پیپل کے درخت میں اُلٹا لٹکا دو، اور اس ساعت کے بعد جب منحوس وقت ٹل جائے نجومیوں سے دریافت کر کے درخت سے اُتار دو!"

کس قدر عجیب و غریب کیسا خوفناک یہ منصوبہ اور حکم تھا، اور رانی کے حق میں گویا پیغامِ اجل! اب کون اس کی تعمیل کرے؟ کس کو اس امر کی جرأت ہو؟ ادھر رانی کو اصرار، رفتہ رفتہ اس کی اطلاع راجہ کو بھی ہوئی اور اُس نے یہ تمام حالات نہایت استعجاب کے ساتھ سُنے، پھر رانی کے پاس آیا اور التجا کی کہ اپنے اس خوفناک خیال ارادہ سے باز رہے، اور اُسے سمجھایا کہ اس طرح اس کی جان کی خیر نہیں، لیکن رانی ٹس سے مس نہ ہوئی، تریا ہٹ مشہور ہے مگر یہاں راج ہٹ بھی ایک حد تک اس میں شامل تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ رانی جوشِ حب الوطنی میں مدہوش تھی۔

الغرض چار و ناچار رانی کے حکم کی تعمیل کی گئی، اُسے اُلٹا کر کے درخت پر لٹکا دیا گیا اور جب نحس گھڑی ٹل گئی تو اُسے نیچے اُتار لیا گیا اور اُس وقت رانی کے جیتا جاگتا، چندے آفتاب چندے ماہتاب بچہ پیدا ہوا۔ لیکن رانی شدتِ درد و کرب سے لوٹن کبوتر بن رہی تھی اور مثلِ مرغِ نیم بسمل رقص کر رہی تھی، وقت جوں جوں گذرتا تھا اسکی حالت اور زیادہ خراب ہوتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ بعد وضعِ حمل چند ہی گھنٹے اس دنیا میں رہ کر بیکنٹ باش ہوئی، اور اپنی حب الوطنی اور قربانی کی بے نظیر مثال دنیا میں قائم کر گئی۔ مبارک ہے وہ ملک جسکی خاک سے ایسی ارواح اٹھیں!

(۴)

متذکرہ بالا واقعات کو نوے سال کامل گذر گئے ہیں۔ اس عرصہ میں بہت انقلاب ہو گئے، اور بے شمار بچے یتیم، لاکھوں عورتیں بیوہ، سیکڑوں صاحبِ اولاد بے اولاد ہوئے۔ بہت سی اقوام کو عروج اور بہتیری قوموں کو زوال ہوا۔ کسی قوم نے علم و تہذیب کی سرسبز اور پھولی پھلی وادی میں قدم رکھا، کوئی قوم جہالت کے تاریک غار میں جا پڑی۔ کسی سلطنت نے نئے سرے سے استحکام حاصل کیا اور کسی حکومت کی بیخ بنیاد تک ہل گئی۔ یہی قانونِ قدرت ہے، ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ بڑی مصلحتوں میں ہے کوئی کیونکر دم مار سکے!

سلطان قطب الدین تختِ دہلی پر فرمانروا ہے اور اسکا شجاع جنرل محمد بختیار خلجی بہار کو فتح کر کے حدودِ بنگال کے اندر قدم رکھنا چاہتا ہے، جسکی وجہ سے مہاراجہ لکھمنیا والیٔ بنگال غیر معمولی طور پر پریشان نظر آتا ہے۔

رات کا وقت ہے، بنگال کی راجدھانی ندیا میں عام طور پر سناٹا ہے لیکن شاہی محل کے ایک کمرے میں مہاراجہ اور اُسکے وزیر، مشیر اور نجومی پنڈت موجود ہیں اور

بلکہ مہاراجہ کے ساتھ کسی اہم معاملہ پر گفتگو کر رہے ہیں تھا

راجہ :- سنا جاتا ہو کہ یہ ترک بڑے ظالم اور سفاک ہیں۔

وزیر :- مہاراج! اس میں کیا شک ہو؟ یہ ملکش ہیں! اور سب سے پہلے ہمارے دھرم کو بھرشٹ کرتے ہیں۔ ہمارے ٹھاکر دواروں کو لوٹنا اور دیوتاؤں کو توڑنا ان کا کام ہو!

راجہ :- میں نے سنا ہو کہ بہادر بھی بڑے ہیں۔

وزیر :- حضور! بڑے بے رحم ہیں۔

ایک مشیر :- افسوس! یہ ملکش ہمارے ملک میں گھسے چلے آتے ہیں اور ہمارے دیوتا ہماری مدد نہیں کرتے!

ایک برہمن :- معلوم ہوتا ہو کہ دیوتا ہم سے خفا ہیں اور کالی دیوی ہم سے خون کی بھینٹ چاہتی ہو۔

راجہ :- (ایک ماہر نجوم پنڈت سے مخاطب ہو کر) پنڈت جی مہاراج! ذرا آپ اپنے شاستروں کو تو دیکھئے کہ بنگال کا کیا حال ہونے والا ہو؟

نجومی :- بہت اچھا مہاراج!

یہ کہہ کر برہمن نے اپنی بغل سے تہہ نکالا پھر لکڑی کی ایک تختی پر مٹی پھیلا کر اس پر لوہے کی کیل سے دیر تک مختلف دائرے مربع وغیرہ کی شکلیں بناتا رہا اسکے بعد دیر تک انگلیوں پر کچھ حساب کرتا رہا اور آخرکار ان سب کاموں سے فارغ ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔

راجہ کی آنکھیں پنڈت کے چہرہ پر لگی ہوئی تھیں اور وہ حکم نجوم سننے کیلئے بے چین تھا نجومی کو متفکر اور خاموش دیکھکر گویا اسکے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی آخر ال کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولا کہئے! پنڈت جی مہاراج! آپ کا شاستر کیا کہتا ہو۔

نجومی :- مہاراج! کیا عرض کروں؟ کچھ کہا نہیں جاتا!

راجہ :- (گھبرا کر) جلد کہو! اور صاف صاف کہو کہ کیا ہونے والا ہو؟

نجومی :- جان کی امان پاؤں تو زبان پر لاؤں!

راجہ :- (بے چین ہو کر) تمہاری جان بخشی کی گئی۔ اب جلد سچ سچ بتاؤ کہ کیا ہونے والا ہو؟

نجومی :- مہاراج ادھراج! حضور کی عمر اسی سال کی ہو چکی۔ آج سے اسی سال پیشتر جس روز آپ پیدا ہوئے اسی روز مہارانی بیکنٹ باش ہوئیں اس روز بھی ہم نے رانی کے حکم سے نجوم سادھا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ یہ گھڑی منحوس ہو چنانچہ مہارانی نے اپنی قیمتی جان دیکر اس نامبارک وقت کو ٹالا۔ اس وقت از روئے نجوم حکم لگایا گیا تھا کہ حضور اسی سال حکومت کریں گے! اور۔۔۔۔"

یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

راجہ :- (پریشان ہو کر) گویا میری حکومت کا زمانہ ختم ہو گیا؟! تو کیا ملکش میری حکومت تہ و بالا کریں گے؟!

نجومی :- (آہستہ سے) ہاں مہاراج ہمارے شاستر یہی کہتے ہیں کہ ترکوں (مسلمانوں) ہی کے ہاتھ سے بنگالہ کی حکومت کا ناش ہوگا۔ اور اسی سال! اور ہمارے شاستر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ جو ملکش اس ملک کو فتح کرے گا وہ بڑا بہادر ہوگا۔ اور اسکی خاص شناخت یہ ہو کہ اسکے ہاتھ غیر معمولی طور پر لمبے ہونگے یعنی گھٹنوں سے ٹخنوں تک۔

راجہ :- اچھا کوئی معتبر اور ہوشیار آدمی جائے اور خبر لائے کہ کیا بختیار میں فاتح بنگال ہونے کے علامات موجود ہیں! (وزیر سے) مگر اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟ سنا جاتا ہو کہ ترک قریب ہی آپہنچے۔

وزیر :- مہاراج ادھراج کو معلوم ہو کہ بھارت ورش کے بہت سے راجوں مہاراجوں نے ان ملکشوں کا جان توڑ مقابلہ کیا مگر سوائے اسکے کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ اپنی جان اور ملک کو کھو دیا! ترک آدمی نہیں ہیں گویا دیو ہیں! اور اصل بات تو یہ ہو کہ ہمارے دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں ورنہ ان ملکشوں کی مجال تھی کہ ہمارے ملک میں قدم رکھ سکتے! بنظر بہ حالات موجودہ میری ناقص رائے یہ ہو کہ فی الحال مہاراج ادھراج (ندیا) کو چھوڑ کر برہما کی جانب تشریف لے جائیں غالباً یہ ترک اپنی عادت کے موافق لوٹ مار کرکے واپس چلے جائیں گے! اسپر حضور

اس وقت یہاں تشریف لے آئیں۔

راجہ:- (جوش شجاعت سے) میں بغیر مقابلہ دشمن کے خوف سے بھاگ جاؤں یہ ناممکن ہے! خواہ اس میں میری جان جائے یا رہے!

وزیر:- حضور! ہم سب اس جاں نثار در خانہ زاد نے عرض کی وہ دراہ خیر خواہی تھا وہ دور اندیشی تھی۔ ورنہ ہم سب حضور پر قربان ہونے اور حضور کے ایک قطرۂ پسینہ کی بجائے اپنا خون گرانے کے لیے تیار ہیں۔

ایک مشیر:- آخر ہم لوگ ہیں کس واسطے بے شک ہم سب اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔

راجہ:- میرے نمک خوار بہادرو! مجھے تم سے یہی امید ہے!

برہمن:- پرماتما کرپا کریں گے!

راجہ:- جو کچھ قسمت میں ہو! ع

تقدیر جو دکھائے سو ناچار دیکھنا

(۵)

بنگالہ کی خوبصورت قدیم راجدھانی (ندیا) سے جانب شمال کوئی تین میل ہٹ کر ایک وسیع میدان میں ایک ٹڈی دل لشکر اترا ہوا ہے۔ بہادروں نے ابھی کمریں کھولی ہیں، ہر طرف خیمے نصب کئے جا رہے ہیں، کچھ لوگ زمین میں میخیں گاڑ گاڑ کر اپنے گھوڑوں کو باندھ رہے ہیں بعض نے انہیں چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے۔ عام طور پر چہل پہل ہے کچھ سپاہی کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے ہیں! کچھ لوگ پیش آنے والی مہم پر طبع آزمائی کر رہے ہیں اور بعض خوش طبعی میں مصروف ہیں!

یہ فوج نووارد اور اجنبی معلوم ہوتی ہے اس لیے ان بہادروں کی شکل و شباہت نیز لباس یہاں کے باشندوں سے مختلف ہے۔ یہ لوگ لمبے تڑنگے موٹے تازے، چوڑے چکلے اور گورے چٹے ہیں، ان کے تیوروں سے غیر معمولی شجاعت اور دلیری ظاہر ہو رہی ہے، ان کا لباس ڈھیلا ڈھالا اور نیچا ہے۔ گھیردار اور بڑے بڑے گھیر کی شلواریں نیچی نیچی قمیصیں، شانوں پر عبائیں اور قبائیں نیز بڑے بڑے عمامے ان لوگوں کو ہندوستان کے قدیم باشندوں سے ممتاز کر رہے ہیں! لیکن ان سپاہیوں کو اہل بنگال سے نمایاں طریق پر ممتاز کرنے والی چیز ان بہادروں کی سفید اور سیاہ لمبی ڈاڑھیاں ہیں جو ایک شان کے ساتھ ان کے سینوں پر پڑی ہوئی ہیں! ان ڈاڑھیوں نے ان بہادروں کے چہرہ کو اور بھی پر جلال، بارعب یا بقول شخصے خوفناک بنا دیا ہے! یہ لشکر جنرل محمد بختیار خلجی کا ہے، اور فتح بنگال کے عزم سے اٹھا ہے۔

اب شام ہو چکی ہے۔ کوئی سات بجے ہوں گے! یہ لوگ ابھی ابھی نماز مغرب سے فارغ ہوئے ہیں، اسی اثنا میں کچھ سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر لشکر گاہ سے باہر نکلے اور اس سڑک پر پہنچے جو (ندیا) کو جاتی ہے یہ کل اٹھارہ سوار ہیں! لیکن ان کے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب چیدہ جانباز اور منتخب بہادر ہیں! اور اس وقت کسی اہم مہم پر جا رہے ہیں جو بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے اس سواروں کی جماعت کے آگے آگے جا رہا ہے اور جس کے شانے پر کملی لگی ہوئی ہے، جس کے چہرہ اور تیوروں سے غیر معمولی شجاعت ٹپکی پڑتی ہے، یہ بہادر بختیار کے علاوہ اور کوئی نہیں!

یہ سوار چلتے چلتے شہر ندیا کے دروازہ پر جا پہنچے۔ ایک محافظ نے ٹوکا اور ان لوگوں کے آگے بڑھنے کا مزاحم ہوا، مگر دوسرے پہرہ والے نے اسے باز رکھا اور کہا کہ یہ بیچارے گھوڑوں کے سوداگر معلوم ہوتے ہیں اور سرا میں آرام کے لیے جا رہے ہیں اس لیے ان کا روکنا فضول ہے۔

الغرض یہ سوار شہر میں داخل ہو گئے اور قلعہ کے رخ چلے حتیٰ کہ عین دروازہ (پھاٹک) پر جا کھڑے ہوئے، اپنے نیزوں کو ہاتھوں میں لیکر جھکا لیا اور محافظین کی جانب سیدھا کر دیا بعض نے تلوار اور شمشیر سے کام لیا۔ محافظین نے بھی بعض مقابلہ پر آئے لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، یا تو قتل ہوئے، یا زخمی ہو کر مدہوشانہ زمین پر گر پڑے اب حملہ آور جانباز سوار دراّنہ قلعہ میں داخل ہو گئے اور ہر طرف تکبیر کے نعرے شروع کر دی قلعہ کی تمام آبادی اور خاص و عام پر خوف چھا گیا۔ ایک تہلکہ سا مچ گیا لوگ بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔

میں کوئی افسروں اور درباریوں میں سے کسی کو اتنا نہ سوجھا کہ ذرا
ہمت کر کے بھی بھر دشمنوں کا مقابلہ کریں جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ
کھڑا ہوا اور حملہ آور نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے مرعوب دشمنوں کا ستھراؤ
کرنے لگے حتیٰ کہ مسلمان سرلشکر محمد بختیار خلجی پہرہ داروں کو تہ تیغ کر کے راجہ
لکھمنیا کے محل میں داخل ہو گیا۔ راجہ اسوقت کھانا کھا رہا تھا اس ناگہانی آفت کے
نازل ہونے کا وہ بھی کوئی فوری دفعیہ نہ کر سکا اور ایسے وقت وہ کر ہی کیا
سکتا تھا سوائے اسکے کہ اپنی جان کو خوفناک دشمن سے بچا لے چنانچہ
وہ ایک چور دروازہ سے نکل کر اپنے چند جان نثار بہادروں کے ساتھ فرار
ہو گیا۔ اس طرح حکومت بنگالہ بلا مزید جد وجہد نہایت آسانی کے ساتھ
مسلمانوں کے زیر اقتدار آ گئی۔

یہ سچ ہے کہ فاتح کا رعب غیر معمولی ہوتا ہے۔ اور اس رعب کا بھی کم و بیش
اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اس وقت مسلمان حملہ آوروں کا باشندگان ہند
خصوصاً اہل بنگال پر ہوگا۔ دیگر حصص ہند کے باشندے تو مسلمانوں سے
ایک حد تک مانوس بھی ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ سلطان محمود کی فوج میں
ہندو ملازم تھے لیکن غالباً اہل بنگال کو ابتک ان سے واسطہ اور سابقہ نہیں
پڑا تھا سوائے اسکے کہ انکے شجاعانہ خوفناک کارناموں سے ان کے کان آشنا ہوئے
ہوں۔ بیان کرنے والے اکثر نمک مرچ لگا کر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں
یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کو بنگالہ کی جانب بڑھنے کی جرأت اس وقت
ہوئی تھی جب وہ شمالی ہند کے تمام علاقے فتح کر چکے تھے لیکن یہ بات یاد
رکھنے کے قابل ہے کہ بنگالہ کے اس آسانی سے تسخیر ہونے کا راز صرف مسلمانوں
کی اولوالعزمی، غیر معمولی دلیری، جانبازی، جرأت اور غیر معمولی شجاعت ہی میں
مضمر نہیں بلکہ اُس کو حکومت بنگال کی غفلت شعاری اور اہل بنگال کے
عام مذاق سے بھی تعلق ہے۔ اور اس میں تقدیر کے مسئلہ کو بھی ایک
حد تک دخل ہے جس نے مشرقی اقوام خصوصاً اہل ہند پر مختلف
زمانوں میں بڑا اثر ڈالا ہے۔ نجومیوں کی پیشن گوئیاں بھی یہی اثر پیدا کر رہی ہیں
شمالی ہند کے ہندوؤں نے جس بے جگری، تہور اور حب الوطنی کے جوش
سے مسلمانوں سے مقابلے کیے انکی تفصیل تاریخ میں موجود ہے۔ اور اہل ہند کی شجاعت
حب الوطنی اور قوم پرستی کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ یہاں یہ بحث
نہیں کہ اس مزاحمت کا فائدہ کیا ہوا۔ مگر بختیار کے ندیا تک پہنچ جانے کے
باوجود راجہ لکھمنیا کا اسکے مقابلہ کا تہیہ نہ کرنا بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہنا
اور نجومیوں کے قول پر اعتبار کرنا اسکے کیرکٹر پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے۔
بایں ہمہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اہل بنگال علم و فضل میں اس وقت بھی ممتاز
تھے لیکن کہتے ہیں کہ جہالت و شجاعت حقیقی بہنیں ہیں اور علم و فضل کا
شجاعت سے کوئی رشتہ نہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟

حامیان اسلام سلطان بنگال کے دار الخلافہ ندیا پر قابض ہو گئے بے شمار
مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا جس میں حصہ خمس اور قیمتی تحائف مع فتح نامہ دار الخلافہ
دہلی کو سلطان قطب الدین کی خدمت میں بھیجے گئے۔

رعایا نے سر تسلیم خم کیا امن عام کا اعلان کیا گیا۔ باقی اسلامی فوجیں بھی
ندیا میں داخل ہو گئیں لیکن یہ تمام فوج بھی آبادی کے تناسب سے کافی نہ تھی اسلیے
دوراندیش بختیار نے شہر ندیا کے جنگی استحکامات کو اسباب مشکلات سمجھ کر لکھنوتی
کو اپنا صدر بنایا اور اسطرح بنگال بغیر عظیم الشان جنگ اور خونریزی کے
سلطنت اسلام میں شامل ہو گیا۔

اظہر دہلوی

کچھ سوچ کے تیرے حضور آیا ہوں — ہاں معترف جرم و قصور آیا ہوں
لے اپنی پناہ مغفرت میں مجھکو — دربار میں تیرے اے غفور آیا ہوں

تنقید کتب

جذبات بھاشا | بھاشا کی شاعری کا اصول فن کے اعتبار سے اپنی
[ہم]عصر زبانون مین جو درجہ ہو وہ کسی تشریح کا محتاج نہین اسکی سب سے
[بڑ]ی خصوصیت یہ ہو کہ اسکے جذبات بالکل نیچرل اور مطابق فطرت ہوتے ہین
[ی]ہ وجہ ہو کہ ان سے کوئی قلب بغیر متاثر ہوے نہین رہ سکتا۔ بھاشا مین قدرتی
[طو]ر پر بعض باتین ایسی موجود ہوگئی ہین جن سے اسکی شاعری کو چار چاند لگ گئے
[ہین] مثلاً اس مین اظہار محبت عورت کے جانب سے ہوتا ہو اس زبان مین جو نزاکت
[او]ر لوچ ہو وہ شاعری کی جان بن گئی ہو۔ بھاشا شاعری کے مرقع مین اصل کلر
[ع]امی رنگ کا اس قدر پختہ اور دلپذیر ہو کہ اس سے جذبات نگاری کا پایہ
[بہ]ت بلند ہو جاتا ہو۔ ان تمام باتون کے باوجود تعجب معلوم ہوتا ہو کہ اردو شاعری
[پر] بھاشا کا رنگ کیون نہین چڑھ سکا اور حسرت آتی ہو کہ اردو نظم کی رہنمائی
[بھ]اشا کی جگہ فارسی کے حصہ مین کیون آئی۔ سچ پوچھیے تو یہ ایک ایسی کمی ہو
[ج]و غالباً مدت العمر دور نہین ہو سکتی۔ اردو شاعری جس سانچے
[م]ین ڈھلنا تھی ڈھل چکی اور اس کا جو یہ جو تیار ہونا تھا ہو چکا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہو
[ک]ہ ہمارے با مذاق شعرا اگر اب بھی بھاشا شاعری سے سبق حاصل کر کے اپنے کلام
مین اصلیت اور حقیقت کا رنگ پیدا کر سکین تو اردو شاعری کے خزانہ ادب
مین جہان زیادہ تر جھوٹے اور نقلی لعل و جواہر بھرے ہوے ہین سچے اور آبدار
موتیون کا بھی اضافہ ہو سکتا ہو۔ ایسے شاعر اگر ہمارے یہان پیدا ہون اور
پھر وہ اس اہم خدمت کی ذمہ داری بھی قبول کرین تو ان کے لیے جذبات بھاشا
ایسی کتابین شمع ہدایت کا کام دے سکین گی۔

جذبات بھاشا جس مین بھاشا شاعری کے اعلیٰ ترین نمونے یکجا کر کے
چھاپے گئے ہین حضرت نیاز (فتحپوری) کی جدت طرازیون کا نتیجہ ہو نیاز آجکل
اخباری دنیا مین معرفی سے ایک حد تک مستغنی ہین۔ یہ ضرور ہو کہ ان کی علمی
کارناموں کی ابتدا چند سال پیشتر ہوئی ہو لیکن اسی مختصر عرصہ مین وہ کم از کم
ایک خاص طبقہ مین مقبولیت حاصل کرنے مین ناکامیاب نہین رہے۔ شاعری مین
وہ ایک سخن فہم اور نکتہ رس طبیعت رکھتے ہین۔ اسی طرح نثر نگاری مین وہ ایک خاص
انداز کے مالک ہین۔ یہ جداگانہ بات ہو کہ ان کا انداز نثر نقائص یا لغزشون سے
کہان تک پاک ہے یا کس حد تک اصلاح کی گنجائش رکھتا ہو تاہم عبارت آرائی
و انشا پردازی مین ان کا ایک خاص رنگ ضرور ہو اور کیا عجب ہو کہ انکا یہ رنگ
کسی وقت اپنا حلقۂ اثر زیادہ وسیع کرے۔ ان کے نثر مضامین کے دیکھنے والے
اس بات کی شہادت دے سکین گے کہ جذبات نگاری مین ان کا شغف یہانتک
بڑھا ہوا ہو کہ بعض اوقات وہ حد سے باہر ہو جاتے ہین۔ اس اعتبار سے جذبات بھاشا
کے عنوان سے انھون نے جو کچھ لکھا ہو وہ اصلیت و حقیقت سے قریب کہا جا سکتا ہو
بلکہ سچ یہ ہو کہ جو کچھ انھون نے کر دکھایا ہو وہ کسی دوسرے سے ہونا ناممکن تھا۔

جذبات بھاشا اپنی نوعیت کے اعتبار سے اردو کے سرمایۂ ادب مین ایک
قابل تعریف اضافہ ہو۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہو کہ بھاشا شاعری کی جو
اس قدر تعریف کی جاتی ہو اسکی وجہ کیا ہو اور یہ کہ تاثیر و جذبیت کا یہی شوخ رنگ
اردو مین پیدا ہوتا تو آج اردو شاعری کا درجہ کیا ہوتا۔

آغاز کتاب مین جناب خلیقی دہلوی نے تقریب کے عنوان سے ایک دلچسپ
مقدمہ لکھا ہو جسمین بھاشا شاعری کی خصوصیات کا بیان کرنے مین اپنی غیر معمولی
قابلیت کا ثبوت دیا ہو۔ اسکے بعد مولف کا خود نوشت دیباچہ ہو جس کے اندر اردو
شاعری کی موجودہ حالت کا فوٹو عبرتناک الفاظ مین دکھایا گیا ہو اسکے بعد اصل
مضمون شروع ہوتا ہو۔ قابل مولف نے ہندی دوہے جو بھاشا شاعری کی جان
کہے جا سکتے ہین اس طرح جمع کیے گئے ہین کہ ہر ایک دوہے کے نیچے اسکے دشوار الفاظ کے معانی لکھ کر
اسکے مضمون کی تشریح اس انداز سے کی ہو کہ گویا اصل مطلب کو اپنی زبان مین
لے لیا ہو اور یہ بڑی خوبی کی بات ہو۔ اسی کے ساتھ مولف کی ہمت کی بھی داد
کی داد دینا چاہیے کہ اپنی تالیف کے لیے انھون نے نامور ہندی شعرا کے اعلیٰ کلام

گئے ہیں منتخب کئے ہیں مثال کے طور پر جگا ایک واضح تشریح کے نقل کیا جاتا ہے:-

یوں دل میں میٹ پڑ رہی وہی اکھیں سی گات
کر دیکھو ہر نہ ہرا جوں اُڑ کو جات

پہلی ملاقات کے بعد نائکہ (عروس) کی جو حالت اس کی ہمراز سکھی (سہیلی) نے دیکھی ہے اس کا نقشہ نائک (شوہر) سے کر رہی ہے کہ نئے سنگ (!) کسم (جیسے سر پر کے پھول جیسے نازک جسم کو) کوئی یوں بے رحمی اور بیدردی کے ساتھ ملا دلتا ہے؟ ذرا اس کے سینہ پر ہاتھ تو رکھ کے دیکھو کہ کلیجہ کی کیا حالت ہو رہی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُڑا جا رہا ہے۔"

اصل مطلب ہوا۔ اب اس کی ادبی خوبیاں اور معنوی لطافتیں حضرت نیاز کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:-

ساعر اپنہلے وصل میں یہ شکوہ اور پیار گلہ جس قدر پُر ... ہے اسی قدر معاملہ بندی کی نہایت پاکیزہ مثال اور حالت خاص کی بڑی کیف انگیز تصویر ہے۔ اس سے زیادہ نزاکت یہ ہے کہ یہ شکایت خود اس گل بدن کی جانب سے نہیں کی گئی ہے کیونکہ اول تو اُسے اس قدر ہوش کہاں، دوسرے نئی دلہن کی شرم و حیا اتنی بے تکلفی کب ہونے دیتی ہے بلکہ اُس کی ہمدم سہیلی اس لئے رہی ہے سے شکوہ کر رہی ہے....."

اس میں شک نہیں ہے کہ اس دوہے کا مضمون ایک حد تک معیار اخلاق و تہذیب سے گرا ہوا ہے جس کا اعتراف قابل مولف نے بھی خود کیا ہے لیکن اور بہت سے دوہے ایسے ہیں جو اخلاقاً قابل گرفت بھی نہیں اور اپنی خوبی بیان و لطافت معنی کے اعتبار سے بے مثل ہیں۔

حضرت نیاز کا قصد ہے کہ اس کے بعد بہاری کا متصوفانہ رنگ بھی اسی انداز سے پبلک کی نظروں میں لائیں۔ خدا کرے یہ جذبات بہ اشا ایک مستقل سلسلہ کی پہلی کڑی ثابت ہو اور اس کے دوسرے حصے بھی جلد شائع ہو سکیں۔ شائقین علم ادب ہیں دلچسپ نادر تالیف کے لئے منیجر پبلشنگ کمپنی منرلا پریس لکھنؤ سے درخواست کریں۔ قیمت ۱۲، مجلد، لکھائی چھپائی عمدہ۔

قواعد فرقانی | قاعدۂ بغدادی تو ابتدائی نصاب کی ایک نہایت قدیم اور مقبول کتاب ہے، اسے مجمل شائستہ مستثنیات کمل آئین پہ نہ کچھ مرضیہ کی اور کم مسلمان نوعمر لڑکوں کی تعلیم ہوتی اسی کتاب سے ہوتی تھی۔ اب سید محمد فاروق علی صاحب مشفق دہلوی، مدرس اردو سکول ... نمبر ... دہلی نے اسی میں بعض ضروری اور مفید اصلاحات کے ساتھ قواعد فرقانی شائع کی ہے جو یقیناً ان کو طلبا کے لیے نفع بخش ثابت ہوگی۔ اس کی نسبت حضرت ... صرف فرماتے ہیں:-

قواعد فرقانی میں کیا ہے؟ وہی قاعدے جو قواعد بغدادی میں ہیں مگر تہجی کے ساتھ وہ فائدہ بھی درج ہے جو معلمین اور متعلمین دونوں کے لیے ضروری ہے

بہر کیف حروف شغلی اور حروف ہجا کی تفہیم کے لیے یہ رسالہ اچھا ہے اور اس پر ایک مرتبہ عبور حاصل کرنے کے بعد مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے قرآن مجید کا بآسانی صحیح پڑھ لینا ضرور ممکن ہے۔ قیمت ۲ ر مولف سے مل سکتا ہے۔

اصلاح زبان اُردو | اپنے ملکی لٹریچر اور زبان کی اصلاح و ترقی کے لیے جس سے جو کچھ بھی ہو سکے مستحق آفرین و ستائش ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی ہر کوشش خلوص نیت کے ساتھ بے غرضانہ ہونا چاہیئے ورنہ محض اپنا تفوق جتانے کیلئے غریب اسلاف پر نکتہ چینی کی بوچھار کر دینا نہ صرف یہ کہ بیکار و فضول ہے بلکہ اس سے نکتہ چین کے اندرونی جذبات کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ حال میں کچھ اسی نام کا ایک رسالہ محقق کامل فن، شاعر شیریں سخن، منبع فصاحت و بلاغت، ہمپایہ غالب و جرأت، جناب مولانا مولوی منشی خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پریسیڈنٹ انجمن چشمہ سخن، ندوہ ضلع گیا، و سکرٹری انجمن اصلاح سخن لکھنؤ دام ظلہم کی تصنیف سے حال میں شائع کیا گیا ہے۔ حضرت عشرت کا نام اخباری دنیا میں نیا نہیں لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ "لکھنو گذشتہ" کی دلکش تصاویر دکھاتے دکھاتے ان کا قلم یک بیک اپنے جادہ سے کیوں منحرف ہو گیا۔ مثل مشہور ہے کہ "ما بہر کار ساختند" اب تک جناب عشرت نے اپنی قلمی و علمی مساعی کا جوہر ملک کے سامنے پیش کیا تھا وہ انکی پوزیشن کے قائم کرنے کو کافی تھا اور اگر وہ اسی شغل پر

پر میانہ روی سے چلے جاتے تو یقیناً ایک دن وہ علمی دنیا میں فخر و امتیاز کے
مالک ثابت ہوتے۔ "اصلاح زبان" کا کام وہ اور لوگوں پر چھوڑ رکھتے تو زیادہ
مناسب تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس رسالے کے تالیف کرنے کے بعد ان کی علمی شہرت
کو خاصہ صدمہ پہنچا ہے کیونکہ بقول ایک نکتہ سنج ہمعصر کے اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ انھوں نے اصلاح کے پردہ میں اساتذہ کے کلام کی بزعم خود مٹی پلید کرنا چاہی ہے
ورنہ انکی ضرورت کیا تھی کہ متروکات زبان اُردو کا ذکر کرتے کرتے وہ اُستادوں
کے کلام کے عیوب بھی دکھانے لگتے پھر لطف یہ ہے کہ اپنی دانست میں اُنھوں نے
جو غلطیاں یا فروگذاشتیں دکھائی ہیں اُن سے شاعر کی وقعت کو تو صدمہ نہیں
پہنچا لیکن خود ان کی نادانی کا درجہ معلوم و منکشف ہو جاتا ہے۔ اس جگہ تفصیل
کے ساتھ حضرت عشرت کی سعی اصلاح کا خاکہ کھینچنا ناممکن ہے تاہم ذیل میں چند
اشعار درج کئے جاتے ہیں ؎

داغ: شام ہونے تو دو چلے جانا ۔ ہے ابھی تیز آفتاب بہت

امیر: کیا حال دل سناؤں جاسوس اُس پری کے
اندر لگے ہوئے ہیں باہر لگے ہوئے ہیں

امیر: کیا حقیقت دو جہان کی وسعتِ دل کے حضور
لامکان اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

امیر: ہوں وہ میکش جو کروں رُخ در توبہ کی طرف
بہکے جاتے ہو پکارے دہن خُم مجھ کو

داغ: کھا لیا ہم نے شب ہجر میں سب خون جگر
روز فرقت ہمیں اب صاف گذر جائے گا

امیر: نہ یہ کی کسی نے انھیں خبر کہ گیا جہان سے کوئی گذر
اسی آرزو میں کئی پہر مری لاش در پہ دھری رہی

امیر: بس بس زبان روک لو اتنا نہ بڑھ چلو
ہم چپ ہیں آپ دون کی سو بار لے چکے

ناسخ: کھینچ چلا آخر کو جذب حسن سے ۔ پیچ کھا کے ناسخ تو اب مجذوب ہے

جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے وہ حضرت مصلح زبان اُردو کے خیال میں یا تو
غلط استعمال کئے گئے ہیں یا اُن کا استعمال ثقات کے روزمرہ میں خلاف
ہیں یا اب متروک ہیں لیکن اہل فہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی
بات نہیں۔ یہ چند نمونے ان اعتراضات کے ہیں جو عشرت صاحب نے استادوں
پر "اصلاح" کے نام سے کئے ہیں اور جنکی لفظ بہ لفظ تردید حضرت ہم کے قلم سے
مشرق ۲۴ اپریل ۱۹۱۶ء میں نہایت خوبی سے کی گئی ہے خوب تھا اگر حضرت
عشرت محض اُن متروکات پر قانع رہتے جو اساتذہ دہلی و لکھنو نے متفق طور پر
تسلیم کر لیے ہیں۔ اگرچہ اسوقت بھی ان کی کوشش تحصیل حاصل سے زیادہ
نہ ہوتی کیونکہ اس مبحث پر حضرت جلال اور اُن کے خلف ارشد جناب کمال
اس سے پیشتر بہت کچھ لکھ گئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ندرہ کی "انجمن چشمہ سخن"
اور لکھنو کی "انجمن اصلاح سخن" جسکے علی الترتیب صدر اور سکرٹری ہونے کا فخر
جناب عشرت کو حاصل ہے علمی دنیا میں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ تاہم اگر واقعی طور
پر وہ کوئی چیز ہیں اور ان کے ذریعہ سے اُردو علم ادب کی کچھ خدمت منظور ہے
تو ان کی کارکن جماعت کا فرض ہے کہ اپنی کوششوں کو سیدھے راستے پر
رکھیں اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ ہر ایک کام کریں ورنہ

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش

اس کتاب کی قیمت ۴ ہے اور انجمن چشمہ سخن ندرہ ضلع گیا سے مل سکتی ہے۔

اتالیق انگریزی زبان میں نوعمروں اور نوجوانوں کی اخلاقی تربیت
کی خاطر وہاں کے روشن دماغ اور بالغ نظر اہل قلم نے بہت سی کتابیں
لکھی ہیں، جن میں پادری جان ٹاڈ کی مشہور و معروف "سٹوڈنٹس مینول" خصوصیت
سے قابل ذکر ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کی کتابیں ناپید ہیں اور باوجودیکہ ادب
کی اس شاخ کو سرسبز کرنے کی اہل ملک ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن عملاً ابھی
تک کچھ نہیں ہوا اور اگر کچھ برائے نام ہوا بھی ہے تو وہ قابل اعتنا نہیں۔ ایسی
حالت میں جبکہ مستقبل کتابوں کا قحط ہو یہ کم غنیمت نہیں ہے کہ انگریزی زبان
ہی سے مفید کتب کا ترجمہ اُردو میں کر دیا جائے تاکہ ہندوستان کی نئی پود [illegible]

کی ... سے اپنے دماغ کو منور کر سکیں۔ اسی لحاظ سے اتالیق جیسی کتابوں کا ... مشرق کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اتالیق اسٹوڈینٹس مینوال کا ترجمہ ہے جسکو ہندوستان کے ایک قابل فخر بزرگ آنریبل رائے بہادر بابو ... نے کیا تھا۔ افسوس ہے کہ بابو صاحب اب ہم میں موجود نہیں اور ان کی وفات کا ناقابل برداشت صدمہ ہم کچھ عرصہ پیشتر اٹھا چکے ہیں۔ بابو صاحب نے اس کتاب کو زیادہ تر مفید بنانے کے لیے ضمیمہ کے طور پر بعض مشاہیر کے دو ایک نفع بخش و سودمند مضامین کا ترجمہ اور شامل کر دیا ہے جیسے مسٹر جان لبک کا مضمون "مطالعہ کتب" جو نہایت درجہ عجیب اور ... ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ولیم کابٹ کے خیالات کفایت شعاری و تعلیم کے متعلق نہایت سبق آموز ہیں۔

ترجمہ کے حقیقی حصہ کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں کیونکہ اس کتاب کے مضامین اور ان مضامین کی سودمندی کا شہرہ ایسا محدود نہیں ہے کہ جو تھوڑی بہت بھی انگریزی جانتا ہو وہ اس سے ناواقف ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اصل کتاب میں طلباء کی دماغی و اخلاقی تربیت پر جو بیش قیمت مشورے دیے گئے ہیں وہ ہندوستان کے لڑکوں کے لیے یکساں قابل عمل ہیں۔ اس لحاظ سے اتالیق کا ایک ایک نسخہ ہر گھر میں ہونا چاہیے۔ خوشی کی بات ہے کہ صوبجات متحدہ کی ٹکسٹ بک کمیٹی نے بھی اتالیق کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ کتاب نیشنل پرنٹنگ کمپنی لکھنؤ سے رعایتی قیمت ۵ ر پر مل سکتی ہے۔

تتمہ کلیات عنبر | منشی سنت لال صاحب عنبر وکیل گورکھپور کے کلیات کا جب ... میں ... کے صفحات سے ... تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ تتمہ حال میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انواع و اقسام کی نظمیں جو تہنیت تعزیت یا کسی اور خاص تقریب یا موقع سے تعلق رکھتی ہیں مندرج ہیں۔ شروع میں حضور ملک معظم کی شان میں ایک دلچسپ قصیدہ ہے۔ اس کے بعد لارڈ ہارڈنگ کا ... کی مدح پھر لیڈی ہارڈنگ کی افسوسناک وفات پر سوگ منایا گیا ہے۔ اس آخری نظم کے بعض حصے موثر و دلگداز ہیں۔

اس تتمہ کا دیباچہ بھی حضرت عنبر نے نظم میں لکھا ہے۔ پھر متفرق تقاریظ درج ہیں جو کلیات عنبر کے لیے ملک کے مشاہیر اور علمی اصحاب نے لکھی تھیں۔ ان میں حضرت اکبر الٰہ آبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شک نہیں کہ حضرت عنبر ایک مشاق سخنگو ہیں اور ان کے کلام کی جو تعریف ذی علم حضرات نے کی ہے اسکے وہ بوجہ احسن مستحق ہیں۔ واقعاتی نظم لکھنے میں حضرت عنبر کو خاص طور پر شغف حاصل ہے لیکن دوسری اصناف سخن پر بھی جب طبع آزمائی کرتے ہیں تو ان کا قدرتی رنگ جانے نہیں پاتا۔

واقعاتی نظموں میں "طاعون اور ٹیکہ"، "پروفیسر رام مورتی کی آمد" قابل تعریف ہیں۔ ان کے علاوہ اور اکثر نظمیں دوسرے دیکھنے اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ سب چیزیں اچھی ہیں۔ اور ایک نفیس تصویر لارڈ ہارڈنگ کی شروع میں شامل ہے۔ اس مجموعہ کی قیمت ۸ ر ہے اور اسکی خریداری کی درخواست جناب منشی عنبر سے گورکھپور کے پتہ پر کرنا چاہیے۔

جنگ یورپ نمبر ۱ | موجودہ جنگ یورپ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک عجیب و غریب اور غالباً شدید ترین جنگ ثابت ہوئی ہے۔ اس کی مکمل تاریخ تو اس وقت مدون ہو سکے گی جب اس لڑائی کا خاتمہ ہوگا لیکن بحالت موجودہ منشی راجہ جیاری لال صاحب کی کتاب "یورپ" بھی کسی کسی حد تک بعض مفید حالات و معلومات کے حاصل کرنے کا ایک دلچسپ ذریعہ ہو سکتی ہے جس زمانہ میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس وقت سے آج تک اس جنگ کا دائرہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب کے مطالعہ سے ابتدائے جنگ کے واقعات اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں جنگی اصطلاحات کی ایک فرہنگ اور مقامات جنگ کے ناموں کا ایک انڈکس بھی شریک کیا گیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں کم از کم اردو داں طبقہ کے لیے مفید ہیں۔ اس کتاب کی قیمت ۸ ر ہے۔ اور ملنے کا پتہ یہ ہے: مینیجر نظامی پریس بدایوں (روہیل کھنڈ)

مکمل عورت | طبقہ نسواں کی تعلیم کا مسئلہ جس قدر اہم ہے اسی قدر دشوار اور

پیچیدہ بھی ہو۔ اس زمانہ میں جبکہ تعلیم نسواں کی مخالفت کا زور بتدریج گھٹ رہا ہے یہ سوال در پیش ہے کہ عورتوں کو اگر تعلیم دلائی جائے تو کس قسم کی اور کہاں؟ مستورات کا نصاب ابھی ہمارے یہاں تکمیلی صورت میں مدون نہیں ہوا اسیطرح مدارس نسواں جو ہندوستان کی معاشرتی و تمدنی ضرورتوں کو پورا کر سکیں نا پید ہیں۔ لیکن اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا سوال کی دونوں شقیں اہم ہیں۔ ہمارے ملک میں لسوقت دو گروہ ہیں۔ ایک تو جو موجودہ مدارس مشن وغیرہ کو اپنی ضروریات کے لیے کافی سمجھتا ہے اور دوسرا جو مشن سکولوں کی تعلیم کو عورتوں کے حق میں سم قاتل سے زیادہ سمجھتا ہے افراط و تفریط سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو دونوں فریق اپنی اپنی جگہ حق بجانب ہیں۔ اسی تصویر کے دونوں رخ دکھانے کی کمل صورت میں کوشش کی گئی ہے۔ یہ دلچسپ قصہ جسکی تصنیف کا سہرا منشی ڈپٹی لال صاحب نگم بی اے (دہلوی) کے سر ہے، دو مختلف لڑکیوں کی سرگذشت ہے جا نمی ایک انگریزی گرلز اسکول میں تعلیم کے لیے بھیجی جاتی ہے اور وہاں کی تاثیر صحبت بالاخر اسے "مارگریٹ" بنا دیتی ہے۔ دوسری لڑکی سوترا کنیا ودیالہ کے سپرد کی جاتی ہے اور وہاں سے ایک سعادتمند تعلیم یافتہ عورت بن کر نکلتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "سوترا" کا کیرکٹر اس قصہ میں نہایت دلفریب ہے لیکن اصولاً یہ کہنا غلط ہوگا کہ "ودیالہ" کی ہر ایک تعلیم یافتہ لڑکی "سوترا" ہو سکتی ہے۔ اسی طرح انگریزی مشن اسکولوں سے ہر ایک لڑکی کا "مارگریٹ" بن کر نکلنا اصولاً قابل تسلیم نہیں۔ بہرحال قصہ دلچسپ اور ایک حد تک سبق آموز ہے۔ مسٹر نگم نے اگرچہ یک طرفہ رائے قائم کرنے میں اکثر باتوں کا خیال نہیں رکھا تاہم انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ رائے زنی کی ہے وہ قابل غور ہے شروع کتاب میں لالہ کنور سین صاحب ایم اے بیرسٹر کا لکھا ہوا ایک دیباچہ بھی شامل ہے قصہ حتی الوسع سلیس اور سنجیدہ زبان میں بیان کیا گیا ہے اسکی قیمت ۱۰؍ اور ملنے کا پتہ یہ ہے۔ بابو موہن لال صاحب نزد کمرشل بلڈنگز۔ البرٹ پریس لاہور۔

سیر پنجاب اس نام سے ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر یمین السلطنت جی سی آئی اے سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ حیدرآباد (دکن) نے اپنا روزنامچہ سفر شائع فرمایا ہے جسکے آغاز میں آپ کے قلم کا ایک دلچسپ دیباچہ شامل ہے۔ اس دیباچہ میں ممدوح نے سفر کی ضرورت اور اسکے مفاد پر مذہبی جہت سے روشنی ڈالی ہے اور چونکہ آپ صوفی منش ہیں اس لیے اس بارے میں بھی جو خیالات ظاہر فرمائے گئے ہیں انمیں تصوف کی جھلک موجود ہے۔

وسط ۱۹۱۳ء میں آپ بغرض زیارت اجمیر شریف حیدرآباد سے روانہ ہوئے اور اسی سلسلہ میں بمبئی، ڈیرہ دون، ہردوار، امرتسر، لاہور، کوئٹہ، الہ آباد، فتحپور وغیرہ مقامات کی سیر فرمائی اور مذہبی مقامات متبرکہ مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے مجموعی حیثیت سے یہ سفرنامہ نہایت دلچسپ ہے۔ آپ نے جن جن مقامات کو دیکھا وہاں کے تاریخی حالات بھی واقعات روزمرہ کے ساتھ ساتھ قلمبند فرمائے ہیں۔ ہر جگہ قابل دید چیزوں کا معائنہ فرمایا، وہاں کے مشاہیر سے ملاقات کی، وہاں کے علمی انسٹیٹیوشنوں کو دیکھا، جلسوں میں شریک ہوئے مختلف گروہوں کے جانب سے تہنیت نامے قبول فرمائے اور ان کے برمحل جوابات دیئے امرتسر میں مولوی ثناءاللہ صاحب اور الہ آباد میں حضرت اکبر سے ان کے مکانات پر جاکر ملاقی ہوئے۔ ان تمام باتوں سے آپ کی گوناگوں صفات ذاتی و علمی دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔

ہز اکسلنسی ایک نامور اور نکتہ سنج شاعر ہیں اکثر مقامات پر شعر و سخن کا چٹخارا ناظرین سفرنامہ کے کام و زبان کو لذت یاب کرتا ہے بمبئی کے متعلق نہایت دلچسپ نظم شریک کتاب ہے۔ ڈیرہ دون کے قدرتی مناظر سے متاثر ہوکر جو رباعیات قلمبند کی گئی ہیں انکے جذبات نہایت اعلی اور کیفیت انگیز ہیں حضرت شاہ بو علی قلندر قدس سرہ العزیز کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے وقت یہ شعر بے ساختہ نکلا ؎

پردہ اٹھا کے اب تو دکھا جلوۂ جمال

مشتاق دید ہم ترے آئے ہیں دور سے

اسکے ساتھ یہ مطلع فی البدیہہ ذہن میں آیا ؎

لبریز دل ہے ساقی کوثر کے نور سے
ساغر بھرا ہوا ہو شراب طہور سے

اس غزل کا مطلع ثانی بھی بے بدل ہو ؎

جھپکی مری پلک کسی رُخ کے نور سے
موسیٰ ہی تھے کہ ہو گئے غش برق طور سے

آپ کے کلام کا اکثر حصہ نعتیہ ہے اور اب سے بہت پہلے بعض تنگ خیالو کی جانب سے آپ پر اس بارے میں اعتراضات کئے گئے تھے جن کا جواب اسی دوران سفر میں آپ نے بمقام لاہور ایک تقریر میں یون دیا ہے

"میں اُن معزز احباب کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ کی نعت کرنے کی وجہ سے میرے موحدانہ و صوفیانہ کیرکٹر پر حملہ کیا ہے سب سے پہلے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کے بعد ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں نشانۂ اعتراض بنایا آخر اخلاق بھی کوئی چیز ہے یہ اخلاق ہی کی خوبی ہے کہ جب آپس میں کسی ہندو اور مسلمان کی دوستی اور یک جہتی ہو جاتی ہے تو کس قدر بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے اعزا و اقارب کی دل سے تعظیم کرتے ہیں...... مگر ہائے یہ حال ہا کہ دنیوی اغراض کے لیے تو ہم اتفاق کو اس قدر فروغ دیں اور اکابر ادیان اور پیشوایان مذاہب کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں.......... جب آپ اپنے دوست کی خاطر اُسکے اعزا و اقارب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں تو کیا اخلاق اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ آپ اپنے دوست کے اکابر دین و پیشوایان مذہب کی بھی تعظیم کریں.... نہیں نہیں اسے ہندو اور مسلمانو۔ صرف خدا کو ایک کہنے سے موحد نہیں کہلاؤ گے بلکہ حقیقی توحید یہ ہے

واحد دیدن بود نہ واحد گفتن"

ان خیالات کے بیش قیمت اور صلح آموز اور ساتھ ہی بے تعصبی و فراخدلی اور اعلیٰ ترین نمونہ ہونے میں کسکو شک ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے تمدنی و معاشرتی و اخلاقی نصائح موقع موقع سے درج ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممدوح کو ہندوستان کے ہر قسم کے معاملات و حالات پر کس درجہ عبور ہو اور ان کے پہلو میں کیسا درد مند دل ہے۔ ضرورت ہے کہ اس دلچسپ سفرنامہ کو شائقین کے ہر طبقے کے لوگ دیکھیں۔ سفرنامہ کے لیے مولف گرامی قدر سے حیدرآباد دکن کے پتہ پر درخواست کرنا چاہیئے۔

سکہ جات اس مختصر دلچسپ رسالہ کیلئے جو پیشتر رسالۂ نقاد میں ایک تحقیقی مضمون کی حیثیت سے بھی شائع ہو چکا ہے مولانا حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری حیدرآبادی کا ملک کو ممنون و مشکور ہونا چاہئیے کہ انھون نے نہایت جانفشانی سے سلاطین مغلیہ کے ابیات سکہ جات کو کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کر دیا ہے سید صاحب کے مضامین بیشتر اسی قبیل کے ہوتے ہیں۔ ان مضامین میں اگرچہ مولف کی طرف سے ایسا کوئی دلچسپ اضافہ نہیں ہوتا جس سے کسی تاریخی کیفیت کا انکشاف ہو تاہم مختلف مستند کتابوں سے کسی خاص بحث پر خوشہ چینی کر کے اُسے مستقل صورت میں لانا بجائے خود ایک مشکل کام ہے اور باوجودیکہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کی المایان اس تلاش کی علمی گل چینیوں کے لئے ایک مستقل و دلکش چمنستان کا کام دیسکتی ہیں مولانا حکیم سید شمس اللہ قادری کی محنت مستحق ستایش ہے۔ چنانچہ رسالہ سکہ جات بھی استحقاق قدردانی رکھتا ہے۔ درخواست خریداری منیجر صاحب نقاد آگرہ سے کرنا چاہیئے قیمت ۱۲ ہے۔

ہاکی آجکل ہندوستان میں ہاکی کا کھیل بہت ہر دلعزیز ہو رہا ہے اور اس کے لیے ضرورت تھی کہ اردو دان طبقہ کے لیے اس کھیل کے قواعد اردو زبان میں مکمل صورت میں چھاپے جاتے۔ شکر ہے کہ بابو بسنت نرائن صاحب کوچہ ڑنے مسٹر ٹلبیوٹ روپ صاحب کی مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ کر کے اس ضرورت کو رفع کر دیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سایز کی پسندیدہ تقطیع پر عمدہ اہتمام کے ساتھ نولکشور پریس میں چھاپی گئی ہے۔ زبان سلیس اور سہل الفہم ہے۔ ہاف ٹون عکسی تصویریں کتاب کو زینت دے رہی ہیں۔ ان خصوصیات کے ساتھ ۱۲ر قیمت کچھ بھی نہیں۔ چونکہ یہ کتاب ایک عام ضرورت کو رفع کرنے والی ہے اس لیے اگر اسکی قیمت میں کچھ کمی ہو سکے تو خوب بات ہوگی تاکہ مدارس کے طالب علم اور دوسرے

متوسط طبقہ کے کملا اُنکی ؟ اسکو خرید سکین۔ اس کتاب کے سیکرٹری صاحب نیورا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے درخواست کرنا چاہیے۔

تائیدِ غیبی اس نام کا ایک قصہ جسکو "عادات اخلاق کا مصلح بنی آدم کا سچا ہمدرد، تمدنی اخلاقی معاشرتی امور کا مخزن فطرت انسانی کا رہنما، انفس و آفاق زندگی کا مصلح، پرانی اور نئی روشنی پر نکتہ چینی کرنے والا ناول" کا خطاب دیا گیا ہے، اور جسکی تصنیف کا فخر منشی سعید شاہ صاحب قدسی کو حاصل ہوا ہے "کنواری لڑکی کا دفتر" لکھنؤ سے شائع کیا گیا ہے۔ لوح پر جو تعریفی الفاظ اس تصنیف کے متعلق درج ہین اور جو کی جنبہ نقل اوپر کر دی گئی ہے، اُن کو دیکھکر ہر شخص کے دل مین اسکے دیکھنے کا غیر معمولی شوق پیدا ہوگا لیکن اسکو شروع سے آخر تک دیکھنے کے بعد پڑھنے والا ضرور اپنی تضیع اوقات پر نادم ہوگا۔ منشی سعید شاہ قدسی کا نام ابھی تک بہ حیثیت مصنف کہین دیکھنے مین نہین آیا لیکن اس کتاب کے آخر مین جو مختصر اعلان درج ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب ایک فسانہ نگار کی حیثیت سے ملک مین روشناس ہونے کا سامان بہم پہنچا رہے ہین اور عنقریب تین اور ناول آپ کی تصنیف سے شائع ہونے والے ہین جنکے نام یہ ہین:- کنواری لڑکی، سبز خرہ، آپ کی ایسی تیسی۔ غالباً "کنواری لڑکی" کو آپ کی تمام تصانیف پر ترجیح فائقہ حاصل ہے اور اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ باوجودیکہ "کنواری لڑکی" ہنوز پردۂ خفا مین پوشیدہ ہے لیکن اسکے نام پر دفتر اشاعت قائم کر دیا گیا ہے۔ بہرحال آپ کی آیندہ تصانیف ملک کو جن جن تمدنی و معاشرتی فوائد سے مالا مال کرین اس کا اندازہ اسوقت مشکل ہے لیکن "تائید غیبی" کے صفحات زبان حال سے سفارش کرتے ہین کہ حضرت قدسی اپنا وقت اگر کسی مفید کام مین صرف کرین تو بہتر ہوگا۔

اس ناول مین کوئی بات ایسی نہین ہے جس کی خصوصیت کے ساتھ تعریف کیجا سکے۔ کئی واقعات ایسے مکروہ ہین جن کے پڑھنے سے طبیعت کا مکدر ہو جانا قدرتی بات ہے، مثلاً ناول کے ہیرو احمد علیخان کا اپنی منکوحہ کے دھوکے مین اپنی سالی کے ساتھ .... ہونا۔ بہرکیف "تائید غیبی" ایک معمولی قصہ کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، قیمت ۸ر مصنف سے طلب کرنا چاہیے۔

انتخابِ زوج یہ دلچسپ سبق آموز تصنیف "کے، ایف بیگم صاحبہ دہلویہ" کے رشحات قلم کا نمونہ ہے، قصہ کے پیرایہ مین اسکی ضرورت دکھائی گئی ہے کہ انتخاب شوہر مین عورت کی ذاتی اور طبعی رائے بھی لینا ضروری ہے، مصنفہ کی یہ کوشش قابل داد ہے، اور انکے خیال سے کسی کو منحرف یا مخالف ہونے کی جرأت نہین ہو سکتی حق تو یہ ہے کہ اسی قسم کی چند ضروری اصلاحون سے معاشرتی نقائص کے بہت بڑے حصہ کی تلافی ہو سکتی ہے۔ عقلاً قانوناً دنیاً کسی پہلو سے بھی عورت ایک ایسے معاملہ مین جسکا تعلق اسکی آئندہ تمام زندگی سے ہو رائے زنی سے نہ محروم رکھی گئی ہے نہ رکھی جا سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عام جہالت اور تنگ خیالی کی بدولت وہ اس حق سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

"انتخاب زوج" مین یہ دکھایا گیا ہے کہ حبیبہ اور آفتاب کس طرح ایکدوسرے کی محبت اور پاک محبت مین سرشار ہین لیکن ماں باپ، عزیزون قریبون رشتہ دارون کی تمام کاریان آفتاب محبت کی شعاعون سے غریب حبیبہ کو ہمیشہ کے لیے محروم کر کے اس کا پیوند ایک دوسرے کے ساتھ لگا دیتی ہین جسکا نتیجہ ذیل کے چند فقرات سے بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے جو حبیبہ نے ایک خط مین آفتاب کو لکھے ہین:-

> مین تپ محرقہ مین عرصہ کثیر سے مبتلا ہو گئی ہوں اور قریب ہے کہ جسم رفتہ روح سے قطع تعلق گوارا کرے...... میرے جسم پر گو ایک شخص کا شرعی قابو ہے۔ اطاعت اُس کی انجام دی لیکن دل تمھاری پاک محبت کا رو رہا ہے۔ قول دیا تھا کہ حبیبہ تمھاری ہے، اب تک وفا کیا اور سو جاؤن مین جان بھی مین قربان کر دونگی۔

اسکے بعد جو کچھ لکھا ہے اس کا لفظ لفظ انسانی ضمیر کا ماتم کرتا ہے ممکن نہین کوئی پڑھے اور متاثر نہ ہو لیکن اثر پذیر ہونے کے ساتھ ہی اسکی بھی ضرورت ہے کہ صنف نازک کو آیندہ اس مصیبت سے محفوظ رکھنے کے لیے عملی کوشش کی جائے۔ حبیبہ کن درد بھرے الفاظ مین کہ رہی ہے۔

سید الشعراء حضرت ہمام (بلند شہری)

سہیلیوں کے اس خلوص اور اُن کی لطافت اُس بھرے مجمع میں ہوگی پاس
شرم کی عادت چاہ ہوں گی مجھ کو سسرال میں تمھاری محبت کی یاد آتی ہیں
سخت سے سخت سزاؤں میں مبتلا رہنا پڑا ہے گوارہ رہنا پاک باطن جیسے
روسیاہ نہ تھی۔ . . . .

قصہ نہایت دلچسپ، معنی آفرین، عبرت خیز اور سبق آموز ہے۔ زبان کے اعتبار سے گو اس میں کوئی خامی نہیں ہے تاہم ایک روشن خیال و تعلیم یافتہ خاتون دہلویہ کی تصنیف میں زبان کے لحاظ سے جو روانی، سلاست اور صحیح ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے جذبات نگاری کا پہلو بھی ایک پردہ نشین خاتون کے لئے کچھ زیادہ قابل توصیف نہیں ہے۔ قیمت ۳ر قصہ کی دلچسپی اور خوبی کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ (۱) ناظم صاحب دایرۃ الادب۔ دہلی (۲) حسرا پبلشنگ کمپنی، امین آباد پارک، لکھنؤ۔

السنۂ مشرقیہ | اس دلچسپ و مفید تالیف کے لیئے منشی محمد شفیع الدین خان صاحب مراد آبادی کا ممنون ہونا چاہیئے۔ اس میں ممدوح نے جامعیت کے ساتھ عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں کی تاریخ اس انداز سے بیان فرمائی ہے کہ ہر ایک زبان کے لٹریچر کا سرسری خاکہ بھی پیش نظر ہو جاتا ہے دیکھنے میں کتاب کی ضخامت مختصر ہے لیکن اس اختصار کے باوجود ان تینوں زبانوں کے متعلق اکثر و بیشتر سودمند معلومات اس میں موجود ہیں۔ عربی زبان کے بعض ایسے اقتباسات دیئے گئے ہیں جو ادبی حیثیت سے نہایت گرانبہا سمجھے جانے کے مستحق ہیں۔ سنسکرت زبان کے ساتھ مسلمان فرمان رواؤں نے جو دلچسپی لی اور اس کا عملی ثبوت تالیفات و تراجم کی شکل میں ابتک موجود ہے اس کا تاریخی بیان دیکھنے کے قابل ہے۔ قابل مؤلف نے ہر ایک زبان کی ترقیات و تغیرات پر بھی نظر ڈالی ہے اور تقریباً عہد وار ان کو جداگانہ بیان کیا ہے۔ فارسی کی مختلف شاخوں کی تشریح و تقسیم اور ان کا تاریخی حال دیکھنے کے لایق ہے۔ آریہ زبانوں کا ایک شجرہ اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام زبانیں (ما سوائے عربی کے) اسی بارور درخت کی شاخیں ہیں۔

سنسکرت کی مشہور و معروف تصانیف کا تذکرہ بھی ازدیاد معلومات کا اچھا ذریعہ ہے۔ یقیناً اس قسم کی کتابیں اُردو زبان کے لیئے سرمایۂ ناز ہیں اور ملک کو اس قسم کی مساعی جمیلہ کی داد عملاً دینا چاہیئے۔ اس مفید تالیف کی قیمت ۹ر رکھی گئی ہے اور (۱) منشی محمد شفیع الدین خان صاحب محلہ مفتی مراد آباد یا (۲) منیجر اپبلشنگ کمپنی، امین آباد پارک، لکھنؤ سے درخواست خریداری کرنا چاہیئے۔

نصائح چانکیہ | اس نام سے سنسکرت کی ایک قدیم کتاب "وردۂ چانکیہ" کا ترجمہ بابو بھیمسنت راؤ صاحب مددگار خزانہ عامرہ سرکار نظام (حسینی علم حیدرآباد دکن) نے اردو میں شایع کیا ہے اس کے بعض حصے باقساط رسالہ زمانہ کانپور میں نکل چکے ہیں اور اب مستقل کتابی صورت میں ان کی اشاعت کی گئی ہے نفس مضمون کے لحاظ سے کتاب دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ ہر قسم کے اقوال و نصائح جن سے اخلاقی و معاشرتی و سیاسی فواید منتج ہوتے ہیں اس کتاب میں درج ہیں اور ان کا مطالعہ یقیناً مفید اور سودمند ہو سکتا ہے۔ مترجم نے بعض مشاہیر کے حالات، جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس کتاب کی ترتیب یا مضامین سے ہے، شامل کر دیئے ہیں جس سے ترجمہ میں تکمیل کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ شائقین مترجم صاحب سے مندرجہ بالا پتہ پر درخواست خریداری کریں قیمت کتاب پر درج نہیں ہے۔

تربیت اخلاق | منشی سید عبدالکریم صاحب (علیگ) سابق طالب علم الگزنڈرا ہائی اسکول، بھوپال نے اس نام کا ایک مختصر رسالہ بچوں کی تربیت و تعلیم کے متعلق لکھا ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کی کتابیں بہت کم ہیں مجھول ایسے اس سبجکٹ پر جو کچھ میٹریل اُردو زبان میں موجود ہے اُس کے لیے علیا حضرت حضور بیگم صاحبہ فرمان روائے بھوپال کا ملک کو منت پذیر ہونا چاہیئے اس مختصر کتاب میں جو حقیقتاً ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے لیکن مترجم نے ضروری ترمیم و اضافہ سے اس میں تالیف کی حیثیت پیدا کر دی ہے اکثر مفید ہدایات

ظلمبند کی گئی ہین جن کا مطالعہ نوعمر اور نوجوان افراد ملک کے لیے بیش قیمت ثابت ہوگا۔ بعض مضامین کے عنوان یہ ہین:۔ اطاعت، انعام و سزا، انصاف و ایمانداری، اعتدال، اپنی مدد آپ کرنا، کفایت شعاری، اور ان کے ذیل مین اچھی اچھی باتین قابل عمل بتائی گئی ہین۔ کتاب مختصر ہے۔ لیکن جب تک اردو لٹریچر اس قسم کی مستقل تصانیف سے خالی ہو اُسوقت تک ایسی نوعیت کی چھوٹی چھوٹی کتابین غنیمت سمجھی جانے کی مستحق ہین۔ اور چونکہ یہ کوشش ایک طالب علم کے جانب سے محض قومی فائدے کی بنا پر ظہور مین آئی ہے اس لیے مستحق قدردانی ہے۔ قیمت ۲ ر دفتر رسالہ ظل السلطان ریاست بھوپال سے طلب کرنا چاہیئے۔

"سید القلم"

سحر بنگالہ

(دویندر ناتھ سین کی دو بنگالی نظمون کا ترجمہ)

(از قاضی احمد میان صاحب اختر ہیڈ ماسٹر مدرسہ رونق الاسلام دہوراجی کاٹھیاوار)

(۱) "تبسم نازنین"

اے میری پیاری! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریک صبح حیات
کے طلوع مین، ساحل پر آنے سے پہلے، تو خوابہاے گریزان کی کسی نہر
پر کھڑی ہوئی اپنے خون کو اسکے (نہر) رقیق سرخ سے پُر کرتی ہے،
یا، شاید تیرا راستہ دیوون کے باغ کے سایہ مین تھا جہان یاسمین
اور کنول کا پر مسرت و شگفتہ انبار تیرے ہاتھ پڑ گیا، جس کو چھوتے
ہی تیرا دل تشنہ اور پر شور ہو کر رہ گیا۔
تیرا تبسم ایک نغمہ ہے جسکا لفظ لفظ ترنم سے معمور ہے (یا) غیر مرئی پھولون
کی ایک مہک (ہے)
یہ تبسم مثل اس نور ماہ کے (معلوم ہوتا) ہے، جو تیرے دریچۂ لب
سے چھن چھن کر گر رہا ہے، جبکہ نصف شب کا چاند تیرے دل کے
آسمان مین بلند ہو چکا ہوتا ہے۔
مین (اس کا) کوئی سبب دریافت نہین کرنا چاہتا، مین سبکو
بالکل بھول گیا ہون (کیونکہ) مین، اور صرف مین ہی جانتا ہون
کہ تیرا تبسم پُر آشوب زندگی کے لیے ایک فتنہ ہے!

(۲) میرا جرم

اے میری دلربا! جب تو نے مسکراتے ہوے اپنے چھوٹے بچے
کو میری گود مین دیا، اور مین نے کہا "اسے اپنی گود مین رہنے دو"؟
(تو) کس لیے تیرے چہرے پر سے ایک ناگہانی۔۔۔ بارش
اور برق سے ملفوف لکۂ ابر گذر گیا؟
کیا میرا جرم اتنا بھاری تھا؟
جبکہ ناشگفتہ گلاب کا پھول بحالت غنچگی صبح خندان کی طرف متبسم ہوتا ہے
تو کیا اس مین کوئی خفا ہونے کی بات ہے، اگر مین اس (پھول) کو تیون کے
گہوارہ سے اٹھا لینے پر انکار کردون؟
یا جب کوئل موسم بہار کی پر مسرت ساعتون کے دل کو خواہہاے عشق
سے معمور کر دیتی ہے تو کیا مین قابل ملامت سمجھا جاؤنگا اگر مین اس (کوئل)
کو قفس مین محبوس کرنے پر راضی نہین ہون؟

اختر (جوناگڑھی)

رباعیات کوثر

اے گلشن شاداب و کامرانی کب تک — آخر یہ غرور نوجوانی کب تک
گذری شب عیش و صبح پیری آئی — ہشیار ہو مست سرگرانی کب تک

بزم عشرت مین چشم نمناک ہون مین — پروانے جو جل بجھے ہین وہ خاک ہون مین
گلزار جہان مین ہائے پھولا نہ پھلا — دل ریش برنگ غنچہ صد چاک ہون مین

جس بت پہ دل زار ہوا ہے مائل — برہم ہوتا ہے سن کے حالت دل
خاموش رہون تو دم مرا گھٹتا ہے — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ناشاد ہو شاد یہ بھلا کیا ممکن — پوری ہو مراد یہ بھلا کیا ممکن
جھوٹون کے بادشاہ ہوتے ہین حسین — سچ ہو ارشاد یہ بھلا کیا ممکن

خوبان جہان سے کیون نہ ہو تو ممتاز — تجھ مین شب معراج کے سب ہین انداز
خضر و الیاس کا ہو دھوکا تجھ پر — اے گیسوئے یار ہو تیری عمر دراز

کانون کا مذاق نشر حق پوشی ہو — بازار کی سیر شغل مے نوشی ہو
چیخو چلاؤ کوئی سنتا ہی نہین — اللہ یہ آزار گران گوشی ہو

ہے دعوی حسن یار یکتا ہون مین — اپنی صورت پہ آپ شیدا ہون مین
آنکھون سے اٹھ گیا جو دوئی کا پردہ — مجنون پکار اٹھا کہ لیلےٰ ہون مین

عابد بھی ہے اور معبود وہی — ساجد بھی وہی ہے اور مسجود وہی
آئینۂ وحدت مین جو دیکھا کوثر — شاہد بھی وہی ہے اور مشہود وہی

ہر دشمن و دوست خلق کا پیاسا ہو — ہر دم ستم و جور پہ آمادہ ہے
کیا خوف زمانہ جو مخالف ہو جائے — تو حامی و ناصر ہے تو کیا پروا ہے

دشوار ہر ایک کام آسان ہو جائے — جس چیز کا سامان نہ ہو سامان ہو جائے
تیری نظر مہر جو ہو رب کریم — ذرہ ابھی خورشید درخشان ہو جائے

جب تک ہو دوئی رہیگی کثرت باقی — پندار و غرور و کبر و نخوت باقی
مٹ جائیگی جب یہ ماسوا کی ظلمت — رہ جائیگی اک شمع وحدت باقی

سورج ہے چراغ ماہ تابان قندیل — افلاک و بروج تیری قدرت پہ دلیل
ہر شانِ جلالی و جمالی کی ادا — نار نمرود ہو کہ گلزار خلیل

پیدا کیے شاہدان طناز و شکیل — جو حسن و جمال مین ہین بے مثل و عدیل
رنگ گل و لالہ و بوئے نسرین و سمن — گویا بزبان حال اللہ جمیل

خلاقِ بہار باغِ دنیا تو ہے — پھولون پتون کا جلوہ پیرا تو ہے
خار صحرا ہون یا کہ برگِ گل تر — کہتے ہین کہ اے قدیر یکتا تو ہے

پائی ہے بتون کی بزم خلوت جیسی — اس سے اچھی نہ ہوگی جنت مین جگہ
مین حاصل کائنات کوثر سمجھون — مل جائے جو آرام کی تربت مین جگہ

کوثر خیرآبادی

اولاد

جہان مین نعمتِ عظمیٰ ہے اولاد — ہر اک انسان کو یہ دولت ہو بکار
ہین سب سامان راحت انکی خاطر — مکان جاگیر دھن سونا گھر بار

یہ ہمی ہین جنکی باتی ہوشسے جانین ایک کہ یہ ہی ہین آپ پہچانین نہ جنکو دیکھ کر
یہ وہی ہین جنکے الاہمی نہین جکا کوئی یہ ہی ہین عیش و عشرت مین ہی جنکی بسر
یہ لب شادش سے کہتے ہین گویا دمبدم سورۂ الحمد کی طالب ہوا ب سب نظر
کہ رہی ہو دمبدم حسرت سے یہ چشم سیاہ نیکیان کرنا جہان مین سب سے تم شام و سحر
سرکشی اچھی نہین سر کو جھکاؤ خلق مین قبر مین اعمال کام آئین گے نہ یہ مال و زر

بیکسون کا ساتھ دیکر تم کرو عقبیٰ درست
اپنی دولت سے جہا مین کچھ تو لو انکی خبر

شام

جو وہ ساعت باعث فرط طرب ہیں ہے جبکہ ہو جاتا ہے ان کی روشنی کا اختتام
اور شعاع مہر بحر پر سکون کی سطح پر گر کے ہوتی ہین گداز اس آب رواین تمام

آہ! اتبع خوابہائے عیش کی پر لطف یاد تازہ کر دیتی ہی پھر ایام پیشین کو مرے
پھر سکنے ہیچ کی طرف پھر قوت تخئیل بھی سر آہین بھرتی ہین فرط غم و اندوہ سے

اور مری خط شعاعی پر نظر پڑتی ہی جب سوئے مغرب ہی جو سرگرم خرام امواج پر
اس گذر شب اور شعاعی جادۂ نور پر چاہتا ہون مین اگر ہو جاؤن سرگرم سفر

یہ مجھے لے جائے شاید اچھے رستے کی طرف

(ترجمہ) پُر تنعم اور پُر رونق جزیرے کی طرف

رباعیات

بے نور کو مہر کی ضیا دیتا ہے ذرہ کو وہ خورشید بنا دیتا ہی
لازم ہی اسی کا شکر ہر دم ماہر مشکور ہون جتنا وہ سوا دیتا ہی

سائل کو جو ہو کے دو بدو دیتا ہی کیا تجھکو گمان ہی اسکو تو دیتا ہی
اک پارۂ نان کے لیے او غافل! پہلے یہ جہان مین آبرو دیتا ہی

ماہر کنتوری

تازہ غزلین

۱- حضرت ریاض (خیرآبادی)

شوق سے ہے انجمن آرائی کا حشر جلسہ ہے پذیرائی کا
منہ کو آیا ہے کلیجہ سو بار ہائے عالم شب تنہائی کا
قید کعبے کی نہ بت خانے کی شوق ہی ناصیہ فرسائی کا
کچھ سے کچھ ہو گئی حالت دلکی اب نہین کام شکیبائی کا
آنکھین بیمار ہین جنکی مشہور اُن کو دعویٰ ہے مسیحائی کا
مست گئین تیری ادائین تجھپر ہائے عالم تری انگڑائی کا
چل بجھا طور تو پروا نہین کچھ دل نہ بجھ جائے تماشائی کا
حشر کا نام یونہین نکلا ہے وہ تو دن ہی مری رسوائی کا

کسی شاعر کا تخلص ہی ریاض
نام ہے یا کسی سودائی کا

۲- سید الشعرا حضرت ضمیم بلند شہری

یہ روز دلشکنی کے جو طور دیکھین گے تمھارے نام کا مشتاق اور دیکھین گے
نئے شباب کا نشہ ہی انکی آنکھ ہے بند وہ مجھ غریب کا کیا دل بغور دیکھین گے
پلٹے رہین گے ترے در پہ ہم تو اے ساقی! نہ کچھ سہی تو حریفون کے دور دیکھین گے
ابھی تو ناز اُٹھانے ہین بے نیازی کے ابھی تو جان پہ کھیلین گے جور دیکھین گے
پئین گے ہاتھ سے ساقی کے شام ہی سے شراب اب آفتاب کا راتون کو دور دیکھین گے
جواب خط مرے قاصد اگر نہین کہد ینا ملے گی قبر مین فرصت بغور دیکھین گے
وہی کہین گے جو منشا حضور کا ہوگا نیاز مند تو تیور کے طور دیکھین گے
یہ دل ہی مجرم عشق اور مدعی پتلی بچشم خود یہ مسل ہم بغور دیکھین گے
یہ آنکھین ہین ستم کا ذرا بلائین لو کوئی گھڑی یہ ادائین بطور دیکھین گے

ضمیم غم کے سوا کیا ہی اپنی قسمت مین
ستم سہین گے حسینون کے جور دیکھین گے

۳۔ بابو موہن لال صاحب شگفتہ ایم اے ڈپٹی کلکٹر علیگڈھ

دل لیکے ہون نہ بیچ محبت مین چاہیے | کچھ شکر کی جگہ بھی شکایت مین چاہیے
چھیڑا انہی تو بناؤ کی صورت مین چاہیے | کچھ دل لگی بھی ان سے محبت مین چاہیے
آرام سے ملتے تو دل دینا سہل تھا | دشوار تو یہی ہی کہ آفت مین چاہیے
ساقی وہی نگاہ وہی آنکھ پھر رہے | اک جام اور مجھکو مروت مین چاہیے
آتی ہی میرے دلکی دہڑک سے یہی صدا | لٹنا نہ ان بتون سے مروت مین چاہیے
دشوار ان کو آنکھ ملانا ہے وصل مین | یہ ناز تو نہ ان کو نزاکت مین چاہیے
اے عشرم! آنکھ ملانے مین یہ حجاب | یہ ناز تو نہ ان کو نزاکت مین چاہیے
زلفین کھلی ہین دوش پہ جھکر کہان چلے | تم کو کمر کا دہیان نزاکت مین چاہیے
تسکین میرے دل کو تصور مین کچھ تو ہو | تصویر آپکی مجھے خلوت مین چاہیے

اے شگفتہ نہ آپ بگاڑین رقیب سے
دشمن سے دوستی بھی ضرورت مین چاہیے

۴۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری

رہا تشنہ کام آب تیغ دودم سے | ہی شکوہ مجھے انکے ذوق ستم سے
یہ کیا ہوگا آزاد قید الم سے | ہے انسان کے پیکر کی تعمیر غم سے
کسی کی محبت مین مٹنا بدا تھا | اسی واسطے آئے تھے ہم عدم سے
ہون وابستہ اگر برج گردن میکدہ کا | تو خم لائے چل کر مجھے سوئے دم سے
یہ بیت الصنم کی تھی سب جاذبیت | کہ آنا پڑا شیخ کو بھی حرم سے
تم انداز رفتار دکھلاؤ لیکن | ذرا پوچھ لو خفتگانِ عدم سے
قریب ریز ہی صبح عشرت کہان اب | کہ ہے سامنا آج پھر شام غم سے
مجھے بعد صحت ہی صحت کا شکوہ | کہ محروم ہون پرسش دمبدم سے
محبت جتانے سے اور اٹھ چلے وہ | ہوئی ہے حقیقت مین کیا چوک ہم سے
ترے حسن کی کارفرمائیون نے | کیا فارغ اور ایکدیر و حرم سے
تشدد بھی ان کا تلطف ہے گویا | ترحم نمایان ہے طرز ستم سے

نہال فاروق کشتِ محبت
اسے سینچنا چاہیے چشم نم سے

۵۔ منشی عبد الخالق صاحب خلیق دہلوی

خلش ترک نظر کی کسطرح اب دل سے نکلیگی | بڑی مشکل سے نکلیگی بڑی مشکل سے نکلیگی
سوا رفتار قاتل خنجر قاتل سے نکلیگی | دکھا دیگی کہ دستہ کاٹ کر بسمل سے نکلیگی
کسی سے قتل کی حسرت نہ میرے دل سے نکلیگی | اسی قاتل سے نکلیگی اسی قاتل سے نکلیگی
ہوا ہے غرق دل میرا غضب بحر محبت مین | یہ اب ڈوبی ہوئی کشتی بڑی مشکل سے نکلیگی
مرے میٹھے لہو کی چاٹ اگر پڑ جائیگی اسکو | تو مشکل سے زبان خنجر قاتل سے نکلیگی
ہمارا نقد دل کس نے چرایا کس سے یہ پوچھین | اکہی اس کی سچی فال کس عامل سے نکلیگی
نکلا یار عب قاتل نے تو سارا خون پیتے ہی | لہو کی بوند اب کیونکر تن بسمل سے نکلیگی
بنایا ناتوانی نے مجھے نقش قدم ایسا | میری رفتار کو سون دور ہر منزل سے نکلیگی
کبھی انکی سی تو بھی وہ خوشامد جانکے بولے | ہمیشہ اپنے مطلب کی لب سائل سے نکلیگی
بگولا یہ نہین اے قیس دیوانہ ہی پاگل ہی | ارے وحشی تری لیلی اسی محمل سے نکلیگی
ترے رخ سے کتابی پر نہ دیکھا خال اک ہمنے | یہ آیت وہ ہی جو قرآن کی منزل سے نکلیگی
خط عارض مین حسن رخ نہ چھپکا ہی نہ چھپے گا | گہن مین روشنی کیونکر مہ کامل سے نکلیگی
یہ خاکی جسم پیوند زمین ہوگا یہان جاکر | مری روح روان گھبرا کے اس منزل سے نکلیگی

خلیق الفت ہوئی ہی مجھکو اک لیلی شمائل سے
یہ وحشت اب ترے دل سے بڑی مشکل سے نکلیگی

۶۔ حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی

حسن مین ہر حسین سے بہتر ہین | چاند سورج سے آپ بڑھکر ہین
جوش وحشت اگر سلامت ہی | لاکھون سر پھوڑنے کو پتھر ہین
کیون نہ صدقے ہون بلبلین آکر | باغ عالم مین وہ گل تر ہین
طائر دل شکار کرنے کو | کھولے وہ گیسوے معنبر ہین
تم کو تلوار کی نہین حاجت | جب ابرو ہین دونون تیغ و خنجر ہین
دل بیتاب کو قرار کہان | برق کی طرح ہم بھی مضطر ہین
ہو ادہر بھی نگاہ لطف و کرم | ہم بھی محفل مین بندہ پرور ہین

العصر

جلد ۴ نمبر ۶ — جون ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

تصاویر:- (۱) لارڈ چیمسفورڈ (۲) لیڈی چیمسفورڈ (۳) بابو ابندر ناتھ ٹیگور (۴) پشت پناہ

۱- غرائب الافلاک (مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی) ۲۳۷
۲- سائنس کا ایک سبق۔ مولانا عبد اللہ العمادی صاحب ۲۴۲
۳- اہل بابل کا علم الاصنام۔ ۲۴۵
۴- پانی۔ (منقول از رسالہ ترقی) ۲۴۹
۵- مصنوعات دکن۔ حافظ سید ابراہیم صاحب ۲۵۴
۶- معاد۔ حکیم سید شاہ ولی الدین صاحب چشتی۔ ۲۶۲
۷- تنقید کتب۔ "سید قلم" ۲۷۱
۸- نظر لکھنوی کی غزل پر ایک سرسری نظر "سخن دوست" ۲۷۸
۹- والدہ اور اسکی محبت۔ منشی محمد ابراہیم خان صاحب تجلی ۲۸۰
۱۰- رو بیاے مرزا۔ قاضی محمد غوث صاحب فضا ۲۸۴
۱۱- رباعیات حمید۔ قاضی حمید الدین صاحب حمید (کوٹلوی) ۲۸۵
۱۲- قطعہ۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ ۲۸۵
۱۳- قومی ہمدردی۔ منشی مہابیر پرشاد صاحب انجم (خیرآبادی) ۲۸۵
۱۴- آسودگی طبع۔ منشی ارشید احمد صاحب ارشد (تھانوی) ۲۸۶
۱۵- طائر دل۔ منشی فضل ستار صاحب لاآبالی۔ انچ پی۔ ۲۸۷
۱۶- العصر۔ پنڈت سکھدیو پرشاد صاحب مہر ۲۸۷
۱۷- موسم بہار کے شروع مین۔ قاضی احمد میاں صاحب اختر (جوناگڑھی) ۲۸۷
۱۸- تازہ غزلین۔ ۲۸۸

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ العصر ہر ماہ کے آخر مین نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔
(۲) اسکی سالانہ قیمت للعہ مع محصول ہے اور ممالک غیر سے صہ مع محصول۔
(۳) خریداری کے لیے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے، ابعد کا حساب نہین ۔
(۴) خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضروری دینا چاہیئے۔
(۵) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا آدہ آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
(۶) ترسیل زر، درخواست خریداری اور جملہ انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت بنام منیجر رسالہ العصر نولکشور پریس لکھنؤ ہونا چاہیئے۔
(۷) مضامین بغرض اندراج رسالہ و ریویو کے لیے کتابین تبادلہ کے اخبارات و رسائل بنام ایڈیٹر رسالہ العصر لکھنؤ ارسال کیئے جائین۔
(۸) العصر مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا تاہم مضامین بھی نہ لیے جائین گے
(۹) اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی نذر کیا جائے گا، اگر اس مین اور تکمیل مضامین کی تخصیص ہو

زبانِ اُردو کا نادر و نایاب ذخیرۂ کتب

علوم طبعیہ کی تاریخ (حصہ اول) علوم طبعیہ کی ان تمام مہیا فنون اور ایجادوں کی تشریح جو ساتوین صدی قبل مسیح سے لیکر اٹھارہین صدی تک وقتاً فوقتاً عمل مین آتی رہین سیاروں ستارون بجلی کہربا برق ہوائی وزن حیوانون تشریح نباتات و حیوانات کیمیائے عضوی کیمیائی تجربات قطب نما نظام شمسی حیوانات و نباتات کی درجہ بندی فلوجستان میجک لانٹین آفتاب کے داغ وغیرہ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ بتایا گیا ہو کہ مذکورہ بالا دریافتون مین قدیم و جدید حکما تالیس فیثاغورث بطلیموس ارسطو جابر ابن الحسن موسیٰ بیکن کوپرنیکس اسکوٹو یا سر رابرٹ بوئل جیمس واٹ فرینکلن گالوانی لاپلیس سر ولیم وغیرہ نے کیا کیا حصہ لیا تھا۔ مفید کتاب ہو۔ (باتصویر) قیمت عہ ر

علوم طبعیہ کی تاریخ۔ حصۂ دوم (دریافت انیسوین صدی) اس مفید کتاب مین سیارون اور ستارون کے حالات تعرض متموج انحلال النور روشنی کا رنگ و رفتار فوٹوگرافی حرارت و قوت کے مسائل بجلی مقناطیس و حرارت کا تعلق و مسائل آفتاب کے داغ گیس کے ذرات اور ان کی تحلیل تجربات کہربائیہ کیمیاوی نسبت و اجزائے مرکبات تبدیل صوت و تولید علم ہیولیٰ مسائل علم الارض و علم ترکیب مجرئیات کے متعلق نہایت تفصیل اور تشریح کے ساتھ بحث کرکے تمام مسائل ذہن نشین کیے گئے ہین علاوہ ازین انیسوین صدی کے تقریباً تمام سائنس دانون مثل سر جان ہرشل سر ولیم ہرشل ایمری فریڈے سیبک ہرشوابی ہلیری ڈارون وغیرہ کے مسائل کو اور ان کی محققانہ کوششون کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ قیمت ۱۲ ر

دونون حصے مجلد یکجائی قیمت عمار

عجیب و غریب صدی۔ دی ونڈرفل سینچری ریڈ مصنفہ الفریڈ رسل والس کا اردو ترجمہ۔ اس کتاب کو عجائبات روزگار کا میوزیم (عجائب گھر) کہنا چاہیئے۔ اس مین وہ تمام باتین بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہین جو انیسوین صدی مین حکمت نے ایجاد یا تحقیق نے ظاہر کی ہین حرارت روشنی اور برق نے جو عجیب کام بری اور بحری دنیا مین کیے ہین وہ عالمانہ طور پر اس کتاب مین مندرج ہین علاوہ ازین آتش فشان پہاڑون، اجرام فلکی، علم الارض اور مسئلہ ارتقاء کے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہونچائے گئے ہین۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۹ ر مجلد ۱۲ ر

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہو جسمین چاند سورج، ستارون سیارون دمدار تارون ٹوٹنے والے تارون کی زمین سے دوری ان کی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت اثرات روشنی، حرارت برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتین بیان کی گئی ہین جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہین زمین پر رہکر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸ ر مجلد ۱۲ ر

حیات شمع۔ جسمین شمع کی لَو، روشنی، شمع کے لیے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہین شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت کوئلہ، کوئلہ کی گیس کاربونک ایسڈ ہیڈروجن، نائٹروجن آکسیجن وغیرہ کے افعال و خواص اور وزن و ماہیت وغیرہ کے حالات درج ہین۔ قیمت ۶ ر

پھولون کی کہانی۔ جسمین پھول کے اعضا افعال خواص بناوٹ اصطلاحی نام درجہ بندی تولید، شادی بیاہ کرنے، کھانے پینے پہننے وغیرہ کے مفصل اور باتصویر حالات درج ہین۔ قیمت ۸ ر

مشرق کی نابود شدہ تہذیب۔ کتاب کیا ہو، ایک عبرت کا دفتر ہے یا یون کہو کہ مشرق کی نابود شدہ تہذیب کا ہوبہو مرقع جس مین یہان کی نہایت قدیم قومون کے عروج و زوال کی تصویر صاف صاف نظر آتی ہو۔ نہایت قدیم اقوام مثلاً فنیکی، حتی، بابلی، خالدی، اسوری عرب ایراقی، مصری یہودی وغیرہ کے تمام دلچسپ اور تاریخی حالات قلمبند کیے گئے ہین جو تہذیب و شائستگی کا مسلمہ معیار سمجھے جاتے ہین۔ قیمت ۶ ر

اصول پالٹیکس۔ تعریف نام سے ظاہر ہے، جو لوگ پالٹیکس سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہین، مناسب ہو کہ وہ اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھین۔ قیمت ۱۲ ر مجلد عصر

ملنے کا پتہ [illegible]

تاریخ تمدن۔ ہنری ٹامس بکل کی معرکۃ الآرا تصنیف ہسٹری آف سولزیشن کا ترجمہ جسکو حسب فرمائش انجمن ترقی اردو منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم نے نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو میں کیا ہو۔ جابجا اپنی طرف سے کثرت سے نوٹ بھی دیے ہیں کتاب کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھکر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہو جس سے مترجم کی خوش مذاقی اور قابلیت علمی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاتا قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

قدما کی حکمت۔ لارڈ ایوبری کی مشہور و معروف کتاب "وزڈم آف دی اینشنٹس" کا ترجمہ نہایت دلچسپ و قابل مطالعہ۔ قیمت ۶ر

رہنمائے تعلیم۔ یہ کتاب نولسن صاحب کی نہایت مفید اور کارآمد کتاب سینچری ہینڈو ڈنیس گائیڈ سے تیار کی گئی ہو۔ اس میں تعلیم کے اصنافات اور بہترین طریقوں پر بڑی خوبی اور جدت سے بحث کی گئی ہو معلمین و متعلمین دونوں کے کام کی چیز ہو قیمت ۸ر

داستان مریخ۔ سیارۂ مریخ کی جس قدر اس وقت تک تحقیقات ہوچکی ہو اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہو۔ قابل دید کتاب ہو قیمت ۸ر

مشاہیر عالم۔ دنیا میں جو مشہور اشخاص گذرے ہیں اس کتاب میں انہیں کا تذکرہ درج ہو۔ یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور تعلیم بخش ہو اس کے مطالعہ سے نوجوانوں میں ہمت اور رفاہ عام کے کاموں کی تحریک و تشویق پیدا ہوگی قیمت ۸ر

طالبان حق۔ اس کتاب میں روم کے تین مشہور و معروف فلاسفروں یعنی (۱) سنیکا (۲) ایپک ٹیٹس اور (۳) مارکس اورلیس کے حالات زندگی اور نصیحت آمیز اقوال درج ہیں۔ نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہو قیمت ۸ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین۔ اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

مصر کی کایا پلٹ۔ مسٹر کلنڈ کالون کی مشہور کتاب میکنگ آف ماڈرن ایجپٹ کا ترجمہ۔ مصری معاملات کی نسبت اس سے بہتر اور جامع کتاب ملنا دشوار ہو۔ حجم ۴۰۰ صفحہ۔ قیمت مجلد عہ

بچوں کی پرورش۔ مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام

اقبالہا و ظلہا۔ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہو جسمیں تمام باتیں نہایت صراحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہو۔ بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہو۔ قیمت عہ

تاریخ اودھ۔ مولفہ مولانا حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری۔ یہ کتاب جو چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہو اودھ کی مستند و مبسوط تاریخ ہو۔ اس سے بہتر اودھ کی کوئی تاریخ نہیں چھپی قیمت ہر چہار جلد عہ مجلد کیلیے عہ زائد

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم جسمیں بعض یورپین علما کے ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں جو انھوں نے اسلام پر کیے تھے ضمناً صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کی گئی ہو۔ قیمت ہر دو جلد عہ

وقائع سیر و سیاحت۔ ڈاکٹر برنیر مشہور سیاح بعہد شاہجہان و اورنگ زیب ہندوستان آیا تھا اسی کا یہ سفرنامہ ہو جسکو دو ضخیم جلدوں میں خلیفہ سید محمد حسین خان نے ترجمہ کیا ہو۔ نہایت دلچسپ کتاب ہو حجم ۴۰۰ صفحہ قیمت عہ

نپولین اعظم۔ مترجمہ سید معین الدین صاحب یہ کتاب بڑی تقطیع پر چھپی اور پانچ جلدوں میں ختم ہوئی ہو۔ اسکی عمدگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ انجمن ترقی اردو نے اسکو چھاپا ہو۔ نپولین اعظم کے اوصاف فوق العادت تھے اسکے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہو کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہنچ سکتا ہو۔ پانچ جلدوں کا حجم ۲۰۰۰ صفحہ قیمت عہ مجلد عہ

شباب لکھنؤ۔ اس کتاب کے مولف و مترجم منشی محمد احمد علی صاحب بی اے مرحوم ہیں۔ نہایت قابلیت کے ساتھ لکھنؤ کی تاریخ قلمبند کی گئی ہو۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمایئے دیکھنے کی چیز ہو۔ قیمت عہ

مرقع ادب۔ ہندوستان کے مشہور انشا پردازوں اور محققین اساتذہ سخن کے نہایت دلچسپ اور پراز معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ مع ان کے مختصر حالات کے اس مرقع میں امیر، داغ، ریاض، جلیل، برہم، اکبر وغیرہ کے خطوط بڑی محنت سے تلاش کرکے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ قیمت عہ

زنوبی۔ مصنفہ لارڈ لٹن۔ اس ناول کا نہ صرف ملک فرانس کے ملکی انقلابات سے خاص تعلق ہو بلکہ اس میں انسان کے اعلیٰ دماغی نشو و نما اور ماورائے قدرت طاقتوں کا ذکر کرکے بہت سے صوفیانہ مسائل کو حل کرنیکی کوشش کی ہو۔ یہ لاثانی ناول ہو

روح الملی - یہ کتاب ہری کوریلی کی تصنیف ہو مصنف نے اسمین ایک روحانی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہو۔ ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اسکی وفات کے وقت ایسا محسوس کرلیتا ہو کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہو اور وقتاً فوقتاً اس کو زندہ کر کے اسکے ذریعہ سے بہت سے کام نکالتا ہو۔ یہ ایک نہایت عجیب قصہ ہو۔ قیمت عیصور مجلد عیہ

آنیوالی قوم - ایک دلچسپ اور علمی ناول ہو جسمین زمین کے اندر دنیا کی ایک قوم کے نہایت دلچسپ مفید اور سبق آموز حالات درج ہین قیمت ۶ر

ڈاکٹر جے کشن اور میان حمید - (یا دو جسم و الا آدمی) یہ ایک یا ایسے شخص کی زندگی کا عجیب و غریب مرقع اور سبق آموز قصہ ہو قیمت ۶ر

زرین ملک کی تلاش - چند نوجوانون کے انگلستان سے جنوبی امریکہ تک کے سفر و مصائب اور ممالک جنوبی امریکہ کے باشندون حیوانات و نباتات اور دیگر عجائبات کے حالات نہایت دلچسپ طور سے ناول کے پیرایہ مین بیان کیے گئے ہین قیمت ۸ر

ہند کی کایا پلٹ - لارڈ کلائیو کے زمانہ کا ایک ناول جسمین انگریزون کی فرانسیسیون نظام سراج الدولہ مرہٹون اور دیگر دیسی فرمانروا اون کے ساتھ معرکہ آرائیان فتح کے حالات اور ہندوستان مین انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے مفصل حالات درج ہین قیمت ۸ر

مونگے کا جزیرہ - دریائی سفر کا نہایت مفید اور دلچسپ بیان قیمت ۸ر

روشتہ الکبریٰ کی آتش زدگی - قیصر نیرو کے زمانہ یعنی پہلی صدی مسیحی کا ایک دلچسپ تاریخی ناول حجم ۱۴۸ صفحات قیمت مجلد ۱۰ر

آدیس - روشتہ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ مین بیان کیا گیا ہو نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہو قیمت ۸ر

اوٹوپیا - اس ناول مین سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کو تا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہو قیمت ۴ر

علمی کہانیان - اردو زبان مین اپنی طرز کی پہلی کتاب ہو کہانیون یا مکالمون مین بہت سی ایجادون اور علوم و فنون کے اصول بیان کر دیے گئے ہین۔ یہ کتاب خورد و کلان سب کے مطالعہ کے قابل ہو دماغ کو روشن اور ایجاد و اختراع کی طرف مائل کرتی ہو قیمت ۸ر

طلسم - انگلستان کے مشہور ناولسٹ سر والٹر اسکاٹ کے مشہور عالم ناول طلسمان کا ترجمہ جسمین مجاہدین صلیب اور سرفروشان اسلام کی معرکہ آرائیون کے مفصل اور نہایت دلچسپ تاریخی حالات درج ہین قیمت ۶ر

جولیس کی کشمکش - نہایت دلچسپ اور پرتاثیر ناول ہو قیمت ۶ر

سوانح عمری پیغمبر عالم - حضرت رسول اکرم کی حیات مقدس کے حالات اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانون مین مدون ہو چکے ہین۔ اردو مین بھی بہت سی کتابین موجود ہین لیکن پیغمبر عالم اس لحاظ سے خاص تعریف و قدر دانی کی مستحق ہو کہ اسمین آنحضرت کے سوانح عمر نہایت محنت و قابلیت سے مختصر لیکن جامع طریقے سے درج کیے گئے ہین اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی باقی نہین چھوڑا گیا۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے ضخامت ۵۰۰ صفحہ قیمت صرف عیصور

السنہ مشرقیہ - عربی فارسی اور سنسکرت کی جامع تاریخ، از منشی محمد شفیع الدین خان مراد آبادی قیمت ۶ر

اکسیر سخن - مہاکوی کالیداس کی نو نظمون (رتو سنگھار) کا اردو ترجمہ نظم کتاب کے شروع مین ملک کے مشہور افسانہ نویس بابو پریم چند صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہو جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہو مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے نام نامی پر یہ کتاب معنون کی گئی ہو اور آپکی تصویر بھی شامل ہو نیز ان نظمون کے مترجم منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی تصویر بھی کتاب کے شروع مین لگائی گئی ہو۔ یہ کتاب اس قابل ہو کہ ہاتھون ہاتھ خریدی جائے قیمت صرف ۶ر

مکتوبات امیر - منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے خطوط کا مجموعہ مع حالات و تنقید کلام قیمت عیصور مجلد عیصور

تحقیق سخن - مولفہ مولانا شفق عماد پوری عیوب سخن، قیود سخن، اور اصناف سخن پر ایسا جامع اور مختصر رسالہ پہلے نہین لکھا گیا نہایت مفید و کارآمد کتاب ہو مبتدیون کو ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے قیمت ۸ر

کفایت شعاری - سموایل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب تھرفٹ کا خلاصہ قیمت ۸ر

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نند لال صاحب ہارمونیم سیکھنے والون کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہو قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲ر

جذبات نادر - منشی نادر علیخان صاحب نادر کاکوروی (مرحوم) کی دلکش نظمون کا

مجموعہ حصہ اول قیمت ۸ ر حصہ دوم قیمت ۱۲ ر

شونبرگ کوٹہ - یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے جس کا تعلق پندرھوین صدی مسیحی سے ہے اس زمانے جرمنی کے تمدنی، دینی، ملکی اور تاریخی حالات جاننے کا شوق ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت ۱۲ ر

قاسم و زہرہ - جناب سید علی صاحب شوق قدوائی کا منظوم ڈرامہ ہے کہ مصنف ہین شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ، طرز ادا انتہا کا دلاویز، شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے۔ نقرے چست لطیفے برجستہ باینہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہین۔ معاشرت کے عین مطابق فطرت دکھائے ہین نیچرل کیفیات و جذبات مین سرتاپا یہ ڈراما ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۸ ر

عالم خیال - حضرت شوق قدوائی کی ایک بے اضافت سب سے دل کش نظم جو پبلک سے خلعت قبول حاصل کر چکی ہے۔ چار رنگون کے ساتھ چھاپا گیا ہے عالمانہ ریویو بھی شامل ہین جو منشی پیارے لال صاحب شاکر دیرٹھی نے بھی ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے شروع مین ایک محو خیال عورت کی نادر تصویر چسپان کی گئی ہے جو اسی کے لیے ایک چابکدست مصور نے بنائی ہے قیمت ۱۰ ر

عطر سخن - قومی منظومات کا ایک دلکش مجموعہ۔ اس مجموعہ مین چھوٹی بڑی ۵۰ منظومات شامل ہین اور بعض ان مین سے آٹھ آٹھ صفحہ کی ہین لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ۔ سرورق رنگین حجم ۲۰۵ صفحہ۔ الغرض یہ کتاب محاسن ظاہری و باطنی کا بے نظیر مرقع ہے۔ اس قسم کی کتاب آجتک شائع نہین ہوئی۔ قیمت صرف عصر ر

مضمون ہائے دلکش - حضرت جلال لکھنوی کا تیسرا دیوان جو کمیاب ہے بمشکل چند نسخے دستیاب ہوے ہین۔ جلد طلب فرمائیے قیمت عصر ر

ہاکی - ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمین نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہین۔ جابجا ہاف ٹون تصاویر چسپان کی گئی ہین، جن کی تعداد ۲۰ ہے۔ کھلاڑیون کے لیے عمدہ کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ ر

برکات سلطانی یعنی علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج الہند جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا کے مختصر حالات مع تذکرۂ تصانیف۔ شروع مین سرکار عالیہ کی عکسی تصویر بھی چسپان کی گئی ہے لڑکیون اور مستورات کے پڑھنے کے قابل ہے قیمت ۶ ر

مکتوبات امام ربانی - حضرت مجدد الف ثانی کی مکمل سوانح عمری مع مکتوبات قیمت ۱۲ ر

دنیائے اسلام و عیسائیت - تعریف نام سے ظاہر ہے ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت ۶ ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - اسم باسمیٰ اور قابل دید قیمت ۴ ر

اسرار ادویہ - اس کتاب مین انگریزی پیٹنٹ ادویات کی قلعی کھولی گئی ہے ضرور دیکھیے قیمت ۸ ر

مسدس حالی مع ضمیمہ - لکھائی چھپائی بہت عمدہ صحت و صفائی اعلےٰ اخیر مین مولانا حالی کی مختصر لائف بھی درج ہے قیمت ۸ ر

جذبات بھاشا - (مولفہ حضرت نیاز فتحپوری) اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ شاعری درحقیقت کس چیز کا نام ہے اور یہ سحر کس قدر پر آشوب ہے تو آپ اس کتاب کو ضرور دیکھیے قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲ ر

ایک شاعر کا انجام - (مصنفہ حضرت نیاز فتحپوری) یہ نہایت دلچسپ ناول ہے جو اپنی نوعیت مین آجکل کے ناولون مین فرد ہے ضرور دیکھیے قیمت ۸ ر

انتخاب عروج - دہلی کی ایک مشہور انشا پرداز خاتون کے قلم کا تازہ کارنامہ قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے مردون کی خدمت مین اپیل کی ہے کہ شوہر کے انتخاب مین اس غریب کی رائے کو بھی قابل قدر سمجھکر حاصل کر لیا جایا کرے جسکے واسطے شوہر کا انتخاب عمل پذیر ہو۔ قابل مطالعہ چیز ہے قیمت ۳ ر

لوری نامہ - تازہ دلچسپ اور معنی خیز لوریون کا مجموعہ اگر مائین اپنے بچون کو یہ لوریان سنائین تو وہ نہایت خوش ہونگے۔ اور ان مین جرات، ہمدردی اور قومی محبت کا جذبہ ابتدا ہی سے پیدا ہو جائے گا قیمت صرف ۱ ر

پہیلی نامہ - مہذب اور دلچسپ اور معنی خیز پہیلیون کا مجموعہ۔ یہ پہیلیان بچون کی ذہانت اور دماغی قوت کو ترقی دینے کے واسطے نہایت کارآمد ہین طلبا کے لیے تو نہایت مفید ہین۔ قیمت ۲ ر

تاریخی جواہر - مولانا شبلی، ڈاکٹر اقبال، اور جناب ظہر دہلوی کی تاریخی نظمون کا ایک مختصر مگر معنی خیز و دلکش مجموعہ قیمت ۳ ر

H. E. LORD CHELMSFORD.

هز ایکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ بہادر، وائسرائے و گورنر جنرل ہند

(غرائب الافلاک)

اولم ینظروا فی ملکوت السماوات والارض وما خلق اللہ من شیء؟

گرمیوں کی راتوں میں جبکہ آسمان ابر و غبار سے صاف اور چھوٹے بڑے ستاروں سے جگمگا رہا ہو تو کون ایسا بیدل ہے جسکی نظر ایک بار اس باصرہ نواز جمال طبیعی کی طرف نہ اٹھ جائیگی؟ ان دیکھنے والوں میں کتنے ہی ایسے ہونگے جو ایک بار تو ضرور اپنے دل سے پوچھ لیتے ہونگے کہ:-

چیست این گنبد طلسمی کا؟

لیکن اگر آج جبکہ فطرت کے نوامیس و اسرار کے کشف و ادراک میں انسان کو اس درجہ توغل و انہماک ہے ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو آج سے بہت پہلے اسوقت بھی لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے جبکہ نوامیس طبیعتہ سے انسان کے جہل اور عدم التفات فکری کا یہ حال تھا کہ وہ ہر اثر طبیعی کے لیے ایک علیحدہ خدا مانتا تھا، اور اسطرح اسکے ہزاروں خود ساختہ معبود تھے جن کے ہیاکل و معابد میں اسکا سر نیاز خم اور دست دعا بلند ہوتا تھا۔

حیوان اور انسان، دونوں ایک ہی شے کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً گر حیوان کیلیے ضرورت کی ہوتی ہے اور اسکو اس شے کی حاجت بھی ہوتی ہے تو وہ رکتا ہے اور اس سے متمتع ہوتا ہے ورنہ ایک غلط انداز نظر ڈالتا ہوا گذر جاتا ہے،

لیکن انسان بہرحال رکتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ وغیرہ وغیرہ

یہی شے ہے جسکو "تجسس و تفحص" کہتے ہیں، اور یہی انسان کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ اور اسکے مساعی و مجاہدات فکریہ کا محرک اصلی ہے اور اسی لیے قرآن کریم نے جابجا تدبر و تفکر پر زور دیا ہے!

لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اس تجسس کے عمل کا آغاز زمین اور اسکے قرب و جوار کی اشیاء کے بدلے سب سے پہلے آسمان سے ہوتا ہے!

تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے جب پوری طرح بولنے لگتے ہیں اور اپنی ماں کی آغوش میں شب کو صحن میں بیٹھتے ہیں تو کون و مافی الکون کے متعلق انکے سوالات کا آغاز آسمان اور ستاروں ہی سے ہوتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ آسمان کیا ہے؟ کیا ستارے اسمین جڑے ہوئے ہیں؟ چاند بھی جڑا ہے؟ چاند کیا چلتا ہے کیا اسکے بھی ہماری طرح پاؤں ہیں۔

اسکے مقابلہ میں آب و آتش، خاک و باد، اشجار و اثمار، حیوانات و جمادات یعنی جو چیزیں زمین کے متعلق ہیں انکی نسبت سوال کی نوبت بمشکل سن شعور تک پہنچنے کے بعد آتی ہوگی۔

نوع کا دماغ بالکل افراد کے دماغ کے مشابہ ہوتا ہے پس جسطرح کہ افراد کے دماغ پہلے سماء و مافی السماء کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسیطرح غالباً نوع کا دماغ بھی سب سے پہلے سماء و مافی السماء کی طرف متوجہ ہوا۔

وجہ تقدم خواہ صرف یہی ہو یا اسکے علاوہ اور اسباب بھی ہوں مگر تاریخ علوم کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ انسان کا قدیم ترین سرمایہ علمی آسمان ہی کے متعلق ہے۔

دنیا کے قدیم ترین اور ابتدائی اہل علم ہندوستانی مصری اور کلدانی ہیں اور تاریخ علوم کا یہ ایک اہم بحث رہا ہے کہ ان میں سے شرف اولیت کا حقدار کون ہے۔

اس بحث کا نہ تو یہ موقع ہے اور نہ ضرورت ہے اس لیے ہم اس کو قلمانداز کرتے ہیں، شرف اولیت خواہ کسی کو حاصل ہو، مگر تینوں قوموں میں علوم فلکیہ نہایت ترقی کر چکے تھے انکے جانشین یونانی ہوئے۔ یونانیوں میں بھی علوم فلکیہ کی گرم بازاری رہی۔

ان تمام ہیئتیین نے علوم فلکیہ کی بیحد خدمت کی اور بعض مسائل تو ایسے دریافت کیے کہ اگر آج باین ہمہ تقدم علوم و توسع وسائل اکتشاف وہ مسائل دریافت ہوتے تو علمی دنیا صداہائے تحسین و آفرین سے گونج اٹھتی۔

ان اسلاف کے دریافت کردہ بعض قواعد ایسے ہیں جو [illegible] گو کسی وجہ خاص سے صحیح نتائج نہ نکالے جاسکیں مگر یہ قواعد بجائے خود بالکل صحیح اور بہترین قواعد ہیں اور آج ہمارے بہت سے مسائل کا مبنی و اساس۔

مثلاً زمین، آفتاب، اور ماہتاب کو لو۔ زمین سے یہ دونوں ستارے بہت دور ہیں مگر ان دونوں کے بُعد میں کیا نسبت ہے؟ ارسترخس نے آج سے دو ہزار دو سو برس پہلے قیاس سے کہا تھا کہ یہ نسبت انیس و ایک کی ہے یعنی چاند زمین سے جسقدر دور ہے سورج اس سے ۱۹ گونہ زیادہ دور ہے۔ ہر چند کہ ارسترخس کا یہ قیاس صحیح نہیں، آفتاب و ماہتاب کے بُعد میں اس سے کہیں زیادہ نسبت ہے مگر بایں ہمہ جس قاعدہ کی بنا پر اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا وہ قاعدہ بالکل صحیح اور اس درجہ دقیق و غامض ہے کہ اس زمانے کے فلکیین میں سے عوام ایک طرف خواص کا ذہن بھی شاید وہاں تک نہ پہنچتا۔

تمام علوم کی طرح علم الفلک پر بھی تقدم و تاخر اور ترقی و تنزل کے مختلف دور گزر رہے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ یہ اوج ترقی پر تھا۔ نئے ستاروں کے اکتشافات، مقدار رفتار، سمت رفتار، ایام طلوع و غروب وغیرہ وغیرہ مسائل کی تحقیقات سے اسکے سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ تنزل شروع ہوا یہاں تک کہ بالآخر رفتار ترقی جمود و سکون سے بدل گئی۔ اسوقت کے علم الفلک کا سرمایہ صرف اسلاف کے آراء و خیالات تھے۔

یہی حالت رہی یہاں تک کہ گلیلیو اطالی پیدا ہوا، گلیلیو نے اس جمود کو حرکت سے بدلا اور اس انقلاب عظیم کی داغ بیل ڈالی جو ہم اسوقت دیکھ رہے ہیں۔

دراصل اس انقلاب کا سبب وہ چھوٹی سی دوربین تھی جو اس نے ۱۶۰۹ء میں بنائی تھی۔ اس دوربین سے اس نے ستاروں کو دیکھنے

میں مدد ملی اس تجربہ میں جب اسکو کامیابی ہوئی تو اسی اصول پر ہرشل نے ایک بڑی دوربین بنائی۔ اس بڑی دوربین کا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ یورینس کے گرد گردش کرنے والے چاند نظر آ گئے۔

گلیلیو کی دوربین ایک خاص حد تک بڑھائی جا سکتی تھی۔ پس اگر آلات رصدیہ کی ترقی اس دوربین تک آ کے رک جاتی تو یقیناً یہ انقلاب اسقدر عظمت و وسعت اختیار نہ کر سکتا۔

لیکن جب دوڑ شروع ہو چکا تھا اور عرصے کے رکے ہوئے پانی میں حرکت شروع ہو گئی تھی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی جمود طویل کے بعد حرکت شروع ہوتی ہے تو پھر بغیر کسی شدید استعداد کے وہ نہیں رک سکتی۔ چند ہی سال گذرے تھے کہ اسی اصول پر بلور سے دوربینیں بنائی گئیں جو بہت زیادہ بڑھائی جا سکتی تھیں۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ہرشل نے اتنی بڑی دوربین بنائی جس کا چونگا ۴۰ قدم رفیع طویل تھا۔ اس دوربین سے اس نے وہ ستارے دیکھے جو گو حجم میں آفتاب سے بہت زیادہ بڑے ہیں مگر اپنے بُعد مسافت کی وجہ سے کروڑوں سال میں اُن کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نور کی رفتار فی ثانیہ (سکنڈ) ڈیڑھ لاکھ میل ہے۔

دوربین کی اس غیر معمولی ترقی نے اکتشافات کا دروازہ کھول دیا اور ایسے ایسے عجیب و غریب حقائق ہیئت بے نقاب ہوئے جنکا وہم و گمان بھی قدما کو نہ تھا۔

تم نے بارہا تاروں بھری رات میں چھوٹے چھوٹے صدہا ستارے چمکتے ہوئے دیکھے ہوں گے، مگر شاید کبھی تمہیں ان کی اصلی حقیقت کا وہم بھی نہ ہوا ہوگا۔

یہ ترقی یافتہ دوربین بتاتی ہیں کہ یہ ستارے جو ہمیں اسقدر صغیر الحجم مثل نقطے کے نظر آتے ہیں، دراصل ہمارے آفتاب کی طرح بڑے بڑے آفتاب ہیں۔ ان میں سے بعض ایک ہیں اور بعض دو کا مجموعہ۔ انکے رنگ کی طرح ان کا مادہ قوام یا مایہ خمیر بھی مختلف ہے۔ بعض بالکل تو ام گیس سے ہے اور بعض چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہیں۔

اسی طرح ایک ستارہ ہے جسے عرب "غول" کہتے ہیں۔ اس ستارہ کی یہ حالت ہے کہ کبھی کبھی اسقدر ماند پڑ جاتا ہے کہ بمشکل نظر آتا ہے۔ عنترہ عبسی ایک مشہور شہسوار اور نبرد آزما عربی شاعر ہے وہ کہتا ہے ؎

والغول بین یدی یظهر تارة
ویکاد یخفی مثل ضوء المشعل

ترجمہ:- اور ستارہ غول کبھی تو اسقدر پرنور ہوتا ہے کہ خوب ظاہر و واضح نظر آتا ہے اور کبھی اسقدر ماند ہو جاتا ہے کہ مشعل کی روشنی کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ چھپ جانے کو ہے۔

اس تغیر و ظلمت و نور کے اسباب پہلے غیر معلوم تھے مگر اب تحقیق ہو گئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس طرح ہماری زمین کے گرد چاند گردش کرتا ہے اسی طرح اس ستارے کے گرد بھی ایک اور ستارہ گردش کرتا ہے۔ یہ دوسرا ستارہ خود روشن نہیں ہے بلکہ تاریک ہے۔ اس لیے جب وہ گردش کرتے کرتے غول کے اس حصے کے سامنے آ جاتا ہے جو ہماری زمین کے بالمقابل ہے تو غول کا نور کم ہو جاتا ہے اور ہماری نظر سے تقریباً مخفی و مستور ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دوسرا ستارہ جسقدر ہٹتا جاتا ہے اُتنا ہی غول بھی نظر آتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل درخشاں اور چمکتا ہوا نمایاں ہو جاتا ہے۔

ستارہ "قطب" دراصل چار ستاروں کا مجموعہ ہے۔ انمیں سے تین تو نہایت درخشاں ہیں اور ایک کسی قدر کم روشن ہے۔

"رجل الجبار" دراصل دو آفتاب ہیں۔ اس میں سے ایک سفید اور ایک نیلگوں ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ شب کو چمکتے ہوئے تاروں میں چند ستاروں کے گچھے یا جھرمٹ نظر آتے ہیں۔ موجودہ تحقیق یہ ہے کہ اس قسم کے ستارے کم از کم ایک لاکھ ۲۰ ہزار ہیں، بلکہ اغلب یہ ہے کہ تمام ستاروں میں سے ایک ثلث اسی طرح مزدوج ہیں۔

جس طرح ہمارا عالم شمسی ہے اسی طرح ان نجوم مزدوجہ کے بھی عوالم شمسیہ ہیں۔ بالفاظ واضح تر جس طرح ہمارے عالم میں ایک آفتاب ہے جو اپنی جگہ پر ساکن ہے اسکے گرد تمام دوسرے سیارے گردش کرتے ہیں اسی طرح ان نجوم مزدوجہ میں بھی ایک ستارہ مثل مرکز کے اپنی جگہ پر قائم ہے اور باقی ستارے اسکے گرد پھر رہے ہیں۔ البتہ ہمارے عالم اور ان ستاروں کے عوالم میں فرق یہ ہے کہ ہمارے عالم کے ستاروں کے حجم میں باہم بہت فرق ہے مثلاً ہمارا آفتاب مشتری سے ۱۰۲۰ گونہ بڑا ہے اور اپنے تمام سیارات [illegible] سے ۷۰۰ گونہ مگر ان نجوم مزدوجہ کے عالموں میں شاید اسقدر تفاوت نہیں، وہاں بڑے سے بڑا ستارہ چھوٹے سے چھوٹے ستارے سے چار گونہ بڑا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اغلب یہ ہے کہ ان ستاروں میں سے ہر ستارہ ہمارے آفتاب کے مانند ہے یعنی اتنا ہی یا اُس سے زیادہ بڑا ہے اور اسکے گرد دیگر سیارات گردش کرتے ہیں۔ اس خیال کا جزو اول یعنی کبر حجم تو ایک غیر مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ البتہ دوسرا جزو یعنی اسکے گرد ستاروں کی گردش البتہ ایک حد تک محل نظر ہے کیونکہ اسکے ثبوت کی کوئی دلیل نہیں، اور برعکس اسکی نفی کی تائید میں دلائل ملتے ہیں۔

پہلے رصد کا قاعدہ یہ تھا کہ رصدگاہ میں بیٹھکے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کسقدر وقت ضائع کرنے والا اور موجب تعب و دقت تھا، مگر اختراعات کی کثرت اور آلات و ادوات کے توفر نے جہاں اور بہت سی انسانی مصائب کو کم کیا، وہاں اس علمی مصیبت کو بھی سہل کر دیا۔

علماء نے رصدگاہوں میں بیٹھنا کم کر دیا، اسکے بدلے دوربینوں کو اس طرح رکھا کہ وہ ستاروں کے ساتھ ساتھ گھومتی جائیں پھر ان دوربینوں سے آلات تصویر کو اس طرح ملا دیا کہ وہ بھی دوربینوں کے ساتھ ساتھ گھومتے رہتے ہیں اور اجرام سماویہ کے ہر رخ کا عکس ان آلات تصویر پر پڑتا رہتا ہے اس طرح بغیر رصدگاہ میں بیٹھنے کی زحمت گوارا کیے وہ تمام باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو کئی کئی دن تک بیٹھنے کے بعد معلوم ہوتی تھیں۔ یہ آلات اجرام سماویہ کی ہر نقل و حرکت کی تصویر لے لیتے ہیں۔ گویا اب یہی آلات تصویر ان راصدین کی قائم مقامی کرتے ہیں جو رصدگاہوں میں لیل و نہار مراقب رہا کرتے تھے۔

اس طریقہ سے علاوہ اقتصاد وقت و محنت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ستارہ خواہ کتنی ہی دور ہو اسکا نور چاہے جسقدر بھی کم ہو اور حرکت خواہ کتنی ہی خفیف ہو مگر لوح تصویر پر اسکی ہر نقل و حرکت پوری پوری آجاتی ہے اور وہ دقیق و تاریک چیزیں جو آنکھ کے دسترس سے باہر تھیں اور اسلیے رہ جاتی تھیں اب کسی طرح نہیں رہ سکتیں؟

فن آلات سازی کی ترقی نے وہ وہ محیر العقول کرشمے دکھائے ہیں کہ اگر آج سے چند صدیاں پہلے یہ آلات ہوتے تو صاحب آلات ساحر یا شعبدہ باز سمجھا جاتا۔ اگر آج سو برس پہلے کے لوگ زندہ ہو جائیں اور دنیا کے موجودہ حالات دیکھیں تو غالباً اپنے آپ کو عالم خواب یا کسی طلسم کدہ میں سمجھیں کیونکہ آج اہل یورپ میں طبیعت کے انکشافات اور آلات کی ترقی سے جو حیرت انگیز کام انجام پا رہے ہیں، ان تک اسلاف کا وہ تخیل بھی نہ پہنچا تھا جو ساحروں اور اجنہ کی ہوش ربا داستانیں تصنیف کیا کرتا تھا۔

ترقی آلات کی ایک مثال وہ آلہ ہے جسکو [illegible][1] spectroscope کہتے ہیں اس آلہ سے نور کے مختلف رنگ جدا کیے جاتے اور ان رنگوں کے

---

[1] یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے ایک اسپیکٹرا اور دوسرا اسکوپ۔ اسپیکٹرا جمع ہے اسپیکٹرم کی جو ایک لاطینی نژاد کلمہ ہے اسپیکٹرم کے لغوی معنی ہیں وہ مختلف رنگ جو آنکھیں بند کرنے کے بعد نظر آتے ہیں مگر اصطلاح میں نور کے ان رنگوں کو کہتے ہیں جو ایک مثلث آلہ کے ذریعہ سے جسے منشور کہتے ہیں جدا کرکے اس طرح دکھلائے جاتے ہیں گویا وہ کسی جالی پر پھیلا دیے گئے ہیں۔ اسکوپ کے معنی [illegible] نما ہے پس اسپیکٹرا اسکوپ کے لفظی معنی ہوئے الوان نور نما اور یہی اس آلہ کی تعریف ہے۔ لیکن الوان نور نما کی ترکیب طویل و ثقیل تھی اسلیے اگر [illegible] کر دیا جائے تو

امتحان و اختیار سے اس جسم منور کے مادہ کا سراغ لگایا جاتا ہی مثلاً ایک جسم منور سبز ہو تو اسکے نور کی تحلیل سے سبز خطوط پیدا ہونگے یا اگر رنگ کاہی ہو تو نیلگون خطوط پیدا ہونگے۔ وقس علی ذلک۔

اس آلہ رنگ نما سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہی کہ اس جسم منور کا مادہ جامد ہو یا کوئی گیس ہو؟ اور آیا وہ کسی گیس کے لفافہ مین ملفوف ہی یا نہین؟

جس طرح ٹرین کی سیٹی سے اسکے قرب و بعد اور سمت کا اندازہ ہو جاتا ہی اسی طرح اجرام سماویہ کے نور سے انکی سمت و سرعت رفتار کا بھی علم ہو جاتا ہی صرف شعاعون یا انکے عکس کو دیکھکے علماء فلک معلوم کر لیتے ہین کہ یہ ستارہ آرہا ہی یا جا رہا ہی؟ اور نیز یہ کہ اسکی رفتار سریع ہی یا بطی؟ غرضکہ اجرام سماویہ کے متعلق ہماری معلومات کا ایک بڑا ذریعہ انکا نور ہی۔ صرف ایک نور سے ہم ان کے مادہ، تو ام سمت رفتار اور سرعت و بطی سیر کو معلوم کر لیتے ہین، لیکن اس آلہ رنگ نما سے استفادہ آسان نہین، کیونکہ اس سے صرف خطوط نظر آتے ہین اور انہی خطوط سے عناصر کا اندازہ کیا جاتا ہی۔ بعض عنصر مثلاً لوہے سے متعدد اور مختلف اللون خطوط پیدا ہوتے ہین مگر چاندی کے خطوط اس سے مختلف اور سونے کے ان دونون سے متبائن ہوتے ہین۔ پس اصلی نقطہ اس امر کی تمیز ہی کہ کون خط کس عنصر کے سبب سے پیدا ہوا ہی؟ اور آیا یہ متعدد خطوط کسی ایک عنصر کا نتیجہ ہین یا چند عناصر کے؟ اور وہ عناصر کون کون ہین؟

اسکے لیے ضرورت ہو کہ راصد (رصدگاہ سے مطالعہ فلک کرنے والا)

تجربہ کار، دقیق التمیز اور صادق التخمین ہو۔

اس آلہ رنگ نما کے استعمال سے معلوم ہوا ہی کہ ستارہ شعری جو ہم سے کئی ملین پر ہی فی ثانیہ ۲۰ میل کے حساب سے ہم سے دور رہتا ہی، ذیقعدہ تک یہی حالت رہتی ہی اسکے بعد اسی شرح رفتار سے وہ قریب ہونا شروع ہوتا ہے۔

علماء فلک نے پچاس ملین تصویرین ایسے ستارون کی لی ہین جو مختلف مجامع مین منقسم ہین، خود مجامع کی بھی دو قسمین ہین۔ آلہ رنگ نما سے معلوم ہوتا ہی کہ ان دونون قسمون کی سمتین بالکل مقابل و محاذی ہین۔

یہ بھی دریافت ہوا ہی کہ ہمارا نظام شمسی یعنی آفتاب مع اپنے تمام سیارون کے ۱۳ میل فی ثانیہ کے حساب سے ساک رامح کی طرف بڑھ رہا ہی اور جس طرح ہمارا نظام ساک رامح سے ملنے کے لیے اسکی طرف جا رہا ہی اسی طرح خود ساک رامح بھی ہمارے نظام شمسی کیطرف بسرعت تمام آرہا ہی۔

قدیم علم الفلک مین صرف ایک آفتاب مانا جاتا تھا، مگر موجودہ علماء نے جدید آلات رصدیہ کی مدد سے ایک ہزار ملین آفتاب دریافت کئے ہین یہ تمام آفتاب مع اپنے سیارات کے اس فضائے بسیط مین گردش کرتے رہتے ہین جب کبھی دو آفتابون مین تجاذب ہوتا ہی اور وہ قریب آجاتے ہین تو انکی رفتار ۲۰۰ میل فی ثانیہ ہو جاتی ہی اس حساب سے وہ ایک گھنٹے کم مین مقابل بھی ہو جاتے ہین اور جدا بھی ہو جاتے ہین،

آفتابون کی کثرت، انکی گردش اور تجاذب و تقارب کے وقت انکی سرعت رفتار کی بنا پر علماء فلک کا خیال ہی کہ دو آفتاب خواہ کتنی ہی دور ہون مگر ان کا تصادم ہر وقت ممکن ہی اور ظاہر ہی کہ جسوقت دو ایسے آفتابون مین جو ۲۰۰ میل فی ثانیہ کے حساب سے چل رہے ہون تصادم ہوگا تو کیسی قیامت برپا ہوگی!

یہ ہین ان صدہا غرائب افلاک مین سے چند عجائب جو جدید علم الفلک نے ہمین بتلائے ہیں۔ علم الفلک اپنے قدیمی مرکز پر رہتا تو تمام حقایق اسیطرح پوشیدہ و مستور رہتے جسطرح کہ اس دور جدید سے پہلے تک رہے ہے۔ ابو الکلام آزاد (دہلوی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۰) الوان کو رنگ سے بدل لیا جائے تو یہ رنگ نما ہو سکتا ہی یہ ترکیب نسبتہً سہل ہی اور بآسانی زبانون پر جاری ہو سکتی ہی اسی لیے ہمنے صرف رنگ نما کو اختیار کیا، البتہ اس صورت مین معنی لغوی یعنی اصطلاحی کسیقدر عام ہونگے مگر کثرت استعمال سے اس نقص کی تلافی ہو جائے گی اور تھوڑے عرصے کے بعد رنگ نما سے بھی اصطلاح خاص کا استبادر ہونے لگا جسطرح کہ آج خوردبین، دوربین، مثلاً وغیرہ سے خاص خاص آلات ہی متبادر ہوتے ہین۔ منہ۔

(سائنس کا ایک سبق)

قدرت کا وہ ناز پروردہ کرشمہ جو اپنی تدریجی ترقی کی منازل میں مختلف صورتیں بدل کر باغ عدن میں انسان کی شکل بنکر نکلا ہے ہوا اسکو ہمارے خاکی نہاد سیارہ (زمین) میں سب سے پہلے جن چیزون سے سابقہ پڑا ہوگا وہ وہی معمولی چیزین تھین جو عالم اسکے ساتھ لائی مین فرش خاک اس کا نرم بچھونا رہا ہوگا۔ اور ہوا کی گرمی اسکے مزاج مین بالیدگی پیدا کرتی ہوگی چند روز کے بعد رفتہ رفتہ اسکے دل مین ایک نئی قسم کا اہتزاز ہوا ہوگا اور پیش آنے والی ضرورتون نے اسے کچھ اور سامان فراہم کرنے پر مجبور کیا ہوگا اب اس نے سب سے پہلے بہت کرکے دریا کے پانی کا پتہ لگایا ہوگا اور پتھرون سے آگ نکالی ہوگی۔ یہ دریافت اپنی حیثیت کی پہلی دریافت ہوگی جس کی نوعیت اسی وقت پکار رہی تھی کہ آئندہ نسل کو ترقی کرنا ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی مدد کی قابلیت اپنے آپ مین خود پیدا کرے!

بہت دن گذر گئے ہون گے اور اس نے دیکھا ہوگا کہ دنیا کی تمام چیزین (فی زعمہ) سب کی سب اسی مٹی، ہوا، پانی اور آگ کی محتاج ہین اور ہر ایک مین کوئی نہ کوئی جزان کا ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ نتھا کہ کیمیاوی تحلیل سے اجزا کی بساطت یا ترکیب دریافت کی جاتی اسکے واسطے اس نے فقط اپنی وجدانی شعور اور دماغی احساس سے کام لیکر ایک نتیجہ مرتب کر لیا کہ "جب اسکی محدود دنیا کی تمام چیزون مین انھین چارون کی آمیزش ہے تو خود انمین کسی کی آمیزش نہونی چاہئے" (دیکھو حکمۃ الافرنج مطبوعہ مصر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۷)۔

تجربہ اور حکمت کا یہ پہلا سبق تھا جسپر سائنس کا ایک بڑا دفتر تیار ہوا عناصر کی اصطلاح مقرر ہوئی اور مان لیا گیا کہ مٹی ہوا آگ پانی یہی چار عنصر ہین۔ ابتدا مین یہ ایک سطحی تحقیقات تھی جو ایک سرسری انکشاف سے پیدا ہوئی تھی۔ اسکو سات آٹھ ہزار برس ہونے کو آئے مین آؤ! دیکھین اس تیرہ نیر دریافت مین کچھ اضافہ بھی ہوا یا نہین۔

اضافہ ہوا اور ہوتا جاتا ہے ابھی کل کی بات ہے کہ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی (مرحوم) ہم متسرین علماء ندوہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں

> از عناصر سہ رخصت آمد اینک تو شمار
>
> تو ہمان در گرد آتش و آب و مشتی و باد

لیکن آج منکشف ہوا کہ وہی عناصر جو اسوقت ہمارے شمس العلماء کے خیال مین ۴ رہ گئے تھے اب انکی تعداد ۸۰ تک پہنچ گئی ہے جنمین چند روشنی دینے والے عنصر ہین۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہے کہ عناصر اربعہ بھی مرکب ہین اور انمین بھی اجزا پائے جاتے ہین۔ لیکن ان اجزا سے ترکیب ممکن بھی ہے یا نہین؟ یہ مسئلہ بحث طلب ہے!

اصل یہ ہے کہ اجزا دو طرح کے ہین۔ ایک تقویمی اور دوسری تحلیلی اجزا۔ تقویمی وہ ہین جن سے ذات کا قوام ہو جیسے جسم کے لیے مادہ و صورت یا انسان کے لیے حیوان اور ناطق ہونا۔ اجزاے تحلیلی وہ ہین جو ہیات کل کے معدوم ہونے پر حاصل ہوے ہون۔ جیسے ایک خط کے چار ٹکڑے کہ ہر ٹکڑا جزو تحلیلی ہے۔

مثلاً ہوا مین چار جز ہین: نمبر (۱) آکسیجن (۲) نیٹروجن (۳) کاربونک ایسڈ گیس (۴) واٹری ویپر۔ لیکن کیا درحقیقت ان اجزا سے ہوا کا قوام بھی ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی مین ملے گا، کیونکہ یہ اجزا کل سے موخر ہین اور کسی جز کو کل سے موخر ہونا چاہیے بیشک یہ اجزاے تحلیلی ہین اور اولی تقویم

۱؎ علم سے ثابت ہے کہ الیمہ تلافرمین ہر ایک کی صورت میں انسان کچھ زرد پڑ جاتا ہے اور نعلانتہ ترقی کرکے آدمی کی شکل اختیار کی ہے۔ باغ عدن کا واقعہ تورات کی پہلی کتاب سفر تکوین (پیدائش) مین مذکور ہے۔ اس باغ کا محل وقوع ارض عراق کا میسوپوٹیمیا یعنی وہ آباد علاقہ فرات کی تہ وادی تھی جسکا عربی نام عہد بنی عباس مین جزیرہ ابن عمر تھا۔

تو ان کے تحلیلی پر جزئیت کا اطلاق خود بطور ساجمہ ہے مع ہذا بے اجزائے تقویمی کے ترکیب بھی نہیں ہو سکتی لہذا ہوا کو مرکب کہنا صحیح نہیں ہے توضیح کے لیے ہم چند اصول مرتب کرتے ہیں :۔

(۱) جتنے ادیات ہیں وہ یا بسیط ہیں یا مرکب۔

(۲) ہر مرکب کی انتہا لامحالہ کسی بسیط پر ہو گی ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔

(۳) جتنے مادیات ہیں ان سب کا قوام عناصر سے ہے۔

(۴) عناصر حقائق میں ایک دوسرے سے متخالف ہیں۔

(۵) مجموعہ اجزاء کی حقیقت بعینہ کل کی حقیقت ہے جیسے مجموعہ حیوان ناطق بعینہ انسان ہے۔

عناصر میں مثلاً ایک عنصر ہوا ہے۔ وہ بسیط ہے یا مرکب؟ اگر مرکب ہے تو اسکے اجزاء ہوائی ہی ہیں یا کسی اور عنصر کے؟ اگر کسی اور عنصر کے ہیں تو اسکے سب عنصر ہوائی ہونا چاہیئے (از روے اصول پنجم) حالانکہ دونوں کے متخالف ہیں (از روے اصول چہارم) اور اگر وہ اجزا بھی ہوائی ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکب ہیں یا بسیط؟ مرکب ہیں تو (مثلاً) عنصر مذکور سے مرکب ہونگے جسکو ہم ابھی باطل کر آئے ہیں اور اگر بسیط ہیں تو مدعا ثابت ہے الغرض قول فیصل یہ ہے کہ مثلاً ہوا اگر مرکب ہے تو یہ ترکیب تحلیلی مرکب نہ یہ ترکیب تقویمی۔

اس بحث سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ عناصر چار اور یہ چاروں بسیط ہیں جدید تحقیقات سے انہیں جو اجزاء دریافت ہوئے ہیں وہ اجزائے تحلیلی ہیں جن سے کسی جسم کی ترکیب نہیں ہو سکتی۔

اب ہم یہاں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ موجوداتِ عالم کی دو حیثیتیں ہیں: ایک محسوس اور دوسری غیر محسوس۔ دوسری حیثیت کو اس بحث سے تعلق نہیں محسوسات میں کرہ زمین ہے اور اسکے محیط کرۂ ہوا، اور اسکے گرد اگرد اجرام سماوی وغیرہ انہیں بھی دو قسمیں ہیں ایک عناصر دوسرے افلاک۔ عناصر کی تعداد معلم ثانی ابو نصر فارابی نے صرف چار بتائی ہے یعنی

پانی مٹی آگ ہوا لیکن درحقیقت یہاں کا نہیں بلکہ ان سے پیشتر ابو موسی جابر ابن حیان طرطوسی متوفی ۱۶۱ھ کا مذہب ہے جو امام جعفر صادق کے شاگرد رشید تھے اور جن کو انگریزی و فرانسیسی میں جیبر کہتے ہیں۔

اہل یورپ جابر کو فن کیمیا کا موجد بتاتے ہیں۔ جابر کی رائے میں ہر جسم کی ترکیب کے لیے ضروری ہے کہ اسمیں یہ چاروں عنصر مختلف نسبتوں سے جمع ہوں اور کوئی نہ کوئی عنصر بقیہ عناصر پر غالب ہو مٹی کا عنصر غالب ہوا تو جسم ٹھوس ہو گا، مائیت کو غلبہ ہوا تو اسمیں سیلان کی کیفیت ہو گی، ہوا کے جزمیں زیادتی ہونے سے گیس[1] اور آتشی کیفیت بڑھنے سے جسم محترق ہو جائیگا خواہ باحتراق شدید جیسے چراغ کی روشنی یا باحتراق خفیف جیسے لوہے کا زنگ۔

عام طور سے احتراق کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جسم محترق ہوا اس میں تدریجاً پراگندہ ہوتا جائے اور اس سے روشنی و حرارت بڑھتی جائے لیکن متقدمین علماء عرب نے یہ تعریف کی ہے کہ جسم کسی ایسے جزو سے جس سے روشنی اور ترشی کی تولید ہوتی ہے (مثلاً آکسیجن) متحد ہو جائے اس سے روشنی یا حرارت پیدا ہوئی تو یہ احتراق شدید ہے ورنہ خفیف۔ جیسے آکسیجن کے ساتھ جست اور پارے کا اتحاد۔ متاخرین علماء یورپ میں موسیو لاوازیے کی بھی یہی رائے ہے اور موسیو برتھلو نے بھی اسکو پسند کیا ہے

لاوازیے یورپ کا ایک مشہور عالم تھا۔ اسکا قول ہے کہ "علم کیمیا کا موضوع یہ ہے کہ اجسام کو عناصر میں تحلیل کر سکیں اور اسکی غایت و غرض تحلیل اجسام ہے" برتھلو اسپر یہ ریمارک کرتا ہے کہ "کیمیا علم تحلیل و ترکیب کا نام ہے اور یہ ترکیب عناصر و مرکبات سب میں عام ہے اور اسکی کوئی حد محدود نہیں ہے"

اجسام محسوسہ کی دوسری قسم افلاک ہے کے متعلق عام طور سے حکما اسلام کے خلاف ہے اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان افلاک کو سبع سمجھتے تھے ایک ایک

[1] گیس جس کو اہل مصر "غاز" اور اہل عرب "ہوا" کہتے ہیں اس کے دریافت کا فخر بھی جابر ہی کو حاصل ہے ۱۲

سیاروں کے وجود کے قائل تھے اور انھیں زحل اور اسکے طبقوں وغیرہ سے اطلاع نہ تھی۔ اعتراض کی بنا جسم قیاس مع الفارق پر رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حکمائے اسلام ہر فلک کو خاص خاص ستیاروں سے منسوب کرتے ہیں جسکا مطلب وہ یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں ہر فلک میں ایک ہی ایک ستیارہ ستیارہ محدود ہے حالانکہ یہ صریح الزام لا یلزم ہے۔ کواکب سبعہ سے افلاک کے منسوب کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اور سیاروں کا علم ہی نہ رہا ہو نہیں اہل عرب کا مذہب یہ تھا کہ خاص ستیارے بھی سات ہیں اور اسی سبب سے وہ افلاک کو بھی انھیں ستیاروں سے منسوب کرتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے ستیارے ہیں جو انھیں سیاروں کے گرد گردش کرتے ہیں۔

ابن ماجہ کا قول ہے کہ چھوٹے چھوٹے سیاروں میں جو بڑے بڑے سیاروں کے گرد گردش کرتے ہیں بعض ایسے بھی ہیں جو حرکت میں کسی کے تابع نہیں۔ اس قول کا مطلب اب سیکڑوں برس کے بعد یورپ کی تحقیقات سے یہ ظاہر ہوا کہ زحل کے گرد ۹ سیارے گردش کرتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جتنے چھوٹے ستیارے کسی بڑے ستیارے کے گرد گردش کرتے ہیں ان سب کی گردش اسی سمت کو ہوتی ہے جس سمت کو خود وہ بڑا سیارہ گھومتا ہے لیکن زحل کے ستیارات تسعہ میں ایک ایسا ستیارہ دریافت ہوا ہے جسکی حرکت فی نفسہ مستقل اور حرکت زحل کے برعکس ہے۔

افلاک کے یہ معنی نہیں ہیں جو آجکل مستعمل ہیں۔ حکمائے عرب کواکب کے اس مدار کو فلک کہتے ہیں جو طبائع یعنی عناصر کے گوناگوں تغیرات کی آخری حد ہو۔ افلاک کی یہ اسلامی تعریف کئی صدی قبل کی ہے جدید تحقیقات نے اتنے دن کے بعد اختلاف بھی ظاہر کیا تو فقط یہ کہ الفلک عند الافرنج ہو الاثیر المنتشر فی الفضاء الذی فیہ مدارات الکواکب۔ الفاظ کو بدل ڈالو تو مطلب دونوں کا ایک ہے۔

افلاک کو عناصر کا آخری تغیر اس لیے کہتے ہیں کہ عناصر میں تدریجی ترقی ہے۔ ارضیت کا مائیت میں مائیت سے ہوائیت میں اور پھر ناریت میں لیکن نہایت اتصال سے جسمیں ہر ایک بالقوہ مستعد ہے کہ صعود خواہ ہبوط سے جسم متصل میں مستحیل ہو جائے یہ استحالہ بسا اوقات بالفعل بھی ہوتا ہے صعود میں جن اجسام کا استحالہ ہوگا ان میں لطافت زیادہ ہوگی۔ افلاک تک پہنچ کر یہ استحالہ ختم ہو جاتا ہے اور افلاک تمام اجسام متصلہ سے اسقدر زیادہ لطیف ہیں کہ قوت حاسہ انھیں ادراک بھی نہیں کر سکتی۔ لطافت میں کواکب بھی افلاک کے پہلو بہ پہلو ہیں لیکن فلاسفہ اسلام قائل ہیں کہ حرکات کواکب کی آواز سنی جا سکتی ہے۔ اہل یورپ پہلے تو اس دعوے بعض پر خوب مضحکہ اڑاتے رہے مگر آخر البرٹسن صاحب نے ایک آلہ ایجاد کرکے یہ دعوے پاس کر دی۔ اس آلہ میں ٹیلیفون اور فونوگراف دونوں کے خواص ہیں۔ اس کا رخ جس میں شیشہ لگا ہوتا ہے ستارہ کی طرف کر دیا جائے تو اسکی روشنی اسکے ذریعہ سے آلہ میں آجائے گی۔ اور وہاں وہ آواز کی شکل میں منتقل ہو جائے گی۔

استحالہ کی کیفیت یوں سمجھو کہ حرارت کا درجہ ستی گریڈ سے تحت الصفر نیچے اتر گیا تو پانی ایک جسم جامد یعنی برف میں مستحیل ہو جائے گا۔ اور اگر حرارت بڑھتے بڑھتے سو درجہ سے متجاوز ہو گئی تو بخارات پیدا ہوں گے اور اسی پانی کا گیس بن جائے گا۔ اب اگر اس گیس کی تحلیل کیجائے تو ایک ایسا جزو میسر ملے گا۔ جو لیمپ میں پٹرول کی طرح روشن ہو جائے گا۔ بڑے بڑے شہروں میں ہوائی گیس سڑکوں کی روشنی کے لیے اسی سے بناتے ہیں جو در اصل ہیڈروجن یعنی وہ جز ہے جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے۔

جب کبھی حرارت کی کمی یا زیادتی کا کوئی ذریعہ ملے گا تو ان اجسام کی تعداد بڑھ جائے گی جن میں بالفعل استحالہ ممکن ہے جنت سے سخت دھات کو بھی (مثلاً لوہا اور پلاٹین یعنی امرکن پیلور) ڈیڑھ دو ہزار درجہ تک کی حرارت پہنچا کر گھلا سکتے ہیں اور آزوت (جو ہوا کا جزو اصلی ہے) اسی ہوا اور آکسیجن (جس سے ترشی اور راپشہ کی تولید ہو جاتی ہے) جیسے اجسام ہوائی بھی حرارت کے درجہ تحت الصفر کم کرنے سے پگھل جاتے ہیں۔ آزوت پگھلانے کے لیے ۱۱۰ درجہ تحت الصفر سے کم اور آکسیجن کے لیے ۱۴۰ درجے سے کم اور

H. E. LADY CHELMSFORD.

هز ایکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ

ہیڈروجن کے لیے ۴۳۲ درجہ سے حرارت کم کر دینی چاہیئے۔

نمائش پیرس مین ہوا پانی مین مستحیل کر کے عام نظارہ کے لیے ایک شیشہ مین بحفاظت پیش کی گئی تھی۔ تماشائی جب اس مین رومال وغیرہ ڈالتے تھے تو وہ بھیگ جاتا تھا لیکن باہر نکالتے ہی رومال سے ایک کثیف دھوان نکلتا تھا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب حرارت پہنچیگی تو بخارات پیدا ہونگے۔

ہوا کو ٹھوس پتھر کی شکل مین بھی بنا کر دکھا سکتے ہین۔ پروفیسر ڈیس نے کئی مرتبہ اسکی آزمائش کی۔ اسمین ایک مقناطیسی قوت بھی پائی جاتی ہے۔

کہ لوہا اگر اُس سے چھو جائے تو مشکل چھوٹے گا۔ ہوا اس ٹھوس حالت مین ایسی سرد ہوتی ہے کہ ابھی تک اسکا صحیح اندازہ نہین ہو سکا۔ غالباً نقطۂ انجماد سے ۳۰۴ درجہ نیچے ہوگی۔ جعفر برمکی وزیر اعظم خلافت عباسیہ نے جس پیر مرد کو زخم چشم کی دوا کے لیے ۳ تولہ ہوا کا سفوف استعمال کرنے کی ہدایت کی تھی وہ آج اگر ہوائی منجمد کی حقیقت پر مطلع ہوتے تو شاید اپنے حکیمانہ مزاج پر انھین ناز ہوتا۔

عبداللہ عمادی

اہل بابل کا علم الاصنام

ایشیا مین جو ملک دریائے دجلہ اور فرات کے زیرین حصے پر واقع تھا اور آجکل کردستان کے نام سے مشہور ہے زمانۂ قدیم مین اسی کا نام "بابل" تھا۔ اس کا پایہ تخت نینوہ دریائے دجلہ پر واقع تھا۔ ایشیا مین بابل سب سے پرانا ملک تھا۔ جہان تہذیب و شائستگی کو عروج ہوا۔ براعظم ایشیا کے باہر صرف مصر ہی اس کا ہم پلہ تھا۔ لیکن اہل یورپ کو مصر کی تہذیب و شائستگی سے اس قدر نفع نہین پہنچا جسقدر اہل بابل کی تہذیب و شائستگی سے پہنچا ہے۔ بابل سے سوریہ اور سوریہ سے ایشیائے کوچک و فینیکیا اور پھر وہان سے یونان و روم اور روم سے یورپ کے باقی تمام ملک مین تہذیب و شائستگی کی اشاعت ہوئی۔ نہ صرف اہل یورپ ہی بابل والون کے ممنون ہین بلکہ اہل چین بھی۔

علم ہیئت، علم ریاضی، قوانین سلطنت، فن عمارت، مصوری، سنگتراشی وغیرہ سب بابل ہی سے یورپ مین آئے تھے۔ قدیم اقوام مین سے اہل بابل اور اہل سوریہ اجسام فلکی کے مشاہدے، علم اور آئندہ واقعات کی پیشینگوئی کرنے کے لیے مشہور تھے۔ آفتاب، ماہتاب اور خاص خاص ستارے دیوی اور دیوتا سمجھے جاتے تھے، جن کو انسانی معاملات پر بڑی ہی قدرت حاصل تھی۔

علم ہیئت اور علم نجوم مین اہل بابل نے ایک مستند کتاب "مشاہدات بعل" لکھی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ بابل کے ایک امام "بیروسس" نے یونانی زبان مین کیا تھا۔ اس مین ۷۰ فصلین تھین۔ یہ کتاب اکاڈیا کے شہنشاہ سارگون کے لیے ۳۸۰۰ ق م مین تصنیف کی گئی تھی۔ ایک اور کتاب جسمین ۲۵ فصلین تھین شگونون کے متعلق اسی بادشاہ کے لیے تصنیف کی گئی تھی، اور یہ دونون کتابین سلطنت سوریہ کے آخری ایام تک مستند مانی جاتی تھین۔ ہر شہر مین رصدگاہین بنی ہوئی تھین جن کی رپورٹ ہر پندرہ روز کے بعد بادشاہ کی خدمت مین روانہ کی جاتی تھی۔ گرہنون (کسوف) کے بعد جو باتین واقع ہوتی تھین وہ گرہنون کی طرف منسوب کی جاتی تھین۔

بابل کے اصلی باشندے "اکادئین" قوم کے لوگ تھے، جو در اصل تورانی نسل سے تھے، وہ بد روحون پر اعتقاد رکھتے تھے، اور تمام عالم کو بد روحون سے پر سمجھتے تھے۔ امراض کا باعث بھی انھین بد روحون کو سمجھا جاتا تھا۔ شروع مین تو اہل بابل نے موجودات ایزدی کی روحون کی پرستش شروع کی تھی لیکن بعد مین خود موجودات ایزدی کی عبادت کرنے لگے تھے۔

اہل بابل نے امتداد زمانہ سے، اور رفتہ رفتہ ان بد روحون کو دیوتاؤن کا اعزاز عطا کیا۔ ان دیوتاؤن مین سے خاص تین دیوتا یہ تھے۔ (۱) آکونا

آسمان کا دیوتا (۲) "بِل" زمین کا دیوتا (۳) "اِی آ" سمندر کا دیوتا۔ ان کے ساتھ ہی اجسام فلکی کی روحوں کی بھی عبادت ہونے لگی تھی یعنی آفتاب کا دیوتا، ماہتاب کا دیوتا، ستارے کا دیوتا۔ اسی طرح اور بہت سے دیوتا۔ جو لوگ علم ہیئت کے دلدادہ تھے وہ آفتاب کے دیوتا پر ماہتاب کے دیوتا کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ بابل میں ایک قوم سمیٹک رہا کرتی تھی۔ اس نے ان دیوتاؤں کی ترتیب میں کچھ ہی کردی۔ اور آفتاب کا دیوتا سب دیوتاؤں کا حکمران قرار دیا گیا۔ وہ "بیل" یا "بعل" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اور مختلف شکل میں اُسکی عبادت ہونے لگی۔ اناڈین قوم نے دیوتاؤں کی جنس نہیں مقرر کی تھی۔ لیکن سمیٹک قوم نے ان کی تقسیم نر اور مادہ میں کی۔

اہل بابل کے خاص دیوتا یہ تھے:- آنو۔ اِی آ۔ بعل اور ان تینوں کی بیویوں کے یہ نام تھے:- آنت۔ دم کنا۔ بیلٹس۔ ان سے سب بچے تولد ہوئے جن کے نام یہ تھے۔ ام توں۔ سامس۔ سن۔

آفتاب کا دیوتا جسے "بعل" کہتے ہیں اسکی پرستش عام طور پر کیجاتی تھی۔ وہ تمام اُرتی میں سب سے زبردست دیوتا تھا۔ اس کا ذکر یرمیاہ اور یشعیاہ نبی کے صحائف میں بھی آیا ہے۔ وہ رومیوں کے دیوتا "مشتری" اور یونانیوں کے دیوتا "زیوس" کا ہم رتبہ خیال کیا جاتا تھا۔

آنو۔ یہ آسمان کا نام تھا۔ اسے دیوتاؤں کا مسکن بھی بتایا جاتا تھا "آنو" سب دیوتاؤں میں پرانا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ وہ عالم کا خالق تھا۔ وہ دیوتاؤں کا باپ مانا جاتا تھا۔ اسکے پہلو میں "آنت" کھڑی رہتی تھی۔ اناڈین تمام دیوتاؤں کو "آنو" کا مظہر مانتے تھے مگر اس خیال کے معتقد زیادہ لوگ نہ تھے۔ اس لیے یہ خیال بہت جلد نیست و نابود ہو گیا۔ اس دیوتا کا ذکر بائبل میں ہوا ہے۔ یہ بھی رومیوں کے دیوتا "مشتری" اور یونانیوں کے دیوتا "زیوس" کا ہم پلہ تھا۔

اِی آ۔ یہ دریا اور سمندر کا دیوتا تھا جو زمین کو اسطرح گھیرے رہتے تھا۔ جیسے سانپ کسی چیز کو گھیر لیتا ہے۔ اسمیں سے تمام دریا اور چشمے نکلتے اور جاری ہوتے تھے۔ وہ بنی انسان کا خالق اور مہربان اور شفا دینے والا مانا جاتا تھا۔ اس نے انسان کو دستکاریوں اور علم ادب کی تعلیم دی۔ سمندر کے دیوتا کی حیثیت سے اسکا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا مگر اسمیں ایک دُم لگا دی جاتی تھی۔ اس سے "مَردوک" پیدا ہوتا تھا۔ وہ تمام علوم اور عقل کا مظہر تھا۔ اُسکے باپ تھا۔ بلکہ وہ پانی کے اجزا سے ہمیشہ اور بار بار زندگی اختیار کرتا رہتا تھا۔ وہ عفریتوں اور روحوں کی طاقت کو کم کر سکتا تھا وہ ان کے رازوں کا ماہر تھا اور سوائے اسکے کسی اور دیوتا کی وساطت سے عفریتوں اور روحوں کے حملوں کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی بادشاہ اپنے ملکی قانون کے موافق انصاف نہیں کرتا تو "اِی آ" اسے معزول کر دیا کرتا تھا۔ اگر وہ انصاف کی حکمرانی کرتا تو اسے استحکام عطا کیا جاتا تھا، اور اُسے "سُوتا" کا خطاب دیا جاتا تھا۔ شہر اریدو کے قریب ایک مقدس باغ تھا جو ساری دنیا کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اور جہاں زندگی اور علم کا درخت موجود تھا۔ اس دیوتا کی عبادت اس شہر میں خاص طور پر کیجاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسکے اسلحہ بیش قیمت جواہرات سے بنائے گئے تھے۔ اسکے ایک اسلحہ میں پچاس چہرہ اور سات شاخیں تھیں جسکے ذریعہ وہ چاروں طرف بربادی پھیلا سکتا تھا۔ اس کے سات سر بنائے جاتے تھے اور سانپ اسکی علامت یا نشانی سمجھا جاتا تھا۔

بعل۔ یہ "بلج" یعنی زمین کے دیوتا کا دوسرا نام ہے۔ تہذیب و ترقی تو دیسی قائم رہی لیکن بلج کا نام بدل کر "بعل" کر دیا گیا۔ پھر کسکے بعل کو "مردوک" کو "بعل" کا لقب دیا گیا۔ اور بلج گمنامی میں پڑ گیا۔ مردوک کی ہم جلیس ہمدم "بیلٹس" تھی جو "سردار خواتین" کہلاتی تھی۔ یہ بعد میں اسکی بیوی مانی گئی تھی۔ بابل میں "بعل" کے نام کا ایک بہت بڑا مندر تھا اسمیں اسکی خاص طرح پرستش کیجاتی تھی۔ اس مندر میں بھی دیگر مندروں کیطرح ایک عید منائی جاتی تھی اور اس موقع پر بکریوں کی قربانی گذرانی جاتی تھی اور ایک

نکالی جاتی تھیں۔ رقص و سرود کے جلوس نکالے جاتے تھے۔ پجاری طرح طرح کے
بہروپ بنا کے ناٹک دیبیدان کرتے تھے۔ دعوتیں بجائی جاتی تھیں۔ اور سارا شہر جشن
مناتا تھا۔ بادشاہ اپنے محل میں امرا کی دعوت کرتا تھا۔ لوگ کثرت سے
شراب پیتے تھے اور نفسانی حظوظ سے دل خوش کرتے تھے۔ تریورتی کے
دیوتا مبارا اور بکسار یعنی زمین و آسمان کی اولاد مانے جاتے تھے۔

مردوک۔ یہ "ای آ" کا بیٹا تھا۔ وہ روشنی اور زندگی کا مالک تھا۔
اسکی علامت آفتاب کی شعاعیں قرار دی گئی تھیں گویا وہ آفتاب کا
سوتا تھا۔ اسکی عبادت بابل میں قدیم زمانہ سے شروع سے ہوئی تھی۔ وہ
ہمیشہ "ای آ" کے آگے آگے جلو میں چلتا تھا وہ انسان کو شفا دینے والا تھا۔
اس نے جو علوم اسکے باپ "ای آ" کو یاد تھے انکی تعلیم بنی انسان کو دی
تھی۔ وہ انسان کو برائی سے بچانے والا تھا جن لوگوں کو امراض یا بدروحیں
ستاتی تھیں وہ انکی تسلی اور صحت عطا کرتا تھا۔ وہ انسان پر رحم و شفقت کیا
کرتا تھا جبتک بابل کی سلطنت قائم رہی اسکی عبادت بھی ہوتی رہی "ای آ"
کی اولاد میں اس کا سب سے زیادہ رتبہ تھا مشتری سیارہ اس کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔
اسکی بیوی "زاربنت" تھی۔ اس نے "تیمات" عفریت کو مغلوب کیا تھا۔ اور
اسکے خاوند "کنگو" کو بھی ہلاک کیا وہ زمین و آسمان کے درمیان ہر وقت
آتا جاتا رہتا تھا تاکہ "ای آ" سے انسان کی تکالیف رفع کرنے کے لیے
ہدایات حاصل کرے۔

عشارات۔ یہ زہرہ کی دیوی تھی جو صبح و شام آسمان پر جلوہ گر
ہوتا ہے۔ وہ چاند کے دیوتا کی بیٹی بتائی جاتی تھی اور بعض اُسے "انو"
کی بیٹی بتاتے تھے۔ وہ اکادئین قوم کی سب سے بڑی دیوی تھی وہ عشق و محبت
جنگ و جدل اور شکار کی منتظم تھی۔ وہ آسمان کی ملکہ بھی جاتی تھی۔ وہ
یونانیوں کی "ارتمیس" دیوی کی ہم رتبہ تھی۔ اسکی عبادت تمام مغربی ایشیا میں
ہوتی تھی فلسطین میں عورتیں اسے نذریں دیا کرتی تھیں اور عشارات کے نام
سے یاد کرتی تھیں۔ اسکے مندر میں بہت برے افعال کئے جاتے تھے اور اس
بات نے اہل سوریہ اور بابل کے مذہب کو سخت بدنام کیا۔ شہر نینوہ اور
اربیلا کو اسکی ذات پر فخر تھا۔ "عشارات" کے نام سے یہودی بھی اس کی
عبادت کیا کرتے تھے۔ اسکے خاوند کا نام "تموز" تھا جو سورج کا دیوتا تھا
اسے ایک سور نے ہلاک کر دیا تھا اور "عشارات" اسے پاتال میں ڈھونڈنے
گئی تھی۔ تموز کی وفات پر عورتیں ہر سال یروشلیم کی ہیکل میں ماتم کیا کرتی تھیں
اس کا ذکر حزقی ایل نبی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

نبو۔ اس لفظ کے معنی نبی کے ہیں۔ "نبو" کی بیوی کا نام "تاشمت" تھا۔
جسکے معنی سامع کے ہیں۔ یہ دونوں "مردوک" اور "زاربنت" کی اولاد تھے۔
"نبو" علم کا دیوتا تھا۔ اس نے لوگوں کی آنکھوں کو وہ نور بخشا جس سے
وہ حروف کو پڑھ سکیں اور اسکی بیوی نے انکے کان کھول دیے تاکہ جو
کچھ انھیں پڑھ کر سنایا جائے اُسے سمجھ سکیں۔ "نبو" نے فن تحریر ایجاد کیا۔
بابل کے قریب ایک بڑا مندر اسکے نام پر تعمیر کیا گیا تھا جسکے کھنڈر اب تک
باقی ہیں۔ اس کا دوسرا نام "نسکو" تھا وہ سیارہ عطارد کا دیوتا تھا از منہ
گزشتہ میں اہل بابل خاص طور پر اس دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے اس دیوتا
کا نام اسقدر عزیز تھا کہ بابل کے تین بادشاہوں نے اسے اپنے نام کے
ساتھ استعمال کیا تھا۔ وہ شہر بورسپا کا خاص دیوتا تھا۔ اہل بابل سات
روحوں کو بہت شریر سمجھتے تھے اور ان سے خوف کھاتے تھے یہ روحیں
گرہن اور طوفان کی شکل میں چاند کو چھپا لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چاند کو گرہن لگا
اور سورج کا دیوتا بھاگ گیا اور "عشارات" عالم بالا کو گئی یہ "بعل" دیوتا نے
اپنے بیٹے کی یہ مصیبت دیکھ کر "نبو" کو "ای آ" کے پاس صلاح اور مدد لینے کے
کے لیے بھیجا۔ اس نے اپنے بیٹے "مردوک" کو اس کے ساتھ کر دیا اس نے اور
سورج نے ان بدروحوں کو شکست دی جو گرہن بنکر چاند پر چھا گئی تھیں۔
موآب میں "نبو" کے نام سے ایک پہاڑ مشہور تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
فلسطین میں بھی اسکی عبادت کی جاتی تھی۔

نیرگل۔ یہ مریخ کا دیوتا تھا۔ اہل بابل اس دیوتا کی بڑی تعظیم کرتے تھے

شہر کوتھا میں اسکی عبادت خاص طور پر کی جاتی تھی کیونکہ وہ اسکا محافظ سمجھا جاتا تھا، اور عام طور پر بھی اسکی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ لوگ اپنے نام کے ساتھ اسکا نام استعمال کیا کرتے تھے۔ "نیرگل" آنو دیوتا کے ساتھ پاتال کی فرمانروائی کیا کرتا تھا۔ وہ جنگ اور شکار کا بھی دیوتا مانا جاتا تھا۔ اسکا بت ایک بجار کا سا بنایا جاتا تھا۔ اور اس میں دو بازو لگائے جاتے تھے۔ اسکی داڑھی اہل سوریہ کی مانند گھونگر والی بنائی جاتی تھی۔ وہ جنگی مہمات میں شاہی افواج کے آگے آگے چلتا تھا، اور ان کو دشمنوں کے ہلاک کرنے میں مدد دیتا تھا۔ شکاریوں کو بھی مدد دیا کرتا تھا۔ آسو بنی پال جو سوریہ کے بادشاہوں میں نہایت نامور تھا، اسے شکار کا بڑا شوق تھا۔ اسے نیرگل ہی کے طفیل ہر جگہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ نیرگل کی علامت ایک شیر مانا جاتا تھا۔ جسکے دو بازو اور انسان کا سا سر تھا۔ یہ بت محلات شاہی کے دروازوں پر رکھا جاتا تھا۔

رمون۔ یہ دیوتا "آنو" کا بیٹا تھا۔ اسکو زمین آسمان کا فرمان روا مانا جاتا تھا۔ ہوائی کرہ، طوفان، آندھی، پانی، اس کے مظاہر مانے جاتے تھے۔ اس کے دو نام تھے یعنی "گرجنے والا" اور "سیلاب برپا کرنیوالا" وہ "مردوگ" دیوتا کا ساتھی اور رفیق صادق تھا۔ وہ فصلوں کا تباہ کرنے والا تھا، لیکن بار آوری کے دیوتا کی حیثیت سے اس سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ دمشق میں اسکی سب دیوتاؤں سے زیادہ پرستش کیجاتی تھی، جہاں وہ "حداد" کے نام سے مشہور تھا۔

نسروک۔ اس لفظ کے معنی "بڑے عقاب" کے ہیں قدیم ایرانی اس پرند کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے، اور اہل عرب بھی محمد صاحب کے زمانہ سے پہلے اسکی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا، اور سر عقاب کا۔ اس کے چار بازو بھی بنائے جاتے تھے۔ شاہ سنحرب کو، جب وہ اپنے گھر میں اس دیوتا کی عبادت کر رہا تھا، اسکے بیٹوں نے قتل کیا تھا۔

آسور۔ اہل سوریہ اس دیوتا کی تمام دیوتاؤں سے زیادہ تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے کیونکہ وہ سوریہ کا محافظ تھا، اور اہل سوریہ اس کے خادم اور رعایا سمجھے جاتے تھے۔ اسی نے ترغیب دیکر اہل سوریہ کو انکے دشمنوں پر فتح دلائی، اور مفتوحہ جماعت پر جو مظالم کئے گئے وہ گویا اس بات کی سزا تھے کہ وہ "آسور" پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس دیوتا کا ذکر بائیبل میں کئی جگہ آیا ہے۔ وہ بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا، انکی مدت حکمرانی میں اضافہ کرتا، ان کے مکانات اور افواج کی حفاظت کرتا، ان کو جنگ میں فتحیاب کرتا، ان کے نام کو شہرت دیتا، اور انکی نسل کو بڑھاتا تھا۔ اہل بابل اپنے تئیں اس کا خدمتگار سمجھتے تھے۔ اسکی پرستش کو پھیلانے کے لیے وہ جنگ و جدل کرتے تھے۔ اسکے نام سے وہ جنگ کرتے، بربادی پھیلاتے، اور کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد وہاں آسور کی مورتیں قائم کرتے اور لوگوں کو اس کے قوانین پر عمل کرنیکے لیے مجبور کرتے تھے،

اسکا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا۔ بت کے سر پر ایک ٹوپی ہوتی تھی، اور ہاتھ میں ایک کمان جو ایک بازو دار دائرہ میں سے باہر کو نکلی رہتی تھی۔ اکثر بازو اسکی ہمہ جا حاضری کے ظاہر کرنے کے لیے اسکی علامت قرار دیے جاتے تھے، اور انسانی صورت اسکی عقلمندی، اور ٹوپی اسکی طاقت ظاہر کرنے کے لیے۔ شاہان سوریہ بطور علامات استعمال کرتے تھے، اور اپنی ملبوسات پر نقش کراتے، اور مہروں اور عصاؤں پر کندہ کراتے تھے۔ اس کے آگے سرنگوں ہوتے اور اس کے سایہ میں جنگ کرتے تھے۔

ول۔ یہ موسموں کا دیوتا تھا، اور وید کے دیوتا اندر کا ہم پلہ مانا جاتا تھا۔ وہ بگولا اور طوفان کا مالک تھا۔ ان کو برپا کرتا اور بجلی کے بان چلاتا تھا۔ وہ پانی بھی برساتا تھا، اور زرخیزی عطا کرتا تھا۔ بجلی کے دو یا تین بان اسکی علامت سمجھے جاتے تھے۔

سِن۔ یہ ماہتاب کا دیوتا تھا۔ اسے آفتاب کے دیوتا پر برتری

حاصل تھی کیونکہ اس کے جلوہ گر ہونے کے وقت رات کو ہیئت دان مشاہدات اور تجربات اچھی طرح کر سکتے تھے۔ وہ زمین و آسمان کے دیوتاؤن کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ سوریہ اور بابل دونون مین اسکی عبادت عام طور پر اور کثرت سے کیجاتی تھی۔ سال کا تیسرا مہینہ اس کے نام پر تھا۔ اسکے نام کو بادشاہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے۔

شماس ۔ یہ آفتاب کا دیوتا تھا۔ جس کو آسمان و زمین کا قائم کرنے والا اور منصف سمجھا جاتا تھا۔ وہ "دن کا حاکم" اور "دیوتاؤن کا نور" اور "جنگ کا مالک" بھی مانا جاتا تھا۔ بادشاہ سمجھتے تھے کہ وہ انھین جنگ کے وقت خاص امداد دیا کرتا اور ان کی افواج کے آگے آگے رہتا تھا" اور ان کو ان کی سلطنت کو وسعت دینے کی قابلیت عطا کرتا تھا وہ ان کے دشمنون کو مار مار کر بھگا دیتا تھا" اور آخرکار انھین فتح دلواتا تھا۔ چونکہ آفتاب کے جلوہ گر ہونے سے تمام عالم کے نظام مین ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اہل سوریہ اور اہل بابل یقین رکھتے تھے کہ آفتاب کا دیوتا انسان کے دلون پر بھی اثر ڈال سکتا اور اسکی قدرت رکھتا ہے اسکی پرستش ہر فرد بشر کیا کرتا تھا۔ اور سال کا ساتوان مہینہ اسکے نام پر تھا۔ اس کی پرستش سارگون بادشاہ کے وقت مین سنہ ۳۸۰۰ قبل مسیح مین بھی ہوتی تھی۔

پانی

اسکی مختلف صورتون اور اسکی عمومیت پر ایک نظر

پانی کی نسبت تکوین سے ۔ یہ کہنے مین ذرا بھی تامل نہین ہو سکتا کہ پانی عالمگیر ہے تخلیق عالم سے اسے خاص تعلق ہے۔ یہ ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی جاندار شے اس سے خالی نہین ہے۔ اسکی نسبت جو آفرینش اور موجودات سے ہے اسکی نسبت وحشی اور مہذب ہر دو اقوام مین طرح طرح کے روایات اور خیالات رائج ہین یہان ہم نے اختصار سے غیر تہذیب نا آشنا قومونکی روایات درج کیجاتی ہین جو مضمون ہذا کے لطف کو دوبالا کیے بغیر نہ رہینگی

جنوبی امریکہ مین ایک وحشی قوم رہتی ہے جو ابی پون کہلاتی ہے۔ لارڈ آوبری (سر جان لبک) مشہور محقق و عالم علم بنی آدم اسکی روایات کا ذکر کرتے ہوے کہتے ہین کہ اس قبیلہ کے خیال کے مطابق ابتدا مین پانی ہی پانی تھا جس کے درمیان سے دنیا نکلی۔ یہ خیال قدیم زمانہ کی بعض ترقی یافتہ قومون مین بھی رائج تھا۔ بابل مین نہایت قدیم زمانہ مین ایک قوم آباد تھی جس سے اہل بابل نے رسم و رواج، علم و فن، اور تہذیب و شائستگی حاصل کی تھی، اور خط میخی کی اختراع اس قوم سے منسوب کی جاتی ہے اس کا نام اکاڈین تھا۔ اس کا یہ گمان تھا کہ موجودات پانی سے پیدا ہوئی تھین۔ ان کے خیال مین زیست کا قیام پانی پر موقوف ہے اور جب دنیا کو ترکیب دینے کے لیے ایک قدرت بالا کی ضرورت لاحق ہوئی تو وہ پانی کے اندر سے نکل آئی۔ مسٹر ٹائلر مشہور عالم تھیوپالاجی نے "جنرل آف تھیوپالاجی" مین جاپان کی ایک نہایت پرانی روایت کا ذکر کیا ہے جو تکوین کی بابت ہے اور وہ یہ ہے کہ "ابتدا مین زمین پانی پر تیرتی تھی۔ اس کے درمیان سے ناگر مو تھا نکلا جس کے اندر سے زمین بنانے والا دیوتا پیدا ہوا" کئی وحشی قبائل پالینشیا اور اوشنیا کے مختلف جزائر مین رہتے ہین، جنکے درمیان تکوین کی بابت جو روایات رائج ہین، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا مین ہر جگہ پانی تھا اسکے درمیان سے کرۂ ارض نکلی۔ ان قومون سے بہتر قبائل جو آہستہ آہستہ وحشی کیطرف لڑکھڑاتے ہوے چلے آرہے ہین، ان کا یہ خیال ہے کہ زمین پانی کے اندر سے نکلی تھی۔ ابتدائے عالم مین ہر جگہ پانی ہی پانی تھا یہ قبیلے شمالی

اور جنوبی امریکہ کے بعض حصوں میں بستے ہیں۔ شمالی امریکہ کے ایک اور وحشی قبیلہ کا یہ خیال ہے کہ ابتدا میں سمندر تھے اور ان کے درمیان ایک جزیرہ تھا جو رفتہ رفتہ دنیا کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ برٹش کولمبیا (کنیڈا) میں ایک وحشی قبیلہ ہے اسکے ہاں یہ روایت مروج ہے کہ ابتدا میں پانی تھا اور اس کے اندر ایک چھچھوندر تھی جب اسے بھوک لگی تو وہ پانی کی تہ میں خوراک کی تلاش میں گئی وہاں کیچڑ پانی سے نکالکر جمع کرتی رہی جس سے بعد ازاں دنیا بنی۔

اہل چین کا خیال دربارۂ تکوین سوال و جواب کی صورت میں ہے جو اس ملک کے مشہور حکیم کیونگ شی سے عالم کی ابتدا کے باب میں پوچھے گئے تھے حسب ذیل اقتباس کا ماخذ مسٹر سیکالکی کا ترجمہ[1] ہے جو انھوں نے حکیم موصوف کے سوال و جواب کا انگریزی میں کیا ہے "شروع میں دو چیزیں پانی اور آگ تھیں۔ پانی کے ساتھ جو چیزیں مخلوط تھیں ان کے تہ پر بیٹھ جانے سے زمین پیدا ہوئی۔ اگر کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قرب و جوار کی پہاڑیوں کو دیکھو تو وہ سمندر کی لہروں کی مانند نظر آئیں گی بعینہٖ ابتدا میں پانی اسطرح بہتا پھرتا تھا میں نہیں جانتا کہ کس زمانہ میں منجمد ہوا تھا"

ہندوؤں کی دھرم پستکوں میں جہاں تکوین کا ذکر ہے وہاں پانی کو ایک خاص عظمت و تفوق حاصل ہے۔ مثلاً رگوید کے ایتریہ آرنیہ[2] میں لکھا ہے "ابتدا میں عالم جس ہی جوہر تھا۔ اسکے سوا کوئی جاندار اور بیجان شے موجود نہ تھی۔ اسے دنیا پیدا کرنے کا خیال آیا۔ اس نے پانی، روشنی اور مخلوقات وغیرہ پیدا کر دیے" یجروید[3] میں لکھا ہے "ابتدا میں پانی ہی پانی تھا۔ یہ دنیا بھی آرنبھ میں جل تھی" رگوید[4] کے آخری منتروں میں پانی کو موجودات کا مبدا و ماخذ قرار دیا گیا ہے جس سے آگ اور ہوا نکلی منوجی اپنے سدھانت میں لکھتے ہیں "ابتدا میں تاریکی محیط تھی۔ سوائمبھو بھگوان نے اصول اولیہ یعنی ابتدائی عناصر وغیرہ مع پانی پیدا کیے۔ اس کے اندر اُگنے والا تخم تھا۔ اس سے نہایت براق سنہری انڈا نکلا جس کے اندر برہما جی تھے۔ . . . الخ"

یونانیوں میں سب سے مشہور شاعر ہومر ہے۔ اس نے رزمیہ کتابیں تصنیف کر کے غیر فانی شہرت حاصل کی ہے۔ وہ ایک جگہ عالم کی ابتدا پر بحث کرتا ہے اور سمندر کو اس کا مبدا[5] ٹھیراتا ہے یعنی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دنیا سمندروں کے پیٹ سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد طالیس تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ یہ شخص یونانی علوم تجربیہ کا محرک اور بانی اول تھا۔ اس نے طبعیات ہیئیات وغیرہ کے متعلق کچھ انکشافات کیے۔ اس نے پانی کو منبع عالم اور علت العلل مانا۔ یہ شاید پہلا حکیم ہے جس نے اس مسئلہ کو فلسفیانہ اصول پر قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے شاگردوں ہی نے اس نظریہ کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ طالیس کا یہ بھی خیال تھا کہ صورت بگڑنے پر چیزیں پھر پانی ہی میں جا ملتی ہیں جس سے وہ برآمد ہوتی ہیں۔

دنیا کی بربادی کی نسبت پانی سے

کئی وحشی اور مہذب اقوام کے درمیان یہ روایت مروج ہے کہ یہ دنیا پانی کے وسیلے سے برباد ہو چکی ہے۔ قدیم زمانہ میکسیکو کے باشندے آزتک اور ریوکٹن (وسطی امریکہ) کے باشندے مایہ کے ہاں یہ روایت مشہور تھی کہ دنیا ایک مرتبہ پانی کے خوفناک طوفان اور تین مرتبہ آگ وغیرہ سے برباد ہو چکی ہے۔ بائبل میں طوفان نوح کا ذکر آیا ہے جس سے تمام دنیا ایک مرتبہ غرقاب تباہ ہوئی تھی۔ زمانہ حال کے

---

[1] ماخوذ از تاریخ عالم جلد اول مقدمہ مطبوعہ اخبار ٹائمز لنڈن ۱۹۲۰ء [2] منقول از میزان الحق انگریزی ترجمہ صفحہ ۱۰ [3] ایضاً صفحہ ۱۰ [4] ماخوذ از نیو انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۸ صفحہ ۷۵۴۔

[5] میزان الحق صفحہ ۱۹ [6] نیو انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۷۵۴ [7] ماخوذ از "انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس" جلد اول صفحہ ۲۰۴۔

سائنس کے رو سے ان خیالات کی ایک حد تک تائید ہو چکی ہے۔
جیالوجی شہادت سب سے قوی اور نہایت معتبر ہے ایک مقررہ میعاد
کے بعد قطب شمالی کی طرف سے برف کے سیلاب آتے تھے اور دنیا پر چھا
جاتے تھے۔ نباتات اور حیوانات کو برباد کر دیتے تھے جیالوجی میں اسکا
نام عہد برفانی یعنی گلیشل پریڈ ہے۔ دنیا کی تباہی کی بابت سائنس دانوں
کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ قلت آب سے برباد ہو گی۔ پانی دن بدن
گھٹتا جاتا ہے۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہماری کرۂ ارض کا حشر بھی وہی ہوگا
جو چاند کا ہوا ہے، یا سیارۂ مریخ کا ہوا جاتا ہے جہاں پانی کا عنصر
گھٹتے گھٹتے بہت تھوڑا سا رہ گیا ہے تھوڑے عرصہ میں وہ بالکل ختم ہو جائیگا
اور وہاں کے چرند و پرند، انسان اور روئیدگی سب سوکھ کر برباد ہو جائے
گی۔ دوسرا گمان یہ ہے کہ چند ہزار سال کے بعد دوسرا برفانی طوفان
پھر آئیگا اور دنیا کو برباد کر دے گا۔

پانی کی عمومیت | اس دنیا کا کوئی حصہ نہیں ہے جہاں پانی کسی نہ کسی صورت
میں موجود نہ ہو بلکہ حال کے سائنسی انکشافات کی روشنی میں یہ کہنا
بجا معلوم ہوتا ہے کہ عالم پانی کے وجود سے خالی نہیں ہے، ہمارے سروں پر
گنبد فلک کی جو نیلگوں چھت نظر آتی ہے بخارات کا کرہ ہے۔ یہ ثابت ہو گیا
ہے کہ کسی زمانہ میں چاند میں روئیدگی تھی۔ وہاں آتش فشاں تھے جنکے
دہانے اجتک سطح چاند پر بذریعہ دوربین صاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں
کسی زمانہ میں پانی تھا، مگر حرارت کے اخراج کے ساتھ گھٹتے گھٹتے بالکل
معدوم ہو گیا۔ اب وہاں نہ سبزی ہے اور نہ روئیدگی، اب اُسے "مردہ دنیا"
کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اٹلی کے مشہور عالم ہیئیات شیاپریلی نے ۱۸۷۷ء
میں پہلے پہل یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مریخ (منگل) سیارہ آباد ہے جہاں
انسان رہتے ہیں جنہوں نے آبپاشی کی غرض سے بڑی بڑی عظیم الشان
نہریں بنا رکھی ہیں جنکی ساخت دیکھکر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔
وہاں فصلیں ہوتی ہیں۔ الغرض منگل کی دنیا ہماری دنیا ایسی قرار
پائی۔ پروفیسر لوول نے یہ خیال ظاہر کیا اور اسکی تائید اور عالمان
فلکیات نے بھی کر دی ہے کہ مریخ میں پانی کا منبع قریب الختم ہے تھوڑے
عرصے کے بعد بالکل خشک ہو جائے گا اور وہاں کے انسان، جاندار
اور نباتات بالکل نابود ہو جائیں گی۔ بعض محققان عالم بالا کا یہ بھی خیال
ہے کہ زحل (شنیچر) اور برہسپت میں بھی بڑی بڑی دوربینوں کے وسیلہ
سے روئیدگی کے آثار معلوم پڑتے ہیں۔ مگر یہ صرف قیاس ہے کہ جو تصدیق
طلب ہے۔ ممکن ہے کہ یہ یقینیات کا درجہ حاصل کرے یا بالکل بے بنیاد
ثابت ہو۔ مگر ان واقعات سے پانی کی عالمگیری بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

پانی کا رتبہ عناصر اربعہ میں | زمانۂ قدیم کے ارباب تحقیق کا خیال جب ظاہر فطرت
اور تبدلات طبعی کے اسباب کے کھوج کی طرف رجوع ہوا، تو انھیں ہر جگہ
اور تقریباً ہر شے میں کسی نہ کسی صورت میں پانی نظر آیا جس سے انھیں ضرور
حیرت ہوئی ہوگی اور اسکی عالمگیری دیکھکر اسے دنیا و مافیہا کا مبداء و منبع
قرار دیا۔ بعض یونانی اور ہندو فلاسفر اسکی نسبت متفق الرائے ہیں۔

جب سلسلۂ اسباب و نتائج کی تفتیش بہت ہوشیاری اور بالغ نظری
سے ہونے لگی اور علوم و فنون کو خاص وقعت حاصل ہو چکی تو پانی کے
ساتھ آگ، ہوا، اور خاک بھی موجودات کی علت قرار پائی اور رفتہ رفتہ
عناصر اربعہ کا مسئلہ رائج ہو گیا جس کے نہ صرف یونان کے حکماء مسیح
سے تین چار سو سال قبل قائل و حامی تھے، بلکہ ہندوستان والے بھی
مانتے تھے اور اسی پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں ہمارے ہاں پانچواں عنصر
ایتھر مانی گئی تھی جو مغرب میں کئی صدیاں گزرنے کے بعد تسلیم ہوئی بلکہ یہ
روما وغیرہ کے تمام محققین اور فلاسفر اس مسئلہ کے حامی تھے۔ اس کے
متعلق تحقیق جاری رہی۔ یورپ کے ازمنۂ جہالت اور عرب کے زمانۂ عروج
میں بھی عناصر اربعہ کا مسئلہ مسلمہ رہا۔ قرون وسطیٰ میں بھی اس کا دور دورہ
رہا۔ آخرکار جب یورپ میں عقلی بیداری کا زمانہ شان و شوکت کے ساتھ
شروع ہوا اور صدیوں کی غفلت اور کاہلی کے بعد علمی ترقیاں ہونے لگیں

تو رابرٹ بائل نے سترھوین صدی مین پانی کو مرکب قرار دیا۔ عناصر اربعہ کے مسئلہ کو اسکی کیمیائی دریافتون سے بہت سخت صدمہ پہنچا، جو اٹھارہ انیس سو برس سے مفردات تسلیم ہوے تھے۔ وہ بالآخر مرکبات ثابت ہوے۔ پانی اپنے سوتیلے بھائیون سمیت مفردات و عناصر ابتدائی کے زمرے سے خارج ہوکر مرکب قرار پایا۔

پانی کی نسبت دنیا اور جسم انسانی سے

پانی خشکی پر بھی غالب ہے کرۂ ہوا اسی سے محیط ہے۔ اگر پانی کسی روز جوش مین آئے اور اپنا ظرف چھوڑ کر زمین پر چڑھ آئے، تو طرفۃ العین مین ہماری دنیا مافیہا کو ہڑپ کر لے اور ہم سب چند منٹون کے لیے آبی مچھلیان بنجائین۔ کرۂ ارض کی مساحت خشکی اور تری، کل انیس کروڑ ستر لاکھ مربع ہے۔ اس مین بہتر فیصدی پانی ہے اور ۲۸ فیصدی زمین۔ بالفاظ دیگر چودہ کروڑ بیس لاکھ مربع میلون پر سمندر، دریا، جھیلین وغیرہ قطعات آبی ہین، اور صرف ساڑھے پانچ کروڑ مربع میل خشکی ہے جسکے ایک حصے پر انسان آباد ہین، اور دوسرا صحرائون، جنگلون اور بیابانون کا مسکن بنا ہوا ہے۔ سمندر کا عمق بالاوسط ۱۲۰۰۰ فٹ ہے مگر بعض مقامات مین اس سے بھی گہرا ہے۔ مثلاً جزائر غرب الہند کے شمال کی طرف بحر اوقیانوس ۱۴۶۰ فیدم گہرا ہے، اور بحر الکاہل مین گوام سے پچہتر میل جانب جنوب بڑی سے بڑی گہرائی ۳۱۶۱۴ فٹ معلوم ہوتی ہے۔ اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنا پانی ہے اور اسکی مقدار کتنی ہوگی۔

انسان خلاصۂ عالم کہلاتا ہے یعنی ایک بہت ہی محدود پیمانہ پر ایک ننھی سی دنیا ہے جن چیزون سے دنیا مرکب ہے وہ تقریباً سب کی سب انسان کے بدن مین موجود ہین۔ بدن انسانی چودہ مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ پانی کا جسم انسانی مین بڑا حصہ ہے ڈیڑھ سو پونڈ (پونڈ آدھ سیر کا ہوتا ہے) وزنی جسم کے اندر ساڑھے نو گیلن[1] پانی ہوتا ہے یا دوسرا درجہ کا حساب ہے۔ بالاوسط انسان کے جسم کا بوجھ ایک من تیس سیر ہوتا ہے جس مین ساڑھے چھتیس سیر کے قریب آبی عنصر پایا جاتا ہے اور وہ جسم کے ہر حصہ مین موجود رہتا ہے گویا ہمارا بدن نصف پانی کا ہے اور باقی نصف اور چیزون سے مرکب ہے۔

پانی کی کیمیائی ترکیب

جیسا پیشتر مذکور ہوا، پانی دو ہزار برس تک مفرد اور عنصر شمار ہوتا رہا۔ آخرکار سترھوین صدی مین رابرٹ بائل (ایک مشہور انگریز کیمیا دان) کی کوششون سے مرکب ثابت ہوا۔ ایسا یون کہو کہ اس عالم کی تحقیق نے عناصر اربعہ کا خاتمہ کر دیا۔ اسکے بعد اور اور ارباب کیمیا اسکی تفتیش کرتے رہے اور اب یہ امر ہر طرح پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ پانی ہائڈروجن اور آکسیجن سے مرکب ہے۔ اول الذکر ۱۹ء۱۱ فیصدی اور ثانی الذکر ۸۸ء۸۱ فی صدی مقدار مین پائی جاتی ہے۔

پانی کی تین حالتین

پانی کی تین بڑی صورتین ہین، جن سے ہر کوئی واقف ہے۔ اس کے ماسوا اور صورتون مین اور مرکبات کے ساتھ مخلوط بھی پایا جاتا ہے۔ مگر غیر مخلوط اور غیر مرکب حالت مین اسکی تین ہی صورتین ہین یعنی مائع، ٹھوس یا منجمد، بخارات یا گیس۔ سنٹی گریڈ مقیاس الحرارت کے درجہ صفر اور فارن ہیٹ مقیاس الحرارت کی ۳۲ ڈگری تک پانی سیال رہتا ہے اور اس سے نیچے منجمد ہو جاتا ہے۔ اول الذکر آلہ کے ۱۰۰ ڈگری اور موخر الذکر کے درجہ ۲۱۲ ڈگری پر اُبلتا ہے اور اپنی سیال صورت بدل کر بخار بن جاتا ہے۔ پانی کی بڑی سے بڑی کثافت درجہ ۴ ڈگری سنٹی گریڈ مقیاس الحرارت پر ہوتی ہے۔ اسکی حرارت نوعی سوائے ہائڈروجن گیس کے سب چیزون سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ پانی کو روئی یا گھاس یا گیس کی طرح دبا کر چھوٹا اور ٹھوس نہین بنایا جا سکتا۔ اگر بلندی سے خالص پانی کو دیکھا جائے تو اس کا رنگ بہت ہی ہلکا نیلگون ہوتا ہے جس پانی مین کیلسیئم کاربونیٹ ہو وہ غیر شفاف ہوتا ہے اور اس مین سے

[1] ایک گیلن برابر ہے تین سیر دس چھٹانک کے۔

بابو ابندر ناتهه ٹیگور

کوئی شے نظر نہیں آتی لیکن اگر کاربانک ایسڈ گیس اسکے اندر داخل کرو تو اس کا رنگ ذرد سے نیلا ہو جائے گا۔ بعض عالموں نے اس سے یہ خیال اخذ کیا ہے کہ پانی کی طبعی رنگت کاربانک ایسڈ کی مقدار پر موقوف ہوتی ہے جو مختلف مقامات کے پانیوں میں ملی ہوتی ہے تاہم اسکی رنگت کا انحصار ایک بڑے درجہ تک نظرت کے منیدہ اور آسمان کی نیلگونی پر ہے۔ جب پانی مائع حالت میں ہوتا ہے تو اس میں حرارت بآسانی سرایت نہیں کر سکتی۔ بالکل خالص پانی میں بجلی کوئی اثر نہیں پیدا کر سکتی۔ اور نہ اسے دوسری طرف نکلنے میں کوئی مدد ملتی ہے۔

(۱) سیال پانی کی طبعی اقسام | سب سے پہلے سیال پانی کی طبعی حالتوں اور قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے سب سے پہلی قسم مینہ کا پانی ہے۔ سورج کی گرمی سے بخارات اڑ کر ہوا میں جا ملتے ہیں اور جب کرۂ ہوا کے کسی سرد طبقہ میں پہنچتے ہیں تو بادلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر بارش بن کر زمین پر آجاتے ہیں مگر کرۂ ہوا سے گزرتے وقت انکے ساتھ کئی چیزیں مل جاتی ہیں مثلاً نوشادر، سوڈیم، کلورائیڈ اور دیگر قسم کے معدنی نمک اور کھار نیز نباتاتی مادہ بھی پایا گیا ہے۔ جس خطہ میں کارخانے ہوں اور وہاں کوئلہ جلتا ہو تو بارش کے پانی میں گندھک کا تیزاب ملا ہوا ہوگا۔ دوسری قسم سطح کا پانی ہے جو دریاؤں اور ندی نالوں اور تالابوں میں ہوتا ہے یہ بارش کے پانی سے کم خالص ہوتا ہے۔ اسکے اندر جو چیزیں پائی جاتی ہیں وہ اس زمین کی نوعیت اور زرولیدگی پر موجود ہیں جسکے درمیان سے اسے گزرنا پڑتا ہے۔ اس پانی میں کاربونیٹ کلورائیڈ اور الکلی کے سلفاٹ اور کئی قسم کی مٹیاں ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں لوہا اور منگنیز کی بھی ہلکی مقدار پائی جاتی ہے اور کئی قسم کی نباتات کے نمک بھی پائے جاتے ہیں۔ تیسری قسم طبعی پانی کی کنوئیں کا پانی ہے جو کنوؤں سے نکالا جاتا ہے اور جو انکے اندر زمین کے گہرے اور اندرونی طبقوں سے آکر جمع ہوتا ہے۔ یہ پانی دیہات قصبات میں کھانا پکانے پینے اور نہانے دھونے کے کام آتا ہے مگر اس میں بعض دفعہ ضرر مواد بھی ملا ہوتا ہے جس سے ہیضہ، ملیریا وغیرہ وبائی امراض پھیل جاتے ہیں۔ اس پانی کے اندر شورہ اور نوشادر پایا جاتا ہے جس سے اس کا مزہ کھاری ہوتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں نہایت سخت ضرر رساں مواد موجود ہے۔ سوت سے اوپر جو کنوئیں گہرے ہوتے ہیں ان کا پانی البتہ بہت خالص ہوتا ہے۔ چوتھی قسم کا پانی معدنی ہے اس میں کئی قسم کی معدنیات کی مقدار پائی جاتی ہے جنکی خاصیت دوائی ہوتی ہے اور جو کئی قسم کی بیماریوں کے علاج میں کام آتا ہے۔ کوئی ٹھنڈا کوئی گرم اور کوئی نیم گرم ہوتا ہے۔ اسکے اندر الکلائن نمک اور ایسڈ کاربونیٹ سلفاٹ اور کلورائیڈ، سلفیورک ایسڈ، ہیڈرو کلورک ایسڈ، اور سلیک ایسڈ پایا جاتا ہے سوڈیم بھی بعض پانیوں میں ہوتی ہے۔ پانچویں قسم فطرتی پانی کی سمندری پانی ہے۔ سمندر میں ہر قسم کے ندی نالوں اور دریاؤں کا پانی گرتا رہتا ہے جو غیر خالص ہوتا ہے۔ اس میں کئی قسم کی اشیا مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں۔ اس کا مزہ تلخ اور نمکین ہوتا ہے۔ بخارات بنکر جو پانی اڑ جاتا ہے وہ البتہ خالص ہوتا ہے اور اسکے کثیف اجزا سمندر میں رہجاتے ہیں۔ سمندر کے مختلف حصوں میں سمندری پانی کے ساتھ مختلف چیزیں مختلف تناسب اور مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ شمالی خطہ سمندر میں برف جم جاتی ہے جو نمک سے عموماً مبرا ہوتی ہے پانی کو ہلکا یا بھاری کہکر پکارا جاتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ کیلشیم اور میگنیشیم کی مقدار خاص تناسب سے اسکے اندر موجود ہے۔

(۲) پانی کی منجمد حالت | پانی کی دوسری صورت برف ہے جسے اسکی منجمد یا ٹھوس حالت کہا جاتا ہے۔ جب پانی مائع سے منجمد بنتا ہے تو اسکی جسامت زیادہ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ شملہ جیسے سرد برفانی مقامات میں جب رات کو پانی بھر کر رکھا جاتا ہے تو صبح کو گھڑے شکستہ پائے جاتے ہیں۔ یہ کیفیت گلمرگ، کشمیر، مری، ڈلہوزی، کلو، منصوری وغیرہ میں بھی موسم سرما میں دیکھنے میں آتی ہے جہاں پانی کی نالیاں ہوتی ہیں وہ رات کو پانی جمنے سے پھٹ جاتی ہیں

ہیں۔ پانی کا انجماد اور تبدیلی صورت ہوا کے درجہ حرارت برودت
پر موقوف ہے۔ اگر ہوا میں گرمی ہے تو انجماد بآسانی واقع نہیں ہوتا مگر جب
برودت سخت ہو تو البتہ اسکی سیال صورت برباد ہو جاتی ہے پہاڑوں
اور سرد مقاموں میں موسم سرما میں پانی آپ سے آپ جم جاتا ہے جسے یخ
کہتے ہیں۔ یہ شفاف اور ٹھوس ہوتی ہے۔ اور جب بخارات تصاعد کر کے
زمہریر میں پہنچتے ہیں تو وہ بھی جم جاتے ہیں اور برف کے گالوں کی
صورت میں سرد پہاڑی مقامات میں گرتے ہیں اور تہ بہ تہ جمکر یخ کا
تختہ بنجاتے ہیں۔ دوسری مصنوعی برف ہوتی ہے جو تمام بڑے بڑے
شہروں میں گرمی کے موسم میں فروخت ہوتی ہے اور سب چھوٹے بڑے
شربت یا پانی میں ڈال کر پیتے اور اپنے کلیجہ کی سوزش بجھاتے ہیں۔

(۳) پانی بخارات یا گیس کی صورت میں

پانی تیسری صورت میں بخارات یا گیس بنتا ہے کرہ ہوا اس کا مسکن ہے۔ ہوا کی خنکی اور گرمی
بخارات کی کثرت اور قلت پر منحصر ہے۔

پانی کا ایک گرام (چنے کے برابر وزن) جب ۱۰۰ ڈگری سنٹی گریڈ
پر بھاپ بنتا ہے تو اسکے لیے حرارت کی ۵۳۶ ڈگری اکائیاں درکار
ہوتی ہیں جو اسکے اندر جذب ہو کر اسکی ہیئت کو بدل دیتی ہیں بھاپ کا
کوئی رنگ نہیں ہوتا اور بالکل صاف ہوتی ہے لیکن اگر سرد ہوا لگے
تو انجماد واقع ہوتا ہے اور بخارات دھوئیں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔
آفتاب کی حرارت سے دریاؤں، جھیلوں، ندی نالوں اور سمندروں سے
ہر وقت بیشمار بخارات اڑتے رہتے ہیں اور کرہ ہوا میں پہنچکر معلق ہو جاتے
ہیں۔ جب ہوا کی لہر انھیں بالائی طبقات میں جہاں برودت
سخت ہوتی ہے لیجاتی ہے تو بادل کی شکل میں بن جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے
مینھ یا برف یا اولے بنکر زمین پر آجاتے ہیں بہکر سمندر میں جاتے ہیں
جہاں سے حرارت انھیں پھر اوپر دھکیل دیتی ہے۔ اسی طرح آواگون
کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور پانی گنہگار کی طرح پورانک خیال کے مطابق
اسی چکر میں الجھا رہتا ہے شروع سے چلا آتا ہے اور آخر تک چلا جائے گا۔

پانی کے فوائد

جاندار کائنات کو پانی کے وجود سے بیشمار فائدے حاصل
ہوتے ہیں۔ نباتات کی اسے روح کہنا بیجا نہ ہوگا اسکے بغیر انکی زیست
ناممکن ہے پھل پھول اور فصلیں سبھی پانی کی احسان مند ہیں حشرات الارض
بھی اپنے کو اس کے احسانوں سے بری نہیں سمجھ سکتے۔ ہوا سے دوسرے
درجہ پر پانی ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ ہمیشہ اور ہر وقت
ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ پیدائش سے لیکر وفات تک ہمارے ہمدوش
رہتا ہے جب ہم اس عالم میں داخل ہوتے ہیں تو ہمارا یہ خیر مقدم کرتا ہے
اور ہمارے ہاتھ پاؤں اور بدن کو پاک صاف کر کے اس دنیا کے تماشا گاہ میں
لاتا ہے۔ اور پھر جب ہم یہاں سے اگلے جہان کو کوچ کرتے ہیں تو بھی قبر کے
کنارہ تک ہمارا ساتھ دیتا ہے دوران مسافت میں جو گرد و غبار ہمارے
پاؤں ٹانگوں اور چہروں کو لگ جاتا ہے اور ہم خاکیوں سے منسوب
ہو جاتے ہیں آخری الوداع کے وقت پانی اسے صاف کرتا ہے اور ہم
پاک اور رشدہ ہو کر ملک عدم کی سرحد میں داخل ہوتے ہیں۔ پانی کے
ہم پر بیشمار احسان ہیں جس سے سبکدوش ہونا ہمارے امکان سے باہر ہے
بیماری کی حالت میں ہماری کئی ضروری خدمات بجا لاتا ہے۔ دوا کے ساتھ
مل کر جسم کے اندر داخل ہوتا ہے اور خون میں مخلوط ہو کر مضر مواد کو جسم سے
خارج کرنے میں شامل حال رہتا ہے مساموں کو صاف کر کے پسینہ کے لیے
راستہ صاف کر دیتا ہے جو اسی کا چچیرا بھائی ہے جب حرارت بدن میں
اعتدال سے بڑھکر ہمیں پریشان کرتی ہے تو اسوقت سرد پانی یا برف
اسے گھٹا کر ہمیں تسکین دیتی ہے معدنیات کے ساتھ ملکر ہمارے جسم کے کئی
دکھوں کو دور کرتا ہے جب ہم توانا و تندرست ہوتے ہیں تو پانی ہماری
صحت اور طاقت کو برقرار رکھنے میں بڑا ساعی ہوتا ہے۔ ہمارے بدن کو کئی
قسم کی غلاظتوں سے صاف کرتا ہے ہمیں اجلے کپڑے اسی کی بدولت
پہننے کو نصیب ہوتے ہیں ہماری رقیق غذا ان کے ساتھ مخلوط ہو کر پانی میں جلے

دل ودماغ یا سرتاسر قوائے جسمانی کو تقویت دیتا ہے۔ ہماری عبادت میں بھی پانی شامل ہوتا ہے۔ مسلمان نماز پڑھنے سے پیشتر وضو اور ہندو اشنان کرتے ہیں۔ عیسائی جب بچے یا کسی غیر آدمی کو اپنے مذہب میں شامل کرتے ہیں تو اسے بھی پانی ہی کا بپتسمہ دیتے ہیں۔ پاکیزگی عبادت میں طہارت ضروری ہے اور سب مذہب اسکی تلقین و تاکید کرتے ہیں مگر پانی کے بغیر یہ بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح یہ ہماری عبادت میں شریک ہے۔ اگر پانی دھوبی بنکر ہمارے میلے کچیلے کپڑے صاف و سفید کرتا ہے تو بھنگی کے ذریعے سے بھنگی بنکر ہمارے میلے گلی کوچے صاف کر دیتا ہے اور ہمیں کئی قسم کی تکلیفوں سے بچاتا ہے۔ ایک حد تک پانی ہماری جان ہے۔

پانی کے کرشمے موجود اسکے اندر | اوس یا شبنم کو سبھی جانتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے پیشتر ذرا کسی باغ یا کھیت کی سیر کرو وہاں پانی اپنا نیا کرشمہ دکھاتا ہے۔ اسکے ننھے ننھے قطرے پھولوں اور پودوں پر جو ہار رکھتے ہیں وہ اور کہیں دیکھنے میں نہ آئینگے۔ انکی چمک آپ کے سامنے موتی اور ہیرے پانی ہو جاتے ہیں اور یہی موتی پھولوں اور پودوں کی غذا ہے خاص کر ان پر پرورش پاتے ہیں۔ کھیتیاں انھیں کے سبب لہلہاتی نظر آتی ہیں یا انھیں شب کو غسل دیتی اور ایک دل دایہ کی طرح انھیں ان کی پسند غذا کھلاتی ہے۔ کونپلیں اسی کے اشارے سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔ کلیاں اسکے رونے سے ہنستی ہیں۔ ننھے ننھے پھل اسکے دیکھنے کو ترستے ہیں اور شادمان ہوتے ہیں۔ الغرض شبنم ان کی جان اور انکی غذائے پسندیدہ ہے جب سورج نکلتا ہے تو بیچاری شبنم اپنا بوریا بدھنا سنبھال اپنے عزیزوں سے رخصت ہوتی ہے اور رکھوالے گئے ہیں جو ہوتی ہے اور ان کی پرورش کرتی ہے اس کی محبت بھری کوششوں سے پھل اور پھول پودے اور نباتات سبزی ترکاری کھیتی کیاری وغیرہ کمال پر پہنچتے ہیں اور اپنے اپنے خزانے حضرت انسان کے پاؤں میں لا کر ڈال دیتے ہیں جس سے وہ شادمانی اور فراوانی کی زیست بسر کرتا ہے۔ پانی شبنم اور کہرہ وغیرہ بن کر بھی انسان کی خدمتگزاری سے انحراف نہیں کرتا۔

پانی کی قوت | پانی جب شتر بے مہار کی طرح بپھرتا ہے تو بربادی ڈھاتا ہے۔ فائدہ کے بجائے نقصان اور ظاہری دوستی کے پردہ میں دشمنی کرتا ہے۔ سمندر میں بگڑ کر جہازوں کو ہڑپ کرتا ہے اور خشکی کی حالت میں دریا بن کر دیہات قصبات پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ جانداروں کا حکم پاکر مکانوں کو ڈھاتا ہے اور جانداروں کو بے کفن گور میں لٹاتا ہے۔ فصلوں کو برباد کرتا ہے اور ہزاروں جانداروں کو مصیبت میں پھنساتا ہے۔ لیکن جب اُسے قابو میں کر لیا جاتا ہے تو اس سے طرح طرح کی خدمات لی جاتی ہیں۔ دریاؤں سے نہریں کاٹ کر لاکھوں کروڑوں ایسی جو صدیوں سے غیر مزروعہ اور غیر آباد پڑی ہوئی تھی سیراب کی جاتی ہے اور اس طرح ہزاروں بندگان خدا کی روزی بہم پہنچتی ہے۔ ندی نالوں کے کناروں پر پن چکیاں لگا کر اس سے پسنہاری کی نوکری لی جاتی ہے۔ جھرنوں سے برقی قوت پیدا کی جاتی ہے جس سے ریلیں اور کارخانے چلتے ہیں اور سینکڑوں مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ اسی پانی کی عجیب مخفی قوت برق سے کسی روز مارکونی اور اس کے ہمخیال ماہرانِ برقیات مریخ کے باشندوں سے نامہ و پیام کا تبادلہ کرنے کی خوشگوار اور معرکۃ الآرا امیدیں لگا رہے ہیں۔ اس کام کے لیے نیاگرا کے آبشاروں سے برق پیدا کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ پانی اور آگ سے جو اسٹیم یعنے بھاپ یا دُخان پیدا کیا جاتا ہے اس سے انجن ہزاروں من بوجھ اور بیسیوں آدمیوں کو شام تک سینکڑوں میلوں پر پہنچا دیتا ہے۔ پیدل سفر اور ہاتھ سے کام کرنے سے جو زحمتیں حضرت انسان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں پانی کی بدولت اُن سے رستگاری نصیب ہو گئی ہے اور آرام و آسایش کے سامان بہم پہنچ گئے ہیں۔

جہازرانی میں پانی نے بڑا حصہ لیا ہے اور اب ہوائی جہازرانی کو

بھی پانامر ہوں احسان بنائے سکا جس کے متعلق اس قدر وہم عام سے گوشہ نشین ہو رہی ہیں جب پہلے پہل بیلوں کا تجربہ کیا گیا تو پانی کی ایک کیمیائی جز یعنے ہیڈروجن سے کام لیا گیا تھا اور اب بھی لیا جاتا ہے۔

غرض کہ پانی کی خدمات اور احسانات کا انسان کے ذکر کیا جائے زمانۂ حال کے سائنس نے اسکے استعمالات اور فوائد کو [illegible] ظاہر کر دیا ہے۔

(منقول از ترقی)

مصنوعات دکن

ارباب سیاست مدن کا جدید فرقہ جس نے اس فن کو ایک مستقل علم بنا دیا ہے اور ترقی و تنزل ملک کے اسباب اور اسکے معالجات کو کمال شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دولت کی تعریف اسطرح کرتا ہے کہ۔ دولت روپیہ یا سونے چاندی کا نام نہیں ہے بلکہ اشیاء احتیاج اور سامان عیش و آرام کا نام ہے اس لیے جو ناظرین سیاست مدن کے اصول سے کسی قدر بھی واقف ہونگے وہ ضرور ہمارے اس قول کی تصدیق کریں گے کہ زندہ اور سرسبز و شاداب وہی ملک ہے جہاں کے باشندے اپنے اشیاء احتیاج کو اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے ہیں اور اپنے ملک والوں کی ضروریات کے پورا کرنے کے بعد دوسرے شہروں کو بھیجتے ہیں تاکہ ان کی دولت کو اپنی محنت کے ذریعے سے اپنی طرف جذب کریں۔ جو ملک اپنے حوائج ضروری آپ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ تمام خورد و نوش آرام و آسایش کے اسباب میں دوسروں کا دست نگر رہتا ہے ایسے ملک کو اگر مردہ بدست زندہ کہیں تو بیجا نہیں ہے۔ جیسے کہ آجکل ہمارا ملک دکن ہے یا بالفاظ دیگر جو ملک اپنے حوائج میں دوسرے کا محتاج نہو یا ان کا تبادلہ اپنے مصنوعات سے برابر کر سکتا ہو وہ زندہ و دولتمند ملک ہے جیسے کہ آجکل انگلستان ہے۔ اب میں اس مطلب کو کہ ہمارا ملک دکن ایک مفلس ملک ہے اور انگلستان ایک دولتمند ملک ہے کسی قدر وضاحت سے بیان کرتا ہوں ہم لوگ جس قدر اشیاء احتیاج و سامان عیش و آرام استعمال کرتے ہیں وہ ہمارے ملک کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام اشیاء ضرور لندن یا جرمن یا فرانس یا امریکہ کی بنی ہوئی ہوتی ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمارا ملک ایک ایسا ملک ہے جو اپنے مصنوعات سے نہ اپنے باشندوں کے لیے کافی سامان ارزانی کے ساتھ مہیا کر سکتا ہے نہ غیر ملکی اشیاء کا تبادلہ کرتا ہے برعکس اسکے انگلستان ایسا ملک ہے جو اپنے باشندوں سے گزر کر ہماری حاجات رفع کرتا ہے بلکہ آج تمام ہندوستان اس کا محتاج ہے علاوہ اسکے ہم برابر دیکھتے ہیں کہ ہمارے احتیاج کے اشیاء از قسم پارچہ و آلات آہنی و چوبی سے صابون دیا سلائی سوئی اور تاگے تک بھی ارزانی ولایت سے چلے آتے ہیں اور ہمارے ملک سے سوائے اجناس خام کے کوئی چیز دستکاری کی نہیں جاتی اور جاتی بھی ہے تو اس قدر کم کہ اس کا عدم و وجود برابر ہے ہم یہاں اصول علم پولیٹیکل اکانمی سے بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن جو کچھ اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے اب میں ناظرین کی توجہ اصل مطلب یعنے ”دکن کن کن صنعتوں کے لحاظ سے مشہور ہے اسکے فروغ کا زمانہ کب تھا“ کی طرف منعطف کرتا ہوں۔

دکن کی گذشتہ اور موجودہ مصنوعات پر بحث کرتے وقت ضروری تھا کہ یہاں کی تجارت کا حال بھی لکھا جاتا لیکن بخوف طوالت میں اسکو قلم انداز کرتا ہوں مگر اتنا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دکن میں پیٹھان[1] (واقع اورنگ آباد دکن) اور تگر[2] (دھارور) پہلی صدی عیسوی میں مشہور تجارتی منڈیاں تھیں

۱؎ پٹن ضلع اورنگ آباد معروف بہ مونگی پٹن و سابقاً دار [illegible] کا مرز بوم ساری بانی [illegible] است ۱۲

۲؎ تگر مادیر گیرو [illegible] است ۱۲

دکن سے کاروانوں میں مال لدکر کوہ مندرس سے ہوتا ہوا پیتھان جاتا تھا وہاں سے دوسری بین نگر پہنچتا تھا۔ پھر وہاں سے دو قسمیں ہو جاتی تھیں ایک طرف سے تو اجنٹہ کے گھاٹ سے ہندستان کی جانب مال جاتا تھا دوسری جانب خلیج بنگال سے یورپ اور دوسرے ممالک کو روانہ ہوتا تھا۔

چودھوین صدی عیسوی میں یعنی بادشاہان بہمنیہ کے زمانہ میں انکے مشہور بندرگاہوں دابول اور چول بندر سے مال عرب و عربستان کو جاتا تھا اور شاہی جہاز یورپ سے بھی مال لایا کرتے تھے دکن کی اشیاء برآمد اسوقت حسب ذیل تھیں۔

تیل۔ شکر۔ چانول۔ ادرک۔ روئی۔ کپڑا۔ ریشم۔ تاگہ۔ نیل۔ ہیرا۔ سنگ سلیمانی۔ موتی۔ معدنیات وغیرہ۔

دکن کی قدیم دستکاری یون تو دکن کی پرانی دستکاری کا حال ایلورا کے غاروں اور اجنٹہ کے نقش و نگار سے بخوبی معلوم ہوتا ہے لیکن علاوہ اسکے دکن میں سکیا منی یا بودھ کے زمانہ میں بھی کالنگا کی ململ مشہور تھیں۔ اور رسولیا کی عمدہ ململ کا ذکر کتاب پیری پلس میں جو ۸۰ ء میں تصنیف کی گئی ہے موجود ہے۔

تیرھوین صدی عیسوی میں مسلمان حملہ آوروں نے دکن میں بہت سے کاریگروں کو آگرہ، دہلی، گجرات احمد آباد سے بلا کر آباد کیا اس کے بعد محمد تغلق نے چودھوین صدی عیسوی میں دولت آباد کے قریب بہت سی بستیاں دستکاروں کی بسائیں۔ بادشاہان مغلیہ نے بھی بعد سے اہل حرفہ کو بسا کر نئی نئی صنعتیں ایجاد کیں۔ دکن کے مصنوعات کی اعلی درجہ کی ترقی کا زمانہ چودھوین صدی عیسوی سے سترھوین صدی عیسوی تک یعنی بادشاہان بہمنیہ اور ان کے بعد ریاست گولکنڈہ کے قیام تک سمجھنا چاہیئے بس اسکے بعد ہی زوال کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔

اب ہم ذیل میں اُن مصنوعات کو ترتیب وار بیان کرتے ہین جنکی وجہ سے دکن[1] مشہور تھا۔ ناظرین کو یہ خیال رہے کہ پہلے جو چیزیں دکن میں بنتی تھیں اب بھی بنتی ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ پہلے کثرت سے تیار ہوتی تھیں اور ان کی مانگ بھی اسی نسبت سے تھی۔ اب کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔

ہیرا تراشنا اور صاف کرنا دکن میں سب سے زیادہ قابل ذکر یہ بات ہے کہ کسطرح حیدرآباد سے ایک خاص قسم کی دستکاری نیست و نابود ہو گئی یعنی ہیرا تراشنا اور صاف کرنا۔ سلطنت مغلیہ میں ریاست گولکنڈہ سے الحاق ہونے کے قبل تک اس ریاست کے مشرقی اور جنوبی اضلاع کی کانوں میں بیش بہا پتھر ملا کرتے تھے اور حیدرآباد اور گولکنڈہ میں تراشنے اور صاف کرنے کے لیے لائے جاتے تھے۔ تمام فرنچ سیاحوں نے ان مقامات کے ہیرے تراشنے والوں کا ذکر کیا ہے موسیو تھونو ایک فرنچ سیاح جو ۱۶۶۶ء میں وارد گولکنڈہ ہوا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے "قلعہ میں بادشاہ نے اچھے اچھے کاریگر آباد کیے ہیں ان کے لیے سرکاری مکانات بنوا دیے گئے ہیں اور مکانوں کا کرایہ نہیں لیا جاتا۔ جوہریوں کو بھی اس قلعہ میں علاقے میں رکھ چھوڑا ہے بیش بہا جواہرات کا کام انھیں کے سپرد ہوتا ہے اور رکھ دے رکھا ہے کہ وہ لوگ جو کام انجام کریں اس کا بھید کسی کو نہ بتائیں ایسا نہو کہ اورنگ زیب کو یہ خبر ملجائے کہ شاہ گولکنڈہ کے یہاں کاریگر ایسے ایسے عمدہ جواہرات کا کام کرتے ہیں اور وہ انھیں اس سے طلب کرنے لگے۔ یہ قلعہ کے کاریگر بادشاہ کے تمام جوہروں کے بنانے میں لگے رہتے ہیں اور گو وہ کثیر التعداد ہیں مگر دوسرا کام کرنے کے لیے ان کو مشکل سے فرصت ملتی ہے۔ قیمتی ہیروں کو یہ لوگ تانبے کی کمان سے کاٹتے ہیں جب کاریگر کمان چلاتا ہے تو دوسرا شخص ایک نہایت باریک عمل اس پر ڈالتا جاتا ہے یہ عمل جو سفید مروارید کے مصنوعات کو پانی میں ملا کر بنایا جاتا ہے کاریگروں کے لیے

---

[1] دکن سے میری مراد صرف وہی ہے جو اس وقت ہمارے حضور نظام الملک آصفجاہ کے زیر حکومت غفران آباد ہے۔

بہت کچھ سہولت اور آسانی کا موجب ہو یہ سفید مرو تیغون مین ظاہر
اور اس سلطنت کے ایک خاص مقام پر ہوتا ہے جسے تلنگی زبان مین کروطا
کہتے ہین۔ ایک کرا ون یا دو ردیکلمار کو آدمی سیر آتا ہے جب کہ انکو کام
مین لانا چاہتے ہین تو پیکر سفوف بنا لیتے ہین جب کسی ہیرے کو ریت کی
کنکری یا کسی اور نقص کی وجہ سے تراشنا چاہتے ہین تو اس مقام پر جہان
ان کو ترشنا ہوتا ہے ذرا سا نشان کر دیتے ہین پھر ایک لکڑی لیتے ہین جس
مین ایک سوراخ ہوتا ہے ہیرے کو اس سوراخ پر رکھتے ہین اور لوہے
کی ایک چھوٹی سی چھینی لیکر اس جگہ رکھتے ہین جہان چیز نے کا نشان
بنا ہوا ہوتا ہے اور نہایت آہستہ آہستہ ٹھوکتے ہین اور اس طرح ہیرے
کو تراش لیتے ہین۔

لوہا | ممالک محروسہ سرکار عالی کے مشرقی اور متوسط اضلاع مین پایا
جاتا ہے اور ورنگل سکنہ سمندر (کناسمدرم) دمدروتی، کا آرپلی، ایراپلی
ترنل، گڑاکول، طیورم، راورتہ، جگتیال، ایل چل، رنگپیٹھ، کنتہ ریورم
کولور، انند گیری، لنگم پلی، نظام آباد، کلیانی وغیرہ مین گلایا جاتا تھا۔

فولاد | زمانہ قدیم مین ہندوستان کا فولاد مشہور تھا۔ عمدہ فولاد ممالک محروسہ
مین کناسمدرم نرمل (ضلع نامرتی) کے قریب تیار ہوتا تھا ضلع ایلگندل
ابراہیم پٹن، کوناپور، چنتہ پیٹھ، کولکول وغیرہ مین بھی فولادی چیزین تیار
ہوتی تھین۔ لیکن کناسمدرم کے مقابلہ کا فولاد کہین نہین ہوتا تھا۔ ڈاکٹر
ماکرا ابراہیم پٹن اور دوسرے دیہات علاقہ ایلگندل کے فولادی کارخانون
کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے کہ جو فولاد ان دیہات مین بنایا جاتا ہے وہ
کناسمدرم (کنہ سمندر) کے فولاد سے کم درجہ کا ہوتا ہے اور نصف قیمت
بھی اس کی مشکل ہوتی ہے۔ کناسمدرم جو زمانہ دراز سے فولاد کے لیے مشہور ہے
اب بھی وہان تھوڑا بہت کام چلتا ہے اور وہان سے دوسرے ملکون کو
روانہ کر دیا جاتا ہے۔ فولاد زیادہ تر تلوار اور دوسرے ہتیارون کے بنانے
مین کام آتا ہے پہلے اسکو مغل یا ایرانی کارخانون سے خریدتے تھے۔

ایک ایرانی نے ڈاکٹر والمیس ماہر فن طبقات الارض سے تصور نے
کئی سال پیشتر فولادی چھڑیون کو دیکھا بیان کرتا تھا کہ ایران مین کئی بار
امتحان کیا گیا لیکن کناسمدرم کے مقابلہ کا فولاد بنانے کی کوشش بیکار
گئی۔

بیدری اشیا | مشہور بیدری برتنون کی ایجاد ہندو راجگان بیدر
کی طرف منسوب کی جاتی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بیدر کے ایک
ہندو راجہ نے ایک گلدان بت کے سامنے پھول وغیرہ رکھنے کے لیے
بنوایا تھا پھر اسکے جانشینون نے اس مین ترقی کی لیکن زمانہ حال مین
جو شان و شوکت نظر آتی ہے وہ مسلمانون کی ایجاد ہے مسلمان فاتحین کی
عادت تھی کہ جہان جاتے تھے وہان کے دستکارون ہی کی سرپرستی نکرتے
تھے بلکہ دوسرے ممالک ہند اور مغربی ایشیا سے بھی مال منگوایا کرتے تھے
بیدری کام کی معمولی چیزین حسب ذیل ہوتی ہین۔
حقہ (گڑگڑی و فرشی) پیکدان، پاندان، آفتابہ، عطر جی، آبخورہ،
رکابیان، ڈبیہ وغیرہ مسلمانون کی سلطنت برباد ہونے کی وجہ سے جس طرح
ہندوستان کی دوسری مصنوعات کا زوال ہوا اسی طرح اس کام کا بھی
زوال ہوا۔ اس مین شک نہین کہ مشہور لوگون مثلاً ڈاکٹر ہین ڈاکٹر بن
ڈاکٹر اسمتھ، مسٹر ہیملٹن، کپتان فیو بالڈ وغیرہ نے اس کی طرف بہت توجہ
کی لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا، دوسری وجہ زوال کی یہ ہے کہ ملک مین مانگ
کم ہو گئی ہے کاریگر بہت غریب ہین۔ ان کے پاس سرمایہ اس قدر نہین
ہے کہ قیمتی برتن تیار کر کے دوکان مین رکھین تاہم اس گئی گذری حالت
مین بھی ہر چیز فرمایش پر اب بھی تیار ہو جاتی ہے

تلوارین | کم درجہ کی تلوارون کے پھل حیدرآباد، گدوال، ونپرتی
کولاپور وغیرہ مین تیار ہوتے ہین اب صرف حیدرآباد مین بنائے جاتے ہین
جوہردار تلوارین ایران اور گجرات مین ہوتی ہین مگر ممالک محروسہ سرکار نظام
مین جگدیپور ضلع کھمم مین بھی عمدہ تیار ہوتی ہین۔

تلواروں کے مفصلہ ذیل اقسام ممالک محروسہ مین تیار ہوتے ہین

۱۔ جھوہار۔ اس کی قیمت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور کنا سمدرم کے فولاد سے تیار کی جاتی ہے۔

۲۔ سروہی۔ جگدیو پور مین تیار ہوتی ہے اکثر رہٹو باندھتے ہین۔

۳۔ تیغہ۔ کم درجہ کے فولاد سے تیار ہوتا ہے۔

۴۔ اصیل۔ اس کی کئی قسمین ہین صرف فرق اتنا ہے کہ بعض نسبۃً سیدھی ہوتی ہین اور بعض خمدار۔ عام طور پر باندھی جاتی ہے جگدیو پور مین تیار ہوتی ہے

۵۔ مصری۔ عمدہ فولاد سے تیار کیجاتی ہے معززین باندھتے ہین۔

۶۔ فرنگ۔ کم درجہ کے فولاد سے تیار ہوتی ہے بہت چوڑی اور وزنی ہوتی ہے

۷۔ دھوپ۔ عمدہ فولاد سے تیار ہوتی ہے۔ شہر کے شرفا او معززین باندھتے ہین۔

۸۔ پٹہ۔ بہت پرانی وضع کی تلوار ہے اب نہین بنائی جاتی شاذ و نادر نظر آتی ہے

۹۔ نوازخانی۔ یہ بھی پرانی وضع کی تلوار ہے اب نہین بنائی جاتی۔

مذکورہ بالا ہتھیاروں کے علاوہ مندرجہ ذیل ہتھیار بھی ممالک محروسہ مین تیار ہوسکتے ہین۔

۱۰۔ جمبیہ۔ عمدہ تو عربستان مین بنتا ہے لیکن حیدرآباد مین بھی نرمل کے فولاد سے اچھا تیار کیا جاتا ہے اس کی قیمت ۱۰؎ سے ۵۰؎ تک ہوتی ہے۔ عرب باندھتے ہین اور اس کو سونے اور چاندی سے مرصع کرتے ہین

۱۱۔ سکین۔ ایک قسم کا چاقو ہوتا ہے اسکا پھل خمدار ہوتا ہے گدوال جگدیو پور حیدرآباد اور چند دیہات مین تیار ہوتا ہے

۱۲۔ کٹار۔ اکثر مہدوی پٹھان باندھتے ہین۔ گدوال اور ممالک محروسہ مین کئی جگہ تیار ہوتی تھی۔

۱۳۔ پیش قبض۔ اکثر روہیلے باندھتے ہین۔

۱۴۔ بانک۔ ایک قسم کا خنجر۔

۱۵۔ بچھوا۔

۱۶۔ چھرا۔

۱۷۔ بلم۔

۱۸۔ خنجر۔

۱۹۔ سینانی۔

۲۰۔ صفدرہ۔

۲۱۔ فردلی

۲۲۔ سپر۔

۲۳۔ کرچ۔

۲۴۔ آتش گیر۔ (چقماق) ممالک محروسہ مین ہر جگہ تیار ہوتا ہے عرب رکھتے ہین۔

سلحداری فوج کی تلوارین حیدرآباد کے ورکشاپ مین تیار ہوتی تھین۔ جب سے ورکشاپ بند ہوا اسوقت سے وہ تلوارین بننا بھی موقوف ہوگئین۔

بندوق دراز نالیوں کی بندوقین جیسی کہ عربوں کے پاس ہین گدوال اور چند دیہات مین بنائی جاتی تھین اب صرف حیدرآباد مین بنتی ہین۔

قرابین یعنی چھوٹی بندوق جسکا منہ بڑا ہوتا ہے۔ اکثر روہیلے رکھتے ہین اس کی دو قسمین ہین۔ شیر بچہ اور ضعف شکن۔ گدوال۔ اور نرمل وغیرہ مین ہوتی تھین۔

بارود بارود کا کارخانہ اب صرف حیدرآباد مین بمقام چندولال گنج ہے۔ بارود عمدہ نہین ہوتی۔

کمربند تلوار لٹکانے کے کمربند حیدرآباد۔ گدوال۔ امرچنتہ ورنگل وغیرہ مین نہایت عمدہ بنائے جاتے ہین ان پر زردوزی کا کام کیا جاتا ہے بلکہ بعض امرا موتی جواہر بھی ٹانکتے ہین۔ معمولی قیمت ۵؎ سے ۱۰؎ تک ہوتی ہے۔

شطرنجیاں اور قالین | اسلامانہ قدیم سے ورنگل کی شطرنجیاں مشہور ہیں دکن میں اس ایجاد کی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ ایک سنی مسلمان شیخ تھا جس نے اس کام کو دکن میں شروع کیا۔

قالین تین قسم کے بنائے جاتے ہیں ریشمی، سوتی، اونی۔

شطرنجی قالین مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔

۱۸۵۱ء میں انگلستان کی نمائش میں ریشمی قالین دکن سے بھیجے گئے تھے ان کی قیمت ۱۰ پونڈ فی مربع گز تھی۔ ریشمی قالینوں کی معمولی قیمت ۱۰ روپیہ گز سے ۱۵ تک ہوتی ہے۔ اس وقت ملگبرگہ کے محبس میں بھی شطرنجیاں اور قالین بنے جاتے ہیں

نرمل اور رعالم پور میں شطرنجیاں بھی جاتی ہیں۔

کپڑا | کمخواب کوئی ایسا زمانہ تھا کہ دکن میں اورنگ آباد کا کمخواب مشہور تھا پہلے یہ کثرت سے تیار ہوتا تھا اور نہایت گراں بکتا تھا اور بہت پائدار ہوتا تھا۔

سنہ [illegible]ء میں ایک ایرانی سفیر شاہ گولکنڈہ سے ملنے کے لیے آیا اور اتفاق سے اسکو چھ سال تک دکن میں رہنا پڑا واپسی کے وقت دکن کی مصنوعات بطور تحفہ لے چلا۔ ان میں ایک کمخواب کا تھان بھی تھا اسکی قیمت اسقدر تھی کہ اس قیمت سے پانچ سال تک کارخانہ کا کام چلتا رہا پیٹھان میں بھی کمخواب بنتا تھا اب مالک محروسہ میں صرف اورنگ آباد ہی ایک شہر باقی ہے جہاں چند کاریگر موجود ہیں تھوڑا بہت جو کچھ بناتے ہیں حیدرآباد بھیجدیتے ہیں۔

کمخواب کے تھان کا عرض ایک گز اور طول تین گز ہوتا ہے معمولی قیمت ۱۰ روپیہ سے ۱۵ روپیہ تک ہوتی ہے اور اعلےٰ درجہ کے کمخواب کے تھان کی قیمت ایک ہزار تک ہوتی ہے۔ مگر یہ فرمائش پر تیار ہوتا ہے مشروع، ہمرو، جامہ وار، زر لفت، سلائتہ، ہار، ریشمی کپڑے یہ چیزیں خاص اورنگ آباد میں تیار ہوتی ہیں،

چھینٹ | حیدرآباد اور مچھلی بندر کی چھینٹ ایک زمانہ میں بہت اعلےٰ درجہ کی ہوتی تھی اور اس تمام دنیا میں اسکی تجارت ہوتی تھی۔ یہ چھینٹیں نہایت پائدار اور خوشرنگ ہوتی تھیں اب اس کام کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

زری کام کیے ہوئے پلنگ پوش رومال اور ریشمی ساڑیاں نارائن پیٹھ کی مشہور تھیں اب بھی کچھ کام چلتا ہے۔

مندیل، سیلے، قوردار ململیں نانڈیڑ کی مشہور ہیں۔ بہت عمدہ اور پائدار ہوتی ہیں۔

سوتی ساڑیاں، دھوتیاں، کھادی، لنگیاں، کمربند، دالک، کمل، نمدہ، ٹاٹ مالک محروسہ میں کئی جگہ مثلاً نانڈیڑ، سگڑوال، پنجاگری ورنگل، اندور، گلبرگہ، ملدرگ، سنگاریڈی، عالمپیٹ وغیرہ میں تیار ہوتے ہیں

جاجم، پردے دسترخوان میدک کے مشہور ہیں۔

محبس گلبرگہ میں پردے کے کپڑے شکاری کپڑے، ڈیرے کے کپڑے بھی تیار ہوتے ہیں۔ تلنگانہ کی ململ اور دوسرے سوتی کپڑے زمانہ دراز سے مشہور ہیں۔ مارکوپولو جس نے بارھویں صدی میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے۔ ورنگل کی مصنوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس ریاست میں بکرم نہایت عمدہ بنتا ہے اور جو قیمتی ہوتا ہے وہ بہت صاف اور مہین مثل مکڑی کے جالے کے نظر آتا ہے میرا خیال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی بادشاہ یا شہزادی ایسی نہیں ہے جو اسے پہن کر خوش نہو۔

اس فقرہ پر کرنل یول نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ بکرم ایک خاص قسم کے سوتی کپڑے کو کہتے ہیں مچھلی پٹن اور اسکے نواحی اضلاع دکن میں ململ اور رنگین چھینٹوں کے لیے مشہور تھے۔

رنگ | نیل ہنگنڈہ۔ ایلگندل۔ اور میدک میں تیار کیا جاتا تھا اب بہت سے اضلاع میں قدیم طریقہ نیل بنانے کا موقوف ہوگیا ہے نئے طریقہ سے بناتے ہیں۔ صرف ہنگنڈہ کیمم میں قدیم طریقہ پر نیل بنا ہے اس وقت وہاں (۷۰) کارخانے نیل کے ہیں لیکن یہ سب بہت چھوٹے چھوٹے

صحیح کیے جاتے ہیں، اس لیے عمدہ نہیں بنتا۔ تانکا رنگنے کے لیے چند قسم کے رنگ مثلاً نارنجی گل انار وغیرہ کسم کے پھول چینگ کی لکڑی اور جنگل لکڑیوں سے تیار کیے جاتے تھے جو اس قدر پائدار ہوتے تھے کہ جس قدر رنگے ہوئے کپڑے دھوئے جاتے تھے اُتنے ہی خوشرنگ اور چکدار نکلتے تھے۔ اب انگریزی پاؤڈر کے رنگوں نے ان قدیم رنگوں کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن پرانے وقتوں کی جاجمیں شطرنجیاں اور چھینٹیں وغیرہ جن میں وہ رنگ سو برس پہلے کا اب تک دیکھا جاتا ہے اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

تیل | تل کرڑ۔ السی۔ کاریلا۔ ارنڈی وغیرہ کا تیل کولھوں کے ذریعہ سے حیدرآباد اور ممالک محروسہ کے تقریباً ہر ضلع کے ہر بڑے گاؤں میں تیار ہوتا ہے۔ نئے طریقہ پر یعنی بذریعہ مل کے تیل نکالنے کے کارخانے اکثر جگہ مثل اورنگ آباد و حیدرآباد فرخ نگر وغیرہ میں چند سال سے قائم ہوئے ہیں۔

عطر | عطر حنا عطر خس روح کیوڑہ چنبیلی صندل اورنگ آباد و حیدرآباد میں تیار ہوتا ہے۔ مگر لکھنؤ و قنوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ کیوڑا یہاں کا ہر جگہ سے بہتر ہوتا ہے اور دلی، لکھنؤ، قنوج کو یہاں سے بھیجا جاتا ہے۔

چرمی کام | حیدرآباد اور ممالک محروسہ سرکار عالی میں چار ہر جگہ جوتے۔ ہارنس۔ زین بندوق کے غلاف وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ برانجوار ذرا بیج کے جوتے مشہور ہیں۔ بہت ہی ملایم ہوتے ہیں۔ بیڑ اور ناندیڑ کی چھاگلیں مشہور ہیں۔ حیدرآباد و سکندرآباد و اورنگ آباد وغیرہ میں بوٹ شوز وغیرہ کے کارخانے بھی ہیں مگر کوئی کام قابل تعریف نہیں ہوتا۔

سونے کا کام | حیدرآباد اور ممالک محروسہ کے ہر ایک گاؤں میں سنار موجود ہیں اور ہر قسم کے زیورات مثل پازیب توڑہ۔ کچھ۔ جھمکے کرن پھول۔ چاند بالیاں وغیرہ تیار کرتے ہیں۔

چاندی کا کام | چاندی کا کام بھی ہر جگہ ہوتا ہے لیکن ایلگندل اورنگ آباد حیدرآباد کی تھالیاں۔ عطردان۔ پاندان وغیرہ مشہور ہیں۔ اورنگ آباد کا سونے کا رنگین کام مشہور ہے اور نہایت نفیس ہوتا ہے چاندی کے تار کا کام کریم نگر میں بھی اچھا ہوتا ہے۔

پیتل اور تانبے کا کام | پیتل اور تانبے کے گھڑے۔ تھالیاں۔ لوٹے رکابیاں۔ کٹورے۔ دیگچیاں۔ دیگیں وغیرہ ہر جگہ تیار ہوتی ہیں۔

لوہے کا کام | ممالک محروسہ کے ہر ایک تعلقہ میں لوہار موجود ہیں۔ مگر کوئی عمدہ کام نہیں کرتے موٹے موٹے کام کرتے ہیں۔ اپنی ضرورتوں کو بقدر ضرورت پورا کر لیتے ہیں۔ حیدرآباد میں چند سال سے بیرون یاقوت پورہ ایک آہنی کارخانہ قائم ہوا ہے۔ مگر کام سُستی سے چلتا ہے۔

شراب | ممالک محروسہ میں مہوہ کی شراب ہر جگہ کثرت سے بنتی ہے۔

گڑاکو | گڑاکو بھی ہر جگہ بنایا جاتا ہے۔ تمباکو اور گڑ ملا کر بناتے ہیں۔

بھنگ | بھنگ بھی ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔ گانجہ کو بھیگا کر بانٹتے ہیں پھر اس میں گھی اور شکر ملاتے ہیں۔

گڑ شکر | گنے کی پیداوار ممالک محروسہ میں کثرت سے ہوتی ہے اور بہ نسبت حصہ تلنگانہ کے مرہٹواری کے حصہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہر جگہ گڑ اور شکر تیار کی جاتی ہے۔ بیدر کی شکر شوالی اور راب زیادہ مشہور تھا۔ حیدرآباد میں حسین شاہ ولی کی درگاہ کے قریب شکر بنتی ہے۔ درگاہ کی شکر کے نام سے مشہور ہے۔ دکن کی شکر صاف نہیں ہوتی مگر میٹھی زیادہ ہوتی ہے۔

نمک | ممالک محروسہ میں خصوصاً اورنگ آباد وغیرہ میں نمک بنایا جاتا ہے۔ کئی سال سے سرکار انگریزی نے موقوف کر دیا۔ اب صرف ضلع لنگسور میں نمک کی کان ہے۔ وہ بھی کڑوا ہونے کی وجہ سے کھانے کے قابل نہیں۔ فقط چمڑوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

شورہ | ممالک محروسہ میں کئی جگہ شورہ تیار کیا جاتا ہے۔

کاغذ | چند قسم کے دیسی کاغذ (مثل سیدک) حیدرآباد۔ گلبرگہ وغیرہ میں تیار کیے جاتے ہیں۔ ان سب میں عمدہ کاغذ کاغذپورہ (دولت آباد کے قریب) ہوتا ہے۔

لکڑی کا کام | اندور، اورنگ آباد، ایلکنڈل، گلبرگہ، کہم میں ہر قسم کی لکڑی کا کام ہوتا ہے۔ صندل کے صندوق، قلمدان، عطردان کہم اور اورنگ آباد میں عمدہ بنتے ہیں۔

پلنگ کے پائے بیگن پلی میں نہایت عمدہ رنگ کے خصوصاً لاجوردی رنگ کے تیار کئے جاتے ہیں۔

کانچ کا کام | جالنہ، بکردان وغیرہ میں کانچ کی بوتلیں اور گلاس وغیرہ تیار ہوتے ہیں پہلے کام خوب چلتا تھا۔ اب بھی کاریگر موجود ہیں لیکن کام بہت سستی سے چلتا ہے ترقی کی امید نہیں۔

مٹی کے برتن | ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہر قسم کے مٹی کے برتن مثل تھالی، لوٹا، صراحی، آبخورہ، چلم وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ بھونگیر کے برتن زیادہ مشہور ہیں۔ رنگین چلمیں رائچور میں عمدہ بنتی ہیں۔ بچوں کے کھلونے مثل سانپ بچھو، کتا، بلی، تیتر، بٹیر وغیرہ اور پھل جیسے آم، شریفہ، بادام، پستہ وغیرہ جالنہ، اورنگ آباد، اندور میں عمدہ اور خوش رنگ بنائے جاتے ہیں۔

ناظرین! آپ کو معلوم ہو گیا کہ دکن کن کن صنعتوں کے لحاظ سے مشہور ہے ان صنعتوں کے فروغ کا زمانہ کب تھا اب کونسی صنعتیں دکن میں موجود ہیں اور کاریگر کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جو انکے زوال کا باعث ہوئے۔

مورخوں نے مصنوعات دکن کے زوال کے کئی ایک اسباب لکھے ہیں۔

(۱) اورنگ زیب کی خونخوار لڑائیاں شاہان دکن کے ساتھ۔

(۲) مسلمانوں کی سلطنت برباد ہونے کی وجہ سے جس طرح ہندوستان کی مصنوعات کا زوال ہوا اسی طرح دکن کی مصنوعات کا بھی ہوا۔

(۳) ملک میں مانگ کم ہو گئی، وجہ اسکی یہ ہوئی کہ یورپ سے اشیاء کثرت سے آنے لگیں اور نہایت ارزان فروخت ہونا شروع ہوئیں علم طور پر لوگ ان کو استعمال کرنے لگے۔

اب کیا تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن سے ان کو پھر فروغ ہو۔

یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے بڑے بڑے اہل الرائے اپنا اپنا زور ختم کر چکے ہیں مگر نتیجہ کچھ نہوا۔

باشندگان ہندوستان و انگلستان کی توجہ مصنوعات دکن پر منعطف کرنیکے لئے گورنمنٹ نظام خلد اللہ ملکہ نے بہت کوششیں کیں۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں ورنگل کی مشہور شطرنجیاں وقالین نمائش گاہ انگلستان میں روانہ کئے گئے اسکے بعد نومبر ۱۸۸۸ء میں سرسالار جنگ اول مرحوم نے حیدرآباد بمقام چادر گھاٹ ایک نمائش گاہ قائم کی جہاں ممالک محروسہ سرکار نظام کی ہر ایک چیز جمع کی گئی لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہو سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت سے اب تک سرکار نظام تمام نمائشوں میں خواہ ہند میں ہوں یا یورپ میں برابر حصہ لیتی رہی ہے لیکن سوائے زوال کے ترقی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس کی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ ہمارا تمدن درست نہیں ہے۔

جب تک ہم خود اپنے تمدن کو درست نہ کریں اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔

سرکار ہمارے تمدن کو درست نہیں کرسکتی سرکار کا یہ کام نہیں ہے کہ ہمارے خانگی انتظامات کی طرف متوجہ ہو اور ہم سے آثار بدتمیزی دور کرے سرکار کا یہ احسان کیا کم ہے کہ اس نے ہم کو حالت امن میں رکھا ہے اور ہماری تعلیم و تربیت میں لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے اپنے فیض تربیت سے ہم کو اس قابل بنایا ہے کہ ہم تمدن کے معنی سمجھیں اور اپنی حالت کو درست کریں یا یوں کہو کہ سرکار نے ہمارے ہاتھ میں ایک شفاف آئینہ دیا ہے اور ہمیں چاہیئے کہ اس میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے چہرے کے عیوب سے واقف ہوں اور ان کے ازالہ کی فکر کریں۔

ملک کا دولتمند ہونا اس پر موقوف نہین ہو کہ غیر ملکون سے روپیہ یا چاندی یا سونا اس مین لایا جاے بلکہ اسپر موقوف ہو کہ غیر ملکون سے وہ اشیا معیشت لائی جائین جن کے پیدا کرنے کی انھین ملکون کو خصوصیت حاصل ہو اور اسکے عوض مین وہ چیزین بھجوائی جائین جن کو ہمارے ملک مین پیدا ہونے کی خصوصیت حاصل ہو۔

ہمین اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری ضرورت و آرام کی اشیا ہمارے ملک مین ارزانی کے ساتھ تیار ہونے لگین اب سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ اشیا معیشت کو آسانی سے ارزان کرنے کی کیا تدبیر ہو۔

اس مسئلہ کا جاننا چند باتون کے جاننے پر موقوف ہو

محنت اور راس المال دولت پیدا کرنے کے لیے لازمی ہو۔

جو چیزین کہ محنت کرنے کی قابلیت کو زیادہ کرتی ہین وہ علم و ہنر ہین۔

تقسیم محنت سے پیدائش کی کسقدر آسانی ہوتی ہو۔

تقسیم راس المال یعنی کمپنی کے قائم کرنے سے کیا حاصل ہو۔

مختصر یہ کہ جب تک ہم اپنی بے خبری کو اپنے سے دور نہ کرین اور ان طریقون کو جو ملکی ترقی مین زیادہ موثر ہین اپنا نصب العین نہ بنائین اسوقت تک ممکن نہین کہ ہمارا ملک ترقی کرسکے۔ ہمین اپنے ملک کو دوسرے ملکون سے بے نیاز کرنے کے لیے ضروری ہو کہ ہم ان اصولون کی پیروی کرین۔ جو ہم کو غافل سے باخبر، کاہل سے چست، مفلس سے دولتمند بنا سکتی ہین۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے ملک جاپان سے سبق سیکھین تو روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے حوائج اپنے ملک مین تیار کرسکتے ہین۔

اے ملکی بھائیو ذرا غفلت سے بیدار ہو بے خبری کو اپنے سے دور کرو آنکھین کھولکر دنیا مین دیکھو کہ کیا ہو رہا ہو۔ ملک اور مذہب کیا چیز ہو ملک کی ترقی و تنزل کے کیا اسباب ہین؟ اور اس کا بھلا یا برا اثر ہم پر کیونکر پہنچتا ہو؟ اب ہم کو کونسی تدبیرین اختیار کرنی چاہئین؟ جبتک ہم اپنے ملک کی حالت پر سطح نظر نہ ڈالین گے اور اسکی اصلاح مین اپنی عزت و دولت و جان کو رہن نہ رکھین گے اسوقت تک ممکن نہین کہ ہمارا ملک ترقی کرسکے۔

اب مین اس مضمون کو بخوف طوالت ختم کرتا ہون فقط

حافظ سید ابراہیم (حیدرآبادی)

معاد

معاد کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ معاد جسمانی و روحانی ہوگا انسان حقیقت مین صرف نفس ناطقہ کا نام ہو۔ وہی مکلف ہو وہی عاصی اور مطیع ہو اسی پر ثواب و عذاب ہوتا ہو اور بدن تو بجاے ایک آلے کے کام دیتا ہو جسم خراب ہو جاتا ہو پھر بھی نفس باقی رہتا ہو پس جب خدا قیامت کے دن مخلوقات کو اٹھانا چاہے گا۔ تو ہر ایک روح مع اپنے جسم نسمہ کے اٹھے گی۔

اس مسئلہ کی حقیقت بخوبی ذہن نشین کرنے کے لیے روح اور نسمہ کی حقیقت کا بیان کرنا ضروری ہو پس پہلے ہم اسی طرف متوجہ ہوتے ہین۔

(۱)

اول روح کیا ہو؟ جوہر ہو یا عرض؟ اس امر کی تنقیح کہ روح کا وجود ہو یا نہین۔ اسکے متعلق ہمکو اولاً اجسام موجودہ فی العالم پر نظر کرنا چاہیے پس جب ہم ان پر غور کرتے ہین تو ابتدا نظر مین ان کو دو قسم کا پاتے ہین ایک بطور تصوے کے کہ جہان وہ ہین وہین ہین اپنی جگہ سے حرکت نہین کرسکتے اس قسم کے اجسام صرف چھوٹے چھوٹے متشابہ اجزا سے بنے ہوے ہین اور اس کے ہر ایک جزو مین وہی اوصاف ہین جو اسکے کل مین ہین جیسے پتھر اور لوہا۔ اگر ان مین سے کوئی ٹکڑا توڑ ڈالین تو اس مین بھی وہی اوصاف

ہونگے جو کل مین ہین اور جبکہ وہ بالکل خالص ہو تو اسمین ایک ہی طرح کے پرت ہونگے۔ دوسری قسم کے اجسام ایسے ہین کہ ان کا جسم باختلاف ان کی انواع کے ایک معین حد تک بڑا ہوتا ہی اور اسکے اجزاء غیر متشابہ او رمختلف الالوان ہوتے ہین اور ان مین باریک رگین اندر سے خالی مثل نلی کے ہوتی ہین جن مین ہمیشہ الا مادہ پھرتا رہتا ہی اور اسی طرح الگ الگ پرت بھی ہوتے ہین جنکے بیچ مین خالی جگہ ہوتی ہی اور پھر کہین اکٹھے ہو جاتے ہین۔

پہلی قسم کے اجسام کو اجسام غیر عضویہ اور دوسری قسم کے اجسام کو اجسام عضویہ کہتے ہین۔ اجسام عضویہ مین پرت نہین ہوتے اور ان کا نمو اسی قسم کی دوسری چیزون سے ہوتا ہی اور جب وہ جوان ہو جاتا ہی تو اس مین مختلف طرح کا بیج پیدا ہوتا ہی۔

غیر عضویہ جسم دفعتاً جس وقت اسکا مادہ جمع ہو جاے پیدا ہو جاتا ہی اور عضوی رفتہ رفتہ نمو پاتا ہی اور جب اسکے بیج کو بوؤ تو وہی جسم اُس سے پیدا ہوتا ہی جس کا بیج ہی بونے والا جب بیج زمین مین ڈالتا ہی تو جانتا ہی کہ وہ کب پھوٹے گا اور کب اس مین مادہ چوسنے کی طاقت آئیگی۔ اسکے پتے اور ٹہنیان ہوا مین سے غذا بھی لیتی رہتی ہین جس کے سبب ان کا قد بڑھتا اور رنگ بدلتا جاتا ہی ایک اور فرق ان دونون جسمون مین یہ ہی کہ جسم عضویہ مین غذا ان کے اعضا کے اندر جاتی ہی اور اندر والی غذا سے بیرونی جسم بڑھتا ہی اور جب تک یہ قوت رہتی ہی نمو ہوتا رہتا ہی۔ ایک زمانہ کے بعد اسمین ضعف آجاتا ہی۔ غذا کم ہو جاتی ہی اور نمو نہین ہوتا اور آخرکار مرجاتا ہی عضوی جسم کی حالتین علانیہ بدلتی رہتی ہین۔ وہ پیدا ہوتا ہی پھر بڑھتا ہی پھر اس کا بڑھنا موقوف ہو جاتا ہی پھر بڑھاپے کے سبب گھٹنے لگتا ہی پھر مرجاتا ہی جسم غیر عضوی اجتماع مادہ سے پیدا ہوتا ہی اور اس طرح بڑھتا ہی کہ اسی قسم کے اور اجزاء مادی اسکی اوپر کی سطح پر آکر چڑھتے جاتے ہین اجسام عضویہ کا نمو اندر سے ہوتا ہی اور جسم غیر عضوی کا حجم اگر کوئی امر مانع نہو تو بے انتہا بڑھ سکتا ہی لیکن جسم عضوی کا حجم ایک مقدار معین سے زیادہ نہین بڑھ سکتا۔ جسم عضوی اور غیر عضوی مین یہ فرق بھی ہی کہ پہلے جسم مین مختلف قسم کا مادہ ہوتا ہی اور دوسری قسم کے جسم مین صرف ایک قسم کا اگرچہ اور بھی اختلاف ہین مگر مختصر طور پر ہم خاص اختلافات کو ذیل مین بیان کرتے ہین۔

(۱) اجسام عضوی کا وجود تناسل سے ہوتا ہی اور غیر عضوی کا جذب واتحاد سے۔

(۲) بقا اجسام عضوی کا محدود ہی اور غیر عضوی کا محدود نہین۔

(۳) اجسام عضوی کے اجزا اکثر گول شکل پر ہوتے ہین اور غیر عضوی کے زاویہ کے طور پر۔

(۴) نمو اجسام عضوی کا منحصر ہی غذا کے اندر جانے پر اور وہ نمو اندر سے باہر کی طرف ہوتا ہی اور غیر عضوی کا اسکے برخلاف ہی اسکا حجم باہر سے اجزا مل جانے سے بڑا ہو جاتا ہی۔

(۵) جسم عضوی کی بناوٹ مختلف اجزا سے ہوتی ہی اور جسم غیر عضوی کی اجزاء متحد الوصف سے۔

(۶) جسم عضوی کی ترکیب اجزا متضاعفہ متحرکہ سے ہوتی ہی اور غیر عضوی کی بسیط سے۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہی کہ اجسام غیر عضوی مین تمام معدنیات مثل نمک اور پتھر اور مٹی وغیرہ داخل ہین اور اجسام عضویہ مین نباتات اور حیوانات داخل ہین۔

مگر نباتات اور حیوانات مین جو فرق ہی وہ ظاہر ہی حیوانات کی بناوٹ مین نباتات کی بناوٹ سے تضاعفات بہت زیادہ ہین حیوان متحرک ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہی وہ مدرک ہی ذی اختیار ہی کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کو چاہے نکرے۔ اس مین حواس مخصوصہ ہین کہ انکے سبب آواز کو بو کو ذائقے کو چھونے کو جانتا ہی اور غذا اسکے پیٹ مین

جاتی ہے اور بالتخصیص اسکے پیٹ میں ایک ایسی ہنڈیا ہے جو غذا کو اسطرح پکا دیتی ہے کہ اعضا اسکے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاتی ہے

نباتات کی کیفیت دوسری ہے۔ وہ جہان ہے وہان سے دوسری جگہ منتقل نہین ہو سکتی۔ اس مین حرکت کرنے کی قوت نہین ہے اور نہ اسمین اختیار ہے۔ وہ اپنی جڑون کے ذریعہ سے جو زمین مین ہین اور ٹہنیون اور پتون کے ذریعہ سے جو ہوا مین ہین غذا کو جذب کرتے ہین۔ اس مین کوئی ہنڈیا غذا پکانے کی نہین ہے بلکہ جو غذا اس مین جاتی ہے اسی وقت غذا کے قابل ہوتی ہے۔

نباتات اور حیوانات مین بہت بڑا اختلاف یہ ہے کہ حیوان مین پٹھون کا بھی ایک سلسلہ ہے اور نباتات مین نہین ہے۔ یہ اعصاب حیوانات مین ایک مرکز سے تعلق رکھتے ہین۔ اس سبب سے حیوانات مین قابلیت احساس ہوتی ہے۔ یہ بات نباتات مین نہین پائی جاتی۔ علاوہ اسکے حیوانات مین اور بھی جھلیان اور پردے اور پٹھے اور عضلے اس قسم کے ہوتے ہین جو نباتات مین نہین ہوتے۔ ایک عمدہ فرق دونون مین یہ ہے کہ حیوانات کی غذا اجسام عضوی سے ہوتی ہے اور نباتات کی اجسام غیر عضوی سے جیسے پانی اور ہوا اور نمک۔ نباتات کے بننے کا مادہ در اصل ایک کسیلا مادہ ہوتا ہے اور تحلیل کیمیاوی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرکب ہے کاربن، ہیڈروجن اور آکسیجن سے، اور یہ تینون ایک ہوائی سیال جسم ہے اگر کسی جگہ صرف نائٹروجن بھری ہو اور وہان آدمی جائے تو فوراً مر جاتا ہے مثلاً غار کے کہتے ہین یا کسی پرانے اندھے کنوئین مین دفعتاً اترنے سے آدمی مر جاتے ہین۔ یہ امور جو ہم نے بیان کیے ہین امور محققہ مین سے ہین جو علم الحیوانات اور علم کیمیا سے بخوبی ثابت ہین مگر جو فرق جسم نباتی اور حیوانی مین اوپر بیان ہوا ہے اس پر ہم زیادہ غور کرنا چاہتے ہین۔

ہم کو بالتخصیص اسبات پر غور کرنا چاہیے کہ حیوانات مین جو حرکت ارادہ اور اختیار اور ارادہ اور خیال اور ایک قوت نتیجہ نکالنے کی ہے اسکا کیا سبب ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ نباتات کے جسم کے مادے مین تین عنصر ہین کاربن، آکسیجن، ہیڈروجن اور حیوانات کے جسم کے مادے مین ایک چوتھا عنصر نائٹروجن بھی ہے۔ مگر یہ تمام عنصر ان کے جسم کی بناوٹ کا مادہ ہین۔ اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ ان افعال کے بھی باعث ہین جو حیوانات سے بالتخصیص علاقہ رکھتے ہین۔ اور جن کو ہم زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھنا چاہتے ہین۔ علم کیمیا سے ثابت ہے کہ نائٹروجن مین کچھ کیمیاوی قوت نہین ہے اور نہ وہ معاون زندگی ہے صرف اتنی بات ہے کہ جانورون کے گوشت کے ریشون مین پائی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ حیوانات کے اعضا مین ایک ایسا عضو ہوتا ہے جو غذا کو اسطرح پکا دیتا ہے کہ وہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاتی ہے۔

نباتات مین کوئی ایسا عضو نہین ہے اور اسکی وجہ ظاہر ہے کہ نباتات اپنی جڑ کے ریشون سے اور اسکے پتے اور ٹہنیان ہوا سے وہی مادہ جذب کرتی ہین جو غذا کے نمو کے لائق ہے اور اس لیے ان مین کسی ایسے عضو کے ہونے کی ضرورت نہین۔ برخلاف حیوانات کے کہ وہ ایسی غذا کھاتے ہین جسمین علاوہ مادہ تغذی و نمو کے اور فضول مادہ بھی شامل ہوتا ہے اسلیے ایک ایسا عضو بنایا گیا جو مادہ تغذی و نمو کو فضول مادہ سے جدا کر دے۔ مگر اسکے جدا ہونے کے بعد حیوان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نباتات کی شروع تغذیہ مین تھی۔ اور اس لیے یہ تصور نہین ہو سکتا کہ حیوان مین اس عضو کا ہونا ان افعال کا باعث ہے جو بالتخصیص حیوانات سے علاقہ رکھتے ہین۔

حیوانات کے جسم کی بناوٹ مین ایک بہت بڑا جال اعصاب کا ہے جسکا مرجع ایک مرکز عام یعنی دماغ کی طرف ہے اور تمام افعال اسی کیطرف منسوب کیے جاتے ہین لیکن یہ افعال ان سے بحیثیت ان کے اعضا ہونے کے منسوب نہین ہو سکتے اور نہ بحیثیت ان کے مادہ ہونے کے کیونکہ تمام جسم حیوانات مین وہی عناصر موجود ہین مگر مختلف ترکیب پانے سے مختلف مادہ

اور صورت معینہ پیدا ہوتی ہو پس صرف بحیثیت مادہ جو اخلاط عناصر سے پیدا
ہوتے ہین وہ افعال سے منسوب نہین ہوسکتے۔

اب یہ دیکھنا ہو کہ عناصر کاربن آکسیجن ہیڈروجن نائٹروجن
کی ترکیب سے کیا حالت پیدا ہوسکتی ہو عناصر آپس مین ایک دوسرے
سے ملکر ایک دوسری صورت کا جسم پیدا کرلیتے ہین مثلاً آکسیجن اور
ہیڈروجن مقدار معینہ سے باہم مل جائین تو ایک دوسری صورت کا
جسم رقیق سیال پیدا ہوجاتا ہو جس کو پانی کہتے ہین مگر اسمین کوئی
ایسی صفت جو مادے کی حیثیت سے بڑھ کر ہو پیدا نہین ہوتی۔

عناصر کی پانچ ترکیبین ہین پہلی ترکیب سے ایک جسم غیرمرئی اسی
جسم مین جو ان عناصر سے بنا ہو حرارت پیدا ہوجاتی ہو اور جب تک
کہ وہ ترکیب قائم ہے وہ حرارت بھی قایم رہتی ہو۔ دوسری ترکیب سے
جسم مین ایک خاص قسم کے مادہ کی یا دوسری جسم کے جذب کرنے کی قوت
پیدا ہوتی ہو تیسری ترکیب سے ایک ایسا جسم پیدا ہوتا جاتا ہو جو جوش
مین یعنی متحرک رہے یعنی خود اسی کے اجزا حرکت مین رہین جب تک وہ
ترکیب اس مین باقی رہے جیسے کہ تیزابون کے ساتھ دوسری چیزین
ملانے سے پیدا ہوتی ہو چوتھی ترکیب سے ایک قوت مخفیہ جو اجسام مین
ہو ظاہر ہوجاتی ہو اور دیگر اجسام کو جذب کرکے ایک جگہ لے آتی ہو جیسے
کہ برقی عمل سے ظہور اور اجتماع برق کا ہوتا ہو پانچوین ترکیب سے یا اُن
اجسام کی ترکیب سے جو عناصر سے بنے ہین ایک جسم ہوائی سیال پیدا
ہوتا ہو جو دکھائی بھی دیتا ہو اور کبھی ایسا لطیف ہوتا ہو جو دکھائی بھی
نہین دیتا۔

اکثر اطبا اور حکما کا یہ خیال ہو کہ جسم حیوانی مین جو ترکیب عناصر
سے بنا ہو اور جسمین مختلف قسم کے اعضا ہین اس ترکیب کے سبب ایک
جسم ہوائی پیدا ہوتا ہو جو باعث تہیج ہو جو سب ہر حیوانات مین ارادہ
پیدا ہونے کا اور ترکیب اعضا سے حرکت کے ظہور مین آنے کا اور یہی
جسم سیال ہوائی باعث ہو انسان کی زندگی کا اور اسی کو بعضون نے
مطلق روح اور بعضون نے نسمہ سے تعبیر کیا ہو اور نتیجہ اسکا یہ سمجھا ہو کہ جب
ترکیب جسم حیوانی کی اس جسم سیال کے قائم رہنے کے قابل نہین رہتی
تو وہ حالت موت سے تعبیر کی جاتی ہو اور اسکا صریح نتیجہ یہ ہو کہ جسم
کے معدوم ہونے یا اسکی حالت قابل قایم رکھنے اس جسم سیال کے
معدوم ہونے کے ساتھ وہ جسم سیال بھی معدوم ہوجاتا ہو یعنی وہ روح بھی
فنا ہوجاتی ہو۔ مگر ہم کو اسمین کلام ہو کہ تمام آثار جو ترکیب عناصر سے پیدا
ہوتے ہین۔ وہ سب یکسان ہون۔ مثلاً مقناطیس کہ اسمین بسبب ترکیب
عناصر کے لوہے کے جذب کی قدرت پیدا ہوئی ہو تو اب یہ نہین ہوسکتا
کہ کبھی وہ اسکو جذب کرے اور کبھی جذب نہ کرے یا جب ہم نے ایسے عناصر
کو یا اجسام مرکبہ عناصر کو آپسمین ترکیب دیا جو برق کے پہنچ مین تو یہ نہین
ہوسکتا کہ کبھی برق پہنچ ہو اور کبھی نہو۔ یا اجسام نباتی جبکہ وہ اپنی ٹھیک
حالت مین ہین ان سے یہ نہین ہوسکتا کہ وہ مادہ غذائی کو اپنی جڑون
اور ٹہنون اور پتون سے جب چاہین جذب کرین اور جب چاہین نکرین
غرضکہ جو آثار جس جسم مین بوجہ ترکیب عناصر پیدا ہوتے ہین وہ آثار
اس جسم سے کبھی منفک نہین ہوتے اور اس جسم کے اختیار مین یہ بات نہین
ہوتی کہ جب چاہے اُن آثار کو ظاہر ہونے دے اور جب چاہے ان کو
ظاہر نہونے دے۔

اس کا ثبوت زیادہ تر بواس قسم کے نباتات پر غور کرنے سے بخوبی حاصل
ہوتا ہو جن کو جاندار نباتات خیال کیا جاتا ہو۔ ایک درخت جو چھوئی موئی
یا لجالو کے نام سے مشہور ہو صرف چھونے ہی سے اُسکے پتے سکڑ جاتے
ہین اور ٹہنی گر پڑتی ہو اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پتے بدستور ہوجاتے ہین
اور ٹہنی بھی اصلی حالت پر آجاتی ہو۔ امریکہ مین ایک اور درخت پایا گیا ہو
جس کو ذنبہ کہتے ہین اُسکے پھول کی پنکھڑیون پر جب مکھی یا کوئی بھنگا آکر
بیٹھتا ہو تو پنکھڑیان بند ہوجاتی ہین اور اس جانور کو پکڑ لیتی ہین یہانتک

کہ وہ مرجاتا ہے مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اُس کے خلاف اُس سے ظاہر ہو۔ بعض پانی کی نباتات ایسی معلوم ہوئی ہیں جن پر شبہ حرکت ارادی کا پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک قسم کی نباتات تاگے کے مانند ہے۔ وہ ایک دوسرے سے ملنے کو حرکت کرتی ہے تاکہ ان کے ملنے سے ان کی نسل بڑھے مگر یہ کیفیت صرف قوت جاذبہ سے بھی پیدا ہوتی ہے اسپر حرکت ارادی کا اطلاق نہایت مشتبہ ہے خصوصاً جبکہ وہ پانی پر تیرتی ہیں پانی میں پیدا ہونے والی ایک اور نباتات ہے جب وہ اس نباتات سے جس سے پیدا ہوتی ہے علحدہ ہوتی ہے تو اور نباتات کے پیدا کرنے پر مستعد اور متحرک رہتی ہے اور جب اسمیں سے تو وہ حرکت نمو جاتی رہتی ہے تو اس میں سے اسی قسم کی نباتات پیدا ہوتی ہے۔ مگر نہایت مشتبہ ہے کہ اس حرکت کو حرکت ارادی سمجھا جاوے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اجتماع اور ترکیب عناصر سے تحرک پیدا ہوتا ہے اور جبکہ وہ جسم پانی پر ہو تو اس کی تحریک اسکو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا سکتی ہے مگر اس پر حرکت ارادی کا اطلاق یقینی طور پر نہیں ہو سکتا۔

حیوان کے بعض افعال ایسے ہیں جو صرف ترکیب عناصر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ارادہ اور اختیار کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کام کو چاہے نہ کرے۔ اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ صرف عناصر کا نتیجہ ہوتا ہے تو اس کا کرنا طبعی امر ہوتا اور اس لیے اس کا نہ کرنا امر خلاف طبع ہوتا جس کا محال ہونا بدیہی ہے علاوہ اسکے حیوانات میں بہت سے ایسے انکشافات ہیں جنکا صرف ترکیب عناصر سے ہونا ناممکن ہے، مثلاً حیوانات کی آنکھ کا ترکیب عناصر سے اور ترتیب طبقات سے بننا اور اُس میں اُن چیزوں کی صورت کا جو اسکے سامنے ہوں شعاع کے سبب منقش ہونا یقینی امر ہے۔ مگر اُس کا اُن اشیا کو پہچاننا اور دوست دشمن میں تمیز کرنا صرف ترکیب عناصر سے ناممکن ہے

بلاشبہ صانع نے ان کاموں کے لیے جدا جدا اعضا بنائے ہیں جو عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے بنے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں کہ صرف وہی علت تمام ان امور کی ہو۔ غرضکہ یہ سب امور جن کو ہم ایک مختصر لفظ عقل سے تعبیر کرتے ہیں صرف کیمیاوی عناصر کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہم عناصر میں فرداً فرداً کوئی آثار نہیں پاتے جس سے یہ امر ثابت ہو کہ عناصر میں تعقل اور تخیلہ ہے اور جب ان میں یہ صفت حالت انفراد میں نہیں ہے تو حالت ترکیب میں بھی وہ صفت ان سے پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اختیار اور عدم اختیار دو مخالف صفتیں ہیں اور جو صفت اجزا میں نہیں ہے وہ ان کے مرکبات میں بھی نہیں ہو سکتی۔ جب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بہت سے افعال حیوانات کے ہیں جو عناصر معلومہ کی ترکیب کا نتیجہ نہیں ہیں تو ہم کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حیوان میں کوئی ایسی شے ہے جو تعقل کا باعث ہے اور اس نتیجے پر ہم لازمی طور پر یقین کرتے ہیں۔ اُسی شئے کو ہم روح کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ مگر اس سوال کا جواب فطرت انسانی سے باہر ہے۔ انسان کی فطرت مقتضی ہے کہ وہ اشیا کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے خواہ وہ اشیا محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر ان کی حقیقت جاننا اسکی فطرت سے خارج ہے، مثلاً پانی۔ انسان یہ ثابت کر سکتا ہے کہ پانی موجود ہے مگر اسکی حقیقت نہیں بتا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اسکے اجزا کی (اگر اسمیں ہوں) تشریح کر سکتا ہے مگر پھر ان اجزا کی حقیقت نہیں بیان کر سکتا۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہیڈروجن ہے جب پوچھو کہ آکسیجن اور ہیڈروجن کیا چیز ہے تو اسکی حقیقت نہیں بتا سکتا۔ پس جبکہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں جان سکتا جو اس قدر عام ہیں تو اگر وہ روح کی ماہیت بھی باوجود اسکے کہ اسکے وجود کو ثابت کر چکا ہے نہیں بیان کر سکتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو چیز ہمارے تجربے سے خارج ہے جیسے کہ روح اسکی نسبت بجز اسکے کہ دلیل یا قیاس سے حسب مقتضائے فطرت کوئی بحث چھیڑیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب ہم کو اسکا وجود حیوانات میں ثابت ہوا ہے اور وہ ایسا وجود ہے جس سے تمام افعال جو حیوانی افعال ہیں اور اعلیٰ ترین افعال جو

مخصوص بالحیوانات ہیں اسی کے سبب سے ہین تو ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ منو ر ایک شئی لطیف اور جوہر قایم بالذات ہو۔ اسی لیے ہم روح کو ایک جسم لطیف جوہر قایم بالذات تسلیم کرتے ہین کیونکہ ہم کو یہ بات ثابت نہین ہوئی ہو کہ کوئی اور جسم لطیف بطور جوہر کے موجود ہو اور بدن کے ساتھ قایم ہو بلکہ ہم کو صرف روح کا وجود ثابت ہوا ہو جو بغیر کسی دوسرے وجود کے ہو اور اس لیے لازم ہو کہ اسکو جوہر تسلیم کیا جاے نہ کہ عرض۔

مذہب اسلام نے روح کا موجود ہونا بیان کیا مگر اسکی حقیقت بیان نہین کی۔ خدا تعالیٰ کے اس قول کی نسبت کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ علمائے دو طریقے سے بیان کیا ہو بعض کی راے ہو کہ حقیقت روح سے بحث کرنا جائز نہین رکھا گیا ہو اور بعض کی یہ راے ہو کہ یہ روح قدیم یا حادث یعنی مخلوق ہونے کی نسبت جو مباحثہ تھا اس کا جواب ہو بہر حال اس سے کوئی مطلب سمجھا جاے مگر جو تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہو اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ حقیقت روح کا جاننا بلکہ ہر شی کی حقیقت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہو۔ قرآن مجید تمام ان چیزون کے حقیقت کے بیان سے جن کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہو انکار کرتا ہو۔ اسی طرح حقیقت روح کو بھی بیان نہین کیا۔ عام چیزون کی نسبت کثرت استعمال و مشاہدے کے باعث لوگون کا خیال کمتر رجوع ہوتا ہو حالانکہ وہ ان تمام چیزون کی حقیقت کچھ نہین جانتے۔ اگر وہ لوگ جنھون نے روح کی نسبت سوال کیا تھا پانی اور مٹی کی نسبت سوال کرتے تو خداے تعالیٰ یہی فرماتا کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَاۗءِ وَالطِّيْنِ قُلِ الْمَاۗءُ وَالطِّيْنُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ غرضکہ ماہیت اشیا کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہو جب ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہین تو اسکے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہو،

گر جب ہم کو اسکی ماہیت کا جاننا ناممکن ہو تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہو یا غیر مادی ناممکن ہو۔ دنیا مین بہت سی چیزین موجود ہین جو باوجود اسکے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہین انکے مادی غیر مادی ہونے کی نسبت فیصلہ نہین ہو سکتا مثلاً ہم شیشے کے چھینٹے کے ذریعے سے الکٹریسٹی یعنی بجلی پیدا کرتے ہین اور وہ محسوس ہوتی ہو اور ٹھوس اجسام مین سرایت کر جاتی ہو انسان کے بدن سے گذر جاتی ہو بعض شکلون سے ایک تجلی یا انسان کے بدن مین محسوس ہو جاتی ہو بعض ٹھوس اجسام ایسے ہین جن مین نفوذ نہین کر سکتی مگر اسکی ماہیت کا اور نیز اس بات کا کہ وہ فی نفسہٖ مادی ہو یا غیر مادی تصفیہ نہین ہو سکتا۔ طرفین کی دلیلین شبہ سے خالی نہین۔ یہی حال روح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہو لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادے کی ہو یا ہم اس کو کسی قسم کی مادی تسلیم کر لین تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہین آتی۔ البتہ اسقدر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن اقسام کے مادون سے ہم واقف ہین اس کا مادہ ان اقسام کے مادون سے نہین ہو کیونکہ ان سے منفرداً یا مجموعاً ان افعال کا صادر ہونا ثابت نہین ہوتا ہو جو افعال روح سے صادر ہوتے ہین۔ فاضل اجل شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے جو کچھ روح اور نسمہ کی بابت لکھا ہو اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہو کہ اخلاط کی ترکیب سے جو بھاپ پیدا ہوتی ہو اور جسکو نسمہ کہتے ہین روح اس سے ملحق ہو۔ غرضکہ جسقدر غور کیا جاے حیوان مین علاوہ عناصر مرکبہ کے اور جو نتیجہ اس ترکیب سے ہوتا ہو ایک اور شئے بھی پائی جاتی ہو جس سے ارادہ تعقل اور ایجاد اور ترقی مراتب تعقل مین صادر ہوتا ہو اور ایسی شئی کو ہم روح کہتے ہین۔

(۲)

۱؎ شاہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین یون تحریر فرمایا ہو کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ بدن مین ایک لطیف بھاپ ہو جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہو وہ حس کرتی اور حرکت کرتی ہو وہ سب قوتین ہوتی ہین جو تدبیر غذا کے متعلق ہین اور یہ بھاپ جس کو طب [illegible] سے بڑا تعلق ہو اور اس بھاپ کے غلیظ اور رقیق ہونے صاف اور گدلا ہونے کا بڑا اثر یعنی قوتون اور بدنی افعال پر جو ان قوتون سے پیدا ہوتی ہین پڑتا ہو مگر اس عضو پر اس بھاپ کے پیدا ہونے پر جسکو اس عضو سے تعلق ہو کوئی آفت پہنچتی ہو تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہو اور اس

انسان اور کل حیوانات میں جانوع ہی وہ جنس واحد سے ہی یعنی ایک ہی سی روح ہے۔ انسان میں بسبب ترکیب اخلاط کے ایک قسم کی روح حیوانی پیدا ہوتی ہے جسکو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور روح حقیقی جو امر من فیہ ہے اس سے متعلق ہوتی ہے اسی طرح تمام حیوانات میں بھی ترکیب اخلاط سے روح حیوانی پیدا ہوتی ہے ہم حیوانات میں بھی تعقل اور ارادہ پاتے ہیں پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان میں بھی روح کا ہونا تسلیم نہ کریں اور کوئی دلیل ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جس سے ہم انسان کی روح کو اور جنس سے اور حیوانات کی روح کو اور جنس سے قرار دے سکیں۔ اس لیے ہم انسان میں اور حیوانات میں ایک ہی روح ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

(۳)

کیوں تمام حیوانات سے وہی افعال صادر نہیں ہوتے جو انسان سے صادر ہوتے ہیں؟ اور کس لیے انسان مکلف ہے اور حیوانات غیر مکلف؟

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۶۸) عضو کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں اس بھاپ کی وجہ سے زندگی باقی رہتی اور اسکے تحلیل ہو جانے سے بیماری واقع ہو جاتی ہے مادی المنظرین روح اسی بھاپ کا نام ہے لیکن اگر بنظر تدقیق دیکھا جائے تو یہ اس روح کا ادنیٰ طبقہ ہے۔ اس روح کی مثال جس کا ہم ذکر کرتے ہیں بدن میں اسطرح پر ہے جیسے پھولوں میں بو یا کوئلہ میں آگ۔ پھر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روح حقیقی کا مرکب ہے اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بوڑھا ہوتا ہے اسکے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ پہلے کی نسبت بدرجہا بڑھتی جاتی ہے کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے۔ پھر بڑا ہوتا ہے کبھی اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا۔ کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے علاوہ بر آں اسکے اوصاف میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا اور اگر ان اوصاف کے تبدیل اور عدم تبدیل میں بحث کی جائے اور ہم ان تبدیلات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اُس وقت بھی لڑکا وہی رہے گا۔ جو پہلے تھا یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان صفات کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکے کے بجنسہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اس لیے لڑکے کی ذات اُن اوصاف کے علاوہ ہے اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہو سکتی اور نہ بدن میں وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو اُس کے متشخص ہونے کی باعث ہیں اور بظاہر نظر میں دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے۔ وہ ایک نورانی نقطہ ہے۔ ان تمام تغیرات سے جنمیں سے بعض جوہر ہیں بعض عرض اس کا ڈھنگ نرالا ہے۔ وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسا ہی ہے جیسے بڑے ہونے کی حالت میں۔ جیسے وہ سیہ رنگی کی حالت میں ہے ویسے ہی سپید رنگی کی حالت میں ہے۔ ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے اس کو ابتداءً روح ہوائی سے تعلق اور ثانیاً بدن سے۔ اس لیے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے۔ جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اُس روح سماوی کا اس پر نزول ہوتا ہے۔ جن امورات میں کہ پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کے وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سفید کر دیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ۔ ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہو گیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے موت روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں جب بضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضی ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہ جائے کہ روح کا تعلق اس سے رہ سکے جیسے کہ تم ہوا کو چوس لیتے ہو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اس کے بعد ہوا نکال نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ آخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ صرف اس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے۔ ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اس سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ انتہی۔ ماخوذ از ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ۔

جبکہ ہم نے روح کو سبب تعقل و ارادہ تسلیم کرلیا ہے تو اس سے خود بخود لازم آتا ہے
کہ روح فی نفسہٖ مالک ذی ارادہ واضع افعال ہے۔ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ
جب وہ جسم سے مجرد ہو اور جسم سے مجرد ہو تب بھی اس سے افعال صادر
ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کسی درخت کے بیج کو دیکھتے ہیں کہ اس میں بالقوہ پتیوں
اور پھولوں کا مادہ موجود ہے مگر حالت موجودہ میں اس سے کوئی
چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح روح میں تعقل و ارادہ موجود ہے الّا جبتک
کہ اسکا تعلق جسم سے اور جسم کا تعلق روح سے منقطع ہو اس سے وہ افعال صادر
نہیں ہوسکتے جو افعال کے نتیجہ ہونے کی ضرورت ہے پس اُس جسم کی جس
قسم کی بناوٹ ہوگی اسی قسم کے افعال اس سے صادر ہوں گے۔ اسکی
مثال بعینہ ایسی ہے جیسے بھاپ اور دخانی کل کی۔ دخانی کل کے تمام پرزوں
کو حرکت دینے والی صرف ایک چیز ہے یعنی بھاپ مگر جس قسم کے پرزے بنائے
گئے ہیں اسی قسم کے افعال ان سے صادر ہوتے ہیں۔ اسیطرح گو انسان
اور حیوان میں ایک ہی جنس کی روح ہے مگر ہر ایک سے بمقتضائے اُسکی
صورت نوعیہ کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ انسان کے اعضا کی بناوٹ
میں بھی ایک دوسرے سے کچھ فرق ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض انسانوں سے
ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسرے سے ناممکن ہیں۔ ایک کی آواز
نہایت دلکش ہے دوسرے کی نہایت مہیب۔ نہ وہ اپنی آواز کو مہیب کرسکتا
ہے نہ یہ اپنی آواز کو دلکش بناسکتا ہے۔ ایک کے دماغ کی بناوٹ علوم دقیقہ
کے ایجاد کرنے کے لائق ہے دوسرے کے دماغ کی بناوٹ عام باتوں کے سمجھنے کے
بھی قابل نہیں۔ پس روح افعال مطابق بناوٹ اُس جسم کے صادر ہوتے ہیں
جس سے وہ متعلق ہے اور یہی سبب ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے وہ حیوان
نہیں کرسکتے بلکہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ ایک انسان کرسکتا ہے دوسرا
انسان نہیں کرسکتا اور جو حیوان کرسکتا ہے وہ انسان نہیں کرسکتا۔ یہ
تفاوت ان آلات کا ہے جن کے وسیلہ سے روح کے افعال صادر ہوتے ہیں
ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اس سے نہایت محدود
افعال صادر ہوسکتے ہیں اور وہ بھی اکثر ایسے ہیں جو انکی زندگی کے لئے
ضروری ہیں اور اس تمام نوع کے ایک ہی قسم کے افعال ہوتے ہیں اور تقریباً وہ
سب افعال ایسے ہوتے ہیں کہ بلا تعلیم و اکتساب اُن کو حاصل ہوجاتے ہیں۔
اُنسے کوئی ایسے افعال صادر نہیں ہوسکتے جس سے روح کی ترقی و تنزل کو کچھ
تعلق ہو۔ اُن سے روح کو اکتساب سعادت یا شقاوت حاصل ہو اور اسی سبب
سے وہ مکلف نہیں ہیں۔ برخلاف انسان کے کہ اُس کی بناوٹ ایسی ہے
جس سے افعال غیر محدود صادر ہوسکتے ہیں۔ ان میں ترقی ہوسکتی ہے
ان میں تنزل آجاتا ہے۔ ایک انسان سے کسی قسم کے افعال صادر ہوتے
ہیں وہ علوم عقلیہ اور الٰہیہ کا انکشاف کرسکتا ہے اُسکے ادراکات اور
انکشافات کی کوئی حد نہیں ہے اس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو
روح کے لیے باعث اکتساب سعادت یا شقاوت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے
کہ وہ مکلف ہے۔

(باقی آئندہ)

حکیم سید شاہ ولی الدین چشتی

رباعیات شاکر (میرٹھی)

شیرازہ مرے عمل کا کیوں ابتر ہے — جو خیر تو تجھ سے۔ لاکھ مجھ سے شر ہے
دامن میں ڈبویا سادہ لوحی نے مجھے — دامن بھی وہ آنکھوں نے رکھا جو تر ہے

کس شے کا گزر دیدۂ آئینہ میں — کیا خاک اثر دیدۂ آئینہ میں
تا خوبیٔ حسن کو نظر لگ جاتی — ہوتی جو نظر دیدۂ آئینہ میں

گر غور سے دیکھیے تو عاجز ہے بشر — بازو میں ہو اُس کے زور یا ہاتھ میں زر
شعلے کی اکڑ ہے سرکشی سے احمق — انجام ہے جب یہی کہ ہوگا خاکستر

مشکل ہے کوئی کام تو آسان ہوگا — کب عاقبت اندیش ہراسان ہوگا
جو سخت گرہ ہے حل وہ ہوگی شاکر — دل غم سے جو ہو غنچہ تو خندان ہوگا

۱- عالم خیال
۲- مسدس توحید
۳- جذبات محب

مولوی محب حسین صاحب حیدرآبادی اُن مشاہیر اہل قلم میں سے ہیں جنکی ذات سے اہل ملک کو مختلف عنوان سے معتد بہ فائدہ پہنچ چکا ہے۔ آپ ایک عرصہ تک معلم شفیق کے ایڈیٹر رہے اور اُسکے ذریعے سے ملک میں اپنی عالمانہ قابلیتوں کا سکہ بٹھایا پھر اسی رسالہ کو آپنے "معلم نسواں" کا نام دیکر مستورات کی ضروریات تکمیل پر توجہ کی اور ایک مدت مدید تک ہندوستان کی صنف نازک کی حالت درست کرنے کی سعی میں مصروف رہے۔ غالباً آپ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنھوں نے تعلیم نسواں کی ضرورت جتانے کے ساتھ ہی پردۂ نسواں کی پُرزور مخالفت کی۔ اِس خیال کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر ردّ و قدح فضول ہے لیکن مولوی محب حسین صاحب نے جس استقلال اور جرأت سے اپنے اِس خیال کی اشاعت کی اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ خاص حیدرآباد کیا معنی ہندوستان کے دوسرے اقطاع میں بھی لوگوں کی توجہ اِس مسئلہ کیطرف متوجہ ہو گئی۔

"معلم نسواں" مولوی صاحب کا ذاتی پرچہ تھا اور سالہا سال تک اُنھوں نے اُس کی ایڈیٹری کی ذمہ دارانہ خدمات نہایت قابلیت سے ادا کیں۔ "معلم نسواں" کے بعد "علم و عمل" روزانہ کی ایڈیٹری کا قلمدان بھی آپ ہی کو تفویض ہوا تھا لیکن اس اخبار نے زندگی بہت تھوڑی پائی اور اُسکے قبل از وقت خاتمے نے غالباً مولوی محب حسین صاحب کی علمی مساعی کا جو مستقل سلسلہ تھا اُسکو شکست کر دیا۔ تاہم مولوی صاحب کے کارنامے ایسے نہیں ہیں جو اُنکے نام کو بقائے دوام سے محروم رکھیں۔ علاوہ نظم کے آپ کے منثور مضامین کا مجموعہ اگر مرتب کیا جائے تو کئی ضخیم کتابوں کے برابر ہو۔ "عالم خیال" بظاہر آپ کے محققانہ و مدلل مضامین کا ایک نمونہ کہا جا سکتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دلچسپی کا بہت کچھ سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اِس رسالہ میں خیال کی قوت اعمال کے نتائج دلایل و براہین کے ساتھ اسی طرح بتائے گئے ہیں کہ عالمانہ طرز استدلال کے ساتھ صوفیانہ مذاق کی جھلک بھی موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو آخر آخر اِس رنگ کا پیرو بننا پڑا ہے کیونکہ دور آخر کی آپ کی تصانیف عموماً اسی رنگ میں رنگی ہوئی ملتی ہیں مثلاً وصال حق اور مسدس توحید وغیرہ۔ موخر الذکر نظم مصنف نے اپنے "پیر و مرشد قبلہ سالکین و کعبہ عارفین شاہ محمد صاحب صدیقی دام ظلہم و فیوضہم" کی تعمیل ارشاد میں لکھکر کتابی صورت میں شائع کی ہے۔ مولوی محب حسین صاحب ایک پختہ کار شاعر ہیں۔ اور ادق اور دشوار مسایل علمی کو جامۂ نظم پہنانے میں اُنھیں [illegible] لگا دیا جاتا ہے۔

مسدس توحید اس بات کا شاہد ہے کہ اِس میں مسئلہ توحید کی باریکیاں اور وحدت الوجود کے نازک رموز نہایت دلپسند عام فہم طریق پر بیان کئے گئے ہیں۔ آغاز نظم سے پہلے چند رباعیاں اسی مضمون کے متعلق ہیں اور پھر اصل مسدس شروع ہوتا ہے جس کے مندرجہ ذیل دو ایک بند سے پوری نظم کی حقیقت انداز پر رائے قائم کی جا سکتی ہے ؎

منظر یہ تماشے ہیں اُسی قدرت کے   یہ عکس آئینے میں ہیں اُسی کی صورت کے
گلوں میں رنگ ہیں پرتو اُسی کی نکہت کے   یہ ولولے ہیں بلبلوں میں اُسی کی الفت کے
اُسی کے حسن سے معمور سارا عالم ہے
اُسی کی مے سے رسائی جہاں میں پیہم ہے

ذرا تو غور کر اِس باغ پر کبھی ناداں   کہ کون شاخ میں پتوں میں گل میں ہے پنہاں
یہ کس کا رنگ ہے جس سے ہوئیں تتلیاں بیجاں   یہ کس کا حسن ہے جو ہر درخت سے ہے عیاں
ظہور کس کا ہے ہر آن باغ و صحرا میں
وہ ایک ہی تو ہے مشہود چشم بینا میں

نمو ز بیج کو دیکھ اور پھر سمجھ کہ ہے کیا   ہے جاندار کہ مردہ ہے یہ ذرہ سا

نہیں ہے جان تو کیسے ہوا شجر پیدا — یہ بیج ہی تھا جو خود بڑھ کے اس او تنا

عیاں جو بیج تھا انھیں نہفتہ پنہاں تھا
ہوا درخت جو ظاہر تو بیج ہی جاں تھا

اسی طرح سے یہ عالم خدا کے اندر تھا — وجود نور شہود علم سب مقدر تھا
ہوئی تجلی ثانی تو بسنہ تن اظہر تھا — حباب موج سے پھر تو حباب سمندر تھا

حباب و موج و سمندر جدا جدا ہم گر ہیں
مگر یہ ذات میں اپنی تو سب برابر ہیں

اس کے بعد ایک مولوی صاحب سے مکالمہ شروع ہو جاتا ہے اور اُس کے درمیان اس مسئلہ کے متعلق جو غلط فہمیاں جہالت اور تنگ خیالی سے پیدا ہو گئی ہیں ظاہر کی گئی ہیں اور اُسے اپنی اصلی شان میں دکھایا گیا ہے۔ مسئلہ توحید ایک نازک مسئلہ ہے اور اسکی باریکیوں کو مولوی محب حسین صاحب نے عمدگی سے ذہن نشین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور جس برجستگی اور بند آہنگی سے انھوں نے ان باریکیوں کو نظم میں سمجھایا ہے اُس سے ان کی قدرت شعر گوئی کا پتہ چلتا ہے تاہم مسدس توحید مولوی صاحب کے طرز سخن اور انداز بیان کا ایک سرسری خاکہ ہے اور جو لوگ آپ کے کلام کو اُس کی اصلی شان میں دیکھنا چاہتے ہوں انھیں جذبات محب کا مطالعہ کرنا چاہیے جو مولوی صاحب کے ہر قسم کے کلام کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب و اشاعت کے لیے فضل النساء خانم صاحبہ کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے سعی و محنت سے مولوی صاحب کے کلام کا بیشتر حصہ ادھر اُدھر سے جمع کر کے ملک کے سامنے اسکو ایک مستقل اور مدون صورت میں پیش کیا ہے۔ "جذبات محب" جسے "کلیات محب" کہنا زیادہ موزوں ہوگا تمام اصناف سخن کے بیش قیمت نمونوں سے مالا مال ہے۔ غزلیات، قصاید، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، رباعیات، قطعات، سہرے، تہنیتی و تعزیتی نظمیں، غرض مشکل سے کوئی چیز مصنف کی طبع آزمائی سے بچی ہے اور ہر ایک میں مصنف کا طبعی رنگ صاف طور پر نمایاں ہے آپ کا مذاق سخن خالص ہندوستان کی عام مروجہ شاعری سے جداگانہ ہے اور اس باب میں آپ مولانا حالی مغفور کے مقلد معلوم ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان دونوں حضرات کا کلام اپنی اپنی جگہ جداگانہ امتیاز رکھتا ہے اور مولوی محب حسین صاحب نے نسوانی کے متعلق جو کچھ اور جس قدر اور جس انداز میں لکھا ہے وہ ان کی خاص چیز ہے۔ اسکے علاوہ ان کی غزلیات، قطعات اور دوسری چیزیں قومی، ملکی، تمدنی، معاشرتی، اخلاقی، تاریخی نکات سے مملو ہیں۔ جو رائے زنی انھوں نے کسی بحث خاص پر کی ہے ممکن ہے کہ جمہور اس سے متفق نہوں لیکن ہمیں کسی کو شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے نیک نیتی سے کہا ہے متانت و تہذیب کا پہلو کہیں نظر انداز نہیں ہوا، ایک پُر اثر انداز میں کہا گیا ہے تنگ خیالی، ہٹ دھرمی، ضد کا دخل کا انھیں شائبہ تک نہیں ہے۔ اس کے باوجود حیدر آباد میں مولوی صاحب کو جن جن مخالفتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا حال کچھ وہی جانتے ہونگے اور اسکی ادنے مثال یہ ہے کہ اپنا رسالہ "معلم نسواں" آخر انھیں مجبور ہو کر بند کر دینا پڑا۔

جہاں تک معلوم ہوا ہے مولوی محب حسین صاحب شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ ان کی خداداد قابلیت و فطری جودت کا نتیجہ ہے۔ اس لحاظ سے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ محض اپنی طبع رسا کے زور سے انھوں نے فن سخنگوئی میں استادانہ مہارت بہم پہنچائی اور بلا امداد غیر اس کٹھن منزل کو طے کیا۔

اس جگہ مختصراً کچھ نمونے آپ کے کلام کے درج کیے جاتے ہیں ان سے ناظرین اُسکی عظمت و رفعت کا اندازہ کر سکیں گے ؎

اُسی کے حسن کا جلوہ ہے چار سو کیا کیا — ہر ایک گل میں اُسی کی ہیں رنگ و بو کیا کیا
رموز عاشق و معشوق کوئی کیا جانے — ہزار طرز سے ہوتی ہے گفتگو کیا کیا
کیا ہے جہل و تعصب نے اسقدر تو ذلیل — دکھائے دیکھئے آگے ہماری خو کیا کیا
مری زباں پر آیا جو نام پردۂ ہند — تو آئی کان میں آواز [illegible] کیا کیا

شاہو جب کہ بیگے دم اپنے ہاتھ سے قتل — رگون مین دوڑتا پھرتا ہو خود لہو کیا کیا

تیسرے اور چوتھے شعر مین مصنف کا اصلی رنگ نظر آ رہا ہو اور اسی رنگ
جھلک ان کے کلام مین بیشتر پائی جاتی ہو مثلاً یہ چند اشعار دیکھیے:—

عمر بھر حرص و ہوس ہی کیا خوار و ذلیل — ہم سے نادان یہ نتیجے بھی سنبھالے نہ گئے
چاہیے یہ کہ چھٹے قوم سے ہر رسم فضول — رسم جو چھی کی اٹھی اور یہ چلے لے گئے
ہم نے چاہا تھا کرین پیش خیالات جدید — نیچ پھولون کے گر سنگ پہ ڈالے گئے

یون تو یہ فلسفہ جیتے ہین ہزارون انسان — فائدہ جس سے ہو انسان کو وہ ہستی اچھی
گر نیشن کی ترقی ہو تو ہم باز آئے — اس بلندی سے ہماری یہی پستی اچھی

رفاہ عام کا ہو کام دل کا مدعا نکلے — زبان خلق سے برسون صدائے مرحبا نکلے
یہ تسبیح و مصلے چھوڑ دے وہ کام کر جس سے — دل مخلوق سے صدیون ترے حق مین دعا نکلے
جنون پردۂ نسوان نہین علما و ماغون سے — الٰہی اس مرض کی بھی کوئی اچھی دوا نکلے
حجاب ظاہری سے کیا نگاہین پاک ہوتی ہین — دلون مین شرم پیدا ہو تو مصنوعی حیا نکلے
نہ چھوڑا عمر بھر قید جفا سے بدگمان تو نے — ہوئی تفتیش جب قیدی ترے سب بے خطا نکلے

پردے کا عورتون کے تو جھگڑا ابھی سے ہو — جو ہونے والا ہو وہ ہویدا ابھی سے ہو
بچپن مین جو لڑکیون کے تو ہین کھیلنے کے دن — پردے مین بیٹھنے کا تقاضا ابھی سے ہو
لائے کو لب پہ ہم مین جو پردے کی سختیان — مجلس مین کچھ فساد سا برپا ابھی سے ہو

غرض اسی طرح کہین خیالات کی درستی اور رجال کی تعلیم دی گئی ہو کہین
کسی ملکی، معاشرتی، یا تمدنی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہو کہین کام کرنے کی
ترغیب ہو کہین قومی خدمات کی تشویش، کہین علم کی خوبیان کہین جہالت
کی برائیان بیان کی گئی ہین، اور کہین تہذیب جدید کے روشن و تاریک
پہلو دکھانے کی کوشش ہوئی ہو:— مثلاً

جبریہ تعلیم کا قانون نافذ ہو تو کچھ — ہو ازالہ جہل کے اس غمناک آزار کا
فیصدی چار لوگ سے پڑھے جاہل ہین جہان — کیا اثر اس ملک ناخواندہ پہ ہو دو چار کا

جو دولت چاہتے ہین وہ علوم مغربی سیکھین — تجارت تخت ہے صنعت تاج زرین ہو سلیمان کا

حیف ہے جو مرد جاہل سے ملا — وہ ہوا کاہل جو کاہل سے ملا

جائین گنوا مین مفت کے نقصان تباہ — اے نا سمجھ یہ دیکھ کہ شہرت نے کیا کیا

گھوڑ دوڑ مین کلب مین علانیہ ہو جوا — تہذیب کا مدار رہا اب تو قمار پر

رسالت چاہتا ہو گر تو کر مخلوق کی خدمت — پیمبر جان دیتے تھے اسی ارشاد عبادت پر
خوشی پاس زندگی کی کاہلون کو ہو نہین سکتی — کہ راحت آدمی کی منحصر ہو شغل محنت پر
محب قوم کو تحسین و نفرین کی نہین پروا — نہ فخر و ناز عزت پر نہ کوئی رنج ذلت پر
غلامی جنس دائم پائمالی اور مجبوری — کہون مین کیا کہ کیا کیا ظلم ہو کرنا عورت پر
زنا و فحش سے بیٹیان کیونکر بچین ان — کہ قائم ہے تمدن گھر پہ گھر قائم ہو عفت پر
انھین چارون ستونون پر ہو قائم ملک کی دولت — حکومت پر صناعت پر زراعت پر تجارت پر
مدارس مین فلاحت کی نہین تعلیم حیرت ہو — کہ اہل ہند کی ہو منحصر روزی زراعت پر
گذارے عمر بھر جرم خطا پہ قید خانے مین — کوئی اس سے بھی بڑھ کر ظلم ہوگا اوقات پر

"کلام محب" مین تصوف کا بھی خاص حصہ ہو۔ مندرجہ ذیل اشعار
نمونۂ درج ہین:—

ہو اصلی مہر ہمارے دل حزین مین چھپا — ہم اپنے آپ سے کرتے ہین ضیا حاصل
خودی کو چھوڑ کہ پردہ یہی تو حائل ہے — خودی اٹھی کہ ہوا خود بخود خدا حاصل
جما ہو وہم کہ غیر خدا ابھی ہے موجود — جو یہ خیال فنا ہو تو ہو بقا حاصل

"جذبات محب" کی تصویر عاشقانہ مضامین کی رنگینیون سے مستغنی نہین
ہے لیکن انہین بھی تہذیب و متانت کا رنگ روغن دیکر جلا کی گئی ہو اور فحش سے

بعض قابلِ گرفت الفاظ یا مضامین مل سکیں گے۔

قصائد میں اس تعلّی اور غلو سے کام نہیں لیا گیا جو ایشیائی شاعری کو بدنام کرنے والی ہے بلکہ جہاں ممدوح کی مدح کی گئی ہے وہاں سچی تعریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو۔

دندان تو جملہ در دہانند   چشمان تو زیر ابروانند

کی طرح بے نمک نہیں بلکہ معنوی لطافت اور ادبی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

"دوسری نظمیں بھی قابلِ تعریف و مستحقِ ستائش ہیں "مُسدّسِ نسواں" میں عورتوں کی بہبود و قابلِ اصلاح حالت، ان کی جہالت اور ان کی توہم پرستی کا نہایت سچا فوٹو کھینچا گیا ہے "رود موسیٰ" کی طغیانی سے جو نقصاناتِ عظیم بلدہ حیدرآباد کو پہنچا اس کی کیفیت نہایت درد انگیز ہے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے عدل و انصاف کے تاریخی وقائع غایت درجہ سبق آموز ہیں۔ رباعیات اور قطعات میں زیادہ تر اخلاقی نصائح قلمبند کی گئی ہیں جن کا اقتباس اور انتخاب مدارس کے کورس میں شامل کیا جائے تو یقیناً نفع بخش ہوگا۔

"الغرض مولوی محب حسین صاحب ایک شاعرِ باعمل ہیں اور ان کی شاعری خیالی نہیں، عملی شاعری ہے اور اس زمانہ میں ایسے ہی شاعروں اور اسی قسم کی شاعری کی ضرورت ہے۔

نکتہ چیں نگاہیں کلامِ محب میں بعض الفاظ و محاورات قابلِ گرفت پا سکتی ہیں لیکن اول تو مولوی محب حسین صاحب شعرا کے اس طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے جس پر یہ پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔ دوسرے چار سو سے زائد صفحات کی ضخامت کے اندر اس قسم کی دو چار دس بیس فروگذاشتیں کوئی چیز نہیں۔

مندرجہ عنوان تینوں کتابیں جناب مصنف سے فیل خانہ حیدرآباد دکن کے پتہ پر مل سکتی ہیں۔ انکی قیمتیں علی الترتیب ۲، ۲، ۲ اور ۸ ہیں۔

مُسدّسِ حالی | مولانا حالی مرحوم کا مسدس جزو مد و جزر اسلام ملک میں جو ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کر چکا ہے اس کی تشریح تحصیلِ حاصل سے زیادہ نہیں۔ ادبی لطائف اور معنوی محاسن کے علاوہ اس کے متعدد ایڈیشنوں کی اشاعت بجائے خود اس کا ثبوت ہے کہ اس کی مانگ علمی حلقوں میں بہت ہے یہی سبب ہے کہ آج تک یہ مقبولِ عام نظم مختلف صورتوں میں چھپ کر نکل چکی ہے اور نہ معلوم ابھی اور کون کون سے چولے بدلیگی حال میں اس کا ایک ایڈیشن چھوٹی تقطیع پر اوسط درجہ کے کاغذ و چھپائی کے ساتھ منشی مولا بخش صاحب کشتہ نے نکالا ہے مسدس کے علاوہ اس کا ضمیمہ یعنی عرضِ حال بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے اس مسدس کا جو ایڈیشن مولوی رحمت اللہ صاحب رعد نے اپنے نامی پریس سے کچھ عرصہ پیشتر شائع کیا ہے اس سے زیادہ التزام طبع و دیدہ زیبی کا مزید سامان عام حالت میں مہیا کرنا مشکل ہے تاہم جو متوسط الحال اس ایڈیشن سے فائدہ نہ اٹھا سکتے ہوں اُن کے لیے حضرت کشتہ کی کوشش قابلِ داد ہو سکتی ہے۔ آخر میں جناب حالی مغفور کے مختصر حالاتِ زندگی بھی قلمبند کر کے شریک کر دیے گئے ہیں جو بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہیں شائقین اس کتاب کے لیے منزو ا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے درخواست کریں، قیمت ۸ مقرر کی گئی ہے۔

علمی کہانیاں | حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی نے "علمی کہانیاں اور علمی مکالمات" کے نام سے ایک نہایت مفید و نفع بخش رسالہ شائع کیا ہے جس میں کہانیوں اور بات چیت کے پیرایہ میں اکثر علمی مسائل و اصولِ سائنس کی تشریح کی گئی ہے۔ اس قسم کی کتابیں جتنی ضروری ہیں اسی قدر ہمارے یہاں ان کی کمی ہے اور اس لحاظ سے حکیم صاحب کی یہ سعی مستحقِ شکریہ ہے۔ اس کتاب کے فائدہ مند ہونے کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ اس کے صلہ میں پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی کی طرف سے مصنف کو انعام عطا کیا گیا ہے امید کرنا چاہیے کہ اس حوصلہ افزائی سے آئندہ بہترین

نتایج نکلیں گے اور ملک کو حکیم صاحب کے رشحاتِ قلم سے مستفید ہونے کا مزید موقع ملے گا۔

یہ کتاب ۲۰۰ صفحات پر ختم ہوئی ہے چھپائی لکھائی اوسط درجہ کی ہے کاغذ کے لیے اس زمانہ میں جبکہ اُس کی گرانی ترقی پذیر ہے کسی قسم کی شکایت جایز نہیں ہو سکتی، تاہم کتابت وغیرہ میں کسیقدر زیادہ التزام کی ضرورت تھی۔ مضامین کے لحاظ سے اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ متعدد مسایل سائنس کے علاوہ جدید اختراعات و ایجادات مثلاً فونوگراف، ہوائی جہاز، بے تار کی خبر رسانی وغیرہ پر کافی معلومات کا اجتماع کیا گیا ہے زبان صاف ہے لیکن انگریزی ناموں کی کثرت جابجا موجب ثقالت ہے ان کی جگہ ہندوستانی نام آسانی کے ساتھ انتخاب کیے جا سکتے تھے، اس کتاب کی قیمت ۱۰ ہے اور رسنرا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

معیارِ سخن اس نام سے سید عین الحسن صاحب جرجری امروہوی نے مردہ شاعری کے جسم میں تازہ روح پھونکنے کی غرض سے ایسی غزلیات کا مجموعہ شائع کیا ہے کہ ان کی بحر اور قافیہ خواہ کچھ ہوں لیکن ردیف "ٹکڑے" ہے اور اسی رعایت سے اس کا دوسرا نام "کٹ پیس" رکھا ہے۔

جن شعرا کے کلام کو اس رسالہ میں جگہ دی گئی ہے اُن میں حضرت مضطر خیرآبادی، جناب سایل دہلوی، حضرت بیخود دہلوی وغیرہم خصوصیت سے لایق امتیاز ہیں۔ ان حضرات بالخصوص ثانی الذکر نے پابندی ردیف نہایت دشوار زمینوں میں قابل تعریف طبع آزمائی کی ہے۔ دلچسپی کے لحاظ سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:۔

نجل جلالپوری:۔ ہوے ہیں تیغ الم سے جگر کے دو ٹکڑے
کرونگا سنگ در شہ پہ سر کے دو ٹکڑے

قوی امروہوی:۔ میں سمجھا کہ یہ اشتہارِ خزاں ہیں
نظر آئے گلشن میں جب گل کے ٹکڑے

سایل دہلوی:۔ تعجب ہے کہ اُس کے کان تک پہنچا نہیں کوئی
ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں مری فریاد کے ٹکڑے

بس اب مشقِ ستم تو ہو چکی بیدادگر دے دے
ترے کس کام آئیں گے دل ناشاد کے ٹکڑے

مجھے دیوانہ جو کہتے ہیں وہ ہیں خود ہی دیوانے
چُنا کرتا ہوں تنکے یا دل ناشاد کے ٹکڑے

سہ روزہ دل شکستگی کا نتیجہ یہ ہے گن لیجئے
یہ ہفتہ کے ہیں، یہ اتوار کے یہ پیر کے ٹکڑے

اگر بازار میں دونوں کو رکھدیں تو بتا ظالم
میرے دل کے بکیں گے یا تری شمشیر کے ٹکڑے

یہ جوڑیں ٹھیک برابر کی مساوی ٹکڑے جوڑیں ٹھیک
ادھر دل کے ہوے ٹکڑے اُدھر شمشیر کے ٹکڑے

ہے تو دونوں سے بے پروا ہیں دونوں کی پڑی ہے
ہمارے دل کے ٹکڑے ہیں، تری شمشیر کے ٹکڑے

مضطر خیرآبادی:۔ ذرا تم کہہ تو دو محشر میں کیسے تیر کے ٹکڑے
ابھی میں پیش کرتا ہوں کلیجہ چیر کے ٹکڑے

جو پوچھا کیوں کیئے لاکھوں کلیجے چیر کے ٹکڑے
تو بولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اپنے تیر کے ٹکڑے

ذرا میزان در دیکھو تو فاضل کون آتے ہیں
ہمارے دل کے ٹکڑے یا تمھارے تیر کے ٹکڑے

نہ ان میں تیر کی نوکیں نہ یہ تیر دل کی نوکوں پر
یہ کیسے دل کے ٹکڑے ہیں یہ کیسے تیر کے ٹکڑے

قیامت میں تمھارا کشتۂ انداز یوں اُٹھا
کلیجہ ہاتھ میں اور اسکے اندر تیر کے ٹکڑے

ستم:- غیر کے لقمۂ تر بھول کے چکھوں نہ کبھی
بھاتے ہین خشک مجھے اپنے ہی گھر کے ٹکڑے

اس کے علاوہ اور حضرت کے چیدہ اشعار قابل دید ہین جو بخوف طوالت نظر انداز کئے جاتے ہین۔ ایشیائی شاعری کا ایک پہلو قابل اعتراض ہے کہ اسمین بسا اوقات ناروا مضامین سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ "معیار سخن" مین زیادہ تر تہذیب و مہذب مذاق کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ خال خال ایسے شعر ملین گے جو پایۂ اخلاق سے گرے ہوے ہون۔ مثلاً ؎

ٹک پاس غیر جراحت کیون نہو اس شوخ کا بچپن
سر چھپان ہین ابھی سینہ پہ اک فلفل کے دو ٹکڑے

حضرت حزین کو اخلاقی جرأت سے کام لیکر اپنے چمن کو ان کانٹون سے پاک رکھنا چاہیئے تھا۔ امید ہے کہ آیندہ جو رسالے اس سلسلہ مین شائع ہون ان مین اس کا کافی خیال رکھا جائیگا۔ عاشقانہ مضامین کے ساتھ اگر شعرا سے تاریخی اخلاقی اور نیچرل مضامین پر طبع آزمائی کرائی جائے تو موجودہ ضروریات کے لحاظ سے "معیار سخن" کے سب مجموعے کہین زیادہ مفید و دلپسند ہو سکتے ہین۔ اس رسالہ کی قیمت ۴ ہے۔ منیجر ابلاغ کمپنی لکھنؤ اور حضرت مولف سے دفتر عصر جدید سعید منزل میرٹھ کے پتہ سے مل سکتا ہے

اُردو رسم الخط | اس ڈھائی جزو کے مختصر رسالہ مین مولانا ثاقب قادری بدایونی سابق ایڈیٹر عثمان گزٹ حیدرآباد دکن نے اردو املا نویسی اور رسم الخط کے چند ایسے قاعدے قلمبند کیے ہین جنکی پابندی سے اس کے بعض نقائص کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اسمین کلام نہین کہ اُردو رسم الخط کسی حد تک محتاج اصلاح ہے اور اسکو موجودہ ضروریات کے مطابق بنانے کے لیے ایزاد و ترمیم کی گنجایش اس مین موجود ہے۔ مبارک ہین وہ کوششین جو اس کمی کو پورا کرنا چاہتی ہین اور قابل تحسین ہین وہ سعی و محنت جو اردو ایسی وسیع زبان کی ترقی کے لیے وقف ہون۔ حضرت ثاقب نے ابتدا مین اردو زبان کی مجمل تاریخ بیان کی ہے اور دکھایا ہے کہ باوجودیکہ ولی اُردو زبان کا سب سے پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے اور اردو بظاہر عہد شاہجہانی کی ولیعہد یادگار خیال کی جاتی ہے لیکن اس سے پہلے بھی اکثر اُردو شعرا کا پتہ چلتا ہے جنکے اس زبان مین مستقل دیوان اب بھی دستیاب ہو سکتے ہین

اُردو ہندی کی رقابت پر روشنی ڈالتے ہوے حضرت موصوف نے ایک حد تک حسرت آمیز لہجہ مین بعض صوبجات کے دفاتر سے اردو کے خارج کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے لیکن اب یہ پرانی بات ہو گئی ہے۔ اردو کے قیام و بقا کا انحصار اب صرف اسی بات پر نہین ہے کہ وہ دفترون مین قائم رکھی جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ ان قیود سے آزاد ہے۔ فطرتی طور پر اسمین وسعت و ترقی کے اسباب موجود ہین اور وہی اسکو ہندوستان کی "لنگوا فرینکا" بنانے مین ممد و معاون ثابت ہوے ہین۔ ضرورت اسکی ہے کہ اسکو ایک ترقی یافتہ علمی زبان بنایا جائے اس کے بعد کسی ہمسایہ زبان سے اسکو نقصان پہنچنے کا احتمال نہین ہو سکتا۔

رسم الخط کے متعلق حضرت ثاقب نے جو مشورے پیش کیے ہین انمین سے اکثر کا استعمال کتابت مین اب ہونے لگا ہے اور کئی باتین جو مستعمل نہین ہین ان کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اس رسالہ کی قیمت ۲ ہے اور مولف سے مندرجہ بالا پتہ پر مل سکتا ہے

غنچۂ طرب | پنڈت کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم اکبرآبادی نے اپنے چند قصاید کا یہ مجموعہ جسمین دو حمدیہ ہین اور چند حضور ملک معظم قیصر ہند ادام اللہ اقبالہ کی مدح و ستایش مین ہین شائع کیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس مختصر کتاب کو ٹکسٹ بک کمیٹی بمبئی پریسیڈنسی نے اپنے یہان کی انعامی کتب مین شامل کر کے قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ مستقل قصاید کے علاوہ ایک آدھ قطعہ اور دو ایک مختصر نظمین بھی ہین۔ حضرت ہمدم کئی ناولون کے مصنف ہین اور اسکے ساتھ شعر گوئی کا ذوق بھی رکھتے ہین۔ ان کے

کلام ہے کے متعلق تا وقتیکہ اُس کی مختلف اصناف پر عبور حاصل کر نیکا موقع نہو اسے رنگ کرنا قبل از وقت ہوگا تاہم مندرجہ حمد یہ و دیگر اشعار سے انکی شاعری کا رنگ معمولی دریافت ہو سکتا ہی:-

ہو گئے جب گم تو پایا یہ پتا	عالم فانی مین تجھکو ہی بقا
کھل گئین آنکھین تو یہ آیا نظر	ہر جگہ پر ہے تو ہی جلوہ نما
دُکھ مین مظلومون کا ہی ہمدرد تو	ناتوانون کا تو ہی ہی آسرا
مجھسے تیری حمد کیونکر ہو رستم	بند کو زے مین سمندر کب ہوا

خود بنایا دست قدرت نے تجھے	تو سراسر نور کا پُتلا بنا
جبر و رحمت مین تجھسا دوسرا	آنکھ سے دیکھا نہ کانون سے سُنا
عدل اور انصاف تیرے ہین عیان	ظلم کی ملتی ہی ظالم کو سزا
مانگ لون جاگیر بھی تو ہی یقین	بے تامل تو مجھے کر دے عطا

اسکی قیمت ا ر ہی اور مصنف نے اُسکے ایڈیشن اولین کی تمام آمدنی اور طبع ثانی کی نصف "دار ندوہ" مین دیدی ہی شائقین حضرت ہمدم سے صلون کٹرہ آگرہ کے پتہ پر درخواست کرین۔

بچون کا باغ اُردو مین ابتدائے نصاب جسقدر نامکمل و ناموزون ہی اسکی تصریح کی حاجت نہین۔ وہ تو سر رشتہ تعلیمات کا خدا بھلا کرے کہ آج جو کچھ بھلی بری کتابین میسر آسکتی ہین وہ سب اُسی کی بدولت ہین۔ اگر پرائیوٹ اشخاص اس باب مین ہاتھ بٹاتے تو غالباً یہ کمی کب کی پوری ہوگئی ہوتی شکر ہی کہ بابو رامجی داس صاحب بھارگو نے اسطرف توجہ کی ہی اور مندرجہ عنوان نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہی۔ نو آموز بچون کے لیے یہ کتابین یقیناً مفید ہونگی۔ صورت کے لحاظ سے بھی ان کے دلپسند ہونے مین کلام نہین اس کتاب کے کئی حصے ہین اور ہر ایک حصہ کو مصنف نے رعایت لفظی کے اعتبار سے "کیاری" کے نام زد کیا ہی۔ دو کیاریان اس وقت تک شائع ہو چکی ہین اور ان کے دیکھنے کے بعد توقع کی جاسکتی ہی کہ اگر یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچ گیا تو نصاب تعلیم کی ایک اہم ضرورت رفع ہو جائے گی۔ انڈین پریس سے بھی اسی قسم کی ابتدائی کتابین نکل چکی ہین اور صوبجات متحدہ مین وہ شریک ہیں بھی ہین لیکن بچون کا باغ اُن سے کہین قابل ترجیح ہی بابو رامجی داس صاحب "نو لکشور گزٹ" کے ایڈیٹر ہین اور اصول تعلیم سے واقف معلوم ہوتے ہین پہلی کیاری مین حروف ہجا کی تختیان ہین اور آخر مین چھوٹے چھوٹے فقرے ہین جن کا پڑھنا اور یاد کر لینا لڑکون کو گران نہین گذر سکتا تصاویر بھی بچون کی طبیعت کو اپنی طرف کھینچنے والی ہین۔ دوسری کیاری مین حسب ضرورت طویل فقرے ہین اور کہین کہین نہایت سلیس اشعار اور چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیان ہین جو نصیحت آمیز و سبق آموز بھی ہین۔ حق یہ ہی کہ اگر موجودہ متداول کتابون کی جگہ ابتدائی درجون مین "بچون کا باغ" پڑھائی جائے تو بدرجہا زیادہ مفید ہوگا۔ کیاری نمبر (۱) کی قیمت ۰ ر اور نمبر (۲) کی قیمت ا ر ہی۔ ملنے کا پتہ یہ ہی: سنٹرل بک ڈپو چوک الہ آباد۔

(۱) نقشہ حرم مدینہ منورہ
(۲) دیار حبیب صلعم کی عکسی تصاویر

صوفی محمد الدین صاحب ایڈیٹر ساد صوفی نے مندرجہ عنوان نقشہ اور تصاویر اپنے حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے بعد شائع کی ہین۔ نقشہ مین جو مختلف رنگون مین عمدہ اہتمام کے ساتھ تیار ہوا ہی مسجد نبوی وغیرہ کا سطحی خاکہ بنایا گیا ہی اور آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین اور اُسکے بعد جو اضافہ و ترمیم ہوئی ہی وہ جداگانہ رنگ مین بتائی گئی ہی۔ نقشہ مین جو دوائر ہین وہ اصل عمارت کے ستونون کی جگہ دکھائے گئے ہین۔ صوفی صاحب فرماتے ہین کہ یہ نقشہ ایک ترک انجنیر نے موقع پر پیمائش کر کے تیار کیا تھا۔ اسمین باب الرحمت، باب السلام، وغیرہ اور محراب النبی، محراب عثمان، منبر وغیرہ سب چیزین نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہین۔ اور آنحضرت صلعم، ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین کے مزارات مقدس کی جگہ بھی ظاہر کیگئی ہی۔ صوفی صاحب نے اس رنگین نقشے کو اوپر نیچے رول لگا کر اور زیادہ دلپسند

د قابل استعمال بنا دیا ہے۔ عقیدت شعار مسلمان اپنے مکانوں میں لگا کر ضرور
برکت حاصل کریں۔ ۳ کا ہدیہ عہ فی نقشہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔
عکسی تصاویر میں جداگانہ طور پر مکہ معظمہ اور حج بیت اللہ شریف کے
مختلف مناظر دکھائے گئے ہیں۔ یہ تصاویر صاف اور خوشنما ہیں جن کے
اصلی ہونے کی کفالت صوفی صاحب فرماتے ہیں۔ وہ مسلمان حضرات جو
اپنے گھروں کو تصاویر و نقشہ جات سے زینت دینے کے عادی ہیں صوفی
محمد الدین صاحب سے ان متبرک تصاویر کا مجموعہ طلب فرمائیں گے "ہم خرما و ہم ثواب" کا
مصداق ہوگا۔ ان تصویروں کا سائز ۱۴ × ۱۱ انچ ہے اور ہر ایک تصویر کی
قیمت ۳ ہے لیکن جو صاحب اس سلسلہ کی دسوں تصویریں ایک ساتھ طلب
کریں گے انھیں مجموعی قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک ادا کرنا ہوگی۔ شائقین
صوفی محمد الدین صاحب پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات (پنجاب) سے طلب
کریں۔

"سید القلم"

(نظر لکھنوی کی غزل پر ایک سرسری نظر)

منشی نوبت رائے صاحب نظر کے نام سے کچھ ارباب سخن تو ضرور واقف
ہونگے آپ ہندو شعراء میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ پہلے آپ نے
ایک پرچہ "خدنگ نظر" نامی نکالا تھا۔ پھر اسکے بعد آپ کی رسائی الہ آباد کے
ادیب (مرحوم) میں ہوئی۔ اس کے بنگالی مالک نے آپ کو ادیب کا
ایڈیٹر مقرر کیا مگر بعد چندے آپ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اب آپ اردو اخبار
کے ایڈیٹر ہیں۔ زمانہ میں بھی آپ کی تنقیدیں شائع ہوئی ہیں اور اس میں
شعرائے اردو کے کلام کا حسن و قبح دکھایا جاتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے
کہ آپ زبان اردو کے نقاد اور فن شاعری کے ماہر ہیں۔ کسی شاعر کی تنقید
لکھنا اس بات کی کافی شہادت ہے کہ وہ خود فن شاعری میں دستگاہ رکھتا ہے
اور وہ جو کچھ کہتا ہے مضامین مفہوم شعر اور بندش کے لحاظ سے قریباً بے عیب
ہے۔ ہم نے نظر صاحب کی رنگ تنقید سے یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا ہے کہ وہ مدعیان سخن
میں ہیں۔ اور معمولی شعراء کا کیا ذکر امیر مینائی ایسے سخنور بھی منہ کی کھا گئے ہیں
داغ وغیرہ کو بھی ماننے کے طور پر نہیں مانتے ہیں۔ آپ کو مظہر آغا صاحب مظہر لکھنوی
سے تلمذ ہے۔ مظہر صاحب خوشگویان لکھنؤ سے ضرور تھے مگر ان کی شہرت محدود
اثر محدود تھا۔

مجھے اس مختصر مضمون میں کوئی ناگوار بحث شعر و شاعری کے متعلق مقصود
نہیں ہے مگر اتفاقاً اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ کسی ماہر فن نقاد کے کلام میں
خود ایسی کمزوریاں نہ ہونا چاہییں جو بدیہی طور پر نظر آئیں۔ میں ذیل میں
جناب نظر کی ایک مختصر غزل پر اپنے کچھ خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اہل نظر
انصاف سے دیکھیں کہ میں نے جو شکوک ظاہر کیے ہیں وہ بیجا ہیں یا بجا و
صحیح۔ اس میں شک نہیں کہ اگر تنقید بے تعصبی سے کی جائے تو اس سے فن
شعر گوئی پر اچھا اثر پڑتا ہے اور تنبہ و احتیاط بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جناب نظر
کی یہ غزل زمانہ میں چھپی ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ؎

بے پر و بالی ہوئی ہے باعث شادی مجھے
خانہ صیاد میں حاصل ہے آزادی مجھے

مصرعہ اولیٰ میں بے پر و بالی ہو جانے کو باعث شادی قرار دے لینا ایک
مفروضہ خیال ہے۔ اُسے کو خاص باعث شادی کیونکر مان لیا جائے
اس لیے کہ بے پر و بالی رنج کا باعث ہو سکتی ہے نہ کہ شادی کا سبب۔ مصرعہ
ثانی میں وہ خانہ صیاد میں اپنے کو آزاد کہتے ہیں حالانکہ یہ بالکل محال ہے
خانہ صیاد میں گرفتاری کے بغیر رہنا ممکن نہیں۔ طائر قفس میں رہ سکتا ہے۔
اس لیے یہ آزادی بالکل نئی ہے۔ افسوس آپ کسی نازک خیالی اور مضمون
آفرینی سے اپنے دعوی کو ثابت نہ کر سکے۔ آزادی آپ کو صرف اس قدر
حاصل ہے کہ پنجرہ میں ادھر سے ادھر پھدکتے پھریں اور قفس کی تیلیوں سے
زمین و آسمان وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ اگر اسی کا نام آزادی اور بے پر و بالی کا نام

شادی ہو تو حسنِ تخیل کا خاتمہ ہو۔ اس لیے کہ بے پروائی مین تو ظاہر لفظ معنی
ہو جاتا ہو اور وہ پھر کسی طرح نہین ہو سکتا بہر حال یہ مطلع کیا مفہوم اور کیا
ناز لکھنوی دونون طور پر اگر بالکل بے معنی نہین تو بالکل ادنی درجہ کا
مطلع ہو اور کسی نقادِ سخن کو ایسا مطلع اپنے سے منسوب کرنا چاہیئے۔

پھر فرماتے ہین ؎

سب سے پہلے دردِ الفت کو کیا مین نے قبول
نالہ و فریاد کی حاصل ہو ایجادی مجھے

مصرعہ اولی مین جو دعوی کیا گیا ہو اُس کو صحیح مان لینے کے بعد یہ خیال ظاہر
کیا جا سکتا ہو کہ جب آپ نے دردِ الفت کو قبول کیا تو عاشقانہ صبر و تحمل کی
کی شان یہ ہو کہ ضبطِ نالہ و فریاد کیا جائے اور جب نالہ و فریاد کیا تو گویا
دردِ الفت ناگوارِ خاطر ہوا۔ اور پھر دوسری بات یہ ہو کہ نالہ و فریاد کی ایجاد
حاصل ہونا تک تو غنیمت تھا ایجادی چہ معنی دارد ایجادی مین آزادی
اور جلادی کی سی یاے فاعلی یا مصدری نہین ہو سکتی۔ اس لیے کہ ایجاد
خود مصدر ہو اور اس کے بعد حاصل ہونا ایجاد کی مزید توضیح ہو اب (ی)
کا اضافہ اندر زائد ہو گیا۔ اور یہ فصاحت سے بالکل بعید ہو۔

پھر فرماتے ہین ؎

اپنے دل کا مجمعِ حسرت نظر مین ہو ابھی
کیا پسند آئے کوئی گنجان آبادی مجھے

مصرعہ اولی مین کہا گیا ہو کہ دل کی حسرتون کا مجمع ابھی میری نظر مین ہو اور
دوسرا مصرعہ بطور ثبوت ہو۔ ہر دل خصوصاً عاشق کا دل مجمعِ حسرت ہی سے
بھرا رہتا ہو اور تا دمِ مرگ رہتا ہو حسرتین مجسم نہین ہوا کرتین۔ یہ خاص کیفیتین
ہین جن کا احساس دلی جذبات اور دماغی خیالات کو ہوا کرتا ہو اس کا بدل
گنجان آبادی نہین ہو سکتی۔ اگر دل سے حسرتین ہی نکل جائین تو گنجان
آبادی اور صحرا دونون یکسان ہین۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ شعر بھی بہت پست
ہو اور شاید دوسرے مصرعہ مین آئے کی جگہ (آئیگی) چاہیے۔

پھر فرماتے ہین ؎

بعدِ مُردن میری میت کا تبسم ہو گواہ
اپنے مرنے کی ہوئی ہو کسقدر شادی مجھے

مرنے کے بعد تبسم کا ثبوت کسطرح پر مان لیا جائے۔ مرنے بعد انسان کے لب
کسی قدر بدنمائی سے لٹک جاتے ہین اور اُن سے جو کیفیت نظر آتی ہو وہ
غمین اور یاس آلود ہوتی ہو اس سے کوئی شگفتگی اور تبسم کا اظہار نہین ہوتا۔
دوسرے مصرعہ مین اس زبردستی کے تبسم کو وجہ شادی بیان کیا ہو گو ثبوت
نمارد۔ کاش کسی طور پر یہ کہا جاتا کہ مرنے کے بعد غم سے نجات ملی اس وجہ سے
مین اپنی موت سے خوش ہوا تو کچھ موزون ہو سکتا تھا۔[۵]

پھر فرماتے ہین ؎

مشق دل کو خون کرنیکی جو الفت مین رہی
رفتہ رفتہ آگیا کچھ فنِ جلادی مجھے

عاشقی مین دل کے خون کرنے کی مشق معمولی بات ہو اور یہ بات بھی جذباتِ عشق
سے مخصوص ہو۔ مگر اسکو جلادی سے تعبیر نہین کیا جا سکتا۔ جلاد جن معنون
مین استعمال کیا جاتا ہو وہ محتاجِ بیان نہین۔ کوئی عاشق جلاد نہین
ہو سکتا۔ جلادی ایک ذلیل پیشہ ہو۔ وہ کہ فن اور اس معنوی فرق کو
اربابِ سخن سمجھ سکتے ہین۔

پھر فرماتے ہین ؎

سانس لینے مین صدا دیتا ہو ہر تارِ نفس
سازِ دردِ عشق ہون کہتے ہین فریادی مجھے

سانس اور تارِ نفس ایک ہی چیز ہو۔ اس لیے سانس لینے مین تارِ نفس کا
صدا دینا بالکل لغو ہوا۔ اس لیے سانس کی جگہ "آہ" سے معنی درست ہو سکتے
ہین۔ آواز نالہ و فریاد مین نکلتی ہو اور سانس لینے مین جو کیفیت محسوس ہوتی
ہو وہ آنکھ سے دیکھی جاتی ہو اور یہ وہ بات ہو جو صرف جناب نظر کو نہین
ہر شخص کو حاصل ہو۔ تارِ نفس سازِ درد جب ثابت ہوتا کہ مصرعہ اولی مین

---

[۵] ہماری دانست مین یہ شعر قابلِ داد ہے۔ (اڈیٹر)

اور مثلاً وہ سانس یا آہ بھری جائے حالانکہ آپ نے محض سانس لینا کہا ہے مصرعہ اولیٰ اگر یوں ہوتا تو شاید کچھ مفہوم درست ہو جاتا ع

نغمہ سنج درد پنہانی ہے ہر تارِ نفس

اس مصرعہ سے اب آپ کے مصرعہ ثانی کا سازِ درد عشق درست ہو گیا اور بقیہ اس کے شعر بالکل بے تال سر تھا۔ اور یہ مثل اسکے حسب حال تھی کہ من چہ می سرایم و طنبورِ من چہ می سراید ؎

زندگی کا لطف تھا زندہ دلی تک اے نظرؔ
مر گیا جب دل تو یکساں ہے غم و شادی مجھے

مقطع میں کوئی نئی بات نہیں ہے بالکل پامال مضمون ہے لیکن غائر نظر سے دیکھئے تو مردہ دلی سے غم و شادی یکساں نہیں نظر آتے بلکہ جب تزکیۂ نفس سے جذبات پر قابو اور قدرت حاصل ہو جاتا ہے تو غم و شادی کا فرق اٹھ جاتا ہے اور یہ صفت ان لوگوں کی ہے جو اپنے دل کو روحانی جذبات سے زندہ کر چکے ہیں اور یہ بات اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ اور جو لوگ انتہائے غم میں شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں اگر ان کی شکستہ خاطری کے اسباب دور ہو جائیں تو پھر یہ سامان عیش و راحت کا طالب ہو گا لیکن صوفی اور اہل اللہ واقعی سامان شادی و راحت کا خواہاں نہیں ہوتا۔

مولانا روم نے اس خیال کو موزوں فرمایا ہے ؎

نقش اثر در راحت این کے درہ است
از غم بے آتشی افسردہ است

جناب نظرؔ کی غزل میں صرف آٹھ ہی شعر چھپے ہیں اور ان سب کی یہ حالت ہے شاید یہ غزل غیر اصلاحی ہے ابھی تو ایسے اساتذۂ اردو موجود ہیں جن کو کلام دکھا کر عیوب سے پاک کر لیا جائے۔

راقم نے جو خیالات جناب نظرؔ کی غزل پر ظاہر کئے ہیں ان کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں شاعری کا اہم فرض یہ ہے کہ جس خیال کی تصویر اتاری جائے وہ پوری ہو اور مفہوم شعر سمجھنے میں دل و دماغ کو الجھن نہو اب اسکے بعد نازک خیالی اور مضمون آفرینی کے مدارج طے کرتا ہے اور ہر شاعر اپنے مبلغ علم و معلومات اور وسیع النظری کے موافق شعر کہتا ہے۔ اچھوتے اور پامال مضامین کے فرق کو وہی سمجھتا ہے جس نے اساتذہ کے کلام فارسی و اردو کی اچھی طرح سیر کی ہے۔

"سخن دوست"

والدہ اور اسکی محبت

یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں والدین سے بڑھکر کوئی دوست نہیں ہوتا اور والدین میں بھی بالخصوص والدہ۔ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری پیدائش کے وقت سے لیکر ہمارے سن بلوغ تک اور اسکے بعد تک بھی (اگر والدین زندہ رہیں) وہ ہمارے واسطے اپنے عیش و آرام کو خود پر حرام کر لیتے ہیں۔ ہماری شادی غمی ان کی شادی غمی ہے اور ہمارا رنج و راحت ان کا رنج و راحت ہے۔

مذہبی نقطہ خیال سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ والدہ کی بڑی تعظیم و تکریم کا حکم آیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ ع زیر قدم والدہ جنت کی زمین ہے۔ ہر شخص اپنی زندگی کا مآل کار یہی چاہتا ہے کہ اسکو کسی نہ کسی طرح جنت جیسی جگہ مل جائے جب ایسی بڑی نعمت جس کے لیے ہزاروں اشخاص اپنے آرام اور دنیاوی تعلقات کو چھوڑ کر ریاضت و یادِ حق میں مشغول ہو جاتے ہیں "زیر قدم والدہ" ہے تو والدہ کی جس قدر تعظیم و عزت کی جائے کم ہے اور اسکے ساتھ جس قدر خلوص و محبت برتی جائے تھوڑی ہے۔

سوشل لحاظ سے اسکے جانچنے کے لیے کافی ہے کہ ہم تعلیم نسواں کے مسئلہ پر ایک اجمالی نظر ڈالیں منجملہ ان فوائد کے جو تعلیم نسواں سے مقصود ہیں ایک یہ بھی ہے کہ پڑھی لکھی ماؤں کے بچے خورد سالی ہی سے علم آشنا اور علم دوست ہو جائیں گے؛ کیونکہ ظاہر ہے صحبت کا اثر بڑا گہرا

پلا ہوا اور خصوصیت سے وہ صحبت جو عیب بدی سے ناآشنا ہو دل و دماغ
پر ہر لحظہ ہر گھڑی کچھ نہ کچھ اپنا اثر ڈالتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم انگریزی کے دو مشہور و معروف شاعروں کے
خیالات ظاہر کرتے ہیں جو انھوں نے والدہ سے اظہار محبت کے لیے
استعمال کیئے ہیں اور وہ دلکش طریقہ جس کے ذریعہ سے وہ "محبت والدہ" کو
دلوں میں نقش کرنا چاہتے ہیں۔

اول ٹامس ہور (۱۸۰۵ء تا ۱۸۴۵ء) اپنی ایک نظم مسمی "درخت برگد" (Banyan) ۔۔۔
میں محبت والدہ کی نسبت ایک عجیب تشبیہ کے ساتھ اپنے خیالات اس طرح
ظاہر کرتا ہے:—

ترجمہ:۔ لوگ مجھ سے برگد کے درخت کا ذکر کیا کرتے ہیں جسکی نسبت
کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسکے لیے آسمان صاف اور گرمی کافی ہوا اور اس کی
شاخوں کے بڑھنے اور پھیلنے کے لیے کافی جگہ ہو مگر وہ ہمیشہ بجائے بلندی
پر جانے کے اس زمین ہی کی طرف جھکتا ہے جس نے سب سے پیشتر اُس کی
جڑ کو جگہ دی تھی اور اسکو عرق پہنچایا تھا یہاں تک کہ وہ ایک عظیم الشان
درخت ہو گیا۔ اسی طرح اے میری عزیز والدہ! خواہ مجھکو میرے جھوٹے
دوست کیسے ہی ترغیب کیوں نہ دیں اور خواہ میری کتنی ہی شہرت ہو جائے
لیکن یہ میرا محبت بھرا ہوا دل ہمیشہ تیری ہی طرف جھکا رہیگا۔

دوسرے ڈبلو ہیمنٹ اپنی نظم بعنوان "ہندوستان سے" میں ایک واقعہ کو
نہایت دلکش طرز میں بیان کرتے ہیں جو بطور مکالمہ ہے:—

سین۔ ایک بوڑھی بیوہ عورت اپنے دروازہ پر کھڑی ہوئی ہے
اور ایک سپاہی دروازہ پر آکر استادہ ہو جاتا ہے۔ بیوہ عورت اپنے
اکلوتے بچے کے دیکھنے کے لیے مدت سے بے قرار ہے جو ہندوستانی
فوج میں ملازم ہے۔ سپاہی کو دیکھکر بڑھیا کے دل میں ایک خیال پیدا
ہوتا ہے اور سپاہی سے کہنے لگتی ہے۔

بوڑھیا عورت۔ اے سپاہی! کیا تم ہندوستان سے آرہے ہو اور کیا تم
مجھے کچھ انیسویں رجمنٹ کا حال بتا سکتے ہو کہ کون کون زندہ و سلامت
ہیں۔ خیر مجھے اوروں سے کیا مطلب صرف یہ بتا دو کہ میرا لڑکا تو صحیح و تندرست
ہے۔ میں تم کو دعا دونگی اور ایک بیوہ کی دعا۔

نووارد سپاہی:— ہاں میں ہندوستان سے آرہا ہوں اور میدان
جنگ سے۔ میں انیسویں رجمنٹ اور اسکے بہادر سپاہیوں سے بخوبی واقف
ہوں اور تمھارے بیٹے رابرٹ کا کچھ پیام لایا ہوں۔

بوڑھیا عورت۔ (جوش مسرت میں) اوہ! تم میرے رابرٹ کو جانتے ہو
اچھا اُس کا پیغام لفظ بلفظ بیان کر دو۔ اسی کے الفاظ میں میرے رابرٹ
ہی کے الفاظ میں۔ تم نہیں بیان سکتے کہ میرا بیٹا مجکو کتنا عزیز ہے۔

نووارد سپاہی۔ جنرل ہیولاک کی جنگوں اور کوچوں میں انیسویں
پلٹن شریک تھی اور تمام بہادرانہ مواقع پر تمھارے رابرٹ نے حصہ لیا ہے
دو مرتبہ وہ لکھنؤ گیا اور بغیر کوئی تلوار کا زخم اور بندوق کی گولی کھائے ہوئے
سلامت واپس آیا۔ اے بوڑھیا عورت تجھے اپنے خداوند کا شکریہ ادا کرنا چاہیے
جس نے تیرے بیٹے کی جان بچائی۔

بوڑھیا عورت۔ (خود بخود) اے خداوند تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے
مجھ بیوہ کی دعا سُنی۔ اے خداوند تیرا کیا ہی احسان ہے کہ تو نے میرے
بچے کو تیغ و تفنگ سے سلامت رکھا۔ (سپاہی سے) اور ہاں اُس نے تمھارے
ہاتھ کیا پیام کہلا بھیجا ہے۔

نووارد سپاہی۔ اے ضعیفہ! اُس نے نہایت جانبازی سے اپنے
کرنل کی جان بچائی اور اُس نے اُن خدمات کا اپنے سرکاری مراسلات
میں تذکرہ کیا ہے جس کی وجہ سے تمھارے بیٹے کو خطاب ملا ہے اور اسکی بڑی
تعریف کی گئی ہے۔ اسکی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اب اس کو ایک تمغۂ بہادری
ملا ہے اور پنشن بھی ہو گئی ہے۔ اسکی عزیز ترین کا یہ خیال ہے کہ ہر سپاہی اسکی
سلامتی کی دعا کرتا رہتا ہے۔

بوڑھیا عورت۔ اے سپاہی! خدا تیری زبان میں برکت دے۔ (خود بخود)

اے خانہ بدوش! تمکو خبر ہو کہ آج تمھارا بیٹا ان مصائب کا جو مجھے اس کی پرورش کرنے مین تمھارے انتقال سے ابتک برداشت کرنی پڑی ہین کیسا عمدہ معاوضہ ادا کر رہا ہے۔ (دوسرا سپاہی سے) ہان سپاہی! اب بیان کرو اس کی شکل و شباہت کیسی ہو گئی ہے اور اس نے کیا کیا کہہ دیا ہے۔

نوواردسپاہی۔ اب اس کا رنگ ہندوستان کے گرم آفتاب کی تمازت سے کچھ میلا پڑ گیا ہے اب اسکے ڈاڑھی نکل آئی ہے۔ تم اسکو شکل سے پہچان سکوگی۔ اب تمھارا بیٹا پورا جوان ہو گیا ہے۔ مگر ابھی اس کا دل ہی بچون کا سا ہے کیونکہ اکثر وہ ایک ہی لہجہ مین تمھارا ذکر کیا کرتا ہے۔ مگر اب اس کا جہاز وطن کے قریب ہی ہے اور جلد ہی وہ تمھارے پاس آجائے گا۔

بوڑھیا عورت۔ (خوشی سے بیتاب ہو کر) کیا فی الحقیقت؟ آہاہا! کیا مجھے اپنے عزیز بیٹے کی شکل دیکھنی نصیب ہو گی۔ کب تک جہاز آئیگا تم نے یہی کہا تھا نہ کہ جلد ہی؟

نوواردسپاہی۔ ہان امان! وہ وطن ہی مین ہے لے امان وہ یہ رہا۔

بوڑھیا عورت۔ این! میرے پیارے بیٹے! میرے بیٹے!!

نوواردسپاہی۔ ہان امان! میری عزیز امان!"

محمد ابراہیم خان تجلی

(رویائے مرزا)

زد سحر طائر قدسم ز سر سدرہ صفیر — کہ درین دامگہ حادثہ آرام مگیر

قدسیان بہر تو آراستہ عشرتکدۂ انس — تو درین غمکدہ چون غمزدگان ماندہ اسیر

ماہ ہلالی کی پانچوین تاریخ میرے آبا و اجداد مین ہمیشہ سے متبرک مانی جاتی تھی اور مین بھی اپنے بزرگون کی تقلید مین اس دن کو بہت مقدس سمجھتا ہون۔ حسب معمول اس ماہ مین مین بہت سویرے اٹھا منہ ہاتھ دھو۔ نماز صبح سے فارغ ہو کر بغداد کی پہاڑی پر چڑھا تاکہ دن تن تنہا عبادت الہی مین گزار دون۔ پہاڑ کی سبک چوٹیون اور ٹھنڈی ہوا نے میرے پریشان دل کو تسکین دی اور تھکے ہوے دماغ کو تازگی بخشی۔ ایک میرا خیال فنائے ذات انسانی کی طرف متوجہ ہوا اور بہت دیر تک آپ ہی آپ تردد و تموج کرکے آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یقیناً آدمی ایک سایہ ہے جو کچھ دیر بعد زائل ہو جاتا ہے اور یہ زندگی اک خواب ہے جو صبح تڑکے زائل ہو جاتا ہے اسی اثنا مین ایک قریب کی چٹان پر میری نظر پڑی جس پر ایک شخص چرواہے کے لباس مین بانسری لیے بیٹھا تھا۔ مجھکو دیکھتے ہی اس نے اپنی بے جان نے مین روح پھونکی اور ایسے داؤدی نغمے بجانے کہ ہوا بھی سہم گئی اور درخت کان دھر کے سننے لگے۔ مجھ کو ذرا کی خوشنوائی یاد آگئی جو فردوس برین مین صالح اور پارسا لوگون کی پاک روحون کے استقبال کے وقت بجائی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا کے رنج و کلفت کو یک لخت بھول جائین اور جنت کی خوشگوار زندگی کے لیے مستعد ہو جائین!

مین نے اپنے بچپن مین ایک تعجب خیز قصہ سنا تھا کہ اس چٹان پر ایک جن رہتا ہے جو یہان سے گذرنے والون کو اپنی نغمہ سنجی سے محظوظ کر لیا کرتا ہے۔ مگر ہیئت جسمانی مین ظاہر نہین ہوتا۔ اسکی خوش الحانی نے میرے دل مین گفتگو کا شوق پیدا کیا اور اشارہ پاتے ہی دست بستہ نہایت تعظیم کے ساتھ جا موجود ہوا۔ مین پہلے سے اسکی آواز پر کچھ ایسا فریفتہ ہو گیا تھا کہ جاتے ہی فوراً اسکے قدمون پر گرا۔ اور خوب رویا۔ اس نے میرا سر زمین سے اٹھایا اور کچھ ایسی لطف و مہربانی کے انداز سے مسکرایا کہ میرے دل سے رعب جاتا رہا اور انسیت پیدا ہوئی اور ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "اے مرزا! اب تک جس مسئلہ مین تم حیران و پریشان تھے مین سمجھ گیا آؤ میرے ساتھ چلو۔"

جن۔ (چٹان کی سب سے بلند چوٹی پر لیجا کر) ذرا مشرق کی طرف دیکھنا۔

اور جو کچھ نظر آئے بیان کرنا۔

مین۔ بڑی گہری وادی ہی اور اس مین سے بہت ہی زور و شور سے پانی بہہ رہا ہی۔

جن۔ جو وادی تم دیکھتے ہو وہ رنج و مصائب ہین اور جو پانی بہہ رہا ہی بقا کا ایک جزو ہی۔

مین۔ کیا وجہ ہی کہ دریا ایسے مقام سے نکل رہا ہی جو غبار سے چھپا ہوا ہی اور نظر تمام نہین دیتی۔ پھر بہا ہوا دوسرے جانب غبار ہی مین غائب ہو جاتا ہی۔

جن۔ جو حصہ اس دریا کا تمھین دکھلائی دیتا ہی وہ بقا کا وہ زمانہ ہی جو دنیا مین ازل سے ابد تک جاری ہی۔ اچھا یہ دریا جسکے دونون طرف غبار سا چھایا ہوا ہی اسمین غور کرو اور بیان کرتے جاؤ۔

مین۔ بیچ مین دریا پر ایک پُل نظر آتا ہی۔

جن۔ جو پُل تم دیکھتے ہو وہ انسانی زندگی ہی۔ اور دیکھو۔

مین۔ (بہت غور کرنے کے بعد) اس پُل کے ۷۰ دَرے صحیح سلامت ہین اور چند ٹوٹے ہوے ہین۔ بہر حال کل درون کی تعداد قریب ایک سَو کے ہی۔

جن۔ پہلے اس پُل کے ہزار دَرے تھے مگر دریا کی طغیانی سے کُل دَرے ٹوٹکر بہہ گئے اور اتنے ہی باقی رہے ہین جو اب نظر آتے ہین۔ اور بتاؤ کیا نظر آ رہا ہی۔

مین۔ آدمیون کا بہت بڑا قافلہ اس پُل پر سے گذر رہا ہی۔ مگر اس پُل کے دونون سرون پر سیاہ ابر چھایا ہوا ہی۔

جب مین نے اور اپنی نظر جمائی تو دیکھا کہ اُس پُل پر سے گذرتے ہوے اکثر لوگ دریا مین گر رہے ہین۔ اور چشم زدن مین دریا کی موجون مین غائب ہو رہے ہین۔ پھر معلوم ہوا کہ اُس پل پر چھوٹے چھوٹے چور دروازے ہین جب مسافر غفلت مین اُن دروازون پر گذرتے ہین یکایک دروازے دب جاتے ہین اور مسافر غرق ہو جاتے ہین۔ یہ دروازے پُل کے دونون آخری حصّون پر تو قریب قریب تھے مگر وسط مین بہت دور دور تھے۔ بہت سے لوگ تو پہلے ہی درے مین آتے ہی غرق ہو جاتے تھے۔ بہت کم آدمی تھے جو ٹوٹے ہوے درون پر لڑکھڑاتے چلے جاتے تھے۔ مگر اس مین سے بھی اکثر سفر کی تکان سے دریا مین گر پڑتے تھے۔ اس پیچیدہ مسئلے مین مین بہت دیر تک حیران و پریشان رہا۔ کبھی تو ان لوگون کو دیکھکر بہت ہول رہا جو راستے مین غرق ہوتے تھے اور گرتے گرتے کوشش کرتے تھے کہ جو سہارا ملے پکڑ لین۔ کبھی ان لوگون کی طرف حسرت کی نگاہ سے دیکھا جو چلتے چلتے آسمان کیطرف دیکھنے لگے اور کچھ خیالات مین ایسے غرق ہوے تھے کہ اک ٹھوکر مین نظرون سے غائب۔ بہت سے لوگ پانی کی سطح پر خوشنما حباب چمکتے اور ناچتے دیکھکر چاہتے تھے کہ نزدیک پہنچین یکایک پیر پھسلا اور منہ کے بل دریا مین گر پڑے۔ اس آفت پر طرہ یہ تھا کہ چند سپاہی تلوار کھینچے ہوے پل پر ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے۔ اور جن لوگون کے راستے مین چور دروازے نہین ہوتے اور اُنکے بچ جانے کا خوف ہوتا اُن مین سے اکثرون کو اُن دروازون کی طرف ڈھکیلتے۔

جن نے مجھکو اس نظارہ مین منہمک پا کر کہا "بس بہت دیکھ چکے چلو آگے بڑھو"۔

مین۔ (پُل کے ادھر سے نظر آسمان پر ڈالتے ہوے) یہ مہیب اور خوفناک پرندے پُل پر کیون منڈلا رہے ہین۔ ؟ انمین اکثر شکرے، چند جنگلی کوے، گرگدن اور پردار آدم زاد بچے ہین اور آخر الذکر صرف وسط کے درون پر بیٹھے ہین۔

جن۔ یہ حسد، حرص، باطل پرستی، نا امیدی اور محبت ہین جو انسان کی زندگی کو تنگ کر دیتے ہین اور منزل مقصود سے باز رکھتے ہین۔

مین۔ (یکایک آہ سرد کھینچکر) ہاے ہاے انسان بیکار پیدا کیا گیا افسوس

اسکی زندگی آلام ومصائب کا شکار رہوا در آخرکار نظام موت کا نشانہ ہو-
جن - تسلی دیکر - انسان کی زندگی کے ابتدائی درجہ پر غور نہ کرو اور
اسکے بقا کی پہلی سیڑھی یہ ہی آنا بیچ نکلنا، بلکہ اس دریا کے حصہ کو
دیکھو جو بہت سے ڈوبے ہوے لوگون کو بہا لیجاتا ہو۔

مین نے تعمیل حکم کے لیے اس طرف بھی نظر دوڑائی مگر اب تک میری
سمجھ مین نہین آیا کہ جن کی قوت سے میری نظر تیز ہو گئی تھی - یا کہ کسی اور
طرح سے جن نے اسی ابر کو دور کر دیا جو چھایا ہوا تھا - اس لیے کہ مجھے دریا
کا دوسرا حصہ بالکل صاف اور وسیع نظر آتا تھا - وادی ایک بہت ہی کشادہ
سمندر تک پہنچتا جو کہ ایک عظیم الشان چٹان دو قطعون مین تقسیم کر گئی تھی
ابھی ابر ایک حصہ پر چھایا ہوا تھا - اس لیے وہان تو نظر کام نہین دے سکتی تھی
لیکن دوسرا حصہ بالکل صاف اور وسیع سمندر نظر آتا تھا - اسمین بیشمار
چھوٹے چھوٹے جزیرے ہین جو طرح طرح کے میوون اور پھولون کے باغون
سے بھرے ہوے ہین - اسمین چھوٹی چھوٹی نہرین جنکے صاف و شفاف
پانی کو دیکھکر چاندنی بھی لوٹ جائے آہستہ آہستہ اٹھلاتی ہوئی چلی جا رہی
ہین - ان جزیرون کے باشندے انسان کو نظر آتے ہین مگر فرشتون کا شبہ
ہوتا ہو زرق برق قبائین زیب تن ہین پھولون کے گجرے گلے مین پہنے
ہوے ہین - سر پر یاسمین کا سر پیچ لگا ہو بعض تو درختون کے سایہ
مین ایک قطار مین خراماں ہین بعض زمردین چشمون کے کنارے سبزے
پر لیٹے ہوے ہوا کھا رہے ہین اور بعض پھولون کے تختے پر پیر پھیلائے
ہوے پرندون کے خوش الحان نغمون کا لطف اٹھا رہے ہین وہان اس عیش
و عشرت کا سامان دیکھ کر میرے دل مین جوش و ولولہ پیدا ہوا اور فوراً زبانِ
حال سے گویا ہوا ؎

چنین قفس نہ سزاے من خوش الحان ست　　روم بگلشن رضوان کہ مرغ آن چمنم

لیکن جن نے میری اس خواہش کو تاڑ لیا اور کہا کہ اس شہر کا اس پل کے
سوا کوئی راستہ نہین ہو جس پر موت کے دام بچھے ہوے ہین اور
ہر وقت سینکڑون پھانسے جاتے ہین -

جن - وہ جزیرے جو تمھین سرسبز و شاداب دکھلائی دے رہے ہین
اس قدر بیشمار ہین - کہ ان کے مقابلہ مین دریا کی ریت بھی کچھ نہین - انکے پیچھے
اور بے تعداد جزیرے ہین جو ہماری نظر سے باہر بلکہ ہمارے وہم و خیال سے خارج
ہین یہ ان نیکون کا - بندگانِ خدا کے محل ہین جنھون نے اپنی عمر اس کی رضاجوئی
اور عبادت مین صرف کی اور جن چیزون سے کہ اس نے انھین منع کیا بچتے
رہے اور جن چیزون کا اس نے حکم کیا تعمیل کی - بہر حال یہ لوگ
اپنے مرتبون اور درجون کے برابر الوان نعمت سے لطف اٹھا رہے ہین -
اے مرزا کیا ہم ایسے شہر کو فتح کرنے کے لیے جان نہ لڑائین - کیا دنیا کے
چند روزہ مصائب و آلام اس ابدی راحت و آرام کے مقابلہ مین
کوئی چیز ہین؟ کیا اس موت سے جو ایسی خوشگوار جنت کا دروازہ
ہو ڈرنا مناسب ہو؟ ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ انسان جسکے لیے ایسی
تیاریان کی گئین ہون بیکار اور عبث پیدا کیا گیا ہو -

مین ان جزیرون کو حسرت کی نگاہون سے بہت دیر تک
تکتا رہا اور آخرکار جن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی اب اس دوسرے
حصہ کا طلسم کھولیے جو سیاہ ابر مین چھپا ہوا چٹان کے دوسری جانب
واقع ہو جب جن سے جواب نہ ملا تو پھر مخاطب کرنے کے لیے ہٹا مگر
جگہ خالی پائی - آخر مین پھر مایوس اپنے پہلے نظارے کی طرف متوجہ ہوا
مگر دیکھتا کیا ہون کہ نہ وہ دریا ہو نہ وہ پل نہ وہ عیش و عشرت کے
جزیرے ہین نہ وہ فرشتہ خو انسان - صرف بغداد کی طولانی وادی
ہو جس مین بیل - اونٹ اور بکریون کے ریوڑ چر رہے ہین - فقط -

محمد غوث فضا

پشت پناہ

رباعیات حمید

خوش حسنِ رخ کسے کہ ہر جا دیدم | پیدا بہ نہان اِ نہان بہ پیدا دیدم
ہر ذرہ کہ ہست پیش چشم رخشان | خورشید جہانِ جان و دلہا دیدم

عشق ست و صد غم نہانی در پے | عشق ست و ہزار شادمانی در پے
جان را بہ لقاے حسن جانان دادن | گیست نہفتہ زندگانی در پے

عشقِ تو مرا العیش دل شادم کرد | خوش دولتِ حسنِ تو کہ آبادم کرد
دامن چہ کشیدۂ کہ ویران گشتم | باز آکہ کشاکشِ تو بربادم کرد

زاہد کہ با گمانِ مستی دارد | سودائے خیالِ خود پرستی دارد
با ہوش و فتنہ بکار آوردیم | اولیک سرے بہ تنگدستی دارد

برخیز دلا رو طرب را در گیر | وقت ست نشاطِ روز و شب را در گیر
اندوہ جفاے دہر بگذار و بیا | آن شاہد ست و غنچہ لب را در گیر

قطعہ

مین نے پوچھا آپ کا آئین ہی اسلام کیا | ہنسکے فرمانے لگے کچھ ہوگا اس سے کام کیا
عرض کی مین نے کیا پابندیٔ مذہب بھی ہی | ہو گئے ہین آپ شاید پیروِ اوہام کیا
پھر کہنا تھا کہ فورًا فلسفے کے کھل گئے | مجھ سے فرمایا کہ ہی حقیقتِ اسلام کیا
جانتے ہین معتبر ہم تار برقی کی خبر | یہ حدیثین کیا ہین یہ قرآن کیا الہام کیا
حج جسے کہتے ہین وہ ہی وحشیانہ اک ڈھونگ | حلق سر کیا چیز ہی اور جامۂ احرام کیا
سُن چکا جس وقت سب پیچ سمجھ "جا | "نالکر پوچھا کہ حضرت آپ کا ہی نام کیا
نام ہادی تھا مگر مجھکو بتایا سارہی" | دیکھیے ہوتا ہی اس اسلام کا انجام کیا
منتظر ہین دیکھیے ہمدرد دنیا مین عزیز | دیکھیے دکھلائے ہمکو گردشِ ایام کیا
اس تغیر سے بھی ہم لیتے نہین کوئی سبق | رات دن یکسان ہین ہمکو صبح کیا اور شام کیا
عنصرِ قومی مسلمانون مین باقی ہی نہین | ہند کیا ایران کیا ترکی کیا روم و شام کیا

حاصلِ دنیا فقط تن پروری ہی اے عزیز
اس سے کیا مطلب یہان کرنا ہی ہمکو کام کیا

عزیز لکھنوی

(قومی ہمدردی)

تمھین بھی خبر ہی یہ کیا ہو رہا ہی | جو نازل یہ قہرِ خدا ہو رہا ہی
شب و روز جور و جفا ہو رہا ہی | نیا روزِ محشر بپا ہو رہا ہی
زنا۔ چوریان۔ جھوٹ۔ ترکِ فرائض | سرِ راہ پیکا جوا ہو رہا ہی
کوئی تیرِ مژگانِ خوبان کا زخمی | کہین دامِ گیسو بلا ہو رہا ہی
کوئی مائلِ غمزۂ دلستان ہی | کوئی محوِ ناز و ادا ہو رہا ہی
کہین تذکرہ جور و ظلمِ بتان کا | کہین ذکرِ مہر و وفا ہو رہا ہی
کہین ناچ گانے کا دن رات چرچا | کہین شغل سے برملا ہو رہا ہی
کہین ہو رہی ہی بٹیرون کی پالی | کہین مرغون کا معرکا ہو رہا ہی
کہین سولہی شطرنج و چوسر کا پھڑ ہی | کہین تاش اور گنجفا ہو رہا ہی
غزل دادرسے ہولیان ٹھمریون مین | عیان زورِ طبعِ رسا ہو رہا ہی
ذرا دل مین انصاف سے اپنے سوچو | کہ فرضِ خدا کیا ادا ہو رہا ہی
نہ کیون تم پہ نازل ہو قہرِ الٰہی | گنہگار چھوٹا بڑا ہو رہا ہی
نہ زہد و عبادت نہ طاعت ریاضت | برے فعل کا حوصلا ہو رہا ہی
جو مسجد ہی ویران تو سنسان ہی مندر | وجودِ معطل خدا ہو رہا ہی
ہی تدبیر و کوشش سے دن رات غفلت | مقدر کا شکوہ گلا ہو رہا ہی
جو ہین سست و کاہل یہ دعوے ہین | کہ قسمت کا پورا لکھا ہو رہا ہی
تباہی و افلاس و نکبت نہ چھائے | کہ مان باپ بیٹا جدا ہو رہا ہی
اگر کوئی پڑھ لکھ کے عالم ہوا بھی | تو وہ جاہلون سے سوا ہو رہا ہی
تجارت سے نفرت زراعت سے وحشت | فقط نوکری پر فدا ہو رہا ہی
یہ مانا کہ ڈگری ہی ایم اے کی حاصل | نہ ہو نوکری تو گدا ہو رہا ہی

حقیقت مین یہ خون رونے کی جا ہی — کہ پڑھ لکھ کے بیدست وپا ہو رہا ہی
یہ قوم نصارا بھی انسان ہین آخر — ذرا دیکھو یورپ مین کیا ہو رہا ہی
کوئی علم سائنس و منطق پہ شیدا — کوئی عاشق فلسفا ہو رہا ہی
کوئی جوگرفی ہی مین ہی جان کھپائے — کوئی ہسٹری پر فدا ہو رہا ہی
ریاضی و ہیئت طبیعی و حکمت — یہی درس ہر ایک جا ہو رہا ہی
کرشمہ اگر مسمریزم کا دیکھو — تو سمجھو کوئی معجزا ہو رہا ہی
پہنچتے تھے مرکب پہ برسون جہان جا — وہ اب دم مین طی راستا ہو رہا ہی
کلین ایسی نایاب عمدہ بنا لین — اک عالم کا جن سے بھلا ہو رہا ہی
یہ تھے اپنے ہی کوششون کے نتیجے — کتب مین جو پنہان تھا وا ہو رہا ہی
مگر تم نے تو علم اپنا گنوایا — تمھارے لیے سب نیا ہو رہا ہی
اٹھو خواب خرگوش سے اب تو جو تمکو — اسی مین تمھارا بھلا ہو رہا ہی
سبق سیکھو یورپ سے ہمقوم یارو — یہ گمراہ کا رہنما ہو رہا ہی
ہی قومی ترقی پہ ہر شخص مائل — وطن دوست چھوٹا بڑا ہو رہا ہی
ہر اک شخص ملکی روش پر ہی قائم — قدیمی چلن پر فدا ہو رہا ہی
بھلا تم تو سوچو یہ نکٹائی۔ کالر — جو زیب گلو طوق سا ہو رہا ہی
لیے بیت منھ مین چرٹ ہیٹ سر پر — یہ بن ٹھن کے بہروپیا ہو رہا ہی
نہ ملکی حمیت نہ قومی اخوت — یہ حق شرافت ادا ہو رہا ہی

نہ ہو چشم انجم سے کیون خون جاری
یہ کیا غیر کا تذکرا ہو رہا ہی

آسودگی طبع

مانند تاج کے ہی میرا ضمیر مجھ کو — اور مطمئن تخیل فرحت کا ہی سامان
دیتا ہی قلب میرا لطف کثیر مجھ کو — جنت ہی میری، گویا سینہ مین میرے پنہان

مسرور اور قانع مین اپنے حال پر ہون — محدود خواہشین ہین سہل الحصول میری
تکلیف میں [illegible] پر ہون — یعنی ہر اک دعا ہی وقت قبول میری

آزاد سیم و زر کی افکار سے ہون بالکل — مال و متاع میرا ہی ایک [illegible]
ہرگز نہیں کسی کا منت کش توسل — خود دوسرے [illegible]

غصے سے مشتعل مین ہوتا نہیں ہون ہرگز — لیکن [illegible]
وقت عزیز اپنا کھوتا نہیں ہون ہرگز — فرط غضب مین اپنے کو ٹوکتا [illegible]

لیکن یہ جوش میرا ہو جاتا جب ہی زائل — ہو جاتا ہی طبیعت مین اک [illegible]
دشمن کو اپنی جانب کر لیتا ہون مین مائل — کرتا ہی دوستی یون میرا [illegible]

دل مین کوئی تمنا یا آرزو نہین ہی — جس کا نتیجہ آخر ہوتا [illegible]
ہان لطف ایزدی کی امید دلنشین ہی — طاری ہی جس سے ارشد [illegible]

ارشد تھانوی

(ترجمہ انگریزی)

طائر دل

مزا ملتا تھا کیا کیا ہائے وہ سوز محبت مین — اڑی رہتی تھی کیسی کیسی کچھ جنو[illegible]
سویا کی خبر ہی کچھ نہ تھی ایام فرقت مین — اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ مین [illegible]
پھرا آسیمہ سر گھبرا گیا تھا دل بیابان سے

سراسر زلف کی صورت، لبون آرہ پیوستہ — ہزارون پاؤن مین چھالے [illegible]
یون ہی مین پھر رہا تھا ہر طرف حیران خستہ جان — نظر آیا مجھے اک طائر مجرو[illegible]
پھڑکتا ہو سر شوریدہ دیوار گلستان سے

نہین یارا جنبش پر بھی یہ کچھ درد سوا ہی — سراپا نیم بسمل ہی تڑپتا ہی
جو دیکھا ہائے جی بے اختیارانہ بھر آیا ہی — کہا مین نے کہ او ناکام آخر ما[illegible]
پڑا ہی کام تجکو کس ستمگر آفت جان سے

روا رکھا ہی کس قاتل نے یون گھائل بنا جانا — گوارا کس جفا جو کو ہوا [illegible]
پھنسایا تجکو کس صیاد نے، آخر یہ بتلانا — ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے پھ[illegible]
تو یون گویا کہ جو خون ہی بلبل کے دامان سے

...نے فصل لخت جگر ہر ایک آنسو مین | چبھوئے آہ سینہ سوز سے سو تیر پہلو مین
...ی لغزش سے جب ہمکی طبیعت پاسکنے کو ہوتا | کہا مین صید ہون اُسکا کہ جسکے دام گیسو مین
پھنسا کرتے ہین طائر روز آ کر باغ رضوان سے

...ی کا تو غضب تھا دیکھنا بھر کر نظر مجکو | اُسی کی تو قیامت تھی وہ چشم فتنہ گر مجکو
...مدہ ہے اُسی کا رات دن او بے خبر مجکو | اُسیکے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحر مجکو
نہ مطلب کفر سے ہے اور نہ ہے کچھ کام ایمان سے

...ی جب داستان غم مرا دل مجکو یاد آیا | فغان کی آہ کی فریاد کی بیتاب چلایا
...پھر بجلی سی کچھ پھڑکی دھواں سا پھر اُٹھتا تھا | چشم غور جب دیکھا رہی طائر دل تھا
کہ جل کر ہو گیا یون خاک اپنی آہ سوزان سے

فضل ستار لاابالی

العصر

...دم ہو رہا ہے ہند مین کس دھوم سے | کیون نہ ہو اُردو زبان "العصر" پر قربان اور
...ی ہین قہر رسالے ملک مین چھپتے ہوئے | ہے جو اک امر "العصر" کی کچھ شان اور
...شاکر کی ہے معجز بیانی کا یہ فیض | قالب اردو مین اس نے ڈالدی ہے جان اور
...تکمیل اردو کا نہین سہرا بندھے | ہے ابھی پبلک کے دل مین مہر پر ارمان اور
نو بنو تازہ بتازہ پر بہار و دلفریب | باغ اُردو کا شگفتہ پھول یہ "العصر" ہے
گاہکون کا اسکے نمبر بڑھ رہا ہے دن بدن | سب رسالون سے سوا مقبول یہ "العصر" ہے

مہر دہرنپوری

موسم بہار کے شروع مین

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین چلتی تھین | بلبلین وجد مین اچھلتی تھین
مسکراتی تھین پھول کی کلیان | ہر روش باغ کی تھی رشک جنان
جھومتے تھے صنوبر و شمشاد | دل قمری تھا رنج سے آزاد
جھنڈ مین سب گھنے درختون کے | چڑھ گئے تھے ہر ایک پر بیلے
تھے پرون کو جو پھڑپھڑاتے پرند | ہو گئی تھی مری خوشی وہ چند
فرط بہجت سے وہ پھدکتے تھے | شادمانی سے وہ چہکتے تھے
فرش سبزہ پہ تھا مین لیٹا ہوا | انتہائے خوشی مین ڈوبا ہوا

جسم مین یعنی روح بھی میری
لیتی تھی اس سمان سے دلچسپی

اختر جوناگڑھی

...ج تصاویر — لارڈ چیمسفورڈ بہادر بالقابہ، جدید وائسرائے و گورنر جنرل ہند اور ان کی لیڈی صاحبہ کی تصاویر یقیناً دلچسپی سے دیکھی جائین گی خدا کرے ...عہد حکومت ہندوستان اور ہندوستانیون کے حق مین مفید اور بابرکت ثابت ہو۔ آمین!

بابو ابنندرا ناتھ ٹیگور (سی آئی ای) کا درجہ بحیثیت فن تصویر کے ماہر ہونے کے کیا ہے یہ امر ہمارے احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ یورپ کے نقادان فن بھی آپکی ...ی اور جدت طرازی کا لوہا مان چکے ہین۔ ہندوستانی فن تصویر کے احیا و ترقی کے لیئے آپ نے نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہین، اور یہ آپ ہی ...عی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ اب بیشتر ہندوستانی مصورون کی تیار کردہ تصاویر مین مشرقی تہذیب، وضعداری اور اصلیت ایک نئے رنگ مین ظاہر ...ی ہین۔ "رباعیات عمر خیام" کے متعلق بابو صاحب ممدوح کی تیار کردہ ۱۲ تصویرین اس قدر دلکش اور اصلیت سے معمور ہین کہ تعریف نہین ہو سکتی ہمارے ...آپ کے ہونہار شاگرد منشی حکیم محمد خان صاحب دکھنوی کی عنایت سے ہمین بھی آپ کی تیار کردہ دو ایک تصویرین دستیاب ہوئی ہین اور ہم کوشش ...ے کہ جلد ان کو "العصر" مین شائع کر سکین۔

"پشت پناہ" ایک مشہور انگریزی تصویر کی نقل ہے جو مسیحی مذہب کی تعلیمات سے تعلق رکھتی ہے "دکھ مین تسلی تکلیف مین پناہ" اس تصویر کا ...م ہے۔ اس تصویر مین یہ دکھایا گیا ہے کہ صلیب پر تکیہ کرنے اور نظر رکھنے والا شخص خواہ کتنا ہی دکھ اور تکلیف مین ہو، مگر اس کو تسلی اور سکون قلب ہوتا ہے۔

تازہ غزلیں

۱۔ حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی

ذاتِ والا قبلۂ حاجات ہے　　بندہ پرور آپ کی کیا بات ہے

رات اندھیری اور بھری برسات ہے　　ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

ہجر میں دل مورد آفات ہے　　ظلمت و وحشت ہے کالی رات ہے

کھکے قم مُردے جلانے سیکڑوں　　اے لبِ جانان تری کیا بات ہے

تیرگیِ بخت ہے چھائی ہوئی　　میرے گھر میں دن اندھیری رات ہے

قول کو اس کے غلط سمجھیں حضور　　مدعی اک مفتری بدذات ہے

تلخ کامی بوسۂ لب سے مٹی　　شکریں اب کا لقب لو دات ہے

مفلسی میں بھی مل جاتی ہے مَے　　حق تعالٰے قاضی الحاجات ہے

گدگدا کر اُن کا بوسہ لے لیا　　اور کہا وہ کشت تھی یہ مات ہے

سیر ہو کر خوب اے رندو پیو　　بادۂ گل رنگ کی بہتات ہے

آج وہ مجھ سے بہت جھک کر ملے　　چال ہے اس میں کوئی یا گھات ہے

گالیاں دیکر وہ بولے ناز سے　　عشق میں ہم یہ یہی سوغات ہے

قتلِ عاشق کھیل ہے اُن کے لیے　　خون ناحق دل لگی کی بات ہے

غیر کو دکھلا کے کوثر سے کہا

عاشقوں میں یہ غنیمت ذات ہے

۲۔ سید الشعرا حضرت صمیم بلند شہری

مٹا کر وہ مجھے پھر دن مرا ارمان کرتے ہیں
اب آنکھیں کھل گئیں اب سوگ کا سامان کرتے ہیں

وہ جھوٹا وصل کا وعدہ بھی کیا آسان کرتے ہیں
بڑے غمزے بڑی نخوت بڑا احسان کرتے ہیں

کسی کھوئے گئے کا تذکرہ یعقوب سے پوچھو
یہاں یوسف تمھارے عشق کا ارمان کرتے ہیں

کہاں ہے آبِ حیوان یہ تو ہے تلوار کا پانی
نثار اس آبرو پر مرنے والے [illegible]

تمھارے تیر ہیں اوچھے ہمارے زخم ہیں
کسی کے دل میں بھی گھر اس [illegible] کرتے ہیں

ہمارے دل سے ہولی کھیلتے ہیں حسن کے غمزے
خدا کے گھر میں بھی بُت رسم ہندستان کرتے ہیں

بڑے غمزے چڑھے تیور، اٹھی شوخی، کھلی رنگت
وہ اب میرے مٹانے کے نئے سامان کرتے ہیں

شرابِ خلد کی حسرت کسی کمبخت کو ہو گی
یہاں تو وہ ہی چلو پی کے نذر ایمان کرتے ہیں

کوئی بھی لے کے دل دیتا ہے طعنے بیوفائی کے
یہ چھینٹے زہر کے تو جان کا نقصان کرتے ہیں

محبت کا مزہ کیا چار دن کی زندگانی میں
غمِ جاوید کی لذت کا ہم ارمان کرتے ہیں

تمھیں بھی عشق ہو تو قدر ہو تمکو محبت کی
تمھیں بھی تو خبر ہو کس طرح ارمان کرتے ہیں

صدا دیتا ہے جادو حُسن کا یوں چاہِ بابل سے
فرشتوں کو مقید حضرتِ انسان کرتے ہیں

ضمانت غیر کی اور دل ہمارا واہ کیا کہنا
یہ دولت لے کے اچھا آپ اطمینان کرتے ہیں

یہ آنکھیں دل کی ہیں تن طور والے کی نہیں آنکھیں
حقیقت دیکھنے والے تری پہچان کرتے ہیں

صمیم خوش بیان کو پوچھیئے طالب دہلی میں
بڑی قدر سخن نواب عالی شان کرتے ہیں

۳۔ منشی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی

رو رہے ہیں ہمنفس اک اک کی صورت دیکھکر — یہ انھیں کیا ہوگیا میری مصیبت دیکھکر
دیدیا افسوس تاثیر دوا نے بھی جواب — صورتِ بیمار و اندازِ طبیعت دیکھکر
ہو دلِ مجبور ابھی سے مضطرب صبحِ ہجر — دیکھیے کیا رنگ لائے شامِ فرقت دیکھکر
آئے تھے کس شوق سے پامال کرنے وہ مگر — بیکسی پر رو پڑے ٹوٹی سی تربت دیکھکر
ہو گئے تصنیف درد انگیز افسانے کئی — اس دلِ مرحوم کا انجامِ الفت دیکھکر
ہائے اُس کا میرے شکوہ پر یہ کہنا ناز سے — کوئی دیوانہ ہی کیوں ہو اچھی صورت دیکھکر
او تغافل کیش مجھ پر شوق سے کر تو ستم — لیکن آئینِ وفا، رنگِ محبت دیکھکر
ہیں رواں غمخوارون کی آنکھوں سے بھی اک دریا لہو — میرے مٹنے پر، عزیزوں کی مسرت دیکھکر
ہو گیا قصہ کہانی دل کا یہ بھی واقعہ — بیکسی سے جان دیدی شامِ غربت دیکھکر
سچ ہے جو دل کا مرض ہنستے تھے وہ بھی رو دیے — ہجر کا درد اور بیتابی کی حالت دیکھکر
کچھ تجھے بھی چاہیے انصاف اے محوِ جفا — بیکسوں کا رنج اور اپنی مسرت دیکھکر
آہ اپنی زندگی کیونکر وبالِ جان نہ ہو — دوست کو آمادۂ ترکِ رفاقت دیکھکر
وہ شبِ وعدہ مرے گھر آکے یارب پھر گئے — سوچ کر کیا بات دل میں کیا قیامت دیکھکر

وائے قسمت ہو گئے صرفِ غمِ جاوید ہم — خواب میں دھندلی سی اک تصویرِ عشرت دیکھکر
درسِ عبرت لیجیے، چشمِ بصیرت کھولیے
محوی مایوس کی تصویرِ حسرت دیکھکر

۴۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری

ہاں میں نالۂ شبگیر بھی کچھ آہِ سحر سے — رکھتا نہیں دونوں میں کوئی ربط اثر سے
کیوں ایسا بنایا جو گرا اُن کی نظر سے — آئینہ کو شکوہ ہے عجب آئینہ گر سے
ہے جی میں کہ پوچھوں یہ ترے تیرِ نظر سے — کیوں لاگ ہے ظالم کو مرے قلب و جگر سے
مثلِ گلِ نازی ہے مرا نامۂ غم بھی — جاتا ہے ادھر سے تو پلٹتا ہے اُدھر سے
کچھ بات نہ تھی پھر بھی تو وہ ہو گئے برہم — کرتا نہ تھا میں عرضِ تمنا اسی ڈر سے
وہ آتشیِ قلب و جگر آہ کہاں اب — آتی ہے خبر کچھ نہ ادھر سے نہ اُدھر سے
جاری ہے یہی اپنی تگ و تازِ جنون میں — جاتا ہوں بیابان کو نکلتا ہوں جو گھر سے
تھا بیخودیِ عشق میں بھی وضع کا یہ پاس — بیٹھے تو اُٹھائے نہ اٹھے پھر ترے در سے
یہ حُسن یہ شوخی یہ جوانی کی ادائیں — اسد بچائے انھیں دشمن کی نظر سے
تم تھے کہ نہ تھے، میں نے یہ دیکھا تھا دمِ صبح — آتا تھا وہ بے پاؤں کوئی غیر کے گھر سے
غیروں کے لگانے پہ بھرے بیٹھے ہیں کیسے — پیاسے ہیں لہو کے، یہ ٹپکتا ہے نظر سے
کاشانۂ دل بھول بھلیاں کی طرح ہے — دیکھیں گے کہ آپ آکے نکلتے ہیں کدھر سے
ساماں ہے لازم پئے رنگینیِ گریہ — آنکھوں کو بھی حصہ ملے خونابِ جگر سے
کیا بو العجبی ہے پئے توفیرِ خرابی — ہوتا ہے بیاباں بھی سوائی مرے گھر سے
یہ لذتِ آزار ہے سب اُن کی بدولت — دیتا ہوں دعائیں دہنِ زخمِ جگر سے
اب لے کے تجھے ہمتِ پرواز کروں کیا — دشوار ہے جنبش بھی تو ٹوٹے ہوئے پر سے
جانے کہ نہ جانے کوئی، مانے کہ نہ مانے
شاعر تو ہیں **فاروق** ہم اللہ کے در سے

۵۔ منشی صفدر علی صاحب صفدر (مرزاپوری)

جدھر اُن شوخ آنکھوں سے نگاہِ فتنہ زا نکلے
قیامت تک نہ اُس رستے سے اے قاتل قضا نکلے
اکیلی جلوہ گاہِ ناز سے اُس کی بلا نکلے
دلِ وارفتہ کو لینے نگاہِ فتنہ زا نکلے
جسے تم کوستے ہو مہرباں میری قضا کہہ کر
جو دیکھو غور سے شاید تمھاری ہی ادا نکلے
شبِ وصل آپ شرماتے ہیں کیوں میری طرف دیکھیں
مری صورت جگہ پائے تو آنکھوں سے حیا نکلے
چھپائی چوٹ الفت کی بہت، پر کیا کریں اس کو
جگر کے چند ٹکڑے آنسوؤں میں مل کے آ نکلے
وہاں مجمع ہے غیروں کا نہ لے چل اس گھڑی او دل
خدا جانے کہوں کیا میں کسی کے منہ سے کیا نکلے

حیا بھی اُس کی مجھ سے کہتی ہے نازک مزاجی بھی
نہ آنکھوں سے نظر نکلے نہ ہونٹوں سے صدا نکلے

اُڑا کر چتونوں سے لے گئے دل اپنی مٹھی مین
بڑے چالاک اے قاتل ترے دُزدِ حنا نکلے

نہ آئے لے کے وہ کوثر نہ لائے ساتھ حوروں کو
اکیلے خلد سے آدم جو نکلے بھی تو کیا نکلے

چلے آتے ہو بُتخانے سے کیسے جھوٹے صفدر
بڑے تم متقی نکلے بڑے تم پارسا نکلے

۶- مولوی احسان اللہ خان صاحب رئیس بہادر گڈھ شاگرد حضرت صمیم

جذبۂ عین حقیقت ہے کھچا جاتا ہون | بیخودی مین طرفِ راہ خدا جاتا ہون
چشم مین خلق کی گو مثل حباب آتا ہون | عین دریا ئے حقیقت مین چلا جاتا ہون
کیف کم ہین جو مرے مثل حبابِ دریا | مجھ سے ہی اُٹھتے ہین او رمین ہی سما جاتا ہون
رنگ محفل بھی ہو نہین شمع بھی پروانہ بھی | میری ہی آگ ہے اور مین ہی جلا جاتا ہون
دوست ہے دوست کا رہزن یہ تماشا دیکھو | عشق ہون عشق کے کوچہ مین لُٹا جاتا ہون
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ہو جاتی ہے حیرت طاری | آپ گم ہوتا ہون جب آپ کو پا جاتا ہون
ہے سبک پھول سے بھی بارِ گنہ گو کہ مجھے | بارِ احسان سے رحمت کے دبا جاتا ہون
کھینچتا ہون تری تصویر تصور مین اگر | رنگ ہو کر تری صورت مین سما جاتا ہون
ڈھونڈھنے جاؤن کہان دیر و حرم مین تجھکو | نقش منزل پہ سرِ دست مٹا جاتا ہون

تنگ ہے شیخ و برہمن کی اطاعت احسان
میرا مسلک ہے جُدا سب سے جدا جاتا ہون

۷- ابوالمنیر شیخ ضمیر الدین صاحب اشک (بلندشہری)

نہ ملا دوست آشنا نہ ملا | رونقِ محفلِ ولا نہ ملا
اک گمان غلط مسلط تھا | دلِ محزون کا مدعا نہ ملا
آہ ملنا محال تھا عنقا | آشناؤن کو آشنا نہ ملا
[illegible] فرق اک ملا [illegible] دوسرا نہ ملا
رہ رستہ صاف تھا کدورت کا | دوستون کو دل صفا [illegible]
عشق صادق کا تھا فقط اک نام | نہ ملا [illegible]
سہل مشکل محال تھا آسان | [illegible]
شان و صورت کا دل ہا مشتاق | مرکزِ رنگ التفا نہ ملا
کم نہ تھا گو شمار اہل سلوک | سالک مسلک غنا نہ ملا
گور ہا خوار و خستہ اہل غرض | آہ قسمت کہ رہنما نہ ملا
سوزشِ دل ستا نہ آتا تو | شوخ ظالم ملا ملا نہ ملا
تھک رہا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نادان | راز قسمت مگر کھلا نہ ملا
روح فرسا الم ہزار مگر | مژدہ تا حال جانفزا نہ ملا
رنگ عالم رہا نشاط افروز | نہ ملا ہان مگر مزا نہ ملا
تھا ملاشش اثر کا اک سودا | ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھکا نہ ملا
لغو گو رات دن رہا مشغول | اور افسوس اک نکتہ نہ ملا
نہ کھلا حال عقل دانشمند | درِ حکمت کھلا ہوا نہ ملا
نہ ہوا راز کائنات افشا | رستہ تنگ تھا ذرا نہ ملا
لمعۂ حسن اک کرشمہ تھا | نہ ملا وہ تمہیں لقا نہ ملا
اشک اُٹھا مذاق شعر و سخن | قدر دان فن شعر کا نہ ملا

۸- منشی عبدالرحمن محمد محسن صاحب خوشتر (منگرولی)

جا حرم سے دل حزین نہ کہین | ہوگا وہ بت یہین کہین نہ کہین
چھیڑنا ذکر وصل خوب نہین | کہدے منھ سے وہ بت نہین نہ کہین
کس طرح حال دل سناؤن مین | اور بھی ہو وہ خشمگین نہ کہین
حشر مین کر کے شکوۂ قاتل | ٹھہرین مجرم وہان ہمین نہ کہین
لاکھ پردون مین وہ چھپین لیکن | پا ہی جائین گے ہم کہین نہ کہین
لیکے نامہ گیا تو ہے قاصد | جلکے رہ جائے وہ ذہین نہ کہین
اپنی کافر اداؤن سے او شوخ | لوٹ لینا متاع دین نہ کہین
ہے غنیمت یہ صحبت اے خوشتر | پاؤ گے ایسے ہمنشین نہ کہین

کچھ اپنی نسبت

اس سے قبل بھی معاونین "العصر" کو یہ خوشخبری دی جا چکی ہو کہ "العصر" کی باقاعدہ اشاعت کا مستقل انتظام مکمل ہو گیا اور اب آئندہ دو سال تک "العصر" باقاعدہ شائع ہوتا رہے گا۔ جدید انتظام کے مطابق "العصر" نولکشور پریس لکھنؤ مین طبع ہو کر وہین سے شائع ہوتا ہے اور انتظامی معاملات کے متعلق کل اختیارات مطبع مذکور کو حاصل ہین۔ ترسیل زر وغیرہ بھی مطبع ہی کے نام ہونا چاہیئے۔ اس انتظام سے "العصر" ماہوار باقاعدہ شائع ہوتا رہے گا۔ بالفعل یہ انتظام دو سال کے لیے کیا گیا ہو لیکن اگر اس مدت مین "العصر" کو کافی کامیابی ہوئی اور اسکے آمد و خرچ کی میزان مین کچھ فرق نہ رہا تو اس میعاد مین توسیع کی جائے گی۔ غرض مین اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر رہا ہون کہ "العصر" زندہ رہے۔

ابتک "العصر" کی اشاعت پر دو ہزار روپیہ سے زائد خسارہ ہو چکا ہو اور اب پھر ایک رقم خطیر صرف کرنے کا بندوبست کیا گیا ہو۔ میری تمنا د رخواست ہو کہ اس سال "العصر" کے آمد و خرچ مین فرق باقی نہ رہنا چاہیئے اور یہ صرف اسیطرح ہو سکتا ہو کہ معاونین کرام توسیع اشاعت کے ذریعہ سے العصر کی امداد اپنا فرض سمجھین۔ کچھ تعجب نہین کہ العصر کی گزشتہ دو سالہ رفتار سے ہمارے بعض معاونین بالکل بد دل ہو گئے ہون گے لیکن آئندہ انتظام کے لحاظ اور ہماری کوششون کے خیال سے اب "العصر" کی سرپرستی سے انکا دست بردار ہونا کسی طرح مناسب نہوگا، کیونکہ اسکا ہماری کوششون پر مضر اثر پڑے گا۔ لہذا جو حضرات العصر کی طرف سے بد دل ہو گئے ہون وہ کم از کم ایک سال اور اپنی خریداری کا سلسلہ جاری رکھین۔ ایک سال کی قیمت کوئی بڑی رقم نہین ہے اگر اس کے ذریعہ سے وہ ایک علمی خدمت کے سلسلہ کو از سر نو قائم رکھنے مین مدد دے سکین گے۔ خود سرپرستی قائم رکھنے کے بعد ہر قدر شناس العصر کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے علم دوست احباب کو بھی اس کی خریداری کی جانب مائل کرے۔ یہی ایک صورت ہے جس سے "العصر" اپنے پاؤن پر کھڑا ہو سکے گا۔

جنگ کی وجہ سے مصارف بہت بڑھ گئے ہین اور دن بدن بڑھتے جا رہے ہین۔ اگر خریدارون کی تعداد مین کافی اضافہ نہوگا تو ظاہر ہے کہ "العصر" سراسر خسارہ مین رہے گا۔ کوشش کیجیے کہ "العصر" مالی مشکلات سے محفوظ ہو جائے۔

دل بیمار کا سنبھلنا کیا دیکھ لو پیار کی نگاہون سے

اختتام سال تک اگر صرف پانچسو جدید خریدار مل جائین تو پھر "العصر" کے آمد و خرچ کی میزان مین مطلق فرق نہ رہے گا اور یہ اپنے پاؤن پر کھڑا ہو جائے گا۔ مارچ کے نمبر کے ساتھ دو دو مطبوعہ کارڈ بھیجے گئے تھے کہ درخواست خریداری لکھانے مین سہولت ہو۔ کیا آپ نے وہ کارڈ خانہ پری کرانے کے بعد واپس کئے؟ اگر ابتک آپ نہین بھیج سکے ہین تو اب جلد ہمین شکریہ کا موقع عنایت فرمائیے۔ آئندہ نمبر مین ان حضرات کا نام بنام شکریہ ادا کیا جائیگا جنھون نے توسیع اشاعت کے ذریعہ سے ہماری مدد فرمائی ہو۔ کیا وہ فہرست آپ کے نام سے خالی رہے گی؟

آپ کا خادم **پیارے لال شاکر (میرٹھی)**

مالک و ایڈیٹر رسالۂ العصر۔ لکھنؤ

"العصر" کی چوتھی جلد اس نمبر کے ساتھ ختم ہوتی ہو۔ آئندہ نمبر کے ساتھ اس جلد کی فہرست مضامین شائع ہوگی۔